وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (القرآن)

(اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد ہے۔)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (القرآن)

(اور مومنین میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا)

مجاہدِ کبیر

یعنی

سوانح عمری حضرت مولانا محمدؐ علی رحمتہ اللہ علیہ

امیر جماعت احمدیہ و صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام، لاہور، پاکستان

مؤلفہ

ممتاز احمد فاروقی۔ بی۔ ایس۔ سی۔ ای۔ ای

(ستارۂ خدمت)

محمد احمد۔ ایم۔ اے

(خلف حضرت مولانا محمد علی مرحوم)

www.aaiil.org

بار اوّل

قیمت ——— پانچ روپے

رجب ۱۳۸۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۲ء

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس — لاہور — (مغربی پاکستان)

"ایک بات میں اپنے نوجوان دوستوں سے کہنی چاہتا ہوں - وہ یہ کہ آپ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں - احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے، قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے - اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو - میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں — میں پھر اپنے نوجوان دوستوں کو کہونگا، اور بار بار کہونگا، کہ قوم کی روایات کو زندہ رکھو — ایک دن آئے گا - کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے - اے میرے نوجوان دوستو، میں تمھیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا - ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا - تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے -"

رجب ۱۳۸۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۲ء حضرت مولانا محمد علیؒ

بار اوّل

قیمت — پانچ روپے

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس — لاہور — (مغربی پاکستان)

فہرست مضامین

تمہید ۱۱

دور اوّل - پہلے پچیس سال -

از ابتداء تا مئی ۱۸۹۹ء

خاندانی حالات ۱۷

پیدائش و ابتدائی تعلیم ۱۸

لاہور میں تعلیم اور ملازمت ۲۰

مرزا غلام صاحب قادیانی سے تعارف اور بیعت ۲۱

سلسلۂ احمدیہ میں شمولیت کے بعد لاہور کا قیام ۲۶

حضرت مرزا صاحب کے ساتھ خط و کتابت اور وکالت کی پریکٹس کے ۲۷

انتظامات ۲۷

دور دوئم - قادیان کی زندگی کے پندرہ سال۔

از مئی ۱۸۹۹ء تا اپریل ۱۹۱۴ء

(۱) حضرت مسیح موعود کا زمانہ ۳۴

قادیان کو ہجرت اور ابتدائی قیام ۳۴

حضرت مسیح موعود کے گھر میں رہائش ۳۸

مولانا محمد علی صاحب کے متعلق حضرت صاحب کی ابتدائی تحریریں۔ ۴۱

رسالہ ریویو آف ریلجنز کا اجراء ۴۲

حضرت صاحب کی خواہشات دربارۂ تبلیغ اسلام ۴۷

مولانا محمد علی صاحب کی سب سے پہلی تصویر ۴۸

مولانا محمد علی صاحب کے بارے میں حضرت صاحب کے رؤیا اور الہامات اور تحریرات۔ ۴۹

انگریزی ترجمہ قرآن کی ضرورت۔ ۵۸

حضرت صاحب کے مقدمات کی پیروی و دیگر حالات۔ ۵۹

صدر انجمن احمدیہ کا قیام ۶۱

دیگر واقعات۔ ۶۳

مدرسہ تعلیم الاسلام ۶۴

فنانشل کمشنر کی قادیان میں آمد ۶۵

خانگی حالات ۶۵

حضرت مسیح موعود کی وفات ۶۷

(۲) حضرت مولانا نورالدین صاحب کا زمانہ

مولانا نورالدین صاحب کا زمانہ ۷۰

مولانا نورالدین صاحب کے ابتدائی حالات ۷۱

انگریزی ترجمہ قرآن کی ابتدا۔ ۷۲

انگریزی ترجمہ میں مولانا نورالدین صاحب کی دلچسپی ٧٦
کلکتہ کی مذہبی کانفرنس ٨٢
مباحثۂ رام پور ٨٣
مباحثۂ منصوری ٨٣
الہ آباد کا جلسۂ مذاہب ٨٤
خانگی حالات اور مری کے سفر ٨٤
مدرسہ تعلیم الاسلام اور بورڈنگ کی تعمیر ٨٦
مولانا نورالدین صاحب کی مصروفیات اور صحت۔ ٨٧
کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی اشاعت ٨٨
انگلستان میں اشاعتِ اسلام کی ابتداء ٨٨

(٣) اختلاف سلسلۂ احمدیہ کی حقیقت اور مولانا محمد علی صاحب کی قادیان سے ہجرت ٥٠

الوصیت اور صدر انجمن احمدیہ کا قیام اور اس کے نتائج۔ ٩٠
حضرت صاحب کی وفات اور مولانا نورالدین صاحب کی بیعت ٩١
فتنہ کی ابتداء اور مولانا نورالدین صاحب کو بدظن کرنے کی کوششیں۔ ٩١
مولانا محمد علی صاحب اور احبابِ لاہور کو جماعت سے نکلوانے کی کوششیں۔ ٩٣
مولانا نورالدین صاحب کو بدظن کرنے کی مزید کوششیں۔ ٩٦
مولانا نورالدین صاحب کے دلی خیالات ٩٧
افتراق اور بدگمانیوں پر مولانا محمد علی صاحب کا ایک اعلان ٩٥
دوسرا حربہ ١٠
تکفیرِ مسلمین کا فتنہ اور انصار اللہ پارٹی کا قیام۔ ١٠٢
مسئلہ تکفیر اور خلافت پر دو ٹریکٹ۔ ١٠٣
مولانا نورالدین صاحب کی وفات اور اس کے بعد کے واقعات۔ ١٠٤
قادیان میں مزید قیام اور وہاں سے ہجرت۔ ١٠٥
اسلامی دنیا اور ١٩١٤ء کا واقعہ ١١٠
مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کے دوسرے دور کا اختتام ١١١

دور سوئم۔ لاہور کی زندگی۔

از اپریل ١٩١٤ء تا اکتوبر ١٩٥١ء

(١) احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی ابتداء

احمدیہ بلڈنگس کی مختصر تاریخ۔ ١١٣
اخبار پیغامِ صلح کا اجراء ١١٥
احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا قیام۔ ١١٦
مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے رفقاء کا صدر انجمن احمدیہ قادیان سے اخراج ١٢٢
قادیانی عقیدۂ نبوت کب بنایا گیا ١٢٦

(۲) ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک۔ انگریزی ترجمہ قرآن کی تکمیل اور اشاعت

لاہور میں ابتدائی قیام ۱۳۴
دو ابتدائی کام ۱۳۴
درس قرآن ۱۳۵
انگریزی ترجمہ کی تکمیل و اشاعت ۱۳۷
انگریزی ترجمہ اور جماعت قادیان ۱۴۰
دیگر تصانیف ۱۴ء سے ۱۷ء تک ۱۴۲
انجمن کی زندگی کے پہلے ساڑھے تین سال ۱۴۶
انگریزی ترجمہ قرآن پر آراء ۱۴۸

(۳) ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک۔ بیان القرآن کی تکمیل و اشاعت

اردو ترجمہ اور تفسیر کی تکمیل اور اشاعت ۱۵۱
دیگر تصانیف ۱۸ء تا ۲۳ء ۱۵۵
درس قرآن ۱۵۷
بیرونی جماعتوں کے دورے اور دوسرے سفر ۱۵۸
شملہ کا قیام ۱۸ء تا ۲۱ء ۱۵۹
دیگر حالات ۱۸ء تا ۱۹۲۳ء ۱۶۰
ڈلہوزی کا قیام ۲۲ء ۱۹۲۳ء ۱۶۱
جرمن مشن ۱۶۲
حق تصنیف کی ابتداء ۱۶۲
جماعت قادیان کے ساتھ تعلقات ۱۶۶

(۴) ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک۔ فضل الباری اور ریلیجن آف اسلام کی تصنیف۔

۲۴ء سے ۳۷ء تک کے چودہ سال ۱۶۷
تصنیفات ۲۴ء سے ۳۷ء تک ۱۶۸
درس قرآن ۱۷۶
ڈلہوزی کا قیام ۱۷۶
مسلم ہائی سکول کی عمارت کی تعمیر اور بدوملہی سکول ۱۷۸
شیخ رحمت اللہ صاحب کا انتقال ۱۷۸
سید محمد احسن صاحب امروہی کی وفات ۱۷۹
ہندوستان میں تبلیغ ۱۸۰
جماعتوں کے تنظیمی دورے اور دیگر سفر ۲۴ء سے ۳۷ء تک ۱۸۱
لارڈ ہیڈلے کی آمد دسمبر ۲۷ء ۱۸۲
برلن مسجد کی تعمیر اور جرمن ترجمہ قرآن ۱۸۳
بیرن عمر کی آمد ہندوستان ۱۸۳
جاوا مشن ۱۸۶
اراضی اوکاڑا کی خرید ۱۸۷
مولانا عزیز بخش صاحب ۱۸۷
ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ کا قیام ۱۸۷
خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات ۱۸۹
مسٹر گابا کا قبول اسلام ۱۹۰
فیجی مشن ۱۹۱
مخالفت کی ہوا ۱۹۱

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی وفات ۱۹۲
وصایا کی تحریک ۱۹۴
متفرق حالات ۱۹۴
حق تصنیف ۲۴ء سے ۳۰ء تک۔ ۱۹۴
بعض اندرونی جھگڑے ۱۹۸
جماعت قادیان سے تعلقات۔
۲۴ء سے ۳۰ء تک ۲۰۳

(۵) ایک خطرناک بیماری سے شفایابی اور انجمن کی سلور جوبلی ۱۹۳۸ء

جوبلی کی ابتدائی تحریک ۲۰۹
خرابی صحت اور بیماری ۲۱۱
تحریک سلور جوبلی ۲۱۴
سالانہ جلسہ اور انجمن کی پچیس سالہ
کارگذاری ۲۲۰
مسلم ٹاؤن میں رہائش اور ۳۸ء
کے دیگر واقعات ۲۲۵
سید غلام مصطفیٰ شاہ و بابو
منظور الٰہی صاحب کی وفات ۲۲۷
ایک فدائے اسلام کی دلی تڑپ ۲۲۹
نوجوانوں سے خطاب ۲۳۱

(۶) ۱۹۳۹ء تا جون ۱۹۴۷ء نیو ورلڈ آرڈر۔ مینوئل آف حدیث اور لونگ تھاٹس کی تصنیف اور اشاعت

قرآن کے لئے تین تحریکات۔ ۲۳۲
۳۹ء سے ۴۷ء تک کے آٹھ سال ۲۳۲
تصانیف ۳۹ء سے ۴۷ء تک ۲۳۲
ہالینڈ مشن کی ابتداء ۲۳۵
جرمن ترجمہ قرآن و برلن مشن ۲۳۶
برلن مسجد ۲۳۶
ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی وفات ۲۳۶
۳۹ء کے دیگر حالات ۲۳۸
۴۰ء کے حالات ۲۳۸
۴۱ء کے حالات ۲۴۲
صدقہ قرضہ کی تحریک۔ دسمبر ۴۱ء ۲۴۴
حیدرآباد دکن کا پہلا سفر ۴۲ء ۲۴۶
مسٹر عثمان وو کی آمد ۲۴۸
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی وفات ۲۴۸
خدمت قرآن کے تین راستے ۲۵۴
اشاعت قرآن ٹرسٹ کی تجویز ۲۵۴
پہلی تحریک۔ تراجم قرآن فنڈ ۲۵۶
دوسری تحریک اشاعت قرآن یعنی
تبلیغی مراکز کا قیام ۲۶۱
سفر بمبئی ۲۶۱
تیسری تحریک۔ ادارۂ تعلیم القرآن۔ ۲۶۱
خدمت قرآن پر زور ۲۶۳
حیدرآباد دکن کا دوسرا سفر ۲۶۵
۴۶ء تا جون ۴۷ء ۲۶۶
امریکہ مشن کا قیام ۲۶۷
قرآن کا جاوی ترجمہ ۲۶۷

ڈلہوزی کا آخری سفر ۲۶۷
رمضان میں مجاہدات کی تلقین ۲۶۷
جماعتِ قادیان کے ساتھ تعلقات ۳۹ء تا ۱۹۴۷ء ۲۷۱
حق تصنیف کا معاملہ ۲۸۵
(۷) جون ۱۹۴۷ء تا وفات۔ انگریزی ترجمہ قرآن پر نظر ثانی اور تحریکِ تقسیم لٹریچر ۲۸۸
انگریزی ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کی ابتداء ۲۸۹
تقسیم ہند اور ڈلہوزی سے لاہور کا سفر ۲۸۹
مہاجرین ریلیف فنڈ ۲۹۱
جلسۂ سالانہ ۴۷ء ۲۹۱
ووکنگ مشن کا الحاق ۲۹۲
قیام کوئٹہ ۲۹۲
مجاہدۂ رمضان کی تلقین ۲۹۳
ایک نصیحت آموز خط ۲۹۴
ایک اور خطرناک علالت ۲۹۵
جماعت کو نصائح ۲۹۶
پریس کانفرنس ۲۹۷
جلسۂ سالانہ ۴۸ء اور تقسیم لٹریچر کی تحریک۔ ۲۹۸
اشاعت لٹریچر پر زور ۲۹۹
ادارۂ تعلیم القرآن ۳۰۲
اشاعتِ قرآن کے لئے تڑپ۔ ۳۰۳
آل پاکستان اقتصادی کانفرنس۔ ۳۰۳
قیام کراچی ۴۹ء ۳۰۳
احبابِ جماعت کے نام چند خطوط۔ ۳۰۴
انگریزی ترجمہ قرآن کی نظر ثانی کی تکمیل۔ ۳۰۵
اسلامی ممالک کے سفیروں سے ملاقاتیں۔ ۳۰۷
سیٹوں کی مفت تقسیم کی تحریک کا آغاز ۳۰۸
پانچ ہزار لائبریریوں میں سیٹوں کی مفت تقسیم کی تجویز ۳۱۰
ایک اعتراض اور اس کا جواب ۳۱۱
جماعتِ قادیان سے آخری خطاب ۳۱۴
میاں غلام رسول صاحب کا انتقال ۳۱۵
جلسۂ سالانہ ۴۹ء ۳۱۵
۵۰ء کے حالات ۳۱۶
۵۰ء کے خطبات ۳۱۶
کراچی کا قیام ۵۰ء اور بیماری ۳۲۰
بیماری کے بعد جماعت سے خطاب۔
تین خطوط۔ ۳۲۵

شکرانہ فنڈ ۳۲۹

لاہور کو واپسی ۳۲۹

جلسۂ سالانہ ۵۰ئہ ۳۲۹

احباب جماعت کے نام آخری خطوط۔ ۳۳۲

مؤتمر عالم اسلامی کے مندوبین سے ملاقاتیں اور غیر ممالک میں آپ کی شہرت ۳۳۷

اوائل ۵۱ئہ کی دیگر مصروفیات اور بیماری کا ایک اور حملہ ۳۴۰

کراچی کا آخری سفر ۵۱ئہ ۳۴۱

حج کا ارادہ اور بلادِ عربیہ و مشرقِ وسطیٰ کے دورے کا پروگرام ۳۴۱

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تصنیف میں شمولیت کی دعوت۔ ۳۴۲

ہولی قرآن ٹرسٹ۔ ۳۴۲

مولانا محمد علی صاحب کی وفات ۳۴۸

جماعت کے لئے وصیت ۳۵۰

مولانا محمد علی صاحب کی وفات پر اخبارات کے تبصرے اور لوگوں کے خطوط ۳۵۰

خانگی حالات، سیرت، اخلاق و عادات ۳۵۶

۱۔ خانگی حالات ۳۵۶

۲۔ گھریلو زندگی ۳۵۷

۳۔ اخلاق و عادات ۳۵۹

۴۔ بحیثیت باپ ۳۶۲

۵۔ بحیثیت بزرگ خاندان ۳۶۳

۶۔ صلہ رحمی ۳۶۳

۷۔ بحیثیت بزرگ جماعت ۳۶۴

۸۔ وقت کی پابندی ۳۶۵

۹۔ قوتِ کار ۳۶۶

۱۰۔ انتظامی قابلیت ۳۶۸

۱۱۔ طرزِ تحریر و تقریر ۳۶۸

۱۲۔ عبادت ۳۶۹

۱۳۔ الہامات ۳۷۰

۱۴۔ عشقِ قرآن ۳۷۱

روایات ۳۷۲

حضرت مولانا محمد علیؒ کی ایک ڈائری سے بعض اقتباسات ۳۸۱

مولانا محمد علیؒ کے متعلق چند تاثرات
(از قلم مولانا محمد یعقوب خاں صاحب) ۳۸۴

یادِ محبوب
(از قلم میاں نصیر احمد صاحب فاروقی) ۳۹۶

فہرست تصانیف حضرت مولانا محمد علیؒ ۴۱۴

اشعار در مدح حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور

(از مولوی مرتضیٰ خاں حسن مرحوم)

دولتِ دنیا چہ ارزد پیشت اے مردِ خدا
چوں متاعِ جان و دل ہم نذرِ جاناں کردۂ

رشحِ کلکِ تو بہ بخشد چشمۂ آبِ حیات
فیض را نازم کہ ارزاں آبِ حیواں کردۂ

قربِ تو جوئیند شاہانِ زماں با صد نیاز
زانکہ حاصل قربتے با شاہِ شاہاں کردۂ

ہاں بعہدت شد علیٰ وجہ الاتم کسرِ صلیب
داغِ ناکامی نصیبِ قسیساں کردۂ

کامیاب و کامراں گشتی علے رغمِ عدو
دشمنانت را اسیرِ یاس و حرماں کردۂ

احمدیت را وجودت مایۂ صد افتخار
قومِ احمد را بعالم فخرِ دوراں کردۂ

تیرہ بختاں کجرواں قدرِ ترا نشناختند
جان و دل را در غمِ شاں گرچہ بریاں کردۂ

بر در و بامت بہ بینم نورِ حق تابد ہمے
زانکہ تاباں عالمے از نورِ قرآں کردۂ

در شبِ تاریک و تیرہ مشعلے افروختی
مجلسِ اسلامیاں را پرچراغاں کردۂ

از رموزِ معنوی کردی شناسا عالمے
آشکارا در جہاں اسرارِ پنہاں کردۂ

گلشنِ اسلام را دادی بہارِ تازۂ
خانۂ الحاد و کفر و شرک ویراں کردۂ

ہاں رہینِ منّتِ تو ہند و چین۔ زنگ و فرنگ
اسود و احمر ز لطفت زیرِ احساں کردۂ

سیر گاہت گلشنِ علم و عمل صبح و مسا
از حقائق وز معارف گل بداماں کردۂ

شعلۂ از آتشِ خود در دلم انداختی
ذرّۂ ناچیز را مہرِ درخشاں کردۂ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

اس امر کی ضرورت ایک زمانے سے محسوس کی جا رہی تھی کہ اصحابِ کبار حضرت مسیح موعود، جو کہ جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتے تھے، ان کے حالاتِ زندگی کو قلم بند کیا جائے۔ کئی ایک احباب نے اس کا ارادہ کیا مگر یہ کام ناتمام رہا۔ وقت گذرتا گیا اور یہ اصحابِ مسیح موعود ایک ایک کر کے اپنے مولیٰ کو جا ملے۔ یہاں تک کہ اس جماعت کے امیر اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے صدر حضرت مولانا محمد علی صاحب بھی اپنے رب کو پیارے ہو گئے۔ اور ایک نہ پُر ہونے والا خلاء اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ اس کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اس **مجاہدِ کبیر** کے حالاتِ زندگی کو آئندہ نسلوں کے لئے قلمبند کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ خیال تھا کہ جماعت کا کوئی عالم اہلِ قلم اس کام کا بیڑا اُٹھائیگا۔ مگر جب کوئی ایسی تحریک سامنے نہ آئی تو مجبوراً میں نے خود ارادہ کیا کہ اللہ تعالےٰ کی توفیق کے ساتھ اس کام کو خود ہی جوں توں کر کے پُورا کیا جائے۔ چنانچہ میں نے اخبار پیغامِ صلح میں متعدد بار اس عزم کا اعلان کیا۔ اور احبابِ جماعت سے درخواست کی کہ جن جن کو حضرت مولانا مرحوم کے متعلق کوئی خاص واقعات یا حالات کا علم ہو وہ مجھے تحریر فرمائیں۔ مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ سوائے چند ایک دوستوں کے، جن میں مولانا مرحوم کے اقرباء بھی شامل ہیں، بہت کم احباب نے اس طرف توجہ کی۔ میں خدا کے حضور دعا بھی کرتا رہا کہ یہ کام بہت محنت اور وقت چاہتا ہے۔ اس لئے مجھے کوئی مددگار عطا فرما جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے میری اس دعا کو سُنا۔ کیونکہ جب میں نے میاں محمد احمد صاحب (خلف الرشید حضرت مولانا مرحوم) سے درخواست کی کہ وہ اس کام میں، خصوصاً کتابوں، رسالوں اور اخباروں سے مواد اکٹھا کرنے میں میری مدد کریں تو انہوں نے بخوشی اسے اپنے ذمّہ لیا۔ اور اس طرح اس کتاب کی تالیف میں برابر کے شریک ہو گئے۔ جزاہ اللہ تعالےٰ۔ ان کے علاوہ بیگم صاحبہ

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور میرے بھائی میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے ان حالات زندگی کے جمع کرنے میں مدد دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

حالات زندگی جو کچھ بھی جمع کئے جا سکے وہ پیش ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بقول شاعر

ہاں دکھا دے اے تصوّر پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تو

ایک متحرک فلم ہے جو کہ پچھلے زمانے اور گذشتہ واقعات کو ہمارے سامنے پردے پر پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ اور وہ بزرگ ہستیاں پھر سے زندگی کے سٹیج پر حرکت کرتی نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں بھیجے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر فلاحِ دارین حاصل کر سکیں۔ آمین۔

مولانا محمد علی صاحب کے متعلق خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مجدد صدی چہاردھم اپنی قلم مبارک سے لکھ گئے۔

"اگرچہ یہ درست ہے کہ ان کی فطرت میں پہلے ہی سے ایک مادہ رشد اور سعادت کا مخفی تھا مگر وہ کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوا جب تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۸)۔ اور جب بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے تو حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا۔

"مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کریگی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کریگا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقویٰ اور محبتِ دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین" (تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۶۸)

پھر حضرت مسیح موعود اپنے ایک کشف کا ذکر کرتے ہیں۔ جہاں مسند ابوداؤد کی ایک حدیث کی بناء پر اپنی جماعت کے آئندہ ہونے والے دو گروہوں میں سے فئة قلیلة یعنی پانچہزاری گروہ کے سالار کو **منصور** کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (تذکرہ صفحہ ۱۸۱ - ۱۸۲) اسی منصور کے قلمی جہاد سے جو کچھ اسلام کا بول بالا ہوا اس کو ایک دنیا جانتی ہے۔ ابھی کام باقی تھا کہ مشیت ایزدی نے ان کو اپنے پاس بلالیا۔

بہت شوق سے سن رہا تھا زمانہ   تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

حضرت مسیح موعود نے الہاماً عالمِ برزخ میں مولانا محمد علی صاحب سے اپنے ایک خطاب کو درج کیا ہے۔

"آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"
(تذکرہ صفحہ ۸۴۷)

کیوں نہ ہو۔ حضور کا پیارا صحابی۔ مجاہد کبیر۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے عہد (دین کو دنیا پر مقدم کرونگا) کو سچ کر کے دکھانے والا۔ زبان نبوی (صلعم) سے منصور کا خطاب پانے والا اپنے نفسِ مطمئنہ کے ساتھ اگر حضور کی معیت میں فردوس میں نہ بیٹھے تو اور کہاں بیٹھے ؟ اور اس پر جنابِ الٰہی نے بھی اپنے فرمان کی مہر پہلے ہی ثبت کردی تھی۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا۔

ان کی یادگار وہ بیش قیمت لٹریچر ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور جس کو لے کر ہم ہمیشہ کے لئے خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کر سکتے ہیں۔

تمہیں مردہ کہوں کیونکہ کہ تم زندوں میں زندہ ہو
تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی

خاکسار ممتاز احمد فاروقی
۲۹۔ گلبرگ کالونی
لاہور
۱۳ / اکتوبر ۱۹۶۲ء

نوٹ:- یہ سوانح اُن تحریرات اور واقعات سے اخذ کی گئی ہے جو کہ قبل ازیں قریباً پون صدی میں اپنے اپنے اوقات اور مواقع پر شائع ہو چکے ہیں۔ اور چونکہ اِن کی ایک تاریخی حیثیت ہے اس لئے کوئی مؤلّف ان واقعات اور تحریرات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے بغیر یہ سوانح مکمّل نہ ہوتی۔ آج اگر ان حالات کا دوبارہ سامنے لانا کسی کیلئے ناگوار طبع ہو تو وہ مؤلفان کو اس کے لئے معذور سمجھے۔

دورِ اوّل

پہلے پچیس سال

(از ابتدا تا مئی ۱۸۹۹ء)

خاندانی حالات

جنجوعہ راجپوت قوم کا ایک فرد ہری چند سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں ضلع جہلم سے تارک وطن ہو کر دوآبہ بست جالندھر کے آباد اور زرخیز قطعہ میں پہنچا۔ اور موضع کھرلہ کنگرہ میں، جو جالندھر شہر سے صرف دو میل کے فاصلے پر ہے، آباد ہو گیا۔ چونکہ اس علاقہ میں بیشتر آبادی مسلمانوں کی تھی۔ اس لئے ہری چند بھی مسلمان ہو گیا۔ کھرلہ کنگرہ اور دیگر قرب و جوار کے مواضعات میں اراعیں قوم آباد تھی۔ ہری چند کی اولاد بھی اراعیں شمار ہونے لگی۔ ہری چند جنجوعہ اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا جس کا شجرۂ نسب ضلع جالندھر کے ۱۸۶۰ء کے بندوبست میں اس طرح دیا ہوا ہے۔

نام قوم ——— اراعیں جنجوعہ
نام پتی ——— فقیریا

شجرۂ نسب

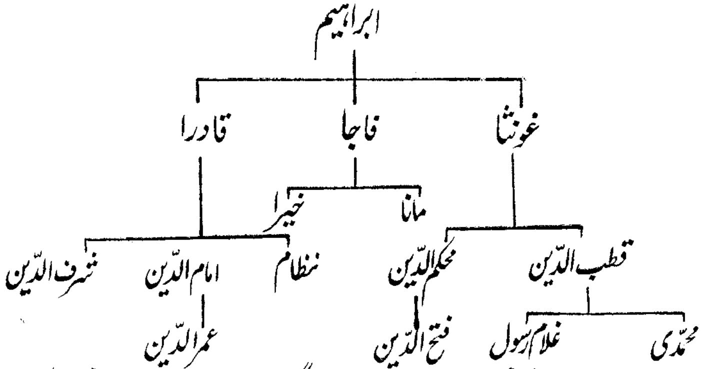

دوآبہ بست جالندھر اور خاص کر ضلع جالندھر بہت زیادہ گنجان آباد تھا۔ اس لئے کاشتکار کم رقبہ میں اپنی گذر اوقات بہت دقّت سے کرتے تھے۔ محنتی اور جفاکش ہونے کے باعث جب بھی اپنے گھر سے باہر کسی جگہ آمدنی کے زیادہ مواقع نظر آتے تو وطن کی کشش ان کے لئے چنداں رکاوٹ کا باعث نہ ہوتی تھی۔ اور اسی وجہ سے انیسویں صدی میں بے شمار لوگ غیر ممالک میں جا کر آباد ہو گئے۔ اسی کشمکش میں، اور اچھی زراعت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس خاندان کے ایک فرد میاں محکم الدّین بمعہ اپنے بھائی میاں قطب الدّین

موضع کھوتہ گنگڑہ سے ہجرت کر کے موضع مرآر ریاست کپورتھلہ میں چلے گئے۔ اس وقت کپورتھلہ کے دیوان اعلیٰ مسلمان تھے اور ریاست میں مسلمانوں کو آباد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے وسیع رقبہ اراضی مسلمانوں کو دیا۔ اور محنتی اور جفاکش کاشتکاروں کو ملحقہ ضلع جالندھر سے بلوایا کہ وہ غیر مزروعہ رقبہ کو آباد کریں۔ ۱۸۶۰ء کے لگ بھگ میاں محکم الدّین موضع مرآر میں نقل مکانی کر گئے۔ اور مہاراجہ نہال سنگھ کی طرف سے سالم موضع ان کو عطیہ کے طور پر ملا۔ انہوں نے اس وسیع رقبہ کو آباد کرنے کے لئے اپنے رشتہ داروں اور ملحقہ دیہات کے چند دیگر لوگوں کو وہاں آباد کیا۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جو رقبہ ان کو ملا اس میں دیگر لوگوں کو بھی برابر کا حصّہ دار بنایا۔ اس وقت ان کے لڑکے حافظ فتح الدّین کی عمر تیس پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ حافظ صاحب اپنے حُسنِ اخلاق۔ ایمانداری اور دیانت داری کے باعث گردو نواح میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ ریاست کی حکومت نے ان کو نمبرداری اور ذیلداری عطا کی تھی — اپنی انصاف پسندی کی بدولت وہ ریاست کے علاقہ میں بڑے بڑے جھگڑوں میں ثالثی فرماتے تھے اور پرانے دیرینہ مقدمات میں بھی حکومت ان کو ثالث مقرّر کرتی تھی۔ اور چونکہ ان کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا اس لئے قابلِ قبول ہوتا تھا۔ وہ اپنے باپ کے اکیلے فرزند تھے۔ اور اپنی نیک کردار اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے بہت نیک نام تھے۔ وہ قرآن پاک کے حافظ ہونے کے علاوہ فارسی کے بھی بڑے عالم تھے۔ اور قرآنِ کریم کے ساتھ بہت محبّت رکھتے تھے، اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے قرآن کریم کا ورد کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے مکان کے ساتھ مسجد بنوائی، خود امامت کراتے اور رمضان المبارک میں تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اور اسی مسجد میں گاؤں کے بچّے قرآن مجید کی تعلیم بھی حاصل کیا کرتے تھے۔

حافظ فتح الدّین صاحب کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

پیدائش و ابتدائی تعلیم

حافظ فتح الدّین

خیر الدّین | امیر الدّین | عزیز بخش | نبی بخش | محمّد علی | امام بیگم | احمد علی

مولانا محمد علی پیدائش کے لحاظ سے پانچویں بیٹے تھے۔ اور آپ کی پیدائش ۱۸۷۴ء کے ماہ دسمبر میں ہوئی۔ موضع مرار میں کوئی سکول نہ تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے حافظ صاحب نے مولوی عزیز بخش صاحب کو چھ سات برس کی عمر میں ایک قریبی موضع و بالپور کے اینگلو ورنیکلر سکول میں داخل کروادیا — مولوی محمد علی صاحب جو اس وقت ساڑھے تین برس کے تھے خود اپنے شوق سے بڑے بھائی کے ساتھ سکول جانے لگ پڑے تھے۔ سکول کے ماسٹر رحمت اللہ صاحب تھے۔ جو اتنے چھوٹے بچّے کے شوق کو

دیکھ کر بہت حیران ہوتے تھے کہ کس طرح اپنے بھائی کے ساتھ دو میل کی مسافت پیدل طے کر کے آتا ہے۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماسٹر صاحب ان کو اسسٹنٹ صاحب کہا کرتے تھے۔ اور اسی پیار کے ساتھ ان کو سبق بھی دیتے تھے۔ جب سالانہ امتحان کا وقت آیا تو مولوی محمد علی صاحب نے بڑے بھائی کے ساتھ امتحان بھی پاس کر لیا۔ اور اس کے بعد یہ دونوں بھائی پانچ جماعتیں اکٹھے اسی سکول میں پڑھتے رہے۔

۱۸۸۳ء میں حافظ فتح الدین صاحب نے دونوں بھائیوں کو رندھیر ہائی سکول کپورتھلہ میں داخل کرا دیا۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب کی عمر قریباً نو برس کی تھی۔ حافظ صاحب نے دونوں بھائیوں کے رہنے کا انتظام کپورتھلہ میں نتھو مل پٹواری کے مکان کے ایک کمرے میں کر دیا۔ کھانے کا بندوبست خود کرنا پڑتا تھا۔ اس کے لئے شروع میں ایک شخص بدر الدین (جس کے چھوٹے بھائی بابا نور الدین بعد میں آ کر ایک لمبا عرصہ مولوی محمد علی صاحب کے خدمتگار رہے) کو حافظ صاحب نے مقرر کر دیا تھا۔ وہ دونوں بھائیوں کا کھانا پکاتا تھا۔ بعد میں مولوی عزیز بخش صاحب اکثر خود ہی کھانا پکا لیتے۔ مولوی عزیز بخش صاحب کو اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت تھی۔ اور وہ ہر طرح ان کے آرام کا خیال رکھتے تھے۔

حافظ فتح الدین صاحب کا دستور تھا کہ مرار سے ہر ہفتہ کی شام کو گھوڑے پر کپورتھلہ جاتے جو قریباً دس کوس کے فاصلے پر تھا اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر گھر لے آتے۔ اور اسی طرح اتوار کی شام کو کپورتھلہ چھوڑ آتے۔ تمام راستہ آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہتے اور بچوں پر دم کرتے اور ان کی دینی اور دنیاوی ترقیوں کے لئے دعائیں مانگتے۔ ان کی نیکی اور دینداری اور قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت اور دعاؤں کا اثر تھا کہ خدا تعالیٰ نے نہ صرف ان کی سب اولاد کو نیک اور خادمِ دین بنایا بلکہ ایک بچے محمد علی کو اپنے دین کی خدمت کے لئے خاص طور پر چن لیا۔

کپورتھلہ کے سکول میں جب یہ دونوں بھائی پڑھتے تھے تو اپنی نیکی اور لیاقت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے اور خاموشی سے اپنی پڑھائی میں لگے رہتے۔ سکول کی کھیلوں میں سے مولوی محمد علی صاحب کو کرکٹ کا شوق تھا اور اس میں کچھ حصہ لیا کرتے مگر زیادہ لہو و لعب سے پرہیز کرتے تھے۔ میٹرک کا امتحان ان دونوں بھائیوں نے ۱۸۹۰ء میں پاس کیا۔ سکول میں ان دونوں بھائیوں کی نیکی اور شرافت ایک ضرب المثل تھی اور ان کے استاد ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

لاہور میں تعلیم اور ملازمت

میٹرک پاس کرنے کے بعد حافظ فتح الدین صاحب نے دونوں لڑکوں کو مزید اعلیٰ تعلیم دلوانے کا فیصلہ کیا اور گو ان کی مالی حالت اس بات کی متحمل تھی مگر انہوں نے دونوں بھائیوں کو گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کروا دیا جو کہ پنجاب بلکہ ہندوستان بھر کے بہترین کالجوں میں سے تھا چنانچہ ان دونوں نے لاہور میں رہائش اختیار کی اور نہایت سادگی اور کفایت سے کالج کی طالبعلمی کا زمانہ گزارا۔ اکثر اپنی روٹی خود ہی اپنے ہاتھ سے پکا لیتے تھے۔ ایف۔ اے کا امتحان دونوں بھائیوں نے ۱۸۹۲ء میں پاس کیا۔ اس امتحان میں مولوی محمد علی صاحب نے عربی بطور اختیاری مضمون کے لیا تھا۔ لیکن آپ کو ریاضی میں خاص طور پر مہارت تھی۔ چنانچہ بی۔ اے میں آپ نے یہی مضمون رکھا اور ۱۸۹۴ء میں امتحان پاس کیا جس میں آپ یونیورسٹی میں اول آئے۔ ایک دفعہ جب آپ کو اپنے ایک پروفیسر سے ایک سارٹیفکیٹ لینے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے کاغذ پر صرف اتنا لکھ دیا ——— "محمد علی ہمارے کالج کا بہترین ریاضی دان ہے" ———

۱۸۹۴ء میں بی۔ اے پاس کرنے کے بعد مولوی عزیز بخش صاحب سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ جہاں انہوں نے سینئر اینگلو ورنیکلر کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں ۱۸۹۷ء میں ملازمت کر لی۔ مولانا محمد علی صاحب نے بی۔ اے پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی ایم۔ اے کی پڑھائی جاری رکھی۔ اور ایم۔ اے کے امتحان کے لئے انگریزی کے مضمون کو چنا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر ریاضی کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ چنانچہ آپ تین سال اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی پڑھاتے رہے۔ ۱۸۹۶ء میں آپ نے ایم۔ اے (انگریزی) کا امتحان پاس کیا اور آپ ان پانچ طلباء میں سے تھے جو تینتیس میں سے پاس ہوئے۔

جب آپ نے بی۔ اے پاس کر کے ملازمت اختیار کی تو اس وقت آپ کی عمر صرف اُنیس ۱۹ برس کی تھی۔ چودھری محمد اسمٰعیل صاحب (مرحوم) (ریٹائرڈ ڈی۔ اے۔ سی) اس زمانے میں اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے اور ان کا بیان ہے کہ آپ کے بہت سے شاگردوں کی عمریں آپ سے زیادہ تھیں۔ اور آپ کی قابلیت اور نیکی اور دینداری اس قدر مسلّم تھی کہ اگر کسی شخص کی تعریف کرنا ہو تو کہا جاتا تھا کہ وہ دوسرا محمد علی ہے۔ اس زمانے کے بہت سے طالب علم جو بعد میں پنجاب کے سیاسی اور کاروباری میدان میں بڑی بڑی نامور اور مشہور شخصیتیں بنے۔ اس بات کے گواہ ہیں۔ چودھری سر شہاب الدین جو بعد میں ایک طویل عرصہ پنجاب اسمبلی کے سپیکر رہے، آپ کے ساتھ ہی ایک گھر میں رہتے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب بھی ان دنوں اسلامیہ کالج میں پڑھاتے تھے اور یہیں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی۔

کالج کی تعلیم کے زمانے میں مولوی محمد علی صاحب نے کسی علمی سرگرمی میں خاص حصہ نہ لیا۔ نہ تو آپ نے کبھی کوئی مضمون وغیرہ لکھے اور نہ ہی تقریروں اور مباحثوں میں کوئی شرکت کی۔ البتہ کھیلوں میں آپ فٹ بال کھیلتے تھے۔

۱۸۹۶ء میں ایم۔اے پاس کرنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے اسلامیہ کالج کی ملازمت جاری رکھی۔ اور ساتھ ہی ایل۔ایل۔بی کی کلاسوں میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے جو تین یونیورسٹی امتحان آپ نے دیئے اُن میں دوئم۔ اوّل اور سوئم آئے۔ ۱۸۹۷ء میں آپ نے اسلامیہ کالج کی ملازمت کو چھوڑ کر اورنٹیل کالج لاہور میں، جو اُن دنوں ٹکسالی دروازہ کے باہر تھا۔ ملازمت کر لی اور مئی ۱۸۹۹ء تک وہیں بطور پروفیسر ریاضی کے کام کیا۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے تعارف اور بیعت۔

اُس زمانے میں جب یہ دونوں بھائی کپورتھلہ میں سکول میں پڑھتے تھے تو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے نام سے متعارف ہو چکے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں کپورتھلہ سے انٹرنس پاس کرنے کے بعد جب یہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے تو اپنے ایک سابق ہم جماعت منشی عبدالعزیز صاحب عرف "بھائی جان" کے ذریعے سے انہیں حضرت صاحب کے دعوے کا علم ہوا اور انہی کے ذریعے سے کتاب "ازالۂ اوہام" ان کو ملی جس کو پڑھنے کے بعد دونوں بھائی دل سے حضرت صاحب کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ اس کے بعد جنوری ۱۸۹۲ء میں جب حضرت مرزا صاحب لاہور تشریف لائے تو یہ دونوں ان کو دیکھنے کے لئے گئے۔ اس وقت کی کیفیت مولانا عزیز بخش صاحب کی زبانی سُنیئے:۔

> "ہم بھی میدان مباحثہ[1] میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم ہے۔ درمیان میں مولوی صاحبان کتابوں کے ڈھیر لگائے بیٹھے ہیں۔ اتفاقاً جو لوگ ایک طرف برآمدے میں کھڑے تھے، ان میں سے ایک شخص پر نظر پڑی جس کا چہرہ نُورانی تھا اور شکل وجیہہ۔ وہ ایک لمبا چوغہ پہنے ہوئے آنکھیں نیچی کئے کھڑا تھا۔ میں نے اپنے نزدیک کھڑے ہونے والوں سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب کون ہیں تو انہوں نے اس نُورانی شکل والے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت دل میں مجھے ایسا سرور حاصل ہُوا کہ اس کو بیان نہیں کر سکتا"
>
> ("پیغام صلح" ۱۱؍۷)

---

[1] یہ مباحثہ مولوی عبدالحکیم کلانوری کے ساتھ تھا حضرت صاحب کے اس قیام لاہور کے دوران میں مرزا یعقوب بیگ صاحب جو اس وقت میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائی مرزا ایوب بیگ نے بیعت کی۔

ماہ مئی ۱۸۹۳ء میں جبکہ یہ دونوں بھائی گورنمنٹ کالج کی بی۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ تو امرتسر میں مرزا صاحب کا ایک بڑا مباحثہ عیسائیوں کے ساتھ ہُوا۔[1] مباحثہ کے پرچے جو روزانہ شائع ہوتے تھے۔ یہ دونوں ڈاک میں منگوا کر پڑھا کرتے تھے پھر ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۷ء تک جب مولانا محمد علی صاحب اسلامیہ کالج میں پروفیسر تھے تو خواجہ کمال الدین صاحب بھی وہاں پڑھاتے تھے۔ اور مرزا صاحب اور ان کے دعاوی کا تذکرہ آپس میں ہوتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب اس وقت احمدی ہو چکے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب نے بھی بعض اخبارات میں چند مضامین مرزا صاحب کی حمایت میں تحریر کئے اور یہ آپ کی سب سے پہلی تحریرات تھیں۔ لیکن ابھی تک بیعت کرنے میں توقف تھا۔ بالآخر ۱۸۹۷ء میں آپ خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ پہلی مرتبہ قادیان گئے۔ اور حضرت مرزا صاحب کی بیعت کی۔ اپنی قبول احمدیت کی سرگذشت کو مولانا محمد علی صاحب نے خود اس طرح سے تفصیلاً تحریر فرمایا ہے:-

"حضرت مسیح موعود کے متعلق مجھے سب سے پہلے اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت منشی عبدالعزیز دہلوی سے علم ہُوا۔ میں اور میرے بڑے بھائی رندھیر کالج کپورتھلہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور وہیں یہ ہمارے عزیز دوست بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جنہیں محبت سے ہم "بھائی جان" کہا کرتے تھے۔

۱۸۹۰ء میں ہم دونوں بھائی انٹرنس پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے اور یہیں حضرت مسیح موعود کے دعوے کے متعلق علم ہُوا۔ ۱۸۹۱ء کے موسم گرما کی تعطیلات میں جب ہم گھر آئے تو بھائی جان کی ملاقات کے لئے کپورتھلہ گئے جنہوں نے کتاب "ازالہ اوہام" دی جو انہی دنوں میں شائع ہوئی تھی۔ واپسی پر راستہ میں ہماری ملاقات اپنے ایک سابق استاد مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم سے ہوئی جنہوں نے اس کتاب کو ہمارے ہاتھ میں دیکھ کر بہت خفگی کا اظہار کیا کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس میں کوئی بات خلاف اسلام ہوگی تو ہم قبول نہیں کریں گے۔

گھر پہنچتے ہی ہم دونوں بھائیوں اور ہمارے والد مرحوم حافظ فتح الدین صاحب نے اس کتاب کو پڑھا اور ہم تینوں اس کتاب کو پڑھ کر اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وہ درست ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے اور حضرت

---

[1] یہ مباحثہ ڈپٹی عبداللہ آتھم (عیسائی) سے ہُوا تھا۔ جس کا مفصل حال حضرت مرزا صاحب کی کتاب "جنگ مقدس" میں دیا گیا ہے۔

مرزا صاحب اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

والد مرحوم حافظ قرآن ہونے کے علاوہ کچھ عبور دینی کتب پر بھی رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے گھر میں اکثر دینی چرچا رہتا تھا اور یہ والد مرحوم کا ہی اثر تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کو جب سے ہوش سنبھالا نماز کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ کپورتھلہ میں طالب علمی کے زمانہ میں پانچ وقت مسجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔

قادیان اور ہمارے گاؤں مرار کا فاصلہ براہ راست کچھ زیادہ نہیں۔ شاید بیس میل ہوگا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی شہرت ان اطراف میں نہایت نیک تھی۔ اور لوگ یہ جانتے تھے کہ قادیان میں ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں اور زہد و عبادت اور علم میں بے نظیر انسان ہیں۔ والد مرحوم کو ان حالات کا خوب علم تھا۔ سب سے پہلا اثر جو حضرت مرزا صاحب کو قبول کرنے میں ہمارے لئے موجب کشش ہوا وہ یہی آپ کی نیک شہرت تھی۔

آج جو بہت لوگ احمدیت کی طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں تو وہ سمجھتے ہوں گے کہ اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے بہت سے مباحث میں سے گذرنا اور بہت سے پیچیدہ مسائل کی واقفیت ضروری ہے۔ کم سے کم ہم تینوں کو ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے لئے پہلی فیصلہ کن بات تو آپ کی پاک اور نیک زندگی تھی۔ خود قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کی صداقت پر اس بات کو بطور دلیل پیش کیا ہے فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون۔ "اس سے پہلے بھی میں نے تمہارے اندر عمر گذاری ہے پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے"۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جب کسی بلند مرتبہ پر کھڑا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہی تیاری ہوتی ہے کہ پہلے قلوب پر اس کی نیکی۔ زہد۔ اعلیٰ اخلاق۔ صداقت، خدمتِ خلق۔ ان سب چیزوں کا اثر ہوتا ہے۔

علمی باتیں بھی اتنی مشکل نہ تھیں۔ والد مرحوم کو بلاشبہ دینی واقفیت بہت زیادہ تھی اور ہم دونوں بھائی ابھی کالج کے طالب علم تھے۔ لیکن اس موٹی بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہ تھا کہ قرآن شریف سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ یہی قبولِ احمدیت کا بنیادی پتھر ہے۔ اور قرآن شریف کی حکومت کے سامنے سر جھکانے والا ان پڑھ آدمی بھی ہو تو اس کا سمجھ لینا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

دوسرا مرحلہ قبولِ احمدیت کا حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہے۔ اس کے لئے بھی علم کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک جانتا ہے کہ اس امّت میں مسیح کے نازل ہونے کی پیشگوئی آنحضرت صلعم نے کی ہے۔ اور معتبر سے معتبر احادیث اس بارے میں موجود ہیں۔

اب اگر بنیادی پتھر رکھا جا چکا ہے اور ایک شخص حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات کو قبول کر چکا ہے تو دوسرا مرحلہ بھی نہایت آسان ہے۔ احادیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر ہے وہ کون ہے؟ وفاتِ مسیح کے بعد دو باتوں میں سے ایک کے مان لینے کے بغیر چارہ نہیں، یا یہ کہ آنے والا مسیح اس امّت کا کوئی مجدّد ہے، یا یہ کہ وہ سب احادیث جھوٹی ہیں۔ شق ثانی ایسی ہے جس کو کوئی مسلمان جس کے دل میں حدیثِ نبوی کا احترام ہے، مان نہیں سکتا۔ ورنہ حدیث کے سارے مجموعے کو ہی پھینکنا پڑتا ہے۔ اس لئے شق اوّل کے ماننے کے سوا چارہ نہیں کہ اس امّت کا کوئی مجدّد نزولِ مسیح کی پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔

اس سوال کے حل کرنے میں اور بھی بعض باتیں فوراً ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیّین ہیں اور قرآن میں اس کی صراحت موجود ہے، یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبی اس صورت میں آسکتا ہے کہ نبوّت کا کچھ کام باقی ہو۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ صحیح ہے، تو اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ خواہ وہ پہلے کا نبی بنا ہوا ہو یا بعد میں بنے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آنحضرت صلعم کے بعد اس دنیا میں کسی نبی کا آنا ممتنع ہے آپ کے بعد صرف مجدّدوں کا کام باقی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضرت مسیح اسرائیلی اور آنے والے مسیح کے دو الگ الگ حلیے دیئے گئے ہیں۔ اگر وہی مسیح آنے والا ہوتا تو حلیہ کس طرح الگ ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنے والا مسیح اسی امت کا کوئی مجدّد ہونا چاہیئے، تو پھر کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی وہ مسیح ہیں یا ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا چاہیئے۔ یہ مرحلہ بھی صاف تھا۔ آپ کا مجدّد ہونا بھی مسلّم ہو چکا تھا۔ آپ کی صداقت اور راستبازی پر کوئی حرف رکھنے والا نہ تھا۔ جس شخص نے کبھی انسان پر جھوٹ نہیں بولا، وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ چہ جائیکہ مجدّد پر ایسا گمان کیا جائے۔ علاوہ ازیں جس شخص پر اتنی بڑی حقیقت منکشف ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ راز بتا دیا جو اتنی مدّت سے دوسرے لوگوں پر ظاہر نہ ہوا تھا۔ جس کو خدا نے آنحضرت صلعم کی ان پیشگوئیوں کی حقیقت پر

مطلع کیا اس سے بڑھ کر اور کون مصداق ان پیشگوئیوں کا ہو سکتا ہے۔ اور مسیح بھی یہی ہے کہ جب پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آتا ہے تب ہی اس کی حقیقت پر بھی لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے۔

یہ ان چند موٹی موٹی باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے جو والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے فیصلہ کرنے میں ہماری معاون ہوئیں۔ یہ باتیں اس قدر واضح تھیں کہ ہم تینوں بیک وقت "ازالۂ اوہام" کے مطالعہ کے بعد ایک ہی فیصلہ پر پہنچ گئے اور دل سے حضرت مسیح موعود کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ لیکن ہاایں ہم تینوں میں سے ابھی کوئی حضرت صاحب کی بیعت میں داخل نہ ہُوا۔ اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود ۱۸۹۱ء میں لاہور تشریف لے گئے جہاں مولوی عبدالحکیم کے ساتھ مناظرہ ہُوا۔ جس میں آپ کی اس تحریر پر مباحثہ ختم ہو گیا کہ آپ کا دعویٰ نبوّت کا نہیں بلکہ آپ نے لفظِ نبی صرف لغوی معنوں میں یعنی محدّث کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور کہ اگر باوجود اس تشریح کے بھی یہ لفظ آپ کے مسلمان بھائیوں کو ناگوار گذرتا ہو تو وہ اسے کٹا ہُوا سمجھ کر اس کی جگہ پر لفظِ محدّث سمجھ لیں۔ اس وقت ہم دونوں بھائیوں نے حضرت مسیح موعود کی زیارت کی اور آپ کی صداقت پر ہمارا یقین اور بھی بڑھ گیا۔

۱۸۹۴ء میں بی۔ اے پاس کرنے کے بعد اور ان ایام میں جبکہ میں ایم۔ اے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور مولوی عزیز بخش صاحب ٹریننگ کالج میں چلے گئے تھے۔ میں اسلامیہ کالج میں پروفیسر ریاضی ہو گیا۔ اور اسی وقت سے میری ملاقات میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ ہوئی۔ جو میری طرح ایم۔ اے میں تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر بھی تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی تک داخل نہ ہُوا تھا۔ لیکن خیالات میں یگانگت اس قدر تھی کہ ہمارے تعلّقاتِ محبّت بہت جلد ترقی کر گئے۔ ان ایام میں مَیں اخبارات میں بعض مضامین بھی حضرت صاحب کی تائید میں لکھا کرتا تھا۔ گو ابھی تک بیعت نہ کی تھی۔

خواجہ صاحب کے ساتھ ان تعلّقات پر دو اڑھائی سال گذر جانے کے بعد اُنہوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کے ساتھ قادیان چلوں اور حضرت صاحب کی زیارت کروں۔ چنانچہ مارچ ۱۸۹۷ء میں خواجہ صاحب کے ساتھ (کچھ اور بھی احباب ساتھ تھے) قادیان گیا۔ قادیان کے دو چار دن کے قیام نے ہی ایک نیا عالم آنکھوں کے آگے کھول دیا۔ گو آپ کی تحریروں سے بھی آپ کا وہ درد ظاہر ہوتا تھا جو اسلام کی ترقی کے لئے آپ کے دل میں تھا۔ مگر صحبت میں جو رہ کر دیکھا

تو معلوم ہُوا کہ آپ کا دن رات کا شغف سوائے اس کے کچھ ہے ہی نہیں۔ نماز فجر ہوئی تو بیٹھ گئے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا ذکر ہے۔ تھوڑی دیر بعد سیر کو نکلتے ہیں تو سارے راستے میں یہی گفتگو ہے۔ واپس آتے ہیں، کھانے پر احباب کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو یہی ذکر ہے۔ نماز مغرب کے بعد عشاء تک مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے پیرایوں میں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے دنیا کا کوئی دین ٹھہر نہیں سکتا۔ یورپ میں دین اسلام کیونکر پھیل سکتا ہے۔ ہندوستان میں آریہ سماج سے مقابلہ کی کیسی ضرورت ہے۔ خدا سے تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ نمازوں میں لذت کس طرح آتی ہے۔ قرآن کریم کو اپنا ہادی بنانے کی کیسی ضرورت ہے۔ غرض ہر وقت یہی ایک شغل ہے جو دنیا کی مجالس میں کہیں نظر نہیں آتا۔ غالباً ۷ یا ۸ دن میں نے وہاں قیام کیا اور بالآخر خواجہ صاحب مرحوم کے ذریعے سے اس پاک انسان کے ساتھ تعلق بیعت کی ضرورت خود ظاہر کی اور بیعت میں شامل ہُوا۔ بیعت کر لینے کے بعد میں نے اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور والد مرحوم کو اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فی الفور بیعت میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد باقی سب بھائی اور دیگر رشتہ دار بھی بیعت میں داخل ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آج خدا کے فضل سے ان عزیزوں کی ایک بڑی بھاری جماعت بن گئی ہے۔ جو سب کے سب اللہ کے فضل سے خدا کے دین کی مدد میں حسب حیثیت مصروف ہیں۔"

("پیغام صلح"، ۲ نومبر ۱۹۳۳ء)

سلسلۂ احمدیہ میں شمولیت کے بعد لاہور کا قیام۔

۱۸۹۷ء میں مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کرنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب مزید دو سال تک لاہور میں ہی رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آپ اورینٹل کالج میں پروفیسر تھے اور وکالت کے امتحان دے رہے تھے۔ اس زمانے میں حضرت مسیح موعود اپنی بعض تحریرات اور میموریل وغیرہ آپ کو بھیجا کرتے تھے جن کا آپ انگریزی میں ترجمہ کرتے تھے اور قریباً ہر ہفتہ اور اتوار اور دیگر تعطیلات میں قادیان جایا کرتے تھے اور موسم گرما کی کل تعطیلات وہاں گزارتے تھے۔ قادیان جانا اُن دنوں میں آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ وہاں ریل نہ جاتی تھی۔ بٹالہ سٹیشن سے بارہ میل کا فاصلہ تھا۔ اور کچی سڑک جس پر کبھی یکے مل جاتے تھے اور کبھی پیدل چلنا پڑتا تھا۔ قادیان آنے جانے کو آپ نے خود ایک موقعہ پر اس طرح بیان کیا ہے۔

"طالب علمی کے زمانے میں ہم عموماً قادیان جاتے تھے۔ لاہور سے گاڑی رات کے بارہ بجے بٹالہ سٹیشن پر پہنچتی تھی۔ کوئی تانگہ اور یکہ نہ تھا جو ہمیں قادیان لے جاتا۔ ہم وہاں سے پیدل ہی قادیان چل دیتے اور جا کر مسجد کے فرش پر لیٹ رہتے اور فجر کی نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

ہم وہاں صرف ایک دن کے لئے جایا کرتے تھے۔ شوق کا عجیب عالم تھا حضرت صاحب سے ملنے کو طبیعت کتنی چاہتی تھی۔ ہفتہ کی رات کو وہاں جا کر اتوار کی شام کو واپس چل پڑتے تھے۔"

حضرت صاحب کے ساتھ خط و کتابت اور وکالت کی پریکٹس کے انتظامات،

۱۸۹۹ء میں مولانا محمد علی صاحب نے وکالت کا آخری امتحان پاس کیا۔ اور ملازمت چھوڑ کر پریکٹس کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت آپ کا نام ای۔ اے۔ سی (E.A.C) کے امتحانِ مقابلہ کے لئے منظور ہو چکا تھا اور قوی امید تھی کہ اگر آپ اس امتحان میں بیٹھے تو کامیاب ہوں گے۔ ہندوستانیوں کے لئے اس وقت یہ سب سے بڑا مقابلہ کا امتحان ہوتا تھا۔ ان دو سالوں میں یعنی ۱۸۹۷ء تا ۱۸۹۹ء مولانا محمد علی صاحب اور حضرت مرزا صاحب کے درمیان مسلسل خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ اور حضرت صاحب کے کثیر تعداد میں خطوط مولانا محمد علی صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے بطور نمونہ چند ایک کا عکس (مع مکرّر عبارت خوشخط اُردو میں) اور بعض خطوط کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔ یہ خطوط حضرت مرزا صاحب نے اپنی تحریرات کے ترجمے کرنے یا مقدّمات میں بعض ڈیفنس پیش کرنے یا اور متفرق معاملات کے متعلق لکھے ہیں۔ اس زمانے میں حضرت صاحب نے کئی ایک میموریل حکومت ہند کو اور حکومتِ پنجاب کو بھیجے۔ جو مذہبی مباحثوں کے طریق، مذہبی منافشات میں اصلاح کے طریقے۔ نمازِ جمعہ کی تعطیل، اپنی جماعت کے صحیح حالات اور معتقدات وغیرہ وغیرہ پر مشتمل تھے۔ اس کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی والے مقدمات کے سلسلے میں اور انکم ٹیکس والے مقدمے کے سلسلے میں جو دشمنوں کی طرف سے آپ پر کئے گئے۔ کئی ایک ڈیفنس لکھنے پڑتے تھے۔ ان کے تراجم مولانا محمد علی صاحب کیا کرتے تھے:۔

خط نمبر ۱

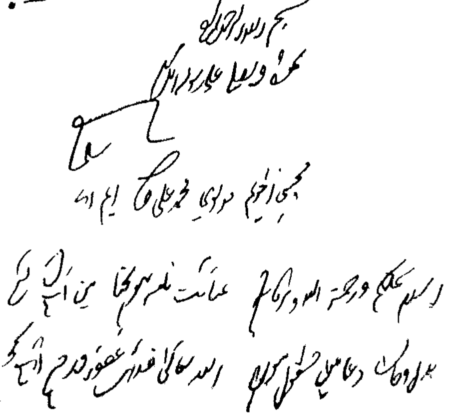

محبی اخویم مولوی محمّد علی صاحب ایم۔ اے سلمہٗ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ میں آپ کے لئے بدل و جان دعا میں مشغول ہوں۔ اللہ تعالیٰ خدائے غفور الرحیم آپ کو کامیاب فرمائے۔

اُمید ہے خدا تعالےٰ پر بھروسہ کر کے تامّل اور توقف اور آہستگی سے جوابات لکھیں گے۔

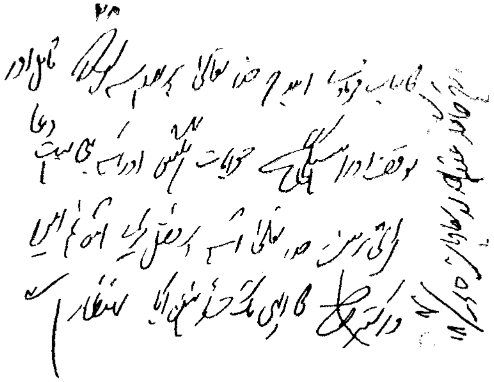

آپ بھی بہت دُعا کرتے رہیں۔ خدا
تعالےٰ آپ پر فضل کرے۔
آمین ثم آمین۔
ڈاکٹر صاحب کا ابھی تک خط نہیں
آیا۔ انتظار ہے۔
راقم۔ خاکسار غلام احمد از قادیان
۵ر دسمبر ۱۸۹۸ء

خط نمبر ۲

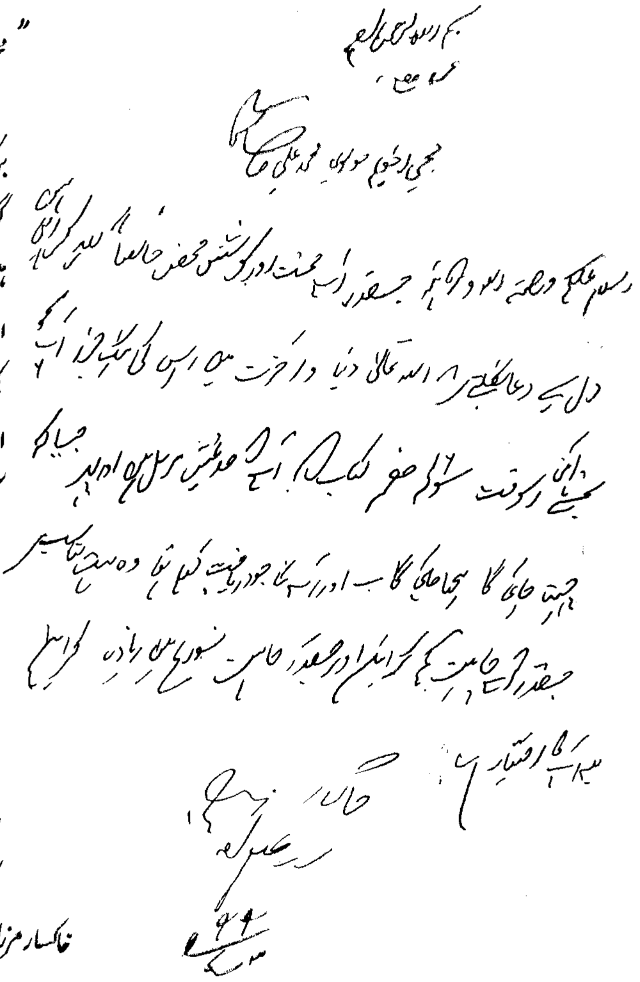

"مجبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ و
برکاتہ۔ جس قدر آپ محنت اور
کوشش محض خالصاً للہ کر رہے
ہیں۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ
اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُس
کی نیک جزا آپ کو بخشے۔ آمین۔
اس وقت سولہ صفحہ کتاب کے
آپ کی خدمت میں مرسل ہیں۔
ور بھی جیسا کہ چھپتا جائے گا
بھیجا جائیگا۔ اور آپ نے جو
دریافت کیا تھا وہ بہت
مناسب ہے۔ جس قدر آپ
چاہیں کم کرائیں اور جس قدر چاہیں
سوانح میں زیادہ کرائیں۔ یہ آپ
کا اختیار ہے۔
خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ
۳ر جنوری ۹۹ء"

خط نمبر ۳

"مجبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آج پرچہ ڈیفنس جو چھاپا جائے گا ہمراہ اخویم مولوی شیر علی صاحب آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا ہے یہی پختہ رائے ہے جس کو میں قطعی اور ضروری خیال کرتا ہوں کہ آپ اس کو کامل توجہ سے ترجمہ کر کے ساتھ ساتھ چھپواتے جائیں۔ بالفعل مبلغ ۵ اس کی اجرت بھیجے گئے ہیں۔ اگر زیادہ خرچ ہو تو اخویم بابو تاج الدین صاحب سے لے لیں۔ اور آپ خوب یاد رکھیں کہ اس ڈیفنس میں انگریزی میں بہت تصریح سے یہ تحریر ہونا چاہیئے۔ کہ وہ پیشگوئی جو ۲۱ نومبر ۹۸ء کے اشتہار مباہلہ میں شائع کی گئی تھی وہ پوری ہوگئی اور اس جگہ اشتہارات کا حوالہ دیا جائے کہ فلاں فلاں اشتہار دیکھا جائے۔ اگر اس مضمون میں مجھ سے کچھ فروگذاشت ہوگئی ہو تو آپ اس کو پورا کر دیں۔ بالآخر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پاس کرے اور آپکو ان خدمات کا اجر بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار مرزا غلام احمد ۱۸ / جنوری ۹۹ء"

خط نمبر ۴

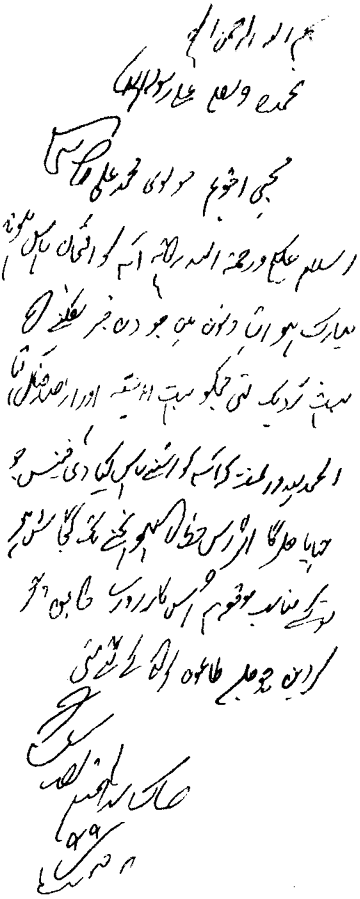

مجتبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو امتحان پاس ہونا مبارک ہو۔ ان دنوں میں جو دن خبر نکلنے کے بہت نزدیک تھے مجھ کو بہت اندیشہ اور از حد خیال تھا۔ الحمدللہ کہ آپ کو اس نے پاس کیا۔ ڈیفنس جو چھاپا جائے گا۔ اگر اس خط کے پہنچنے تک گنجائش ہو تو کسی مناسب موقع پر اس کارروائی کا بھی ذکر کر دیں۔ جو جلسہ طاعون کر کے کی گئی تھی۔

خاکسار مرزا غلام احمد ۸؍ فروری ۹۹ء"

خط نمبر ۵

"مجتبی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت ۸؍ فروری ۱۸۹۹ء کو آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ نے جس قدر اپنے جوش اخلاص سے محنت شروع کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر بخشے۔ آمین۔ ثم آمین

خاکسار مرزا غلام احمد ۸؍ فروری ۹۹ء"

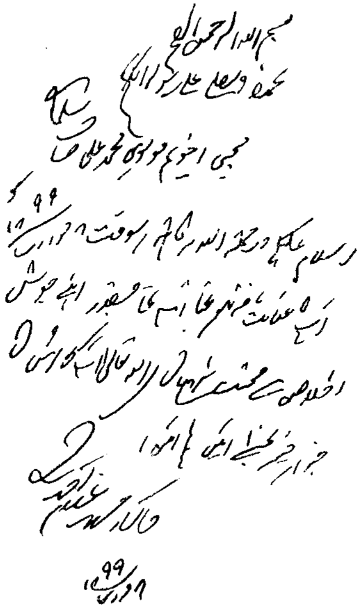

خط نمبر ۶

"مجبّی اخویم مولوی محمد علی صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ امید رکھتا ہوں کہ آپ چند روز اپنے گاؤں میں رہ کر پھر اپنے وعدے کے مطابق آٹھ دن رہنے کے لئے اس جگہ تشریف لاویں گے۔ میں نے وہ کتاب لکھنی شروع کر دی ہے جس کا ترجمہ آپ کریں گے، اور اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب لندن جانے کے لئے تیار ہیں۔ تا یورپ میں اس کو شائع کریں۔ مناسب ہے کہ آپ پہلی فرصت نکال رکھیں کہ عید کے موقع پر یہیں نماز پڑھیں۔ غالباً اور بعض دوست بھی آئیں گے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہٗ

۲۹ مارچ ۹۹ء"

خط نمبر ۷

محبّی اخویم مولوی محمّد علی صاحب سلمہٗ:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ پہنچا مجھ کو تو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ خدا تعالےٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے آپ کے لئے قادیان میں رہنے کے لئے تقریب پیدا کر دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کے لئے بہت کچھ فضل اور

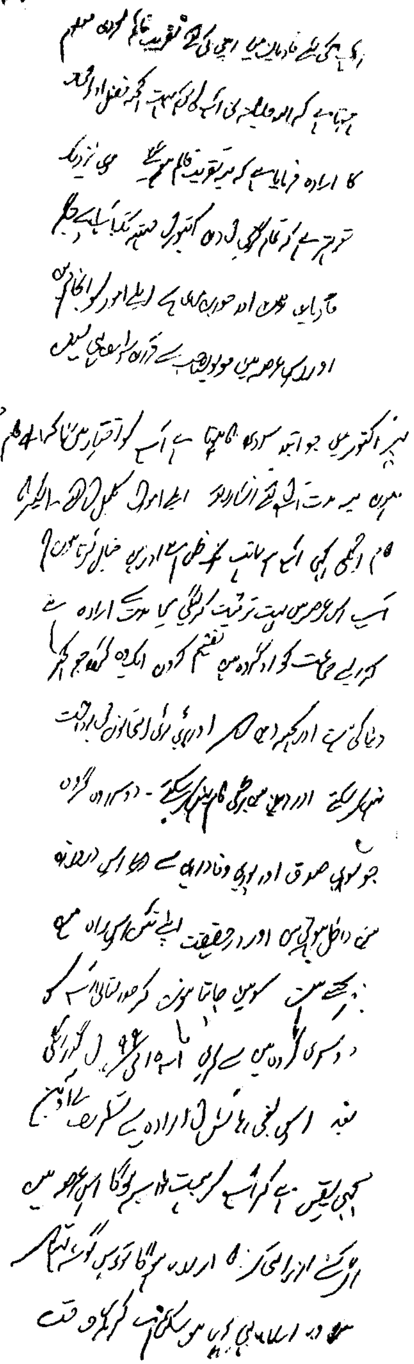

رحمت کا ارادہ فرمایا ہے کہ یہ تقریب تمام
ہو گی۔ میرے نزدیک تو بہتر ہے کہ تمام
گرمی کے دن اکتوبر کے مہینے تک آپ اسی
جگہ قادیان میں رہیں اور جوانمردی سے دینی
امور سرانجام دیں۔ اور اس عرصہ میں مولوی[1]
صاحب سے قرآن شریف بھی سُنیں۔ پھر
اکتوبر جو ابتدا سردی کا ہوتا ہے آپ کو
اختیار ہو گا کہ اپنے کام میں مشغول ہوں۔ یہ
مدت آپ کے لئے انشاء اللہ دینی امور کی
تکمیل کے لئے اکسیر کا کام دے گی۔ مجھے
آپ پر نہایت نیک ظن ہے اور میں خیال
کرتا ہوں کہ آپ اس عرصہ میں بہت ترقیات
کرلیں گے۔ میرا مدت سے ارادہ ہے۔ کہ
اپنی جماعت کو دو گروہوں میں تقسیم کروں ـــ
ایک وہ گروہ جو کچھ دنیا کے ہیں اور کچھ دین کے اور
بڑے بڑے امتحانوں کی برداشت نہیں کر سکتے
اور دین میں بڑے کام نہیں کر سکتے۔ دوسرا گروہ
جو پورے صدق اور پوری وفاداری سے
اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں ـــ۔ اور
درحقیقت اپنے تئیں اس راہ میں بیچتے ہیں۔ سو
میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دوسرے
گروہ میں سے کرے۔ آپ ۱۵ مئی ۹۹ء کے
گزرنے کے بعد اس لمبی رہائش کے ارادہ سے
تشریف لے آویں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو

---

[1] مولانا نورالدین صاحب

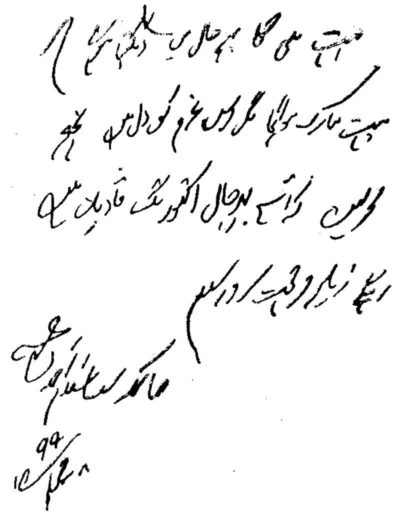

بہت ثواب ہوگا۔ اس عرصہ میں اگر کسی اور امتحان کا ارادہؑ ہوگا۔ تو اس گوشۂ تنہائی میں وہ ارادہ بھی پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وقت بہت ملے گا۔ بہر حال میں دیکھتا ہوں کہ بہت مبارک ہوگا۔ مگر اس عزم کو دل میں پختہ کر لیں کہ آپ بہر حال اکتوبر تک قادیان میں رہیں گے۔ زیادہ خیریت۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

۸ مئی ۹۹ء

لہ۔ آپ کا نام ای۔ اے۔ سی کے امتحان مقابلہ کے لئے منظور ہو چکا تھا۔

اوپر والا آخری خط مولانا محمد علی صاحب کو اس وقت ملا جبکہ آپ اورنٹیل کالج کی ملازمت کو چھوڑ رہے تھے۔ اور وکالت کی پریکٹس کرنے کا ارادہ کر چکے تھے۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے آپ گورداسپور میں کوٹھی کرایہ پر لے چکے تھے اور کتب اور فرنیچر بھی خرید لیا تھا اور ایک منشی نوکر رکھ چکے تھے۔ وکالت کی پریکٹس شروع کرنے سے پہلے آپ نے قادیان حضرت صاحب کے پاس کچھ عرصہ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور ۱۵ مئی کے لگ بھگ آپ کا لاہور سے روانہ ہونے کا ارادہ تھا۔ اس تاریخ کے ساتھ آپ کی زندگی کا پہلا دور ختم ہوتا ہے۔ جو پچیس سال پر مشتمل تھا۔

دورِ دوئم قادیان کی زندگی کے پندرہ سال مئی ۱۸۹۹ء تا اپریل ۱۹۱۴ء

(۱) حضرت مسیح موعود کا زمانہ

قادیان کو ہجرت اور ابتدائی قیام

۱۸۹۹ء میں وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے اورنٹیل کالج کی ملازمت چھوڑ کر وکالت کی پریکٹس کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت آپ کا نام ای۔اے۔سی کے امتحان مقابلہ کے لئے بھی منظور ہو چکا تھا۔ وکالت کرنے کے لئے آپ نے گورداسپور کو انتخاب کیا تاکہ قادیان سے قریب ہونے کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کے مواقع بھی میسر آتے رہیں اور ان کی تحریروں کا انگریزی ترجمہ جو آپ کر رہے تھے۔ وہ بھی جاری رہ سکے۔ چنانچہ آپ نے فوراً گورداسپور میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے لی۔ فرنیچر اور کتب خرید لیں۔ اور ایک منشی بھی نوکر رکھ لیا۔ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ جو آپ کی مسلسل خط و کتابت رہتی تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے گورداسپور جانے سے قبل کچھ عرصہ حضرت صاحب کے پاس گذارنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ اور جیسا کہ اُن کے آخری خط سے ظاہر ہوتا ہے مولانا محمد علی صاحب کو اکتوبر تک قادیان میں ہی رہنے کی دعوت دی۔ اس وقت مولانا محمد علی صاحب اپنے تمام انتظامات مکمل کر کے لاہور سے چلنے ہی والے تھے۔ چنانچہ ۱۸ مئی ۹۹ء کو آپ قادیان پہنچے اور اس وقت ان کی وہاں آمد کی خبر جماعت کے اخبار الحکم میں اس طرح شائع ہوئی۔

> "مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے چند ماہ تک قادیان میں مقیم رہیں گے۔ ۱۸ مئی ۹۹ء کو وہ دارالامان میں آ پہنچے۔ حسب معمول "مسیح ہندوستان میں" کا ترجمہ کر رہے ہیں۔"

حضرت صاحب کی خدمت میں رہنے کے شوق کی وجہ سے اور خود ان کے ارشاد کے مطابق بھی مولانا محمد علی صاحب نے جلد ہی گورداسپور کی کوٹھی کا دو ماہ کا کرایہ ادا کر کے اسے خالی کر دیا۔ تاکہ اکتوبر تک آپ قادیان میں ہی رہ سکیں۔ اسی اثنا میں اشاعتِ اسلام کے لئے ایک رسالہ انگریزی میں جاری کرنے کی تجویز ہو گئی۔ اور حضرت صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کو اس دینی خدمت کے سرانجام دینے کے لئے کہا۔ تو آپ نے فوراً لبیک کہا۔ رسالہ کے جاری ہونے میں کچھ التوا ہو گیا۔ اور آپ کا عارضی قیام قادیان لمبا ہی ہوتا گیا۔ مارچ سنہ ۱۹۰۰ء میں مولانا محمد علی صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل

رقعہ لکھا۔ اس کا جواب حضرت صاحب نے اسی رقعہ کی پشت پر تحریر فرمایا۔ ان کے عکس بمع مکرر خوشخط عبارت کے درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم ۔

سیدی و مولائی ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

حضور نے کل ظہر کے وقت جو ارشاد فرمایا تھا ۔ کہ اس خاکسار کو بھی چاہیے کہ مستقل طور پر اب یہاں ہی رہائش اختیار کرے ۔ اسکے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جب مئی گذشتہ میں اس نیچے قیام کی اجازت لیکر حاضر خدمت اقدس ہوا تھا ~~~~~ تو اسوقت میرے دل میں سوائے اسکے اور کوئی ارادہ نہ تھا اور اللہ تعالے اس پر گواہ ہے کہ شاید اس نیچے قیام کے اثناء میں کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ دنیا کے سب دھندوں سے الگ ہوکر ہر وقت حضور کے قدموں میں رہنا نصیب ہوجائے اور یہی سب سے بڑی آرزو اس وقت تک دل میں موجود ہے ۔ وطن میں جو ایک دو دفعہ جانیکا اتفاق ہوا ہے تو سوائے خوشنودی والدین کے اور کوئی امر مد نظر نہ تھا ۔ اور یہ تو میرے دل میں کبھی وہم تک بھی نہیں گذرا کہ اب اس آبائی گھر میں کبھی جاکر رہائش اختیار کروں ۔ آپ کے قدموں میں ہوں اور آپ کا غلام ہوں اور آپ سے ہی یہ درخواست کرتا ہوں ۔

کہ میرے لیئے دعا کریں کہ خدا تعالے اس وعدے پر تادم زیست قایم رہنے کی توفیق دے اور اسی ایمان پر اٹھاوے ۔

جب اور جس طرح حضور حکم دیں رہنے اور کام کرنے کو تیار ہوں۔
اگرچہ اس دعوے کو پیش کرتے وقت بہت ڈرتا ہوں کیونکہ سب ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے مگر چونکہ حضور خود بھی یہ وعدہ بیعت کے وقت لیتے ہیں اسلئے میں نے بھی عرض کر دینے کی جرات کی ہے۔ یعنی ان الفاظ کے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" یہی معنے ہیں کہ بیعت کنندہ اپنے آپ کو مع اپنے تمام قویٰ کے رسول اللہ کے حوالے کر دے۔

رہائش کے متعلق صرف یہی آرزو ہے کہ کوئی ایسا مکان ہو جس میں حضور کا قرب جسمانی طور پر بھی رہے جیسے یہ جگہ ہے جہاں حضور نے اب اس عاجز کو ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔ کام وکالت کرنے کی صورت میں مستقل ارادہ ہے کہ ہر ہفتہ حاضر خدمت ہوا کروں لیکن اس وجہ سے دور جانا بھی نہیں چاہتا کیونکہ گردے دل پر بہت سے اثر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسلئے جہاں حضور حکم دیں مکان بنوالوں میں اس وقت گھر سے کچھ روپیہ اس کام کے لئے منگوالوں گا۔

راقم بیان
خاکسار محمد علی
۲۳ مارچ ۱۹۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:
سیدی ومولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور نے کل ظہر کے وقت جو ارشاد فرمایا تھا کہ اس خاکسار کو بھی چاہیئے کہ مستقل طور پر اب یہاں ہی رہائش اختیار کرے۔ اس

کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ جب مئی گذشتہ میں اس لمبے قیام کی اجازت لے کر حاضرِ خدمتِ اقدس ہُوا تھا تو اس وقت میرے دل میں سوائے اس کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے کہ شاید اس لمبے قیام کے اثناء میں کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ دنیا کے سب دھندوں سے الگ ہو کر ہر وقت حضور کے قدموں میں رہنا نصیب ہو جائے اور یہی سب سے بڑی آرزو اس وقت تک دل میں موجود ہے۔ وطن میں جو ایک دو دفعہ جانے کا اتفاق ہُوا ہے تو سوائے خوشنودیٔ والدین کے اور کوئی امر مدِّنظر نہ تھا۔ اور یہ تو میرے دل میں کبھی وہم تک بھی نہیں گذرا کہ اب اُس آبائی گھر میں جا کر کبھی رہائش اختیار کروں۔ آپ کے قدموں میں ہوں اور آپ کا غلام ہوں۔ اور آپ سے ہی درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس وعدے پر تادمِ زیست قائم رہنے کی توفیق دے۔ اور اسی ایمان پر اٹھاوے۔

جب اور جس طرح حضور حکم دیں میں رہنے اور کام کرنے کو تیار ہوں۔ اگرچہ اس دعوے کو پیش کرنے کے وقت بہت ڈرتا ہوں۔ کیونکہ سب ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ مگر چونکہ حضور خود بھی یہ وعدہ بیعت کے وقت لیتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی عرض کر دینے کی جرأت کی ہے۔ یعنی ان الفاظ کے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھونگا۔" یہی معنے ہیں کہ بیعت کنندہ اپنے آپ کو مع اپنے تمام قوٰی کے مُرسل من اللہ کے حوالے کر دے۔

رہائش کے متعلق صرف یہ آرزو ہے کہ کوئی ایسا مکان ہو جس میں حضور کا قربِ جسمانی طور بھی رہے جیسے یہ جگہ ہے جہاں حضور نے اب اس عاجز کو ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔ کام وکالت کرنے کی صورت میں مستقل ارادہ ہے کہ ہر ہفتہ حاضرِ خدمت ہُوا کروں۔ اور اسی وجہ سے دور جانا بھی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بُعد سے دل پر بہت سے زنگ بیٹھ جاتے ہیں۔ اس لئے جہاں حضور حکم دیں مکان بنوا لوں۔ میں اس وقت گھر سے کچھ روپیہ اسی کام کے لئے منگوا لونگا۔

خاکسار محمد علی ۲۳ مارچ ۱۹۰۰ء

اس رقعہ کی پشت پر حضرت صاحب نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا:-

مجی اخویم مولوی محمد علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھکو اس رقعہ کے پڑھنے سے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ اندازہ سے باہر ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو حالات دارین میں ترقی بخشے

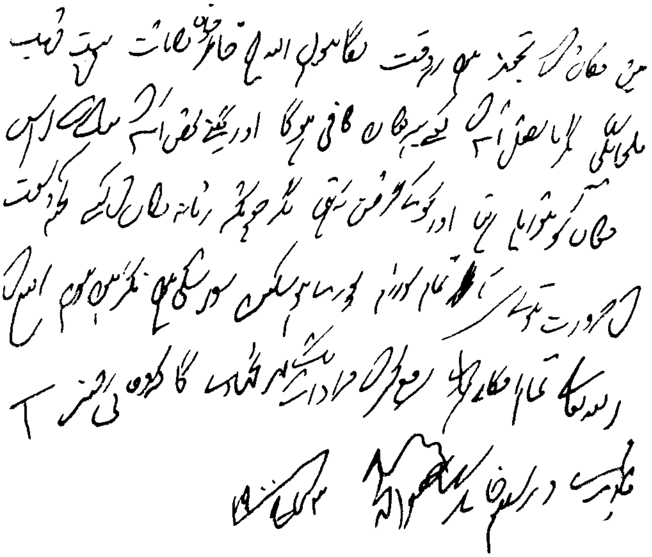

"محبی اخویم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'!

مجھ کو اس وقت آپ کے اس خط کے پانے سے بہت ہی خوشی ہوئی کہ اندازہ سے باہر ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو مراداتِ دارین تک پہنچائے۔ میں مکان کی تجویز میں ہر وقت لگا ہُوں۔ اُمید ہے خاطر خواہ مکانات بہت قریب مل جائیں گے۔ مگر بالفعل آپ کے لئے یہ مکان کافی ہوگا۔ اور میں نے محض آپ کی نیت سے اس مکان کو بنوایا تھا اور کوئی غرض نہ تھی۔ مگر چونکہ زنانہ مکان کے لئے کچھ وسعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ تمام لوازم پُورے ہو سکیں۔ سو اس کی میں فکر میں ہوں۔ اُمید ہے اللہ تعالیٰ تمام افکار ہائے رفع کر کے مرادات تک پہنچا دے گا۔ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ' ۲۳ مارچ ۱۹۰۰ء

غرضیکہ پچیس سال کی عمر میں جبکہ ایک زریں دنیاوی مستقبل مولانا محمد علی صاحب کے سامنے تھا۔ انہوں نے امام وقت کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ایک زبردست عملی نمونہ پیش کیا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت مسیح موعود کے قدموں میں جا بیٹھے۔

حضرت مسیح موعود کے گھر میں رہائش

جب مئی ۱۸۹۹ء میں مولانا محمد علی صاحب قادیان پہنچے تو حضرت مسیح موعود نے آپ کو رہنے کے لئے اپنے خاص گھر میں تیسری منزل پر جگہ دی۔ حضرت صاحب

کے مکان کے سب سے نیچے جو کمرے تھے ان میں مہمان رہتے تھے۔ درمیانی منزل میں حضرت مسیح موعود اور آپ کے اہل خانہ تھے۔ یہ منزل مسجد مبارک کے ساتھ تھی۔ اور ایک کمرے کی کھڑکی مسجد میں کھلتی تھی جس میں سے حضرت اقدس مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ اسی منزل میں ایک طرف حضرت مولانا نورالدین صاحب اقامت پذیر تھے۔ ان کے کمرے کی چھت پر یعنی تیسری منزل میں حضرت صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کے لئے جگہ کا انتظام فرمایا۔ آپکے پاس ایک کمرہ اور ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ کمرے میں سے ایک سیڑھی حضرت مسیح موعود کے صحن میں اترتی تھی۔ دوسرا دروازہ چھوٹے صحن میں تھا۔ اور صحن کا دروازہ مسجد مبارک کی چھت پر کھلتا تھا۔ گرمیوں میں اسی چھت پر مغرب اور عشاء کی نمازیں ہوتی تھیں اور یہیں حضرت اقدس کی شام کی مجلس جمتی تھی۔ آپ کے کمرے کے ساتھ مولانا عبدالکریم صاحب کا کمرہ تھا۔ اور ان کا صحن بھی اسی طرح مسجد مبارک کی چھت کے ساتھ تھا۔ مولانا محمد علی صاحب کے کمرے کے ساتھ صحن میں سے ایک چھوٹا سا زینہ درمیانی منزل کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں جاتا تھا۔ اور یہی کوٹھڑی آپ کا دفتر تھی۔ جہاں سے وہ بیش بہا مضامین رسالہ ریویو آف ریلجنز کے لئے انگریزی میں نکلتے تھے جس کے متعلق شبہ کیا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود نے کوئی انگریز رکھا ہوا ہے۔ جو یہ مضامین لکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے قدموں میں بیٹھ کر آپ کو اور کوئی دنیاوی خواہش نہ تھی۔ دو وقت کھانا لنگر سے آجاتا تھا اور ایک نہایت قلیل رقم گذارے کے لئے مل جاتی تھی۔ البتہ حضرت مسیح موعود کی صحبت اور آپ کے الطاف و کرم کی بیش بہا نعمت ہر وقت میتسر تھی۔ حضرت صاحب آپ پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ صبح کے وقت آپ کے ناشتے کے لئے خود اہتمام سے کچھ نہ کچھ بھجوایا کرتے تھے۔ اور لے جانے والے سے جب تک دریافت نہ کر لیتے کہ انہوں نے اچھی طرح سے کھالیا ہے تب تک آپ کی تسلّی نہ ہوتی۔ اس وقت قادیان ایک معمولی سا گاؤں تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود کی برکت سے مرجعٔ خاص و عام ہوتا جاتا تھا۔ لیکن بہت سی ضروریاتِ زندگی جو ہمارے لئے لوازم بن چکی ہیں وہاں میتسر نہ تھیں۔ کبھی حضرت صاحب کی خدمت میں باہر سے پھل وغیرہ آتے تو خاص توجّہ فرما کر ایک حصّہ مولانا محمّد علی صاحب کو عنایت فرماتے۔ ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں کوئی برف لایا۔ مولانا صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود نے مجھے بلایا۔ آپ کے سامنے برف کے ڈلے رکھے تھے۔ اور ایک بڑی سی گڑوی میں دُودھ تھا۔ آپنے گلاس میں دُودھ چینی ڈال کر برف ڈالی اور مجھے دیا۔ میں نے نہایت ممنونیت سے لے کر پی لیا۔ آپ نے دوبارہ گلاس دودھ اور چینی سے بھر دیا۔ تو مجھے شرم سی آئی کہ حضور دے رہے ہیں تو کس طرح انکار کروں۔ وہ بھی پی لیا۔ تیسری دفعہ آپ نے گلاس میں پھر دُودھ اور برف ڈال کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ بس کافی پی چکا ہوں تو حضرت مسیح موعود نے مسکرا کر فرمایا کہ دوبارہ

آپ نے اپنی مرضی سے پیا تو تیسری بار ہماری خوشی کے لئے پی لیں۔ چنانچہ میں نے وہ تیسرا گلاس پی لیا۔ اور مجھے کسی قسم کی تکلیف یا گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ غرضیکہ حضرت اقدس ایک نہایت شفیق والد کی طرح آپ کا خیال کرتے تھے۔ آپکا رشتہ بھی حضرت صاحب نے خود ہی کیا اور اپنے بچوں کی طرح سے بیاہا۔۔۔ ۴ر اپریل ۱۹۰۱ء کو آپ کا نکاح حضرت صاحب کے منشا کے مطابق میاں نبی بخش صاحب کی دختر فاطمہ بیگم کے ساتھ گورداسپور میں ہوا۔

حضرت صاحب کے قرب اور مسلسل صحبت کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب مولانا نورالدین صاحب سے روزانہ درسِ قرآن سنتے تھے اور قرآن کا جو علم آپ نے ان دونوں بزرگوں سے حاصل کیا۔ اس کا اعتراف آپ نے مختلف موقعوں پر اور کئی رنگوں میں کیا ہے۔ بیان القرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں مَیں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآنِ کریم کی محبت اور خدمتِ قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرم حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کوئی فائدہ پہنچے۔ تو وہ جہاں میرے لئے دعا کرے، ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں۔ اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی روح ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم "

اس کے علاوہ شروع سے ہی مولانا محمد علی صاحب کا یہ بھی شغل تھا کہ یورپین مفکروں اور مصنفوں کی تصنیفات جمع کر کے خود مطالعہ کرنے اور حضرت صاحب کو ترجمہ کر کے سناتے۔ اور ان لوگوں کے اسلام پر اعتراضات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحب کے مضامین وغیرہ کا انگریزی ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اور اپنے بھی مضامین تصنیف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ مدرسہ تعلیم الاسلام میں کچھ وقت پڑھاتے بھی تھے۔ اور اس مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے انتظامی امور اور چندہ جمع کرنا بھی آپ کے سپرد تھا آپ کی اُن دنوں کی مصروفیات کی ایک جھلک اخبار الحکم مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء میں اس طرح نظر آتی ہے :-

" حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے، ایل، ایل، بی کی دینی خدمت قابلِ رشک ہے۔

آپ قریباً دو سال سے دارالامان میں بیٹھے ہوئے خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔ دو تین سال کے اندر جس قدر انگریزی اشتہارات اور کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ یہ سب مولوی صاحب موصوف کی للّٰہی خدمت کا نتیجہ ہیں۔ آجکل دجال کے متعلق ایک انگریزی کتاب حضرت اقدس کو سُنا رہے ہیں.... باوجود اس قدر مصروفیت کے آپ نے گولڑوی کے مقابل اخبار عام اور "بیجودھویں صدی" میں بڑے بڑے زبردست آرٹیکل لکھے اور کلکتہ کے ایک عیسائی اخبار میں انگریزی میں لطیف مضامین لکھ رہے ہیں.... مڈل کا سالانہ امتحان قریب ہونے کی وجہ سے آپ نے گرامی اوقات کا ایک حصّہ آجکل مدرسہ میں محض قومی خیر خواہی اور مرضات اللہ کے حصول اور امام زمان کی خوشنودی کے لئے دے رکھا ہے۔"

(۲) الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء

"حضرت مولانا محمّد علی صاحب بعض ولائیتی فلاسفروں کی تصنیفات حضرت کو سُنا رہے ہیں۔"

مولانا محمّد علی صاحب کے متعلق حضرت صاحب کی ابتدائی تحریرات

ان ایام میں جبکہ مولانا محمّد علی صاحب نے قادیان میں قیام شروع کیا تو اس وقت سے حضرت مرزا صاحب جس گہری نظر سے آپ کے حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ اور جس نتیجہ پر پہنچے اس کا ذکر حضور نے اس طرح کیا ہے:۔

"ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں بھی امتحان پاس کیا ہے اور بہت سا اپنا حرج اُٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنی بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس قادیان میں مقیم ہیں.... اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں، اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک اندروں، پرہیزگار آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے..... یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہمہ صفت موصوف ہوں۔ اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔" (مجموعہ اشتہارات ۹ راگست ۱۸۹۹ء جلد ہشتم صفحہ ۴۷)

اور اس کے بعد اکتوبر ۱۸۹۹ء میں ایک اور موقع پر تحریر فرمایا:۔

"اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پاکر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے یعنی حبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے پلیڈر ہیں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں۔ اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمتِ دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن شریف سُن رہے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا۔ اور بیقین ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے تقوےٰ اور محبتِ دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین!"

(مجموعہ اشتہارات ۴ر اکتوبر ۱۸۹۹ء جلد ہشتم صفحہ ۶۸)

رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا اجرا

جیسا کہ ذکر آچکا ہے شروع میں مولانا محمد علی صاحب قادیان میں ایک عارضی قیام کے لئے تشریف لائے۔ اور آپ کا عارضی قیام بڑھتا ہی گیا۔ مقصد تو یہ تھا۔ کہ حضرت صاحب کے بعض میموریل جو گورنمنٹ میں بھیجے جانے تھے اور بعض تالیفات کا آپ انگریزی ترجمہ کریں جن میں سے ایک "فریادِ درد" بھی تھی۔ چنانچہ خود حضرت صاحب اپنے اشتہار —— "اشتہار الانصار" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وہ تمام کتابیں جو انگریزی میں ترجمہ ہو کر ہماری طرف سے نکلتی ہیں ان کا ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ہی کرتے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی حضرت صاحب کی صحبت سے فیض اُٹھائیں اور مولانا نورالدین صاحب سے درسِ قرآن سُنیں۔ لیکن اسی اثنا میں وہ وقت آگیا کہ حضرت صاحب اپنی بعثت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایک عملی قدم اُٹھائیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجبِ غم اور پریشانی کا تھا کہ وہ تمام سچائیاں اور پاک معارف اور دینِ اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اور انسانی رُوح کو ہمیشہ اطمینان دینے والی باتیں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالب علموں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ مگر چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس ناپائیدار گھر سے گذر جائیں، ہمارے تمام مقاصد پورے کر دے اور ہمارے لئے آخری سفر حسرت کا سفر نہ

ہو۔اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کا اصل مقصود ہے ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ... ایک رسالہ میگزین بزبان انگریزی مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۲۷)

اس رسالہ کی ایڈیٹری کے لئے ایک قابل انگریزی دان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس نے مولانا محمد علی صاحب کو فرمایا کہ آپ اگر قادیان رہ کر یہ خدمت دین کریں تو بہت خوب ہو۔ مولانا صاحب نے اس کو اپنی سعادت سمجھا اور جیسا کہ ذکر آچکا ہے وکالت کرنے کے تمام انتظامات کو منسوخ کر دیا۔ لیکن رسالہ کے نکلنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۱ء کو حضرت صاحب نے اپنے اشتہار "ایک ضروری تجویز" میں بھی اس رسالہ کے متعلق اعلان فرمایا۔ اس وقت کوئی انجمن موجود نہ تھی اور نہ ہی رسالہ کے لئے کسی سرمایہ کا انتظام تھا۔ حضرت صاحب کی دعوت پر احباب نے قادیان میں جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ رسالہ کو چندہ کے ذریعے چلایا جائے۔ اور چندہ کی رقم اور رسالہ کے انتظام کیلئے ایک انجمن ہو جس کا نام انجمن اشاعتِ اسلام رکھا گیا۔ اس کے سرپرست حضرت صاحب۔ پریذیڈنٹ مولوی نورالدین صاحب۔ وائس پریذیڈنٹ مولوی عبدالکریم صاحب۔ سیکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری مولانا محمد علی صاحب قرار پائے۔ اور رسالہ کے ایڈیٹر مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب قرار پائے۔ بعض وجوہات سے رسالہ کی اشاعت میں مزید تاخیر ہوگئی۔ اس اثنا میں مولانا محمد علی صاحب رسالہ کے لئے متواتر مضامین تیار کرتے رہے اور حضرت صاحب کے مضامین کے ترجمے بھی کرتے رہے۔ نومبر ۱۹۰۱ء میں فیصلہ ہوا کہ عہدیداران انجمن مقامی ہوں۔ اور مولانا محمد علی صاحب کو سیکرٹری بنایا گیا اور رسالہ کو قادیان سے نکالنے کی تجویز رہی۔ جنوری ۱۹۰۲ء سے یہ رسالہ مولانا محمد علی صاحب کی ایڈیٹری میں ماہوار شائع ہونا شروع ہوا اور ساتھ ہی اس کا ایک ترجمہ اردو رسالہ کی شکل میں بھی نکلنے لگا۔ مولانا محمد علی صاحب کو اس رسالہ کے لئے یکم اپریل ۱۹۰۱ء سے باقاعدہ ملازم رکھا گیا۔ اور آپ کا مشاہرہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۰۱ء تک ساٹھ روپے ماہوار مقرر کیا گیا۔ اور یکم جنوری ۱۹۰۲ء سے سو روپے ماہوار۔ لیکن جیسا کہ قادیان کی انجمن کے ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ لمبی مدت تک خود ہی صرف بیس روپے ماہوار اپنی ضروریات کے لئے لیتے رہے۔ چنانچہ آپ کے اپنے ہاتھ سے اس ریکارڈ میں اس طرح سے اندراج ہے:۔

"یکم اپریل ۱۹۰۱ء سے ایڈیٹر ریویو مستقل تنخواہ بیس روپے۔"

خانہ کیفیت میں یہ نوٹ درج ہے:۔

(۱) اصل مشاہرہ جو لیا گیا درج کیا گیا ہے۔ بروئے فیصلہ ساٹھ روپے کی منظوری ۳۱۔ دسمبر سنہ ۱۱ء تک اور سو روپے منظوری یکم جنوری سنہ ۱۲ء سے بعد کے لئے تھی۔ (دستخط) محمد علی۔

اس طریق سے آپ نہایت تنگی سے گذارا کیا کرتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ اپنے مقرر کردہ مشاہرہ کے مقابل سالہا سال تک اس قدر قلیل رقم لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ مقروض ہو گئے۔ اس بات کا علم جب حضرت مسیح موعود کو کسی اور ذریعہ سے ہوا تو آپ نے جو ہدایت تحریر فرمائی اس کا عکس درج ذیل ہے:-

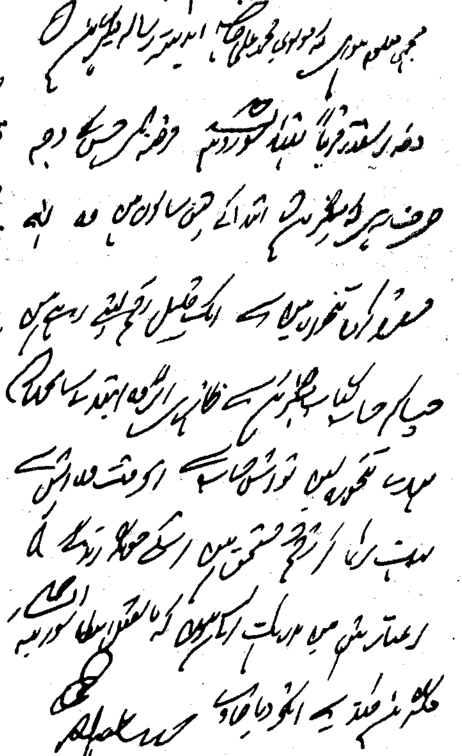

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر رسالہ میگزین کے ذمہ اس قدر قریباً پندرہ سو روپیہ قرضہ کا ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میگزین کے ابتداء کے تین سالوں میں وہ اپنی مقرر کردہ تنخواہ میں سے ایک قلیل رقم لیتے رہے ہیں۔ جیسا کہ حساب کتاب میگزین سے ظاہر ہے اگر وہ ابتدا کے سالوں کی پوری تنخواہ لیں تو اس حساب سے اس وقت وہ اس سے بہت بڑھ کر رقم کے مستحق ہیں۔ اس لئے چونکہ زندگی کا اعتبار نہیں میں ہدایت کرتا ہوں کہ بالفعل پندرہ سو روپیہ میگزین فنڈ سے ان کو دیا جائے۔

مرزا غلام احمد عفی عنہ"

ابتدا میں تو رسالے میں اکثر حضرت صاحب ہی کے مضامین ہوا کرتے تھے۔ جن کا انگریزی ترجمہ مولانا محمد علی صاحب شائع کیا کرتے تھے اور مولانا صاحب خود بھی کچھ مضامین لکھا کرتے تھے لیکن بعد میں مولانا محمد علی صاحب کے اپنے مضامین کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اور آگے چل کر تو تقریباً سارا رسالہ ہی مولانا کے قلم سے نکلنے لگا۔ اور بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین ان کے قلم سے نکلے۔ جو مسلم اور غیر مسلم پبلک میں نہایت مقبول ہوئے۔ مثلاً بہشت و دوزخ۔ پردہ۔ کثیر الازدواجی۔ غلامی۔ اسلامی جنگیں۔ مسئلہ وراثت۔ سود۔ طلاق۔ جمع قرآن۔ حفاظتِ احادیث[۱] وغیرہ وغیرہ،

---

[۱] اس مضمون کے متعلق ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اپنی کتاب مجددِ اعظم میں لکھتے ہیں کہ جن دنوں "ریویو آف ریلیجنز" میں حفاظت احادیث پر مولوی محمد علی صاحب کا مضمون نکلا ہے تو اسے پڑھ کر میرا یہ خیال ہوا کہ اس قدر تفصیل اور شرح و

اسی طرح اس وقت جو کچھ پادری اسلام کے خلاف لکھ رہے تھے اس کی تردید اس قدر پُرزور دلائل اور پُرشوکت سلسلۂ مضامین سے کی گئی کہ تمام مسیحی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔

مضامین کی خوبیوں کے علاوہ اس رسالہ کی انگریزی زبان کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف بھی عام طور پر کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا تھا کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی انگریز ہے۔ جو قادیانی نے اپنے پاس چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اور محمد علی کے فرضی نام سے اس رسالے کی ایڈیٹری کرتا ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۰۲ء کے ایک انگریزی رسالے "کلکتہ ریویو" کے انگریز ایڈیٹر نے اس رسالہ کی نسبت مخالفانہ رنگ میں لکھا:

"یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس رسالے میں جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ ایک یورپین کی قلم سے نکلتا ہے جو انگریز ہے۔ اور یہ نقشہ جو ہمارے سامنے ہے بعینہٖ محمدؐ اور ان کے مددگار شامی عیسائی کی، جس کو وہ جبریل کہتے تھے، نقل ہے......"

اس کے بعد اس مزعومہ "انگریز" کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ یہ کام چھوڑ دے۔

اسی طرح اخبار بدر جلد ۲ نمبر ۲ مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود کی ڈائری میں یہ ذکر آتا ہے:-

"مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط خالد سنو صاحب (ایک نو مسلم انگریز) کا سنایا۔ اس میں راقم نے اس امر پر تعجب کیا ہوا ہے کہ میگزین کی انگریزی مولوی محمد علی صاحب کی ہوتی ہے۔"

بسط کے ساتھ تحقیقات کر کے جو یہ مضمون لکھا ہے تو اس میں حضرت مولانا نور الدین صاحب یا مولانا محمد احسن صاحب امروہی سے مولوی محمد علی صاحب نے ضرور مدد لی ہوگی۔ کیونکہ یہی دونوں بزرگ اس زمانے میں علم حدیث کے آسمان میں آفتاب و ماہتاب تھے۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد مبارک کے کوٹھے پر نماز مغرب سے پہلے میں اور سید محمد حسن صاحب امروہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مولانا نور الدین صاحب تشریف لائے۔ ہاتھ میں ریویو آف ریلیجنز تھا۔ آتے ہی السلام علیکم کے بعد مولوی محمد احسن صاحب سے پوچھا کہ آپ نے یہ مضمون حفاظت احادیث پڑھا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں پڑھا۔ اس پر مولوی نور الدین صاحب نے فرمایا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم اور آپ مولوی لوگ ہی حدیث کا علم رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب نے اس شعبہ میں بھی اس کمال کی تحقیقات کی ہے کہ مجھے حیران کر دیا ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ مجھے اُس وقت پتہ لگا کہ مولوی محمد علی صاحب کی اس تحقیقات میں ان دونوں بزرگوں کا کوئی حصہ نہیں۔ اور سب کچھ مولوی صاحب کی اپنی سعی اور کوشش اور اپنا ہی علم ہے۔ جس پر اتنے پائے کے محدث حیران ہیں۔

میر ناصر نواب کی تائید پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خوارق عادت امر ہے۔ چنانچہ انگریزوں نے بھی خیال کیا ہے کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہُوا ہے جو کہ انگریزی رسالہ لکھتا ہے۔ مولوی محمّد علی صاحب نے بیان کیا ہے کہ خدا کا فضل ہی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے میرا ایک حرف تک شائع نہیں ہُوا۔ اللّٰھمّ زد فزد"

اسی طرح بعد میں ایک موقع پر اخبار بدر مورخہ ۵ ۱۱/۱ میں حضرت صاحب کی ڈائری میں یہ ذکر ہے۔

"ریویو آف ریلیجنز کا ذکر تھا۔ ایک صاحب نے تعریف کی کہ اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے ایڈیٹر مولوی محمّد علی صاحب ایک لائق و فاضل آدمی ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں۔ اور اس کے ساتھ دینی مناسبت رکھتے ہیں۔ ہمیشہ اوّل درجہ پہ پاس ہوتے رہے ہیں۔ اور ای۔ اے۔ سی میں ان کا نام درج تھا۔ مگر سب باتوں کو چھوڑ کر یہاں بیٹھ گئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالےٰ نے ان کی تحریر میں برکت ڈالی ہے۔"

الغرض ریویو آف ریلیجنز پہلا رسالہ تھا۔ جس نے اس زور و شور اور فصاحت و بلاغت سے انگریزی زبان میں اسلام کو پیش کیا اور دلائل قاطع سے اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر ثابت کر کے دکھایا کہ مسلم و غیر مسلم اہل علم طبقہ حیرت میں پڑ گیا۔ سینکڑوں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو جو پادریوں اور دہریوں کے زیر اثر تھے۔ دوبارہ اسلام اور ایمان نصیب ہُوا۔ پادریوں کے گھروں میں ماتم پڑ گیا۔ کیونکہ عیسائی مذہب سب سے زیادہ اس رسالہ کا نشانہ تھا۔ اور اسلام کا غلبہ دلائل سے تمام ادیان پر ایک حقیقت نظر آنے لگا۔ خود انگریزوں پر اس رسالہ کا اثر ایسا بیّن پڑا کہ اس سلسلہ میں اگر دو دلچسپ واقعات کا ذکر کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ ایک تو یہ کہ ضلع سرگودھا کے ایک احمدی زمیندار چودھری حاکم علی صاحب نے یہ رسالہ مسٹر میلکم ہیلی ہتمم آبادی سرگودھا جو بعد میں سر میلکم ہیلی گورنر پنجاب بنے) کے نام جاری کروا دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب چودھری صاحب مسٹر ہیلی سے ملے تو مسٹر ہیلی نے کہا کہ تم نے یہ رسالہ جاری کروا کر مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔ جب میں اس کو پڑھتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اس فکر میں مجھے راتوں نیند نہیں آتی۔ اسی طرح کا دوسرا واقعہ فقیر افتخار الدین صاحب نائب ہتمم بندوبست راولپنڈی نے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو سُنایا جو اُن کی کتاب مجدد اعظم میں درج ہے کہ ان کے ایک انگریز افسر نے جس کے نام رسالہ مفت آتا تھا کہا کہ آپ اس رسالہ کو بند کروا دیں کیونکہ پڑھے بغیر رہا بھی نہیں جاتا اور جب پڑھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ میں ایک دین حق قبول نہ کرنے کی وجہ سے خدا کا مجرم نہ بن جاؤں۔

ستمبر ۱۹۰۲ء میں حضرت صاحب نے اس رسالہ کی اشاعت کے لئے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ چونکہ اس

سے اس سلسلہ کی اصل غرض پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے اس کے کچھ حصّہ کی نقل مندرجہ ذیل ہے:۔

"چونکہ ہماری جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالےٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائی ہیں۔ ان کو دُور کرکے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے پورا کیا جائے۔ اس لئے انہی اغراض کو پورا کرنے کے لئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا۔ جس کا شائع ہونا امریکہ اور یورپ کے اکثر حصّوں میں بخوبی مفید ثابت ہو چکا ہے۔ اور بہت سے دلوں پر اثر ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

اس کے بعد رسالہ کے لئے تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جو کوئی میری موجودگی میں اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دیگا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔"

غرضیکہ حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا انتخاب فرمایا۔ اور یہ رسالہ بڑی آب وتاب سے شائع ہوتا رہا اور بڑے بڑے قیمتی مضامین اسلام پر اس میں شائع ہوتے رہے اور بڑی عظیم الشان خدمت اس کے ذریعہ دین کی ہوتی رہی۔ اسلام کے متعلق انگریزی خواں دنیا کا نقطۂ نظر بدلنے میں اس زمانے میں سب سے پہلا ذریعہ یہی رسالہ تھا۔ اور ہندوستان کے تعلیمیافتہ طبقہ کے علاوہ کثرت سے غیر ممالک میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ مارچ ۱۹۱۴ء تک جب تک کہ مولانا محمد علی صاحب اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس رسالہ کی آب وتاب میں فرق نہیں آیا، بلکہ بڑی شان وشوکت سے شائع ہوتا رہا۔ لیکن جب مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد مولانا محمد علی صاحب کو قادیان میں سب کچھ چھوڑ کر لاہور آنا پڑا تو یہ رسالہ دوسرے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور یہی وہ وقت ہے جب اس کے مضامین کا تنزل شروع ہُوا اور یہ ایک معمولی درجہ کا رسالہ بن کر رہ گیا۔

حضرت صاحب کی خواہشات دربارہ تبلیغ اسلام

یورپ میں اسلام پھیلانے کے لئے علاوہ رسالہ کے اجراء کے حضرت صاحب کی دو خواہشات اور تھیں۔ ایک قرآن کا انگریزی ترجمہ وتفسیر کرکے ان لوگوں تک پہنچانا۔ اور دوسرے اسلامی مسائل پہ ایک مفصل کتاب لکھ کر اس کا پھیلانا۔ آپ نے اپنے دعوے کے بعد سب سے پہلی کتاب "ازالۂ اوہام" میں اپنی آرزو ان الفاظ میں بیان کی:۔

"سو میری صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اور اگر قوم بدل وجان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کرکے انگریزی

میں ترجمہ کرا کہ ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔"

(ازالۂ اوہام صفحہ ۷۷۳)

اور ایک مقام پر تحریر فرمایا:۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع انسان کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔"

(منظور الٰہی صفحہ ۱۸۸)

ایک موقع پر حضرت مسیح موعود کی ڈائری مطبوعہ بدر مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء میں درج ہے:۔

"۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو حضرت اقدس نے بلا کر فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آجکل ان ملکوں میں جو اسلام نہیں پھیلتا۔۔۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں۔۔۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جائے۔ جو خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے اور وہ امتیازی باتیں جو خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر کرنی چاہئیں۔۔۔۔۔ ان سب باتوں کو جمع کیا جائے جن کے ساتھ اسلام کی عزت اس زمانے میں وابستہ ہے۔۔۔۔۔"

غرضیکہ جہاں ایک طرف تو حضرت صاحب نے اپنی زندگی کا مقصد بیان کر کے رسالہ کے لئے مولانا محمد علی کا انتخاب فرمایا۔ وہاں دیگر تالیفات کے لئے بھی آپ کی خواہش یہی تھی کہ مولانا محمد علی صاحب ہی کریں۔

مولانا محمد علی صاحب کی سب سے پہلی تصویر

اسی ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ قادیان میں ایک فوٹوگرافر کو بلوایا گیا۔ اور علاوہ اور تصویروں کے اُس نے ایک تصویر مولانا محمد علی صاحب کی بھی اتاری۔ یہ آپ کی سب سے پہلی تصویر ہے۔ جو اس کتاب میں بھی دی گئی ہے۔ اس کے متعلق خود آپ کے اپنے الفاظ میں سنیئے خطبہ جمعہ مورخہ ۴ فروری ۱۹۴۴ء میں فرماتے ہیں:۔

"اس وقت جبکہ بڑا ابتدائی زمانہ تھا۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میں نہیں جانتا وہ کس طرح ظہور پذیر ہوا۔ شاید ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء کا زمانہ تھا۔ میں قادیان میں رہتا تھا۔ غالباً ریویو آف

ریلیجنز نکل چکا تھا۔ اس وقت حضرت مسیح موعود نے اس غرض کے لئے کہ جب ہماری یہ تحریریں ان قوموں کے پاس جائیں گی تو یہ لوگ کچھ تصویر دیکھ کر اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ایک فوٹوگرافر منگوایا اور آپ کا فوٹو لیا گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اور بھی کوئی گروپ کا فوٹو اس وقت لیا گیا یا نہیں۔ اتنا مجھے یاد ہے کہ آپ کے ارشاد سے ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا۔

یہ معمولی چیز ہے مگر ایک عجیب بات ہے جسے تصرف الٰہی کہنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ اس فوٹو میں دائیں طرف کسی شخص کا ہاتھ ہے جس میں ایک کتاب ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے۔ "قرآن شریف"۔ یہ کہاں سے آیا۔ اس وقت قرآن شریف کے ترجمہ کا کسی کو خیال نہ تھا۔ حضرت صاحب کے دل میں یہ بات مدت سے تھی۔ لیکن سامان نہ تھے۔ اور میرے متعلق اس ابتدائی زمانے میں یہ وہم بھی کسی کو نہ آسکتا تھا کہ میں قرآن شریف کے ترجمے کرونگا۔ مگر یہ خدائی تصرف تھا۔ جس سے اس میرے سب سے پہلے فوٹو میں قرآن شریف کا فوٹو بھی آگیا۔ وہ کون شخص تھا۔ اس نے اس وقت قرآن شریف ہاتھ میں کیوں لیا۔ وہ میرے دائیں بازو کی طرف کس طرح کھڑا ہو گیا کہ یہ حصہ بھی فوٹو کے اندر آجائے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

(پیغام صلح مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۴۴ء)

مولانا محمد علی صاحب کے متعلق حضرت صاحب کے رویاء، کشوف اور الہامات اور تحریرات

اس زمانے میں ظاہر کی آنکھ سے یہ نظر نہ آسکتا تھا کہ یہ پچیس چھبیس سالہ نوجوان اس سلطان القلم کا حقیقی جانشین ہوگا۔ اور اس کی دلی تڑپ اور آرزوؤں کو پورا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت صاحب نے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ آپ خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی اور ایسے نمونے دکھائیں گے جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں — اور پھر اپنی خواہشات کا ذکر فرما کر عملی طور پر وہ کام بھی مولانا محمد علی صاحب کو سونپ دیئے جن کو آپ نے اپنے آنے کا اصل مقصد ٹھہرایا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ نے اپنے یہ کام اپنی فراست سے مولانا محمد علی صاحب کے سپرد کئے۔ حالانکہ مومن کی فراست بھی ایک اللہ کا نور اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اتقوا فراست المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ اور آپ کو تو اپنی فراست پر اس قدر یقین تھا کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دل میں ڈالنے کے پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ذیل کا خط ملاحظہ ہو جس میں آپ فرماتے ہیں:-

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا۔ ہرگز نہ ہوتا

مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں … "

عکس خط:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی

محبی مکرمی اخویم مولوی محمد علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے وقت ملاقات نیک؟ مجھ کو آپ سے
بہت ہی نیک ظن ہے اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ
خاص محبت رکھتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق فطرت
نیک نہ ہوتی تو کوئی انسان نیک ظن ہو نہ سکتا اگر نہ ہوتا
مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں
اور آپ کے لئے اکثر پنجوقت غائبانہ دعا کرتا ہوں امید ہے
کہ کسی وقت وہ دعا اپنا اثر دکھلائے گی اور یہ کہ کسی وقت
آپ کا یقین صحیح طور پر محسوس ہو اور دل اس سے تسلی ہو تو پیدا ہو خدا تعالیٰ کے
فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا آخر نیک فطرت انسان کے فضل
ہو جاتا ہے غرض ہر طرح سے تیلیٰ اکثر میں دلی جوش سے
آپ کی دنیا و آخرت اور جسم اور جان کے لئے دعا میں
مشغول ہوں اور اس کی آثار اور تاثیرات کا منتظر ہوں

والسلام

مرزا غلام احمد عفی اللہ عنہ

مگر جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے یہ بات آپ کی فراستِ صحیحہ اور آپ کے مولانا محمد علی صاحب کے حالات دیکھنے تک محدود نہ تھی۔ بلکہ اس بارے میں جو رویا اور کشوف آپ نے دیکھے یا جو الہامات آپ کو ہوئے ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کا علمی ورثہ مولانا محمد علی صاحب کو دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود نے ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے جہادِ سیفی کی بجائے جہادِ قلمی کرنا تھا۔ اور ضروری تھا کہ آپ کے رفیقوں میں سے کوئی ایسا مجاہد نکلتا جو آپ کا جانشین ہوتا۔ اور لازم تھا کہ قلم کے ایسے دھنی کو حضرت اقدس اپنی کشفی آنکھ سے بھی دیکھتے۔ آپ کے متعدد رؤیا اور کشوف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھوں عظیم الشان دینی خدمات کا سرانجام پانا قبل از وقت دکھایا گیا تھا۔

سب سے بڑا کام تفسیر قرآن کا تھا۔ جس سے اس زمانے میں اسلام کی صداقت ظاہر ہو۔ حضرت مسیح موعود نے ازالہ اوہام صفحہ ۳، پر خود ایک تفسیر لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جیسا کہ پہلے حوالہ آ چکا ہے۔ مگر دوسری جگہ آپ کو ایک روشن کشف میں یہ دکھایا گیا کہ وہ تفسیر علی نے لکھی ہے اور علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے آپ نے اپنے اس کشف کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے "اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا" کشف کے دو حصے ہیں جن میں سے دوسرا حصہ ان الفاظ میں ہے :-

"پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک"

(تذکرہ صفحہ ۲۱-۲۲ و براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۳)

گویا خود حضرت صاحب نے اپنا ارادہ ایسی تفسیر لکھنے کا ظاہر فرمایا مگر مصلحت الٰہی یہی تھی کہ حضور کا مندرجہ بالا کشف پورا ہو کہ علی ایک تفسیر لکھے اور آپ کو دے۔ چنانچہ اس تفسیر کی تمہید میں مولانا محمد علی صاحب کے یہ انگریزی الفاظ ہیں :-

"اس تفسیر کی بہترین باتیں اس زمانے کے سب سے بڑے مذہبی راہنما حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے قلب سے میرے قلب میں آئی ہیں میں نے سیر ہو کر علم کے اس چشمہ سے پانی پیا ہے جو اس مصلح عظیم، مہدی و مجدد صدی چہاردہم، بانی سلسلہ احمدیہ نے بہایا ہے۔"

گویا علم بھی آپ کا لیا ہے۔ آرزو بھی آپ کی ہی تھی۔ اس کو کشف میں یوں ظاہر کیا کہ "یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔"

حضرت مسیح موعود کے علمی ورثہ اور دینِ اسلام کے لئے قلمی جہاد کے لئے مولانا محمد علی صاحب کا

منتخب کیا جانا ایک اور رؤیا میں بھی صراحت سے بتا دیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوں اور کسی طرف جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آگے بالکل تاریکی ہوگئی تو میں واپس آگیا اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ واپس آتے ہوئے راستے میں گرد و غبار کے سبب بہت تاریکی ہوگئی۔ اور گھوڑے کی باگ کو میں نے ٹٹول کر پکڑا ہوا ہے۔ چند قدم چل کر روشنی ہوگئی۔ آگے دیکھا کہ ایک بڑا چبوترہ ہے۔ اس پر اُتر پڑا۔ وہاں چند ایک لڑکے ہیں۔ انہوں نے شور مچایا کہ مولوی عبدالکریم آگئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب آ رہے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ میں نے مصافحہ کیا۔ اور السلام علیکم کہا۔ مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی۔ اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اس سے کام چلاتا ہے وہ چیز اس طرح سے ہے جیسے خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ۔ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی سے آگے ایک قلم لگا ہوا ہے۔ جس سے وہ قلم بغیر محنت کے آسانی سے چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مولوی محمدؐ علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب کو دے دونگا۔"

اس کے ساتھ ہی خود حضرت صاحب تعبیر فرماتے ہیں کہ "عورتوں سے مراد کمزور لوگ ہو سکتے ہیں۔ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ مولوی محمدؐ علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ مخالفین کے رد میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔" (تذکرہ صفحہ ۶۵۷ و براہین احمدیہ صفحہ ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ ۳)

ایک اور رؤیا حضرت صاحب کا ہے جس کے متعلق مولانا محمدؐ علی صاحب خود اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"ایک اور رؤیا آپ کا جو میں نے کہیں چھپا ہوا نہیں دیکھا۔ مگر حضرت مسیح موعود نے خود مجھ سے بیان کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود اور خاکسار آگے پیچھے دونوں ایک گھوڑے پر سوار ہیں۔ جو نہایت تیز رفتاری سے ایک شہر کے گلی کوچوں کے اندر سے دوڑ رہا ہے اور ہر کونے پر خطرہ ہوتا ہے کہ ٹکرا جائے۔ لیکن صاف نکل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کھلے میدان میں ہم پہنچ گئے۔ اور وہاں ایک شخص ہے جس نے خاکسار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اِن کا نام ہے مجدّ الدّین۔" (پیغام صلح ۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء)

مولانا محمدؐ علی صاحب کا گھوڑے پر حضرت صاحب کے پیچھے سوار ہونا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مولانا کے لئے یہ مقدر تھا کہ آپ کے علمی کام کو آپ کے بعد کریں اور مجدّ الدّین نام کا دیا جانا

اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کام تجدیدِ دین کے لئے ہوگا۔ سو خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ اور جو لٹریچر مولانا محمد علی صاحب کے قلم سے نکلا اس میں دینِ اسلام کی خوبصورت اور مکمل تصویر موجود ہے۔ اور دینِ اسلام کے لئے تجدید اور قوت کا موجب ہوا ہے۔ ؎

اسی جگہ یہ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احادیثِ نبوی میں مہدی کے خروج کے متعلق تین احادیث ایسی ہیں جن کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۴۴، ۴۴۵ پر نقل کیا ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا اور جب وہ فوت ہوگا۔ تو قرآن لوگوں کے سینوں سے اُٹھ جائے گا اور لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ اس کے بعد لوگ اس کے اہلِ بیت میں سے ایک آدمی کو اپنا خلیفہ بنائیں گے جس کا شر خیر سے زیادہ ہوگا۔ اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا۔ جس کا لقب منصور ہوگا۔ ایک اور حدیث ابوداؤد کی حضرت مسیح موعود نے بمع اپنے ایک کشف کے ازالہ اوہام صفحہ ۹۵ تا ۹۹ کے حاشیہ میں دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک شخص ماوراء النہر سے نکلے گا۔ یعنی بخارا یا سمرقند اس کا اصلی وطن ہوگا۔ اور وہ حارث کے نام سے پکارا جائے گا یعنی باعتبار اپنے آباؤاجداد کے پیشے کے حارث یعنی زمیندار ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث حراث علیٰ مقدمتہ رجل یقال لہٗ منصور ...... اس حدیث کو حضرت مسیح موعود نے اپنے اوپر لگایا ہے۔ کہ یہ حارث دراصل اس امّت کا مسیح ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح حدیث میں درج ہے کہ شخص حارث نام یعنی حرّاث ماوراء النہر یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا۔ جو آلِ رسول کو تقویّت دے گا.... یہ پیشگوئی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا۔ دراصل یہ دونوں پیشگوئیاں متحد المضمون ہیں۔ اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔"

اور پھر حدیث کے ان الفاظ "علیٰ مقدمتہ رجل یقال لہ منصور" کی تشریح آپ نے یوں فرمائی ہے:

" اور اس کے (یعنی حارث کے) لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ

؎ یہ رویا اختلاف کی ابتداء میں ہی مولانا محمد علی صاحب نے شائع کر دیا تھا۔ اور بعد میں بھی دو موقعوں پر اس کا ذکر کیا چنانچہ اختلاف کے بعد جب قادیانی جماعت کی طرف سے مولانا محمد علی صاحب پر ہر قسم کے الزامات لگائے گئے تو "پیغام صلح" میں ۱۹۱۶ء کے متعدد پرچوں میں مولانا محمد علی صاحب کے نام کے ساتھ یہ کشفی نام بار بار لکھا جاتا رہا۔

شخص ہو گا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہو گا۔ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں۔ بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہو گی کہ اس حارث کو دی جائے گی۔ جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت پر دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں۔ ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ مگر وہ چپ رہا۔ اور اس نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رُخ کیا وہ چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا۔ اس سے میں نے مخاطب کر کے کہا۔ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت وہ میری یہ بات سن کر بولا۔ ایک لاکھ نہیں پانچہزار سپاہی دیا جائے گا۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچہزار تھوڑے آدمی ہیں پر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں۔ اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمتِ خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا۔ لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۹۵-۹۹، تذکرہ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲)

اس کشف میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے دو آدمیوں کو اپنی جماعت کی راہنمائی کرتے دیکھا۔ جن میں سے ایک زمین پر بیٹھا ہے اور دوسرا چھت کے قریب آسمان کی طرف ہے۔ زمین پر بیٹھنے والے کے پاس اس قدر آدمی ہیں کہ آپ اس سے ایک لاکھ آدمی مانگتے ہیں مگر وہ خاموش رہتا ہے۔ پھر چھت کے قریب بیٹھنے والے کو مخاطب کر کے وہی سوال دہراتے ہیں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ میں صرف پانچہزار آدمی دے سکتا ہوں۔ اور فی الواقع جماعتِ قادیان اور لاہور کی یہی نسبت ہے کہ لاہور کی جماعت قادیان کی جماعت کا بمشکل بیسواں حصّہ ہو گی۔ اور زمین پر بیٹھنے اور آسمان کی طرف بیٹھنے میں دونوں جماعتوں کے قائدوں کے میلان کا ذکر ہے۔ جماعتِ قادیان کی توجہ زیادہ تر دنیاوی امور پر رہی اور دوسرے گروہ کی توجہ ان امور کی طرف جو بلندی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضرت صاحب کے آنے کی غرض کو پورا کرتے ہیں دوسری بات جو اس کشف سے صاف ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ آپکی روحانی فوج کا سردار یعنی منصور وہی ہے جسے چھوٹی جماعت کا سردار بتایا گیا ہے۔ اور جس کی جماعت فئة قليلة کا مصداق ہے۔

اس کشف کے خاتمہ پر حضرت مسیح موعود نے ایک اور بات کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا - اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال - مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن امید رکھتا ہوں کہ دوسرے وقت دکھایا جائے گا۔"

آپ کی کتاب 'ازالۂ اوہام'، جس میں یہ کشف درج ہے ۱۸۹۱ء میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت نہ حضرت اقدس نے مولانا محمد علی صاحب کو دیکھا تھا اور نہ مولانا نے حضرت صاحب کو۔ لیکن اس کے بعد جب مولانا محمد علی صاحب قادیان میں رہ پڑے تو حضرت صاحب نے جس طریق پر اپنی دلی خواہشات کا اظہار کر کے اس کے متعلق سب کام مولانا محمد علی صاحب کے سپرد کئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور نے اپنے مقدمۃ الجیش کا تقرر خود ہی فرمایا۔

حضرت مسیح موعود کا ایک اور رؤیا بھی مولانا محمد علی صاحب کے متعلق ہے جو شاید انہی باتوں کا جواب ہے جو بعد میں اکابرِ قادیان نے مولانا کے متعلق کہیں۔ فرماتے ہیں:

"مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا۔ آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔" (مطبوعہ بدر۔ جلد ۳ ، نمبر ۲۹)

یہاں دو باتیں کہی ہیں۔ "صالح تھے" اور "نیک ارادہ رکھتے تھے"۔ پہلی بات تو درحقیقت اکابرِ قادیان کی اس بات کا جواب ہے کہ انہوں نے آپ کو فاسق کہا۔ کیونکہ صالح فاسق کے مقابلہ پر ہے اور دوسری بات جو آپ کے متعلق اُنہوں نے کہی کہ آپ فتنہ پرداز تھے۔ اور قادیان سے علیحدگی کو "پیغامی فتنہ" کہا جاتا رہا تو آپ کے نیک ارادہ ہونے کے متعلق خود حضرت صاحب نے گواہی دی ہے۔ اور آپ کا مولانا کو آخرت میں اپنے ساتھ بٹھانا صاف بتاتا ہے کہ مولانا وہی کام کرتے رہے جو مسیح موعود کا تھا۔

غرضکہ حضرت مسیح موعود کے ان تمام رؤیا۔ کشوف اور دیگر تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں یہ مقدر تھا کہ آپ کے مشن کو چلانے اور آپ کی دلی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے مولانا محمد علی صاحب کو چن لیا جائے۔ اور یہ کہ حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں ہی یہ کام مولانا کے سپرد کئے۔ اور تفسیر قرآن اور اسلام پر جامع کتب اور عمدہ عمدہ تالیفات لکھنے کی توفیق مولانا محمد علی صاحب کو ہی ملی۔ اور جس جس خواہش کا حضرت صاحب نے اظہار فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مولانا محمد علی صاحب کے ذریعے سے شرفِ قبولیت بخشا۔ اس لحاظ سے مولانا کی زندگی حضرت صاحب کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب کے دل میں یہ آرزو تھی کہ تبلیغ اسلام کا یہ کام کریں۔ مگر مصلحت الٰہی اس طرح تھی کہ آپ اپنا کچھ کام اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے پورا کریں اور کچھ آپ کے بعد آپ کے کسی خادم کے ہاتھ سے پورا ہو۔ جس طرح قیصر و کسریٰ

کی چابیاں رسول اللہ صلعم کو دی گئیں۔ مگر یہ دونوں سلطنتیں حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے فتح ہوئیں اور چابیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی زندگیاں گویا رسول اللہ صلعم کی زندگی کا ہی حصہ ثابت ہوئیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کی بعض آرزوؤں کو خدا نے آپ کی زندگی میں پورا کر دیا مگر بعض کو آپ کی وفات کے بعد مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھ سے پورا کر وا کر مولانا کی زندگی کو حضرت صاحب کی زندگی کا ہی حصہ ثابت کر دیا۔

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مارچ اپریل ۱۹۰۲ء میں پنجاب میں طاعون کا بڑا زور تھا۔ قادیان میں طاعون نے کبھی وبائی صورت اختیار نہیں کی تھی۔ حالانکہ قادیان کے اردگرد کے دیہات میں ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ انہی ایام میں حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا باستکبار۔ کہ بے شک میں ہر ایک کی جو اس گھر کے اندر ہے حفاظت کرونگا سوائے اس کے جو سرکشی اور تکبر اختیار کرے۔

اس الہام میں جناب الٰہی سے حضرت مسیح موعود کے گھر کے اندر رہنے والوں کے متعلق حفاظت کا وعدہ تھا۔ حضرت صاحب نے بہت سے لوگوں کو اپنے گھر کے اندر رہنے کی دعوت دیدی۔ مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمد علی صاحب پہلے ہی وہاں رہتے تھے۔ اس کے بعد مولوی نورالدین صاحب، مولوی محمد احسن صاحب امروہی بمعہ اہل و عیال اور کچھ اور خاندان بھی حضرت صاحب کے مکان میں ایک ایک کمرہ میں رہ کر گزارہ کرنے لگے۔ اتفاق سے مولوی محمد علی صاحب کو سخت بخار چڑھا۔ انہیں خیال ہوا کہ اگرچہ میں دار کے اندر ہوں مگر اس الہام میں جو تکبر اور سرکشی کرنے والوں کے لئے استثناء ہے۔ سو کیا عجب ہے کہ مجھ میں کوئی کمزوری ہو اور اس کی وجہ سے میں طاعون میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ آپ پر اس خیال نے اس قدر غلبہ کیا کہ مفتی محمد صادق صاحب کو بلا کر وصیت بھی لکھوانی شروع کر دی۔ حضرت مسیح موعود کو خبر ہوئی تو آپ فوراً مولوی صاحب کے کمرہ میں تشریف لائے اور حال دریافت فرمایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے طاعون ہو گئی ہے۔ دیکھئے کس قدر سخت بخار ہے۔ حضرت صاحب نے نہایت جذبہ کے ساتھ فرمایا۔ "اگر آپ کو طاعون ہو گئی ہے تو میں جھوٹا ہوں اور میرا دعوئ الہام غلط ہے۔" (یہ واقعہ اور الفاظ حضرت مرزا صاحب نے اپنے قلم سے حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۵۳ پر لکھے ہیں) یہ الفاظ کہہ کر حضرت صاحب نے مولوی صاحب کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو عجیب نمونہ قدرتِ الٰہی کا ظاہر ہوا کہ ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی ایسا بدن سرد ہو گیا کہ بخار کا نام و نشان نہ تھا۔ اور وہ اچھے بھلے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ خود مفتی محمد صادق کا بیان ہے کہ میں نے اس سے قبل مولوی محمد علی صاحب کے جسم پر ہاتھ لگایا تو وہ آگ کی طرح پھنک رہا تھا۔ ابھی چند منٹ ہی گذرے تھے کہ حضرت صاحب

کے تشریف لانے کے بعد نہ معلوم وہ بخار کدھر چلا گیا۔[1]

ایک اور موقع پر مدرسہ تعلیم الاسلام کے متعلق لکھتے ہوئے حضرت صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کے متعلق اس طرح فرمایا :-

ہماری غرض مدرسہ کے اجرائے سے صرف یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ مروجہ تعلیم کو اس واسطے ساتھ رکھا گیا ہے کہ یہ علم خادم دین ہوں۔ ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف۔ اے یا بی۔ اے کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ دین کے لئے زندگی بسر کریں۔ اور اسی لئے مدرسہ کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے کام آئے۔ مشکل یہ ہے کہ جس کو ذرا بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور وہ اکیلے ہیں۔ ان کا ہاتھ بٹانے والا یا قائمقام نظر نہیں آتا۔“

ڈائری الحکم مورخہ ۱۴-۵-۳ء

حضرت صاحب کو اپنی تعلیم اور اپنے عقائد کو صحیح طور پر سمجھنے کے متعلق مولوی محمد علی صاحب پر جو اعتبار تھا اس کا اندازہ حضور کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے :-

---

[1] ایک طرف حضرت صاحب کو مولانا محمد علی صاحب کی نیکی اور تقوی اللہ پر اتنا یقین تھا تو دوسری طرف مولانا کا یقین اور ایمان بھی مدارج طے کر کے اس قدر کمال پر پہنچا کہ اس واقعے کے بعد کئی بار طاعون کا زور ہوا اور آپ دبا زدہ مقام پر رہے مگر طاعون کا ٹیکہ لگانے سے ہمیشہ انکار کیا کہ میرے لئے مسیح موعود کا ارشاد کافی ہے —

مارچ ۱۹۲۴ء میں لاہور میں سخت طاعون کی وبا پھیلی۔ کثرت سے اموات ہونے لگیں۔ تعلیمی اداروں اور دفاتر میں چھٹیاں دیدی گئیں۔ بہت سے لوگ شہر سے نکل گئے۔ مولانا محمد علی صاحب بھی بچوں کو لے کر اپنے احباب کے ہمراہ شہر کے باہر اس میدان میں جہاں اب مسلم ٹاؤن ہے۔ خیمے لگا کر جا رہے۔ مگر روزانہ صبح اپنے مکان واقع احمدیہ بلڈنگس میں جاتے۔ تمام دن وہاں کام کرتے اور شام کو واپس آجاتے۔ وبا اس قدر بڑھی کہ احمدیہ بلڈنگس کے علاقے میں بھی کیس ہونے لگے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جو آپ کی طرح خیموں میں قیام پذیر تھے بہت اصرار کرتے تھے کہ آپ ٹیکہ لگوالیں، یا شہر نہ جایا کریں۔ مگر آپ انکار کرتے رہے۔ انہوں نے آپ کی اہلیہ سے کہلوایا مگر آپ ٹال گئے۔ البتہ اہل وعیال کو ٹیکے لگوا دیئے تھے۔ ایک دن آپ کے دفتر میں کتابوں کی الماری کے نیچے سے ایک چوہا نکلا اور وہیں مر گیا۔ آپ نے اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر جلا دیا اور اپنے کام میں حسب معمول لگے رہے۔

• حضرت اقدس نے "الحکم" اور "البدر" کے ایڈیٹروں کو بُلا کر تاکید کی کہ وہ آپ کی تقاریر اور مضامین کے قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں بیان ہو جائے۔ ۔ ۔ ۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے مضامین اخبارات میں چھاپنے سے پہلے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو دکھا لیا کریں۔"

(ڈائری ۲ نومبر ۱۹۰۲ء ملفوظات احمدیہ جلد ہفتم صفحہ ۲۴۵)

انگریزی ترجمہ قرآن کی ضرورت

۱۹۰۷ء میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت عام طور پر پڑھے لکھے مسلمان طبقہ میں محسوس کی جا رہی تھی۔ اور ہندوستان کے بعض اخبارات میں اس کا ذکر آتا تھا۔ اس وقت اخبار "الحکم" میں انگریزی ترجمہ کی اشد ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب نے لکھا کہ اس کے لئے ایک ایسا شخص درکار ہے جو ایک طرف عربی کا ماہر اور دوسری طرف انگریزی میں قادر الکلام ہو۔ اور اس کے ساتھ خدا سے تعلق رکھتا ہو۔ اور اس کے دل میں اسلام کی اشاعت کا ایک جوش ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ زمانے کے حالات سے پورا واقف ہو۔ اور وہ بزرگ کون ہو سکتا ہے:

"یہ ایک حقیقت ہے۔ اگر آج زمانہ اس سے آشنا نہیں تو ایک وقت آئے گا کہ اسے پتہ لگ جائے گا کہ یہ بزرگ قابلِ قدر نوجوان مولوی محمد علی ایم۔ اے ہیں۔ جس نے اسلام کی حمایت اور اس کی صداقتوں کے اظہار کے لئے ریویو آف ریلیجنز کے ذریعے اپنے قلم کا وہ سکہ ایشیا اور یورپ میں بٹھایا ہے کہ خود رسل ویب جیسے شخصوں اور ٹالسٹائے جیسے فلاسفروں نے تسلیم کیا ہے کہ اسلام کا وہ فلسفہ جو اس رسالے میں ظاہر کیا گیا ہے وہ دل کو اطمینان دینے والا ہے۔ یورپ وامریکہ میں رسالے کے مضامین نہایت دلچسپی سے پڑھے گئے ہیں۔ پھر یہ مضامین معمولی نہیں۔ بلکہ ایسے اہم امور پر ہیں، جن پر قلم اُٹھانا ہر شخص کا کام نہیں۔ مثلاً دوزخ و بہشت، تعدد ازدواج، غلامی، جہاد، حفاظت قرآن، جمع احادیث وغیرہم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام میں نے اس لئے نہیں پیش کیا کہ مسلمانانِ ہند انہیں اس مقصد کے لئے منتخب کریں یا ان کو چندہ بھیجیں۔ ان کو نہ اس کی ضرورت ہے نہ وہ ایسی خواہش کا پابند۔ وہ خدا تعالیٰ کے مامور کے تحت نہایت اخلاص اور جوش سے سالہا سال سے اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ جس کا محرک نہ کوئی لالچ ہے اور نہ ہی کوئی تکلیف یا دکھ اس کو روک سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسے توفیق دی تو وہ چپ چپاتے یہ کام کر کے دکھائے گا اور دنیا کو پتہ لگے گا کہ خدمتِ اسلام کا جوش کس طرح ظاہر ہُوا کرتا ہے۔"

(الحکم مؤرخہ ۱۰ اگست ۱۹۰۷ء)

حضرت صاحب کے مقدمات کی پیروی و دیگر حالات

علاوہ اس دینی خدمت کے جو مولوی محمد علی صاحب قادیان میں رہ کر کرتے رہے۔ اس زمانے میں حضرت صاحب کے بعض مقدمات کے سلسلہ میں بھی آپ خواجہ کمال الدین کے ساتھ حضرت صاحب کی طرف سے بطور وکیل پیش ہوتے رہتے تھے۔

۱۵ جولائی ۱۹۰۱ء کو حضرت مسیح موعود کو ایک مقدمہ کی وجہ سے جو مرزا نظام الدین وغیرہ پر مسجد کا راستہ بند کر دینے کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ بغرضِ شہادت گورداسپور جانا پڑا۔ اور مولوی محمد علی صاحب اور بہت سے دیگر احباب آپ کے ہمراہ تھے۔ گورداسپور میں آپ نے مولوی محمد علی صاحب کی تجویز کے مطابق اُن کے خسر میاں نبی بخش صاحب رئیس گورداسپور کے مکان میں دو دن قیام فرمایا۔ خواجہ کمال الدین صاحب (پشاور سے) اور مولوی محمد علی صاحب دونوں اس مقدمے میں بطور وکیل پیش ہوئے۔

جنوری ۱۹۰۳ء سے لے کر جنوری ۱۹۰۵ء تک حضرت مسیح موعود اور آپ کے بعض ساتھیوں کے اور مولوی کرم دین کے درمیان جو مقدمات چلے، ان میں سینئر وکیل حضرت صاحب کی طرف سے خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔ لیکن ان کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب بھی پیش ہوتے رہے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء کو پہلے مقدمے کے لئے جو جہلم میں تھا۔ حضرت صاحب قادیان سے روانہ ہوئے اور رات کو لاہور رہ کر ۱۶ جنوری کو جہلم پہنچے۔ اس سفر میں خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ اور شیخ نور احمد صاحب بھی بطور وکیل کے ہمراہ تھے۔ ۱۸ جنوری کو وہاں سے واپس آئے۔ اس کے بعد گورداسپور کی عدالت میں مختلف مقدمات دائر ہوئے۔ جو کہ ایک ہندو مجسٹریٹ کی تعصب کی وجہ سے ایک مدت چلتے رہے، ایک سال کے بعد حضرت صاحب کی طرف سے انتقال مقدمات کی کوشش کی گئی جو کہ کامیاب نہ ہو سکی۔

فروری ۱۹۰۴ء میں اسی سلسلہ میں چیف کورٹ میں اپیل کی گئی جس کی پیروی خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب نے لاہور میں کی۔ مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اپریل ۱۹۰۴ء سے تو بار بار اس قدر تاریخیں مقدمے کی پڑنی شروع ہوئیں کہ خواجہ کمال الدین تو اپنی پشاور کی پریکٹس چھوڑ کر گورداسپور میں رہ پڑے۔ اور حضرت نے بھی اگست ۱۹۰۴ء میں گورداسپور میں مکان لے کر بمعہ اہل و عیال قیام کرنا شروع کیا۔ کیونکہ قادیان اور گورداسپور میں بار بار آنے جانے میں بہت مشکلات تھیں۔ بلکہ ایک دفعہ تو جولائی میں جبکہ حضرت صاحب اور آپ کے بعض ساتھی قادیان سے بٹالہ رات کے وقت رتھ میں جا رہے تھے کہ راستے میں چند ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ مگر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور مولوی محمد علی صاحب اور آپ کے دو ساتھیوں کے، جو ذرا پیچھے آ رہے تھے، للکارنے پر ڈاکو بھاگ گئے۔ حضرت کے گورداسپور کے قیام میں مولوی محمد علی صاحب قادیان اور گورداسپور آتے جاتے رہتے تھے۔ کیونکہ قادیان میں ریویو آف ریلیجنز کی اشاعت اور دیگر انتظامی امور کی وجہ سے آپ کی

حاضری ضروری ہوتی تھی۔ اور مقدمات میں زیادہ تر خواجہ کمال الدین صاحب پیروی کرتے تھے بالآخر اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں حضرت صاحب واپس قادیان تشریف لائے۔ ان مقدمات کے دوران میں خواجہ صاحب کی طرف سے جو خدمت اور قربانیاں ظاہر ہوئیں وہ بے نظیر تھیں۔ آپ اپنی پشاور میں چلتی ہوئی وکالت اور اہل و عیال کو چھوڑ کر گورداسپور آ بیٹھے۔ اور شب و روز ان مقدمات کی پیروی میں منہمک رہتے۔ ان کے اہل و عیال پر مالی پریشانیاں اور مصائب کے سخت دَور آئے۔ آپ کی ایک لڑکی بیمار ہوئی۔ پھر فوت ہو گئی۔ مگر خواجہ صاحب حضرت صاحب کے مقدمات چھوڑ کر نہ گئے۔ ان ایام میں حضرت صاحب خواجہ صاحب کے لئے بہت دعا بھی کرتے تھے۔ اور ایک موقع پر ان کو بلا کر فرمایا کہ مجھے آپ کے متعلق الہام ہوا ہے "حسنِ بیان" پس آپ کو حسنِ بیان کا انعام خدا کی جانب سے دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خواجہ صاحب کا حسنِ بیان عدالت میں مقدمات کے ذیل میں ہی نہ تھا۔ بلکہ ان کی مذہبی تقریریں اردو ہو یا انگریزی۔ ہندوستان ہو یا یورپ، بڑے بڑے مجمعوں کو مسحور کر دیتی تھیں۔ نہ صرف نہایت معقول اور مدلل ہوتی تھیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ان کا طرزِ بیان اس قدر دلکش اور پیارا ہوتا تھا کہ مجمع پر گویا جادو چل جاتا تھا۔

ان کرم دین والے مقدمات کے دوران میں جب حضرت صاحب نے بمعہ اہل و عیال مستقل طور پر گورداسپور جانے کا فیصلہ کیا اور چلنے کی تاریخ مقرر کر لی۔ تو برسات کا موسم تھا۔ شدید بارش کی وجہ سے قادیان ایک جزیرہ کی طرح بن گیا تھا اور راستے بند ہو گئے۔ گاڑیاں چل نہ سکتی تھیں۔ شیخ یعقوب علی صاحب نے تاریخ مقدمہ پر پہنچنا تھا۔ اس لئے پاپیادہ پانی میں سے گزرتے ہوئے بہزار خرابی گورداسپور پہنچے۔ اور وہاں جا کر مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب سے راستہ کی مشکلات کا ذکر کیا۔ ادھر جس مکان میں حضرت صاحب کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ اس کے ملنے میں کچھ مشکلات ہو گئیں۔ ان حالات میں یہ لوگ گھبرائے اور یہ رائے ہوئی کہ قادیان آدمی بھیج کر حضرت صاحب کو اس سفر سے روکا جائے۔ اس وقت مولوی محمد علی صاحب کی فراست اور ایمان نے دوستوں کو بڑا ہی مزہ دیا۔ انہوں نے کہا۔ "بھیجنے کو تو آدمی بھیج دو۔ ساری مشکلات بھی عرض کر دو۔ مگر یہ قوم (مامور من اللہ) اپنے ارادوں سے باز نہیں رہا کرتی۔ کیونکہ ان کا استقلال بھی کرامت ہوتا ہے۔" ـــــ آخر وہی ہوا۔ حضرت اقدس اپنے پروگرام کے مطابق گورداسپور گئے اور ٹھہرنے کا انتظام بھی ہو گیا۔ ان مقدمات کے دوران میں اگست سنہ ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود نے بمعہ اہل و عیال گورداسپور سے چند روز کے لئے لاہور کا سفر بھی کیا۔ جس میں مولوی محمد علی صاحب اور آپ کی اہلیہ، مولوی نور الدین صاحب۔ مولوی عبد الکریم صاحب اور نواب محمد علی خانصاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ ان سب نے دہلی دروازہ کے باہر میاں چراغ دین صاحب احمدی کے گھر مبارک منزل اور میاں معراج دین صاحب

کے گھر پر قیام کیا۔ اس سفر میں حضرت صاحب کا ایک مشہور لیکچر" اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب" داتا گنج بخش کے مزار کے عقب میں ایک جلسہ گاہ میں پڑھا گیا۔ جس کو ہزارہا لوگوں نے سُنا۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضرت صاحب نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ بعد میں مولوی نورالدّین صاحب کو بھی بلوا لیا۔ اس سفر میں مولوی محمّد علی صاحب آپ کے ساتھ نہ تھے۔ بلکہ قادیان میں ہی رہے۔ ۴ نومبر کو حضرت صاحب واپس روانہ ہوئے اور لدھیانہ اور امرتسر میں قیام کرتے ہوئے ۱۰ نومبر کو قادیان واپس پہنچے۔ آپ نے اپنی غیر حاضری میں لنگرخانے کا انتظام، جو ہمیشہ آپ کی ذاتی نگرانی میں ہوتا تھا، مولانا محمّد علی صاحب کے سپرد کیا۔ اس کے علاوہ مولانا محمّد علی صاحب کے قیامِ قادیان کے وقت کے متعدد خطوط و نوٹ حضرت مسیح موعود کے لکھے ہوئے مولانا کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صاحب کئی ایک موقعوں پر جہاں ضلع کے حکّام سے ملنا ہوتا یا اور دیگر کام پڑ جائیں تو مولانا محمّد علی صاحب کو ہی منتخب کیا کرتے تھے۔ چند موقعوں پر مولانا نے دوسرے آدمیوں کے نام تجویز کر کے حضرت صاحب کو بھیجے لیکن آپ نے اپنی قلم سے ان رقعوں کی پشت پر مولانا کو ہی ہدایت کی کہ وہ یہ کام سنبھالیں۔

صدر انجمن احمدیہ کا قیام

۱۹۰۵ء میں جب بعض الہامات کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کو علم ہُوا کہ آپ کا زمانۂ وفات قریب ہے تو آپ نے اپنے بعد اپنی جماعت کے لئے لائحہ عمل کے طور پر ایک وصیت تحریر فرمائی۔ جس کو ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء کو شائع فرمایا۔ اس میں آپ نے اپنے بعد کوئی خلیفہ مقرّر نہیں کیا۔ بلکہ ساری جماعت کو مل کر کام کرنے کی وصیت فرمائی اور شورٰی سے تمام امور طے کرنے کا حکم دیا۔ البتہ نئے لوگوں کو جماعت میں داخل کرنے کے لئے حکم دیا کہ جماعت کے بزرگ جن پر چالیس مومن اتفاق کر لیں، میرے نام سے بیعت لیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی جماعت کے لئے ایک قبرستان بنانے کی تجویز فرمائی۔ جس کا نام آپ نے "بہشتی مقبرہ" رکھا۔

۶ جنوری ۱۹۰۶ء کو آپ نے ایک ضمیمہ الوصیّت شائع فرمایا۔ جس میں مذکورہ بالا وصیّت کے متعلق تمام ضروری ہدایتیں تفصیل سے تحریر فرمائیں اور اپنے بعد باقاعدہ نظامِ عمل کی ایک انجمن کی شکل میں بنیاد رکھی اور اس انجمن کو اپنا جانشین ٹھہرایا اور اس کے لئے کچھ قواعد خود تجویز فرمائے اور اس انجمن کی سب سے مقدم غرض اشاعتِ اسلام کو قرار دیا۔ اور قاعدہ نمبر ۱۳ میں لکھا:

> "چونکہ انجمن خدا کے مقرّر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے۔ اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلّی پاک رہنا ہوگا۔ اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔"

اور اس کے متعلق مزید تشریح خود اس طرح کی :-

" انجمن کے تمام ممبر ایسے ہوں گے جو سلسلۂ احمدیہ میں داخل ہوں۔ اور اگر آئندہ کسی کی نسبت یہ محسوس ہوگا کہ وہ پارسا طبع نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ دیانتدار نہیں۔ یا یہ کہ وہ ایک چالباز ہے اور دنیا کی ملونی اپنے اندر رکھتا ہے تو انجمن کا فرض ہوگا کہ بلا توقف ایسے شخص کو اپنی انجمن سے خارج کرے اور اس کی جگہ اور مقرر کرے۔" (قاعدہ نمبر ۱۳ ضمیمہ الوصیت)

الوصیت اور ضمیمہ الوصیت کی اشاعت کے ساتھ ہی حضرت اقدس نے اس انجمن کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام صدر انجمن احمدیہ قادیان رکھا۔ اور تمام جماعتوں میں اس کی شاخیں قائم کرنی تجویز کیں۔ آپ نے چودہ ممبر اس انجمن کے تجویز فرمائے جو معتمدین کہلاتے تھے۔ مولوی نور الدین صاحب کو اس انجمن کا صدر اور مولوی محمد علی صاحب کو سیکرٹری بنایا۔ یہ چودہ ممبر حسب ذیل تھے :-

(۱) مولانا نور الدین صاحب۔ صدر — (۲) مولوی محمد علی صاحب۔ سیکرٹری۔
(۳) خواجہ کمال الدین صاحب۔ مشیر قانونی — (۴) مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی۔
(۵) صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (۶) نواب محمد علی خانصاحب۔ رئیس مالیر کوٹلہ۔
(۷) سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب مدراس۔ (۸) مولوی غلام حسن خانصاحب۔ پشاور۔
(۹) میر حامد شاہ صاحب۔ سیالکوٹ (۱۰) شیخ رحمت اللہ صاحب۔ لاہور۔
(۱۱) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ لاہور (۱۲) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ لاہور
(۱۳) ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (۱۴) ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب۔

حضرت اقدس نے اس انجمن کو اپنی زندگی میں اڑھائی برس تک اسی نظام اور مسلک پر چلایا جو الوصیت میں درج ہے سنہ ء کے موسم سرما میں مسجد مبارک کی توسیع کے سلسلے میں ایک موقع پر میر ناصر نواب صاحب نے کچھ اپنی مرضی اور منشا استعمال کرنی چاہی تو انجمن کی شکایت پر حضرت صاحب خود اجلاس میں تشریف لائے اور مندرجہ ذیل تحریر لکھ کر دے گئے۔ جو کہ آج بھی مولوی محمد علی صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہے اور جس کا عکس بھی دیا جا رہا ہے :-

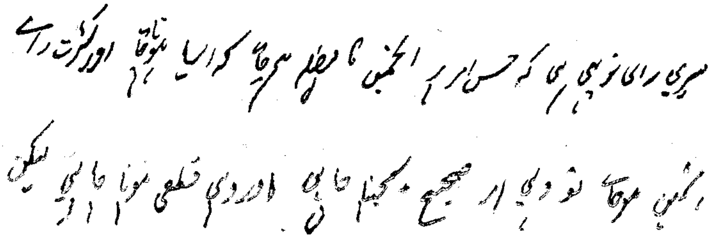
میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جاوے کہ ایسا ہونا چاہئے اور کثرت رائے
انجمن ہو جاوے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہئے اور وہی قطعی ہونا چاہئے لیکن

اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے
متعلق رکھتے ہیں مجھکو محض اطلاع دی جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف
منشاء میرے ہرگز نہیں کرے گی لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالیٰ کا
انجمن کی خاص ارادہ ہو اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک
امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا والسلام مرزا غلام احمد عفی عنہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

یعنی —— "میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہیئے۔ لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ کو محض اطلاع دی جائے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشاء میرے ہرگز نہیں کرے گی۔ لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا تعالےٰ کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے۔ اور بعد میں ہر ایک امر میں صرف اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔" والسلام مرزا غلام احمد عفی عنہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

اس تحریر نے فیصلہ کر دیا کہ آپ کے بعد انجمن کامل طور پر بااختیار ہے۔ کوئی فرد واحد انجمن کا مطلع نہیں ہوگا۔ اور کل نظام انجمن کے سپرد ہوگا۔ یہ آپ کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ گویا اپنے بعد پیر پرستی اور گدی بنانے کی تمام جڑیں کاٹ دیں۔

دیگر واقعات

۲۸ دسمبر ۱۹۰۶ء کو جلسۂ سالانہ پر صدر انجمن احمدیہ قادیان کی سب سے پہلی رپورٹ مولانا محمد علی صاحب نے مرتب کر کے پڑھی اور انجمن کا بجٹ پیش کیا جو تیس ہزار روپیہ کا تھا (علاوہ لنگر خانے کے)۔ اس جلسہ پر آپ نے ایک پرجوش تقریر بھی کی۔ اور صحابہ کرام کا ذکر کیا کہ کس طرح انہوں نے جانی قربانیاں بھی دیں اور مالی قربانیاں بھی۔ اور کہا کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی ہے کہ جانوں کی ضرورت نہیں، مگر مال کی ضرورت ہے۔ آخر میں کہا کہ دنیا میں لوگ متفرق پہلوؤں اپنی زندگی

کے اختیار کرتے ہیں۔ سو تم دین کا پہلو اختیار کرو۔ اور جو لوگ دنیا کے واسطے کرتے ہیں اس سے بڑھ کر تم دین کے واسطے کرو۔ آپ نے مدرسے کی عمارت کی تعمیر کے لئے بھی اپیل کی۔

۱۹۰۷ء میں علاوہ اور امور کے مولانا محمد علی صاحب نے دو چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ دی۔ ایک تو مختلف شہروں اور ضلعوں میں صدر انجمن احمدیہ کی باقاعدہ شاخوں کا قیام۔ اور دوسرے مسجد مبارک کی توسیع کے لئے چندہ اور اس کے تعمیر کے کام کی نگرانی۔ اس وقت کے سلسلہ کے اخبارات اور ذاتی خطوط کے ذریعے سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کی شاخوں کو قائم کرنے کا کام آپ نے شروع کیا۔ اور جگہ جگہ آپ کی کوششوں کی وجہ سے جماعتوں کا قیام عمل میں آیا۔ دوسرا کام مسجد مبارک کی توسیع کا تھا جس کے لئے مئی اور جون ۱۹۰۷ء سے آپ نے اپیلیں شروع کیں اور چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ ۱۹۰۷ء کے آخر تک یہ کام سرانجام پا گیا۔ اس کی تعمیر کے کام کی نگرانی مولانا محمد علی صاحب خود کرتے رہے۔ مسجد کی نچلی منزل میں آپ کا دفتر تھا۔ یعنی سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ کا۔

مدرسہ تعلیم الاسلام

سلسلۂ احمدیہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں میں سے ایک مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان بھی تھا جو ہائی سکول تھا اور ایک نہایت معمولی کچی عمارت میں قصبہ کے اندر تھا۔ تجویز ہوئی کہ اس کے لئے ایک وسیع بورڈنگ ہاؤس اور سکول کی عمارت تعمیر کی جائے چنانچہ جماعت کے چندہ سے اس کے لئے زمین خریدی گئی۔ اور ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۷ء کے جلسہ سالانہ پر اس کے لئے تحریکیں ہوئیں۔ جنوری ۱۹۰۸ء میں مجلس معتمدین نے آپ کو نامزد کیا کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کی بلڈنگ کے لئے چندہ جمع کریں اور تحریک کو چلائیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے اس تحریک کو بڑے زور سے اٹھایا اور عمارت کے لئے چندہ جمع کرتے رہے۔ علاوہ ان اپیلوں کے جو آپ سالانہ جلسوں میں انجمن کا بجٹ اور رپورٹ پیش کرتے ہوئے پڑھتے تھے۔ آپ نے جماعت کے دونوں اخبارات بدر اور الحکم کے ذریعے متعدد اپیلیں کیں اور ماہوار آمد کا ایک تہائی سے لے کر نصف تک ہر فرد جماعت سے مطالبہ کیا۔ اور اس سلسلہ میں فرمایا:۔

> "میں نے جو مطالبہ آپ سے کیا ہے۔ وہ میں کہنے کے لئے تیار ہوں کہ کچھ بھی نہیں۔ اور شاید اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا وقت بھی ہو۔ جب آپ سے اس سے بڑھ بڑھ کر مطالبے کئے جائیں۔ کیونکہ دین کا پھیلانا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر یہ تھوڑی خدمت آپ کو بڑی بڑی خدمات کے لئے تیار کر دے گی۔"

فروری ۱۹۰۸ء میں آپ نے ایک ڈیپوٹیشن تیار کیا جو دورہ کر کے مدرسہ کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرے اس میں آپ کے علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

میاں چراغ دین صاحب اور میاں معراج دین صاحب تھے۔ ۱۴ر فروری ۱۹۰۸ء کو اس سلسلہ میں آپ خود لاہور تشریف لے گئے۔ پھر امرتسر دکپورتھلہ گئے۔ اس کے بعد چونکہ آپ کی مصروفیات آپ کو قادیان سے زیادہ غیر حاضری کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ اس لئے آپ واپس آ گئے۔ اور وفد اپنا دورہ علیحدہ کرنے لگا۔

فنانشل کمشنر کی قادیان میں آمد

مارچ ۱۹۰۸ء میں پنجاب کے فنانشل کمشنر مسٹر ولسن قادیان کے دورے پر آئے۔ ان کے استقبال کے لئے خاص انتظامات کئے گئے اور رات کا کھانا حضرت صاحب اور جماعت کی طرف سے دیا گیا۔ اگلے روز حضرت صاحب اور مسٹر ولسن کی ملاقات ہوئی۔ اور مولوی محمد علی صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب کی وساطت سے لمبی گفتگو ہوتی رہی۔

خانگی حالات

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کی شادی آپ کے قادیان جانے کے قریباً ایک سال بعد حضرت مسیح موعود نے گورداسپور کے میاں نبی بخش صاحب کی دختر سے کروائی۔ آپ کی اہلیہ ۱۹۰۸ء میں زیادہ بیمار رہنے لگیں۔ نومبر ۱۹۰۸ء میں آپ نے سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان اور ریویو کی ایڈیٹری سے چھٹی لی۔ اور لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں آپ شیخ رحمت اللہ صاحب کے پاس مقیم رہے۔ اور اپنی اہلیہ کا علاج بھی کرواتے رہے۔ لیکن ۲۰ر نومبر ۱۹۰۸ء کو اُن کی وفات ہوگئی۔ اپنی اس ساڑھے سات سال کی متاہل زندگی کے حالات آپ نے دسمبر ۱۹۰۸ء کے اردو ریویو آف ریلیجنز میں اپنی اہلیہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمائے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

"کچھ اپنی نسبت

اس ورق کے ساتھ ریویو کی عمر اور میری ایڈیٹری کا ساتواں سال ختم ہوتا ہے۔ اور گو ہر انسان کو اپنی زندگی میں کچھ غم اور کچھ خوشی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر میں نے اس رسالہ کو ایسے ذاتی حالات کے اندراج سے برتر خیال کر کے اس میں اپنے متعلق کبھی کچھ لکھنا پسند نہیں کیا۔ اور اب بھی یہ چند سطریں کسی قدر تامل کے ساتھ ہی لکھتا ہوں۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قدر عرصہ میں ایک ایڈیٹر اور اس کے ناظرین کے درمیان کچھ تعلقات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کے رنج و راحت میں شریک ہوں۔ خصوصاً جہاں ایک دینی اخوت کا رابطہ ان تعلقات کو پہلے سے مستحکم کئے ہوئے ہو۔ ٹھیک اُس دن جب نومبر کا رسالہ یہاں دفتر سے نکل رہا تھا۔ یعنی ۲۰ر نومبر کو جمعہ کے دن بوقت چار بجے صبح میری اہلیہ کا انتقال بمقام لاہور۔ میرے مکرم اور مخدوم شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر جہاں میں ان کے علاج کے لئے ٹھہرا ہوا تھا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ (فاطمہ بیگم) ۱۷ر مارچ ۱۸۸۶ء کو اسی ضلع میں بمقام تلکہ گڑھ پیدا ہوئی

اور ۴ر اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کو بمقام گورداسپور میرے ساتھ بیاہی گئی۔ ۲۰ر نومبر سنہ ۱۹۰۸ء کو تین ماہ کی شدید مسلسل کی بیماری کے بعد۔ اور بائیس سال آٹھ ماہ کی عمر میں بمقام لاہور اپنے خدا سے جا ملی۔ اور ۲۱ر نومبر کو قادیان میں مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئی ؎ ۔ سات سال اور سات ماہ کی بیاہی ہوئی زندگی میں ان کے دو بچے پیدا ہوتے ہی ان کے لئے فرطہ بن گئے۔ اور ایک لڑکی رقیہ بیگم جو ۲۶ر نومبر سنہ ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئی۔ وہ ان کی یادگار میرے پاس رہ گئی ہے۔ میرے لئے یہ امر خصوصیت سے موجبِ خوشی تھا کہ یہ رشتہ میرے سیّد و آقا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خود ہی کیا تھا۔ اور آپ نے ہی مجھے اپنے بچوں کی طرح بیاہا تھا۔ آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ مرحومہ میری ایسی غمگسار تھی کہ خود مجھے بھی حیرت ہوتی تھی۔ دوسری خوشی مجھے یہ تھی کہ جب یہ رشتہ ہوا تو اس وقت میں نے گورداسپور میں وکالت شروع کرنے کے لئے سارا سامان کر لیا تھا۔ اور ای۔ اے۔ سی کے مقابلہ کے امتحان کے لئے میرا نام منظور ہو چکا تھا اور جب نکاح ہوا تو اس وقت میں قادیان میں دنیا کی طرف سے خالی ہاتھ ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ مگر بایں نہ صرف اس وقت مرحومہ کے والد منشی نبی بخش صاحب نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود مرحومہ نے کبھی اس بات کی طرف اشارہ بھی نہ کیا۔ اور نہ ہی کبھی یہ چاہا کہ میں یہاں سے الگ ہو کر ان کے لئے دنیا کا بہت سامال پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ اس طرح پر انہوں نے میری اس ہجرت میں میری مدد کی۔ اور عُسر و یسر میں میری شریک حال ہو کر میری زندگی کو بہت سے ابتلاؤں سے محفوظ رکھا۔ عورتوں کو عموماً دنیا کے مال سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر انہوں نے اپنے خاوند کی خاطر اپنی پہلی تمام امیدوں پر پانی پھیر دینے کو مشکل نہ سمجھا۔ یہ کوئی آسان بات نہیں۔ اور مجھے ایسے واقعات کا علم ہے کہ جہاں بعض عورتیں دنیا کے زر و مال کو مقدم کر کے اپنے خاوندوں کے بعض نیک ارادوں میں روک واقع ہو گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ ان من ازواجکم واولادکم عدوًّا لکم۔ پس میں جس قدر اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ اس نے مجھے ایک ایسی زوجہ عطا فرمائی جو دین کے کام میں میری عدو نہیں بلکہ مددگار اور ناصر بنی۔ پس میں نے اگر کوئی خدمت دین کی ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ کیونکہ وہ نیتوں سے

؎ ان کی قبر پر جو کتبہ نصب کروایا گیا۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب نے یہ الفاظ بھی کندہ کروائے

مصرعہ خوب ہی تو نے نباہا عہد جو باہم ہوا

آگاہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرحومہ بھی اس خدمت میں شامل ہے۔ اور اسی لئے میں نے ان کی وفات کا ذکر ان صفحات میں کیا ہے۔ مرحومہ کو غرباء اور مساکین کی مدد کا جوش بھی خاص طور پر دل میں تھا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے چھپ کر بھی غرباء کی مدد کرتی تھیں وصیّت کے اعلان پر وہ پہلے وصیت کرنے والوں میں تھیں۔ اور اپنے مال کے ایک تہائی کی وصیّت کی۔

ایّام بیماری میں حضرت خلیفۃ المسیح نے جس قدر ہمدردی کی اس کا اظہار کرنے سے میری قلم قاصر ہے۔ اور ایسا ہی مکرمی مخدومی جناب خلیفہ رشید الدّین صاحب نے علاج میں جس طرح کوشش کی اور محض خدا کے لئے اس کی نظیر دنیاداری کے تعلقات میں کم ملتی ہے۔ اور پھر لاہور میں میرے معزز احباب جناب شیخ رحمت اللہ صاحب و خواجہ کمال الدّین صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و اخویم بابو غلام محمد صاحب و مکرمی حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے جو کچھ ہمدردی کا عملی ثبوت دیا وہ میرے وہم دگمان سے بڑھ کر تھا۔ اور میں حیران تھا کہ مجھے اپنی بدقسمتی سے کبھی ان لوگوں کے ساتھ کوئی نیکی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ہاں یہ للّٰہی جوشِ محبّت جو ان بزرگوں اور بھائیوں کو میرے ساتھ ہے فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا کا عملی ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزوں کی موت سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔۔۔۔۔ سو میں اس امتحان میں بوجہ اس تعلق کے جو مجھے مرحومہ سے تھا کیسا ہی کمزور ثابت ہُوا مگر یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ سے محبّت رکھتے ہیں وہ اس امتحان میں پُورے نکلے۔ کیونکہ انہوں نے میری مصیبت کے وقت میں میری امید سے بڑھ کر میرے ساتھ ہمدردی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ ہاں سب برابر نہیں ہوتے اگر کسی نے میرا محسن ہونے کے باوجود بجائے اظہار غم و ہمدردی کے کسی گذشتہ رنج کا اظہار اس وفات کے وقت کیا تو یہ شاید میرے لئے سبق تھا کہ دنیا کے کسی گھر کو اپنا گھر سمجھنا غلطی ہے۔"

(ریویو آف ریلیجنز۔ اُردو ایڈیشن ، دسمبر ۱۹۰۸ء)

حضرت مسیح موعود کی وفات

۲۷ اپریل ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود نے اپنا آخری سفر لاہور فرمایا۔ اپنی غیر حاضری میں قادیان میں آپ نے مولوی محمد علی صاحب کو مہمان خانے کا انتظام (جو خود آپ کی نگرانی میں تھا) اور دیگر سب کاروبار سونپا۔ لاہور میں آپ پہلے خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر ٹھہرے۔ مولوی نورالدّین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی اور کئی احباب بھی لاہور آ گئے۔ کچھ

عرصہ کے بعد حضرت صاحب ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں تشریف لے آئے۔ احمدیہ بلڈنگس میں جہاں اب مسجد ہے وہاں اس وقت میدان تھا۔ اس پر شامیانہ لگا کر اور دریاں بچھا کر نماز جمعہ ہوا کرتی تھی۔ اور روزانہ مولوی نورالدین صاحب درس قرآن دیتے تھے، ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور اسی روز رات کو جنازہ بذریعہ ریل قادیان لے جایا گیا۔ تمام جماعت نے مولانا نورالدین صاحب کو حضرت صاحب کا جانشین تسلیم کیا[1]۔ حضرت صاحب کی وفات ایک طرف تو جماعت کے لئے انتہائی صدمہ کا موجب تھی۔ دوسری طرف مخالفین نے ایک طوفان بدتمیزی اٹھا رکھا تھا۔ اور جماعت احمدیہ کے لئے وہ وقت ایک سخت امتحان کا وقت تھا۔ لاہور کے قیام میں حضرت صاحب نے اپنی آخری تصنیف "پیغام صلح" تحریر فرمائی تھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد جب "پیغام صلح" لاہور کے یونیورسٹی ہال میں ۲۱ جون کو پڑھا جانا تھا۔ تو کثرت سے احمدی احباب لاہور میں جمع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر مولانا نورالدین صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں مولانا محمد علی صاحب نے احمدیہ بلڈنگس میں ایک نہایت مؤثر اور پُر جوش تقریر کی۔ اور حضرت صاحب کا ذکر کر کے فرمایا:-

"کتنا بڑا اور کتنا عظیم الشان مقصد ہے جو آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ گویا ایک عظیم الشان پہاڑ آپ کے راستے میں ہے۔ جسے اٹھا کر آپ نے راستہ صاف کرنا ہے۔ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے۔ مگر یہ کام اس سے بھی اہم تر ہے جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ اسلام کو دنیا میں پھیلانا۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام ہے؟ یہ کوئی آسان بات ہے؟ مگر تسلی دینے والی جو بات ہے وہ یہی ہے کہ خود خدا کا وعدہ ہے کہ میں اس جماعت کے ذریعے اسلام کو غلبہ دوں گا۔ بس گھبرانے اور بد دلی دکھانے کی کوئی بات نہیں۔ حضرت اقدس نے خود اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ خدا جانے میں نے کن دشوار گذار گھاٹیوں، خاردار بیابانوں اور سنسان جنگلات میں سے گذرنا ہے۔ پس جس کے پاؤں نازک ہیں اس کو چاہیئے کہ ابھی مجھ سے الگ ہو جائے۔ دوستو! اب وہ وقت آگیا ہے اور وہ مشکلات کی کٹھن گھاٹیاں اور خاردار جنگل اور ڈراؤنے بیابان ابھی ہمارے آگے ہیں۔ جن کو طے کر کے ہمیں اپنے امام پاک اور ہادیٔ برحق کے بتائے ہوئے منزل مقصود پر پہنچنا ہے۔ اس سے پہلے تو ایک ایسا وجود ہم میں موجود تھا جو اپنے ہاتھوں تمام کاروبار کو بڑے سلیقے اور احسن طرز سے انجام دیتا تھا۔ دراصل سچ پوچھو تو بات یہی تھی کہ ہم اس وقت مزے کی نیند سوتے تھے۔ اور وہ

---

[1] اس سلسلہ میں بعض واقعات کا ذکر آئندہ آئے گا۔

پاک نفس اور خدا کا برگزیدہ انسان ایک شفیق ماں سے بڑھ کر ہمیں آرام دیتا تھا۔ اور ہر مشکل کے لئے خود ہمارا سپر بن بیا کرتا تھا۔ اور ہم مطمئن اور بےفکر تھے۔۔۔۔۔ اب وہ وقت گزر گیا ہے اور ہمارے سارے بوجھ اپنے سر پر اٹھانے والا پاک وجود خدائی وعدوں کے مطابق اپنا کام کر کے خدا کو جا ملا ہے۔ اور وہ تمام بوجھ آپ لوگوں نے اپنے سروں پہ اٹھانے ہیں اور آپ ہی لوگوں نے اس کام کو انجام دینا اور اس کی تکمیل کرنی ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔ حضرت صاحب کا وجود اس زمانے میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ابرِ رحمت اور سایۂ کرم تھا۔ آپ نے ہمیں بدیوں سے ہٹا کر نیکی پر قائم کیا۔ ہماری دہریت اور خشک ایمان کو تازہ اور زندہ ایمان سے بدل دیا۔ اور ہمارے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عزت و عظمت فولاد کی طرح بھر دی۔ ہماری عملی حالتیں ناگفتہ بہ تھیں۔ مگر اُس نے کچھ ایسا شربت پلایا کہ نماز اور ذکرِ الٰہی میں ہمیں لذت اور سرور آنے لگا اور قرآن مجید کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہوئی۔ اور ہر ایک نفس نے اپنی مقدور اور استعداد کے مطابق نیکی میں ترقی کی۔ ۔۔۔۔ پس ہمیں آپ کی اس وفات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ مبارک ہیں وہ جو اس وقت پاک تبدیلی اور ثبات قدم کا بہترین نمونہ دکھائیں۔ مومن کی نشانی یہی ہے کہ وہ دکھ کے وقت بھی آگے ہی قدم اٹھاتا ہے۔۔۔۔۔"

اس کے بعد آپ نے ان اعتراضات کے جواب دیئے جو حضرت صاحب کی وفات پر مخالفین کر رہے تھے۔ اور فرمایا:۔

"باوجود مخالفت کی سخت آندھیوں کے وہ خدا کا مامور لاکھوں انسانوں کو اپنی بات منوا گیا۔ اور آپ لوگوں میں اپنی رُوح پیدا کر گیا۔ اگر اس کو سے کہ ہم یہ کام کریں تو روحانی فتوحات کے دروازے ہم پر کھولے جائیں گے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں۔ کیونکہ اُن کی رُوح صحابہؓ میں کام کرنے لگی تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کی وفات کے ساتھ یہ سلسلہ بند نہیں ہو گیا اور ہم لوگوں کا فرض ہے کہ اس مقصدِ عالی کو سامنے رکھ کر کام کریں اور اسلام کو سب ادیان پہ غلبہ دینے کی کوشش کریں۔"

("الحکم" ۱۸ر جولائی ۱۹۰۸ء)

۲ حضرت مولانا نورالدین صاحب کا زمانہ

مئی ۱۹۰۸ء تا مارچ ۱۹۱۴ء

مولانا نورالدین صاحب کا زمانہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کا وہ زمانہ ہے۔ جب جماعت احمدیہ کی قیادت مولانا نورالدین صاحب نے فرمائی۔ ان چھ سالوں میں جہاں ایک طرف جماعت نے بڑھ چڑھ کر ترقی حاصل کی اور بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی بنیاد رکھی گئی۔ وہاں دوسری طرف بعض عناصر نے ایسی تخریبی تحریکوں کا آغاز کیا جس نے نہ صرف جماعت کے دو ٹکڑے کر دیئے بلکہ احمدیت کی ترقی اور مقبولیت کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ایک طرف تو انجمن کا سالانہ بجٹ حیرت انگیز ترقی کر کے تیس ہزار روپیہ سالانہ سے بڑھ کر دو لاکھ روپیہ سالانہ پر جا پہنچا۔ اور اس کامیابی میں مولانا محمد علی صاحب کا ایک بڑا حصہ تھا۔ کیونکہ اس عرصہ میں وہی صدر انجمن احمدیہ کے جنرل سیکرٹری اور رُوحِ رواں تھے۔ گو ان کی یہ کامیابی بعض قلوب میں چبھن تھی جو انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ پھر اسی زمانے میں ایک علمی ادارے کی نہایت شاندار عمارت بھی تعمیر کی گئی۔ جس کی ہیئت تعمیر آج بھی اعلان کر رہی ہے کہ وہ ہاتھ جنہوں نے اس کی تعمیر میں نمایاں حصّہ لیا بلکہ جن کی زیر نگرانی اور تجویزوں کے ماتحت یہ بنی، ان کے پیچھے ایک اعلیٰ درجہ کا تعمیری دماغ تھا۔ اور اسی زمانے میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کی ہدایت و نگرانی کے ماتحت مولانا محمد علی صاحب نے اشاعتِ اسلام کی محکم بنیادیں قرآن مجید کے انگریزی و اردو ترجمہ اور تفسیر کی صورت میں رکھیں۔ پھر اسی زمانے میں تحریکِ احمدیت عام مسلمانوں میں بھی مقبول ہونے لگی۔ مولانا محمد علی صاحب کے "ریویو آف ریلیجنز" اور خواجہ کمال الدین صاحب کے لیکچروں نے اس جماعت کو ہندوستان بھر کے تعلیم یافتہ مسلم طبقہ میں ایک نمایاں حیثیت دی۔ اور بعد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے انگلستان پہنچ کر ۱۹۱۳ء میں ووکنگ مسلم مشن کی بنیاد رکھی۔

دوسری طرف کچھ تخریبی قوتیں اسی زمانے میں شروع ہوئیں۔ کہیں مولانا نورالدین صاحب کو مولانا محمد علی صاحب اور انجمن کے ممبران سے بدظن کرنے کی کوششیں تھیں۔ کہیں صدر انجمن احمدیہ کو عملی طور پر بیکار کر دینے یا بعض لاہور کے ممبران کو اس سے خارج کروانے کے منصوبے۔ ایک طرف کسی خاص منصوبہ کے ماتحت مجلس انصار اللہ کا وجود میں آنا تھا تو دوسری طرف تکفیر مسلمانانِ عالم کے عقیدے کی ایجاد۔ غرض کہ یہ زمانہ جہاں جماعت کی ترقی کا زمانہ تھا وہیں اندر ہی اندر وہ سب کچھ بھی ہوا جس کا نتیجہ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات پر ظاہر ہوا۔ اختلاف کی ان بنیادوں کا مفصل ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔

اس زمانے کے روشن پہلو کو پہلے دیکھئے۔

مولانا نورالدین صاحب کے ابتدائی حالات

حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیرہ ضلع شاہ پور کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اور اپنے علم و فضل، تقویٰ و طہارت کی وجہ سے ہر جگہ آپ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک نہایت ہی قابل طبیب ہونے کے علاوہ ہر قسم کے دینی علوم کے آپ بے بدل اور فاضل اجل تھے۔ اور آپ کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس کی عظمت اور کتابوں کی کثرت مشہور تھی۔ مطالعہ کا یہ عالم تھا کوئی مسئلہ ہو۔ بیٹھے بیٹھے فرما دیتے تھے کہ فلاں عالم نے فلاں کتاب میں فلاں جگہ لکھا ہے۔ قرآن کریم سے تو عشق تھا۔ جوانی میں ہی دہلی۔ لکھنؤ۔ رامپور اور بھوپال وغیرہ تحصیل علم کے لئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے۔ اور وہاں کچھ عرصہ شاہ عبدالغنی کے حلقۂ درس و ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور تکمیل علوم ظاہری و باطنی کیا۔ واپس ہندوستان آئے تو ریاست جموں میں شاہی طبیب ہو گئے۔ معقول مشاہرہ ملتا تھا۔ لیکن درس و تدریس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ آپ کے علم کا ایک دریا تھا جو بہہ رہا تھا۔ آپ کے حالات زندگی زیادہ تفصیل کے ساتھ کتاب "مرقاۃ الیقین فی حیوٰۃ نورالدین" مصنفہ مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کو پڑھنے کے بعد اور حضرت کے اس دعوٰے کے پیش نظر کہ آج اسلام ہی ایک ایسا زندہ اور سچا مذہب ہے جس پر عمل کر کے انسان خدا کو پا سکتا ہے اور سلسلہ مکالمہ اور مخاطبہ سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو نوازتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت مرزا صاحب اس معاملے میں صاحب حال ہیں۔ جس کا دل چاہے آئے۔ آپ کے پاس رہے اور آزما لے۔ مولانا نورالدین صاحب حضرت مرزا صاحب سے ملنے جموں سے قادیان آئے۔ اور آپ کے پاس کچھ عرصہ رہے۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ تمام علوم جو انہوں نے تمام ممالک اسلامیہ میں پھر کر حاصل کئے تھے۔ ابھی تک تشنہ تھے۔ اور جب حضرت صاحب کو بیعت لینے اور جماعت بنانے کا حکم ہوا تو آپ نے فوراً بیعت کر لی۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنی شاہی ملازمت چھوڑ کر حضرت صاحب کے قدموں میں آ بیٹھے۔ اور خدا کے اس مامور کی فرمانبرداری اور سلسلہ کے لئے ایثار و قربانی میں سب سے آگے بڑھ گئے[1] نہ صرف آپ کے علم طب سے ہر مذہب کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا بلکہ آپ کے علم و فضل اور تقویٰ کے دوست دشمن سبھی قائل تھے۔ آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو قرآن کریم سے عشق تھا۔ خدا تعالےٰ

---

[1] حضرت مسیح موعود نے بھی لکھا ہے ؎ چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر یک پُر از نورِ یقیں بودے

نے آپ کو قرآن کا علم بخشا تھا۔ اور آپ نے اسے دوسروں کو پہنچانے میں دن رات ایک کر دیا جب تک زندہ رہے قرآن کریم کا درس و تدریس آپ کا روزانہ کا مشغلہ تھا۔ اور اس سے ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق فیض اٹھایا۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے۔ آپ حضرت صاحب کے گھر کے ایک چھوٹے سے حصے میں رہتے تھے۔ اور مولانا عبدالکریم صاحب اور مولانا محمد علی صاحب بھی قادیان آنے کے بعد اسی گھر میں ایک ایک دو دو کمروں میں اقامت پذیر تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کے وقت آپ کا وجود ایسا تھا جس پر تمام جماعت کو اتفاق تھا کہ حضرت صاحب کے جانشین آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ مگر آپ نے اس بوجھ کو تامل کے ساتھ قبول فرمایا۔ پہلے خواجہ کمال الدین صاحب و دیگر احباب کو جو آپ کی خدمت میں درخواست لے کر گئے تھے۔ آپ نے اور ایک دو نام تجویز کر دیئے۔ پھر دوبارہ سب کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب صاحب کا اس پر اتفاق نہیں۔ چنانچہ میاں محمود احمد صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی والدہ سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ اور بعد از مشورہ انہوں نے اور میر ناصر نواب صاحب نے جب حضرت مولانا نور الدین صاحب پر اتفاق ظاہر کیا۔ تب آپ نے اس ذمہ داری کو سنبھالنے پر آمادگی ظاہر کی۔ پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنے عقائد کا اظہار کیا اور پھر لوگوں سے بیعت لی۔

انگریزی ترجمہ قرآن کی ابتدا

مئی ۱۹۰۸ء سے مارچ ۱۹۱۴ء تک قریباً چھ سال تک جماعت احمدیہ کی قیادت مولانا نور الدین صاحب کے ہاتھوں میں تھی۔ اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب سال بہ سال سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ منتخب ہوتے رہے اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری بھی کرتے رہے۔ انجمن کے تعلیم، تصنیف اور عمارات کے صیغے بھی آپ کی تحویل میں تھے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک مصروفیات میں آپ کو وقت دینا پڑتا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آپہنچا تھا کہ جس کام کے لئے مولانا محمد علی صاحب کو قادیان میں خدا تعالیٰ تیار کروا رہا تھا وہ شروع ہو۔ مولانا نور الدین صاحب کی حقیقت بین نظر نے اپنے محبوب شاگرد محمد علی کو قرآن کریم کی خدمت و اشاعت کے لئے منتخب کیا۔ اور آپ نے مولانا محمد علی صاحب کو انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن شروع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ ۱۹۰۹ء میں مولانا محمد علی صاحب نے بعمر ۳۵ سال اس عظیم الشان کام کا آغاز کیا جو سات سال بعد تکمیل کو پہنچا۔ اس دوران میں ۱۹۱۴ء میں مولانا نور الدین صاحب کی وفات کے بعد جماعت میں ایک انقلاب آیا۔ اور خود ان کی زندگی کے دوران میں بھی مولوی محمد علی صاحب اور آپ کے بعض رفقاء کے خلاف ایک پارٹی نے جو کچھ کیا۔ اور جو مشکلات اور تکالیف آپ کے رستے میں حائل ہوئیں اور

خدا کے فضل سے دُور کر دی گئیں۔ ان کا ذکر آئندہ آئے گا۔

سنہ ۱۹۰۹ء میں مولانا محمد علی صاحب (سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان اور ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز انگریزی واُردو) نے صدر انجمن احمدیہ کو اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کریم کرنے کے متعلق جو تجویز پیش کی اس میں اس طرح لکھا:۔

"جہاں تک میں نے غور کیا ہے کم از کم ایک سال تک یہ ضرورت ہو گی کہ ترجمہ کی تیاری کے لئے مختلف تراجم اردو و انگریزی و لغت عربی و انگریزی کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے بعد غالباً دو سال سے کم میں ترجمہ ختم نہ ہو سکے گا۔ اس طرح پر کم از کم تین سال میں تکمیلِ ترجمہ ہو گی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ چار پانچ سال تک لگ جائیں چونکہ یہ آٹھ نو ہزار روپے کا خرچ ہے اور میگزین کی طرح اس کا نتیجہ ساتھ ساتھ کوئی نہ نکلے گا۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض خیرخواہانِ قوم کے دل میں اس معاملہ میں بدظنی پیدا ہو۔ یہ ایک بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے۔ اس میں احمدی انجمنوں کی رائے لی جائے تاکہ بعد میں موردِ الزام نہ بنوں۔ یہ ایک نیا کام ہے۔ اس لئے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کیسا ترجمہ کر سکوں گا۔ یہ سب معاملہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے...... ہاں اگر اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید شاملِ حال ہو تو یہ کام شاید اس طرح پر ہو جائے کہ دنیا کے لئے مفید ہو...... ان اخراجات کو برداشت نہ کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی سبیل پیدا کر دے تو فارغ وقت میں جہاں ہو سکے تھوڑا تھوڑا اس کام کو کرتا رہوں۔ اس طرح پر آٹھ دس سال میں امید ہے یہ کام ہو سکے گا۔"

دستخط محمد علی ۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۰۹ء

اس تحریک پر انجمن نے جو کارروائی کی وہ یہ تھی:۔

"ریزولیوشن ۹۱۹ مورخہ ۶/۹/۶ ۔ پیش ہو کر قرار پایا کہ ترجمہ قرآن شریف کا زبان انگریزی میں کیا جائے اور مولوی محمد علی صاحب کو اس کام پر لگایا جائے۔"

چنانچہ مولانا محمد علی صاحب بدستور سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ و ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز رہے۔ انجمن کے تعلیم، تعمیرات اور تصنیف کے صیغے بھی آپ کے سپرد ہی تھے۔ اور تعلیم الاسلام ہائی سکول و بورڈنگ ہاؤس کی عظیم الشان عمارات تمام و کمال آپ کی ہی سعی اور نگرانی کا نتیجہ تھیں۔ اس کے علاوہ متفرق کام بھی آپ کرتے رہے۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر سنہ ۱۱ء کی مجلس معتمدین میں آپ نے مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی:۔

"رپورٹ ایڈیٹر ریویو ۲۶؍جون ۱۹۰۹ء کے اجلاس میں مَیں نے رپورٹ پیش کی تھی کہ قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کرنے میں قریباً تین سال یا اس سے کچھ زیادہ وقت لگے گا۔ چنانچہ اس وقت اڑھائی سال کے عرصے میں ۲۱ سیپاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور امید ہے کہ باقی کام چھ ماہ کے عرصہ میں انشاءاللہ ہو جائے گا۔ مگر محض ترجمہ کا شائع ہونا ہی مفید نہ ہوگا بلکہ مندرجہ ذیل امور کا ساتھ شائع ہونا ضروری ہے:-

۱۔ مارجن جن میں کراس ریفرنس ہوں۔ یعنی قرآن کریم کے ایک مقام کے حوالے دوسرے مقامات میں حاشیہ میں دیئے جائیں۔

۲۔ علاوہ ان مختصر نوٹوں کے جو ہر صفحہ پر ترجمہ کے نیچے ہوں گے۔ ذیل کے نوٹ ہوں —
(الف) ہر رکوع کے شروع میں رکوع کا خلاصہ اور اس کی آیات کا ربط مختصر الفاظ میں جو رکوع کی محض ہیڈنگ کی طرح ہو (ب) ہر سورۃ کا شروع میں خلاصہ جس میں اس کا تعلق پہلی سورۃ سے دکھایا جائے (ج) ہر سورۃ کے آخر میں اس سورۃ کے اہم مضامین پر ضروری نوٹ۔

۳۔ ترجمہ کے شروع میں ایک مفصل انٹروڈکشن۔

ان امور کی تکمیل پر ترجمہ ختم ہونے کے بعد تین سال یا کم از کم دو سال لگیں گے، اس اڑھائی سال کے عرصہ میں جس میں ۲۱ پاروں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ کے کام کے علاوہ اور متفرق کاموں پر بہت سا وقت صرف ہوا ہے۔ مثلاً رام پور اور مسوری کے مباحثات پر ایک ماہ صرف ہوا ہے۔ انجمن کے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے مجھے اکثر اوقات اِدھر اُدھر جانا ہوتا ہے۔ خود یہاں انجمن کے صیغوں کے کام کی تکمیل میں روزانہ بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی چھپائی کا کام بھی اس عرصہ میں ہوا ہے۔ اس کے ترجمے کی نظر ثانی، پھر ٹائپ شدہ کاپیوں کو درست کرنا، پھر اس کتاب کے دوبارہ پڑھنے پر بہت سا وقت صرف ہوا۔ پھر کانونشن مذاہب الٰہ آباد کے لئے لیکچر تیار کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ امر میرے مدنظر رہا ہے کہ جو لکھوں ہر لفظ کی خود تحقیقات کر کے لکھوں۔ کیونکہ پرانے ترجمہ کو سامنے رکھ کر اس کی نقل شائع کرنا چنداں مفید نہیں۔ مسٹر میکالف نے گرنتھ صاحب کے چند حصص کا ترجمہ وغیرہ شائع کرنے میں پندرہ سال صرف کئے۔ اس لئے میری یہی رائے تھی کہ ترجمہ اس صورت میں مفید ہو سکتا ہے۔ جب اس کے

ساتھ مذکورہ بالا امور شائع ہوں۔"

(دستخط) محمد علی - ۲۷ دسمبر ۱۹۱۱ء

(نقل از رپورٹ مجلس معتمدین)

صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ریکارڈ میں یہ امر کہیں قرار نہیں پایا کہ حضرت مولانا کو اس ترجمہ کے لئے ملازم رکھا گیا ہے۔ یا حضرت مولانا جو قبل ازیں ملازم تھے ان کو اس کام پر لگا کر ان کی تنخواہ اس مد سے برآمد کی جائے۔ مولانا اپنے سابقہ کام کے لئے جس کا ذکر آچکا ہے تنخواہ لیتے تھے اور ترجمہ کا کام اپنے فارغ اوقات میں یا رخصت لے کر کرتے تھے[1] چنانچہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۳ء کو مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے رپورٹ پیش ہوئی۔

"ریزولوشن ۳۳۵ مورخہ ۱۴-۷-۱۳ درخواست ایڈیٹر ریویو۔ کہ چونکہ میری طبیعت چند روز بیمار رہ کر کمزور ہوگئی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ میں کسی پہاڑ پر کچھ دنوں کے لئے چلا جاؤں۔ لہٰذا میرا ارادہ کوہ مری جانے کا ہے۔ ترجمہ قرآن کریم کا کام جو میرے سپرد ہے وہ میں ساتھ لے جاؤنگا۔ کیوں کہ وہاں میں بیکار تو نہیں رہ سکتا۔ البتہ اگر قادیان سے غیر حاضری کی وجہ سے مجھے اپنے کاموں سے بھی غیر حاضر سمجھا جائے تو اس صورت میں رخصت رعایتی دو ماہ دیدی جائے۔

پیش ہو کر قرار پایا رخصت مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو رعایتی ۱½ ماہ کی ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء سے ۳۰ ستمبر تک منظور ہے۔"

اگر ترجمہ کا کام مولانا محمد علی صاحب کے سپرد تنخواہ کے عوض ہوتا تو پھر رخصت دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔ انجمن نے رخصت دے کر واضح کر دیا کہ ترجمہ کا کام مولانا صاحب کا مفوضہ مقررہ مشاہرہ کا کام نہ تھا۔ بلکہ انجمن اس کام کی تکمیل کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ چنانچہ یہ کام قادیان رہنے کے دوران میں مولانا محمد علی صاحب اپنے طریق پر اور اپنی رائے کے مطابق کرتے رہے۔ کبھی اپنے گھر میں بستر پر کتابوں کے ڈھیر لگا کر اور رات کو ان پر موم بتیوں سے روشنی کر کے بھی لکھتے رہتے تھے۔ اور کبھی

---

[1] اس امر کے اظہار کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعد میں جماعت قادیان کی طرف سے یہ اعتراضات کئے گئے کہ یہ ترجمہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملکیت تھا۔ اور خود جماعت احمدیہ لاہور کے بعض احباب نے ایک عرصہ کے بعد جب مولانا محمد علی صاحب سے ان کے کچھ اختلافات ہوئے تو انہیں اعتراضات کو دہرانے کی کوشش کی۔

رخصت لے کر کام کرتے تھے۔ دوران رخصت میں آپ کی غیر حاضری میں خلیفہ رشید الدین صاحب سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان دنوں میں مولوی شیر علی صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز تھے۔

خود مولانا محمد علی صاحب نے بھی اس معاملہ کے بارے میں جو کچھ بعد میں فرمایا وہ اسی موقف کے مطابق تھا۔ چنانچہ اپنے ایک خطبۂ جمعہ، مطبوعہ اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۶ جون ۱۹۱۶ء میں فرماتے ہیں :-

"...... میں نے ترجمہ قرآن کی تجویز کو انجمن کے سامنے پیش کیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو خدا تعالےٰ میرے لئے کوئی اور صورت کردیگا میں نے انجمن کو یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا ملازم ہوں۔ مجھے کوئی کام دو۔ بلکہ میں نے یہ کہا کہ میں ترجمہ قرآن کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو میرے لئے خدا تعالےٰ کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ اس کو بھی اللہ تعالےٰ نے سچ ہی کر دکھایا کہ انجمن نے اخراجات دینے سے انکار کر دیا۔ تو اس مولا کریم نے کشائش بفضل و کرم دیگرے کا معاملہ میرے ساتھ کیا۔"

اس سے پہلے جولائی ۱۹۱۴ء میں اختلاف کے بعد آپ نے صدر انجمن احمدیہ قادیان سے جو خط و کتابت کی اُس میں صریحاً لکھا کہ یہ ترجمہ میری تصنیف اور میری ملکیت ہے۔ مگر اس کی تفصیل آگے آئیگی۔

انگریزی ترجمہ میں مولانا نورالدین صاحب کی دلچسپی!

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ مولانا نورالدین صاحب قرآن و حدیث کے بہت بڑے مفسر اور عاشق قرآن تھے۔ چنانچہ جو ترجمہ انگریزی مولانا محمد علی صاحب کرتے وہ مولانا نورالدین صاحب کو سُنایا کرتے تھے اور اور آپ سے مناسب ہدایات و اصلاح لیا کرتے تھے۔ مولانا نورالدین صاحب کا عشق قرآن اور مولانا محمد علی صاحب کے ترجمے میں دلچسپی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ جب ۱۳ء کے سالانہ جلسہ کے بعد جنوری ۱۴ء میں آپ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ بولنے سے بھی ضعف ہوتا تھا۔ اور طبی مشورہ کے ماتحت آپ نے درس قرآن بند کر دیئے تھے۔ تب بھی اور سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی مولانا محمد علی صاحب سے روزانہ انکا ترجمہ اور تفسیری نوٹ باقاعدہ سُنتے تھے اور مناسب مشورے دیتے تھے۔ ان کے آخری ایام کے حالات ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے، جو اُن کے علاج کی خاطر قادیان میں رہ پڑے تھے۔ اپنی ڈائری میں محفوظ کر لئے۔ یہ ڈائری اس وقت فروری، مارچ ۱۴ء میں "پیغام صلح" (لاہور) کے ہر پرچہ میں چھپا کرتی تھی۔ اور ۳۵ء میں اس کی دوبارہ اشاعت بھی ہوئی۔ اس میں سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔ یہ مولانا محمد علی صاحب اور ترجمہ قرآن کے متعلق ہیں اور ان سے مولانا نورالدین

صاحب کے عشقِ قرآن کی بھی ایک جھلک نظر آتی ہے"۔ خود مولانا محمّد علی صاحب نے مولانا نور الدّین صاحبؓ کی زندگی کے ان ایّام کے متعلق ایک موقع پر فرمایا:۔

"یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ان دنوں بھی ان سے قرآن سیکھنے کا موقع ملا۔ جب بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے تھے۔ میں انہیں انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے نوٹ سنایا کرتا تھا۔ وہ بہت بیمار تھے اور اس بیماری کی حالت میں بھی انتظار کرتے رہتے تھے کہ کب آئے گا محمّد علی۔ اور جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہی نورالدّین جو بہت بیمار تھا وہ ایک نوجوان کی طرح ہو جاتا۔ ان کے عشقِ قرآن کا ہی نتیجہ وہ کام ہے جو میں نے خدمتِ قرآن کے رنگ میں کیا۔" (پیغامِ صلح مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء)

اب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی ڈائری کے چند اوراق سنیئے:۔

"۹ فروری ۱۹۱۴ء۔ آج رات ہم چند احباب حضور کو کھانا کھلا رہے تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ میں نے آپ سے بھی کچھ سیکھا ہی ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے تو حضور سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ فرمایا کہ مجھے تو قرآن ہی آتا ہے۔ وہی میں سکھا سکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ حضور کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ہم حضور سے قرآن سیکھیں۔ فرمایا مولوی محمّد علی صاحب سے پوچھو مجھے کتنا قرآن آتا ہے۔ مولوی صاحب بہت محنت کر کے صدہا صفحے لکھ کر لاتے ہیں۔ میں ان کو مختصر کر دیتا ہوں۔ بعض اوقات وہ کہتے ہیں۔ آپ کی رائے تمام تحقیقات سے بالاتر ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے مولوی صاحب نے بہت خوش کیا ہے۔ میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یاجوج ماجوج اور اصحاب کہف ذوالقرنین کی تحقیقات عجیب کی ہے انسائیکلوپیڈیا چھان مارے ہیں۔ کیا مسئلہ صاف کیا ہے۔ واہ واہ واہ۔"

("پیغامِ صلح" ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء، ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

"قادیان ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء ـــــ حضرت مولوی محمّد علی صاحب جب قرآن مجید کا ترجمہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے تو آپ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"تو بیا کہ زندہ مانم"

(پیغامِ صلح ۲۶ فروری ۱۹۱۴ء)

"۱۵ فروری ۱۹۱۴ء ـــــ مولوی شیر علی صاحب۔ نواب صاحب۔ مولوی محمّد علی صاحب۔ ڈاکٹر سیّد محمّد حسین صاحب۔ مرہم عیسیٰ صاحب اور بہت سے احباب تھے۔ فرمایا:۔ "کفر و اسلام کا مسئلہ دقیق مسئلہ ہے۔ جس کو بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا۔"

میاں محمود احمد صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت کے پاس چارپائی پر بیٹھے تھے آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "ہمارے میاں نے بھی اس کو نہیں سمجھا۔"

(پیغام صلح مورخہ ۳ر نومبر ۳۵ء)

"۱۴ر فروری ۱۹۱۴ء ـــــ حضرت صاحب کی صحت ابھی تک مشوش ہے۔ اسہال کو تو افاقہ ہے مگر کمزوری دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن روز سنتے ہیں۔ ہمت اور حوصلہ اُن کا بہت عظیم الشان ہے اور قرآن مجید کا عشق بے نظیر۔ فرماتے ہیں کہ قرآن ہی میری روح اور زندگی کا دار و مدار ہے۔"

(پیغام صلح ۱۷ر فروری ۱۴ء)

"مورخہ ۱۶ر فروری ۱۴ء ـــــ کل حضرت صاحب کی طبیعت نسبتاً اچھی رہی ضعف بدستور ہے۔ خاکسار و خلیفہ رشید الدین صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "میں نے پندرہ ۱۵ دن برابر آپ لوگوں کی پوری فرمانبرداری کی ہے (یعنی غذا۔ دوا وغیرہ تمہاری تجویز کے مطابق کھائی ہے) آگے میں سات سبق روز پڑھاتا تھا (یعنی قرآن و حدیث کے درس) اب ایک بھی نہیں پڑھاتا۔ اب مجھے کسی کام پر لگاؤ۔" مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید کے درس دینے کی اجازت دو۔ میں نے عرض کی کہ جناب فی الحال مولوی محمد علی صاحب کو پڑھاتے ہیں۔ جب ذرا طاقت ہوگی۔ پھر درس دیں ..... آپ کو جو قرآن کا عشق ہے وہ بیان کرنے سے کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کہ اس بے حد ضعف کی حالت میں بھی ہر دم قرآن پڑھانے کا خیال آپ کو ہے۔ اور آپ کا دماغ قرآن مجید کے معارف و دقائق حل کرنے میں اس وقت بھی مصروف رہتا ہے۔ جب مولوی محمد علی صاحب قرآن مجید کے نوٹ سنانے آتے ہیں تو بعض اوقات وہ اپنا بیان شروع نہیں کرتے کہ خود حضرت صاحب اس روز کے حصہ ترجمہ کے متعلق ایک تقریر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ میں تمام رات اس کے متعلق کتابیں دیکھتا اور غور کرتا رہا۔ (کتب ان کے سامنے کوئی نہیں ہوتیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے متعلق مختلف کتب اور احادیث وغیرہ کے مضامین پر غور کرتے رہتے ہیں) اور بعض اوقات کتب احادیث و انجیل و تورات کے حوالے بیان کرتے ہیں جو بالکل درست ہوتے ہیں۔ بارہا فرماتے ہیں کہ میرا دماغ تو بالکل تندرست ہے اور کبھی قرآن کے فکر سے فارغ نہیں ہوتا ....."

(پیغام صلح مورخہ ۱۹ر فروری ۱۴ء)

"۱۸ار فروری ۱۴ء ــــــ آج حضرت کو ضعف تھا اور حالت کمزور تھی۔ مولوی محمدؐ علی صاحب حسب معمول قرآن شریف کے نوٹ سنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ قرآن کی کی بعض آیات پر آپ نے ان کو کچھ ارشادات فرمائے۔ مگر کمزوری سے ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے . . . . پھر مولوی محمدؐ علی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "تمہارا روز دیکھنا یہ بھی میری روح کی غذا ہے۔" پھر فرمایا۔
"مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو۔ ایک کام کا ہاتھیار ملا ہے (یعنی مولوی محمدؐ علی صاحب) علم ہی علم ہے۔ تمہارا افضل ہے۔"

مولوی محمدؐ علی صاحب نے جواب میں عرض کیا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ حضور کے خیالات کا ترجمہ کر سکوں۔" حضرت نے فرمایا۔ "سب اُس کا فضل ہے جو ہُوا فضل اور جو ہو گا فضل ہو گا۔" . . . پھر فرمایا۔ "یہ ترجمہ یورپ۔ امریکہ، افریقہ، چین۔ جاپان و آسٹریلیا میں انشاءاللہ مفید ہو گا۔" (پیغام صلح مورخہ ۳ ر نومبر ۳۵ء)

۱۲ار فروری ۱۴ء ــــــ حضرت صاحب نے مولوی محمدؐ علی صاحب کو درس قرآن کے لئے اندر بلالیا۔ اس وقت والدہ عبدالحی بھی موجود تھیں۔ درس قرآن کے بعد مولوی محمدؐ علی صاحب کا ہاتھ حضرت نے پکڑا اور آہستہ آہستہ اپنے منہ کے پاس اس کو لے گئے۔ اور اس پر بوسہ دیا۔" (پیغام صلح مورخہ ۱۵ ر نومبر ۳۵ء)

۲۲ر فروری ۱۴ء ــــــ اس روز طبیعت بہت بشاشت تھی۔ مولوی محمدؐ علی صاحب کے متعلق عرض کی گئی کہ قرآن شریف سنانے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ تو (پنجابی میں) فرمایا۔ "سر آنکھوں پر آئیں۔ قرآن سنائیں۔ کوئی میرا دماغ تھکتا ہے۔" اپنے پلنگ کی طرف اشارہ کر کے مولوی محمدؐ علی صاحب کو فرمایا۔ "میرے پاس آجائیں۔" فرمایا۔ "مجھ کو بڑا پیلا ہے۔" (پیغام صلح مورخہ ۱۵ر نومبر ۳۵ء)

اور انہی دنوں میں ایک دن کا واقعہ ہے کہ مولانا محمدؐ علی صاحب کو آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ مولانا نورالدین صاحب کی طبیعت بہت کمزور تھی۔ لیکن اسی حالتِ ضعف میں آپ نے فرمایا۔ "میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔ میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔" سننے والوں کا خیال ہُوا کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبدالحی کو بلانا چاہتے ہیں۔ مگر آپ نے پھر فرمایا۔ "میری روحانی غذا لاؤ۔ میری روحانی غذا لاؤ۔" اور جب مولانا محمد علی صاحب پہنچ گئے تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا[۱]۔

---

[۱] یہ واقعہ ڈاکٹر مرزا صاحب کی ڈائری میں نہیں چھپا مگر اس کا ذکر اُس وقت کے حاضرین میں سے ایک نے مولانا محمد علی صاحب سے کیا۔

غرضیکہ ان واقعات سے مولانا نورالدّین صاحب کی مولانا محمدؐ علی صاحب سے محبّت اور آپ کے ترجمہ قرآن میں دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر جبکہ انگریزی ترجمہ ہو رہا تھا تو میرزا ناصر نواب صاحب نے ایک اردو ترجمہ کی بنیاد ڈالنی چاہی اور اس کے لئے کچھ چندہ بھی جمع کر لیا۔ مگر مولانا نورالدّین صاحب نے ان کو روک دیا۔ اور کہا کہ ہماری جماعت کی طرف سے اُردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا جو محمد علی انگریزی ترجمہ کے بعد کرے گا۔ اور مولانا محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ آپ اُس وقت خرابیٔ صحت کی وجہ سے کوہ مری میں مقیم تھے جبکہ مولانا نورالدّین صاحب نے آپ کو لکھا کہ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے علاوہ اردو ترجمہ بھی کرنا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بھی ساتھ ساتھ کرتے رہو — چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق آپ نے اردو ترجمہ بھی تھوڑا تھوڑا شروع کیا اور قریبًا چھ پارے حضرت مولانا کی نظروں سے بھی گذرے۔

مورخہ ۳ر مارچ ۱۹۱۴ء کو یعنی مولانا نورالدّین صاحب کی وفات سے گیارہ روز قبل ایک اشتہار دوبارہ انگریزی ترجمۃ القرآن بطور ضمیمہ ریویو آف ریلیجنز فروری ۱۴ء شائع ہُوا۔ جس کے پہلے صفحے پر خود مولانا نورالدّین صاحب کی ایک تحریر ہے۔ فرماتے ہیں :-

"میں اپنے احباب کو اس اعلان کے ذریعے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے چندے کے لئے متوجہ کرتا ہوں۔ میں نے تین چوتھائی سے زیادہ یعنی ۲۳ پاروں کے نوٹ آج تک سُن لئے ہیں۔ اور چھ سپاروں کا اُردو ترجمہ بھی دیکھ لیا ہے۔ اور اللہ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ جو باقی ہے اس کو بھی پورا کر دوں۔ بیماری میں بھی برابر نوٹ سُنتا اور لکھواتا رہا ہُوں۔ میں نے اپنی زندگی کو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک قرآن کریم کے مطالعہ میں اور اس پر تدبّر میں گذارا ہے۔ اور جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا پاک کلام سمجھایا ہے بہت کم لوگوں نے سمجھا ہوگا۔ میرے مدّنظر ہمیشہ سادگی اور کہانیوں سے دُور رہنا اور قرآن کے ظاہر کا اتباع رہا ہے اسی کے مطابق میں نے بھی ہمیشہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ باقی ہر زمانے میں اس کی ضروریات کے مطابق اس کے خادم بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔

اب اس کے طبع کرانے اور انگریزی ترجمہ کے بعد اسی اُردو ترجمہ کے طبع کرانے کے اخراجات کا انتظام کرنے کے لئے میں اپنے احباب کو توجّہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری کوشش کو جو اُس کے کلام کی خدمت کے لئے میں نے کی ہے ضائع نہیں کرے گا۔ اور میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ جن لوگوں کو مجھ سے تعلق اور محبّت

ہے ان میں بھی قرآن کریم کی خدمت کی تڑپ پیدا کر دی گئی ہے ...... یہ ترجمہ یورپ، افریقہ، امریکہ چین، جاپان، آسٹریلیا وغیرہ ممالک میں انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا .... " (نور الدین)

اس اعلان کے بعد مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے ایک اعلان ہے جس میں منجملہ اور باتوں کے آپ فرماتے ہیں۔

" ترجمۃ القرآن کا کام ایک عظیم الشان کام ہے اور جس قدر مطالب کلامِ الٰہی کے ترجمہ میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان کے لحاظ سے مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآن کریم کا یہ ترجمہ انگریزی ممالک میں اور انگریزی سمجھنے والی قوموں میں نہ صرف ایک کثیر ذخیرہ غلط فہمیوں کا دور کرنے والا ہوگا بلکہ اسلام کا روشن چہرہ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایسی طرز پر دکھانے والا ہوگا جس سے کم از کم انصاف پسند طبیعتوں میں ان تمام خیالات کی کایا پلٹ جائے گی۔ جو آج تک یورپین لوگوں میں اسلام کے متعلق رہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل سے ہی ہوگا۔ لیکن میری توقع کی بنیاد اس امر پر ہے کہ اس ترجمہ کے اہم مطالب ایک ایسے شخص کے ہیں جس نے اپنی ساری عمر بچپن کے زمانے سے لے کر اسّی سال تک صرف قرآن کریم کے مطالعہ اور خدمت میں صرف کی ہے اور ہزار ہا کتابیں صرف اس نیت سے پڑھیں کہ کسی آیت کے حل کرنے میں ان سے مدد ملے۔ جس کو پرانے اور نئے فلسفہ کی تاریخ کی۔ پرانے اور نئے علوم طبیعات کی بھی واقفیت ہے۔ اور جس نے ان تمام علوم کو خادمِ قرآن بنا کر پڑھا ہے۔ اور جو نہ صرف احمدی جماعت کا ہی امام ہے بلکہ ان نادر وجودوں سے ایک ہے۔ جو اپنی تحقیقات اور وسعتِ علمی سے یہ حق رکھتے ہیں کہ قوم کے امام کہلائیں۔ اور وہ اپنے علم و فضل، اپنے تقویٰ اور توکّل کے لحاظ سے ایک بے نظیر وجود ہے ..... ہمارے سلسلہ کی اصل غرض اشاعتِ اسلام ہے۔ اور اشاعت اسلام میں قرآن کریم کی اشاعت سب سے بڑا مرتبہ رکھتی ہے .. آخر میں مَیں اس تحریک کو ایک آیت قرآنی پر ختم کرتا ہوں۔ جو میرے آج کے نوٹوں میں آخری آیت ہے ــ ھآانتم ھٰؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

والسلام خاکسار محمد علی از قادیان۔ مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء

نوٹ (۱) اس اعلان کے شائع ہونے تک ۲۶ سپاروں کے نوٹ ہو چکے تھے۔

(۲) ۱۴ر مارچ کو حضرت صاحب نے فرمایا۔ ہمارا انگریزی ترجمہ اللہ کو مقبول ہو گیا ہے۔ الہاماً بشارت آگئی ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس میں جس بشارت کا ذکر ہے وہ جماعت کے ایک ملہم بزرگ نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو ان کی بیماری کے آخری ایام میں اس وقت سُنائی جب کہ ان کے پاس مولانا محمد علی صاحب اور بہت سے اور احباب جماعت بیٹھے تھے۔ چنانچہ مولانا نورالدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور سب حاضرین مجلس اُسی وقت سجدۂ شکر میں گر گئے۔

کلکتہ کی مذہبی کانفرنس

اپریل ۱۹۰۹ء میں کلکتہ میں ایک بڑے پیمانے پر مذاہب کی کانفرنس (CONVENTION OF RELIGIONS) منعقد ہوئی۔ جب اس کے انعقاد کی خبر قادیان پہنچی تو مولانا نورالدین صاحب کے ارشاد پر مولانا محمد علی صاحب نے ایک جامع پرچہ انگریزی میں اسلام پر لکھا۔ اور ۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو قادیان سے لاہور جا کر ۶ اپریل کو خواجہ کمال الدین صاحب کی معیت میں کلکتہ تشریف لے گئے۔ جلسہ ۹ اپریل کو ٹاؤن ہال میں شروع ہوا۔ اور پہلے دن افتتاحی تقاریر ہوئیں۔ دوسرے دن پہلے عیسائیت پر اور پھر اسلام پر تین پرچے پڑھے گئے۔ پہلا مرزا ابوالفضل صاحب، دوسرا مولوی خدا بخش صاحب اور تیسرا مولانا محمد علی صاحب کا تھا۔ جب آپ کا مضمون پڑھنے کی باری آئی تو سہ پہر ہو چکی تھی۔ اور سامعین تھک چکے تھے اور توقع تھی کہ اس پرچے کو توجہ سے نہ سُنا جائیگا۔ خواجہ کمال الدین صاحب یہ پرچہ پڑھنے کے لئے اٹھے تو مولانا محمد علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت اونچی ڈائس پر بیٹھا تھا اور سب سامعین کو دیکھ سکتا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا تصرف ہوا کہ سامعین گویا کسی کشش کے نیچے لائے گئے ہیں۔ اور نہایت خاموشی اور مکمل توجہ سے مضمون سُنا جا رہا تھا اور جگہ جگہ چیرز دیئے جا رہے تھے۔ اس نقشہ کو دیکھ کر کلکتہ کے بعض احمدی جو اس وقت سامعین میں سے تھے، اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ہال میں ہی سجدۂ شکر کے اندر گر گئے۔ مضمون کے ختم ہوتے ہی آپ کو اور خواجہ صاحب کو تمام ڈیلیگیٹوں اور سامعین میں سے اکثر لوگوں نے مبارکباد دی اور صدر جلسہ مسٹر متّر نے اُسی وقت آپ سے پوچھا کہ آپ اس کانفرنس کے بعد کسی جگہ لکچر دے سکتے ہیں؟ اُس وقت چونکہ آپ دونوں کو ضروری واپس آنا تھا اس لئے یہ پروگرام بنا کہ بعد میں خواجہ صاحب تشریف لا کر لکچر دیں گے۔ ایک یورپین ڈیلیگیٹ نے آپ سے کہا کہ آپ نے تو عیسائی مذہب کا خاتمہ کر دیا۔ غرضکہ خدا تعالیٰ نے ایک نمایاں کامیابی عطا فرمائی۔ — مولانا محمد علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ "اس جلسہ میں جو کامیابی اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کو عطا فرمائی۔ وہ جلسہ مہوتسو[1] والی کامیابی کی

[1] ماہ دسمبر ۱۸۹۶ء میں لاہور میں ایک جلسۂ مذاہب اعظم (دھرم مہوتسو) منعقد ہوا تھا جس میں مختلف مذاہب کی طرف سے ان کے نمائندوں نے مقالے پڑھے تھے۔ مذہب اسلام کی طرف سے حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب کا مضمون (جو بعد میں کتابی صورت میں "تعلیم اسلام یا اسلامی اصولوں کی فلاسفی" کے نام سے چھپا) آپ کے معزز مرید مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھا۔ یہی مضمون سب سے اعلیٰ اور بہتر قرار دیا گیا۔

طرح تھی گو جو مضمون اس جلسہ میں پڑھا گیا وہ اس مقدس دل سے نہ نکلا تھا مگر آپ ہی کے خیالات کو مختصر طور پر آپ کے ایک خادم نے جمع کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی نصرت اور تائید کی۔"

(بدر۔ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۰۹ء)

مباحثۂ رام پور

جون ۱۹۰۹ء میں نواب صاحب رامپور نے ایک بڑا مباحثہ منعقد کروایا جس میں غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی ثناء اللہ امرتسری مباحثہ کرنے والے تھے اور احمدیوں کی طرف سے جو وفد بھیجا گیا اس کے لیڈر مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی تھے اور اس میں مولانا محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی مبارک علی صاحب، حافظ روشن علی صاحب، شیخ یعقوب علی صاحب شامل تھے۔ ۱۵ سے ۲۰ جون تک یہ مباحثہ جاری رہا مگر اس کے دوران میں نواب صاحب نے بدعہدی کی اور بجائے غیر جانبدار رہنے کے کھلم کھلا مولوی ثناء اللہ کے ہم نوا ہو گئے۔ اور احمدی وفد کو مباحثہ ختم کرنا پڑا۔ اس مباحثہ کی مفصل روئداد "یکے از حاضرین" کے لقب سے خود مولانا محمد علی صاحب نے اخبار بدر مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۹ء میں شائع کروائی۔ اور اس کے متعلق مولانا محمد احسن صاحب امروہوی نے ایک کتاب شائع فرمائی۔

دوران مباحثہ میں ایک لطیفہ بھی ہوا۔ نواب صاحب نے طنزاً کہا کہ "سرسید احمد خان (جن کو لوگ نیچری کہتے تھے) بھی تو وفاتِ مسیح کے قائل تھے۔" اس پر خواجہ کمال الدین نے برجستہ جواب دیا کہ "ہاں حضور کون عقلمند وفاتِ مسیح کا قائل نہیں۔"

مباحثہ منصوری

نومبر ۱۹۰۹ء میں ایک بڑا مباحثہ کوہ منصوری میں بھی منعقد ہوا۔ اس وقت وہاں بعض مقامی حالات کی وجہ سے سلسلہ کی مخالفت زیادہ پھیل گئی تھی اور وہاں کے لوگوں نے اس مباحثہ کا انتظام کروایا۔ تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو سکے۔ اس میں شمولیت کے لئے مولانا نورالدین صاحب نے جو وفد بھیجا اس کے لیڈر مولانا محمد علی صاحب تھے اور دوسرے ممبران مولوی غلام رسول صاحب۔ حافظ روشن علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی ثناء اللہ امرتسری تو نہ پہنچا۔ اس کی جگہ مولوی محمد یحییٰ بہاری بحث میں پیش تھے۔ اور بھی کچھ مولوی تھے۔ ۱۵ نومبر کو پہلے دن وفاتِ مسیح اور حیاتِ مسیح پر تقاریر ہوئیں اور دوسرے دن حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر۔ اور اس مباحثہ کا بہت اچھا اثر مقامی مسلمانوں پر ہوا اور کئی ایک لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ مباحثہ کی تقاریر کو قلمبند کر لیا گیا تھا مگر غیر احمدی علماء نے ان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مباحثہ کی مختصر روئداد اخبار بدر مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی۔ اور مولانا محمد علی صاحب کے متعلق مفتی محمد صادق صاحب نے لکھا: "امیر قافلہ حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے تھے۔ سب نے ان کی اطاعت کی مگر باوجود امیر ہونے کے (اصل

انہوں نے قافلہ کی سب سے زیادہ خدمت کی ۔ تمام انتظام تقریروں وغیرہ کے متعلق انہوں نے خود کیا۔ اور کسی امر میں اپنے خدام کو تکلیف میں نہ ڈالا سچ ہے ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

الہ آباد کا جلسۂ مذاہب

جنوری ۱۹۱۱ء میں الہ آباد میں ایک جلسۂ مذاہب ہوا۔ اور منتظمان جلسہ نے مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو مدعو کیا۔ مولانا محمد علی صاحب خود تو الہ آباد نہ جاسکے۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب آپ ترجمہ قرآن انگریزی کے کام اور دیگر فرائض کی وجہ سے بےحد مصروف رہتے تھے۔ مگر آپ نے ایک انگریزی لیکچر تیار کر کے بھیجا۔ خواجہ صاحب خود تشریف لے گئے ——

۹ر جنوری کو کانفرنس کے پہلے دن خواجہ صاحب کا لیکچر تھا جو حسب معمول نہایت کامیاب رہا اور مقبول ہوا —

دوسرے دن مولانا محمد علی صاحب کا مضمون پڑھا گیا کہ کس طرح حقیقی اور سچا مذہب اسلام ہے۔ جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے اور پہلے مذاہب کے بعد کس طرح اسلام نے مذہب کی تکمیل کی ہے۔ اس مضمون کی جتنی تعریف ہوئی وہ اور کسی مضمون کی نہ ہوئی تھی۔ اور اس کو چوٹی کا مضمون قرار دیا گیا (بدر۔ مورخہ ۲۳ ۲/۱۱)

اس مضمون کو کتابی صورت میں ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان نے بعنوان "اسلام" (انگریزی) چھپوایا۔ اور اس کا اردو ترجمہ "اصول اسلام" کے نام سے چھپوایا گیا۔

خانگی حالات اور مری کے سفر

حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک مولانا محمد علی صاحب انہیں کے گھر میں مقیم رہے جہاں آپ نے آٹھ نو سال گذارے۔ غالباً ۱۹۰۹ء کے شروع میں آپ حضرت صاحب کے گھر سے ایک ملحقہ مکان میں جو پرانا مہمان خانہ کہلاتا تھا۔ منتقل ہو گئے اور چار پانچ ماہ وہاں رہے۔ اس کے بعد محلہ دارالعلوم میں جہاں انجمن کا سکول، بورڈنگ ہاؤس، مسجدِ نور اور ڈسپنسری بن رہی تھی، انجمن کی طرف سے آپ کو ایک تین کمروں کا نیا بنا ہوا گھر دیا گیا جس کا ایک کمرہ کچا تھا۔ اور اور آپ نے اپریل ۱۹۱۴ء تک اسی میں رہائش رکھی۔ آپ کے ساتھ آپ کے دو بھتیجے بھی رہتے تھے۔ جن کو آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے پاس قادیان بلوایا ہوا تھا۔ اسی گھر میں آنے کے بعد آپ نے ترجمہ قرآن انگریزی کے کام کا آغاز کیا اور قادیان کی زندگی کے آخری چار سال اپنی اور مصروفیات کے علاوہ اس کو بھی کرتے رہے۔

جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کی اہلیہ نومبر ۱۹۰۸ء میں فوت ہو گئی تھیں۔ اور ایک چھوٹی سی بچی رقیہ بیگم اس رشتہ کی یادگار آپ کے پاس رہ گئی تھی۔ اس کے قریباً ڈیڑھ سال کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب کی تحریک پر آپ کی دوسری شادی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی لڑکی مہرالنساء بیگم سے ہوئی ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی لڑکی کے رشتے کی بابت مولانا نورالدین صاحب کو خط لکھا۔ اور رشتہ:

زیر تجویز تھا اور انہوں نے اجازت مانگی تھی۔ مگر حضرت مولانا نے جواب میں لکھا کہ میرے نزدیک محمد علی سے بہتر اور کوئی انسان نہیں جس سے تعلق جوڑا جائے۔ فروری ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب چند دن کی رخصت لے کر بھیرہ سے قادیان تشریف لائے اور مولانا محمد علی صاحب کا نکاح آپ کی دختر سے ہوگیا۔ اس کے بعد ۲۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو مولانا محمد علی صاحب بھیرہ تشریف لے گئے۔ اور رخصتانہ کے بعد یکم مئی ۱۹۱۰ء کو اپنی اہلیہ کے ساتھ قادیان واپس پہنچے۔

جب آپکی اہلیہ مولانا نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس وقت وہ مستورات میں درس قرآن دے رہے تھے۔ آپ نے نہایت شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور حاضرات سمیت لمبی دعا مانگی اور پھر فرمایا کہ میں نے محمدؐ علی اور اُن کے والد کی پیشانیوں میں انوارِ الٰہی کی چمک دیکھی ہے۔ اور اسی طرح بشارت احمد اور ان کی بیوی کی پیشانیوں میں نور کی جھلک نظر آئی ہے اور میں اس سنجوگ پر بہت خوش ہوں۔ پھر ان کو فرمایا۔ تمہارا باپ اور شوہر میرے پیارے ہیں۔ اس لئے میری بچّی تم بھی مجھے بہت پیاری ہو۔ اس کے بعد اپنی تمام زندگی میں ہر موقع پر نہایت شفقت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ مولانا محمدؐ علی صاحب انگریزی ترجمہ قرآن شروع کر چکے تھے۔ ایک طرف سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کی حیثیّت سے انجمن کے تمام انتظامی امور سرانجام دیتے تھے۔ دوسری طرف مدرسۂ تعلیم الاسلام کی عمارت کی نگرانی فرماتے تھے اور اس کے علاوہ ریویو آف ریلیجنز اور بعض رسائل کے لئے مضامین بھی تصنیف فرماتے تھے اور راتوں کو اپنے مختصر سے مکان میں بیٹھ کر انگریزی ترجمہ کے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ایک چھوٹے سے کمرہ کو آپ نے دفتر بنایا ہوا تھا جہاں عربی وانگریزی کی متعدّد ضخیم و دقیق کتابوں۔ لغت اور تفاسیر قرآن کے ڈھیر آپ کی میز پر رہتے تھے۔ اور اکثر یہ نظارہ نظر آتا تھا کہ رات کی تنہائی میں آپ موم بتّی ہاتھ میں لئے کبھی اس کتاب پر جھکے ہوئے مصروفِ مطالعہ ہیں۔ اور کبھی اس کتاب پر۔

۱۹۱۲ء میں اوائل جون میں آپ کو سخت قسم کا بخار آیا جو ایک ہفتہ رہا۔ ابھی اچھی طرح صحت یاب نہ ہوئے تھے کہ کام شروع کر دیا اور پھر صحت بگڑنے لگی اور روزانہ بخار ہونے لگا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب کا علاج تھا۔ اُنہوں نے مشورہ دیا کہ تبدیل آب وہوا کے لئے کسی صحت بخش مقام پر چلے جائیں انہیں دنوں آپ کے اہلیہ کے نانا صفدر جنگ صاحب سابق کوتوال امرتسر۔ اپنی ایک صاحبزادی کے علاج کے لئے حضرت مولانا نورالدین صاحب کے پاس قادیان تشریف لائے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مری میں اُن کی دوکان پنجاب ڈیری ہاؤس کی نچلی منزل خالی ہے۔ آپ جا کر اس میں رہائش اختیار کریں۔ یہ جگہ مال روڈ پر ڈاکخانے کے قریب تھی۔ چنانچہ آپ بمعہ اہل وعیال مری تشریف لے گئے۔ یہ مکان ایک بہت بڑے ہال اور دو چھوٹے

کمروں پر مشتمل تھا۔ بڑے کمرے میں آپ نے پردہ لگا کر اپنا دفتر بنایا اور دوسرے حصے میں نماز باجماعت ہوتی تھی اور احباب ملاقات کے لئے آتے تھے۔ مری میں آپ کے قیام سے نہ صرف آپ کی صحت پر اچھا اثر پڑا بلکہ ترجمہ قرآن کا کام بھی زیادہ یکسوئی کے ساتھ آپ کرتے رہے۔ اور دو ماہ کے قیام میں آپ نے محسوس کیا کہ اس عرصہ میں آپ سے وہ کام ہوا جو قادیان میں رہ کر ممکن نہ تھا۔ اس لئے ۱۹۱۳ء میں بھی آپ حضرت مولانا نورالدین صاحب سے اجازت لے کر اور انجمن سے رخصت لے کر مری تشریف لے گئے اور دو اڑھائی ماہ اسی مکان میں رہے اور ترجمہ کے کام میں مصروف رہے۔ یہ گویا آپ کے پہاڑ جانے کی ابتدا تھی۔ جو حضرت مولانا نورالدین صاحب کے منشاء اور ارشاد سے شروع ہوئی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تصنیف و تالیف کا اتنا کام پہاڑ جانے کی وجہ سے ہی ہو سکا ہے۔ پھر لگاتار دماغی محنت کی وجہ سے آپ کی صحت اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ ہر سال شروع موسم گرما میں آپ بیمار ہو جایا کرتے تھے اور مجبوراً کسی صحت بخش مقام پر جانا پڑتا تھا۔ اگرچہ وہاں جا کر بھی آپ نے کبھی آرام نہ کیا بلکہ دُگنا کام اور دماغی محنت شروع کر دیتے تھے۔

اپنے رہائشی مکان (واقع قادیان) سے ملحق ایک زمین کا ٹکڑا مولانا محمد علی صاحب نے اپنا ذاتی گھر بنانے کے لئے خرید لیا تھا۔ اور اس کے لئے آپ نے اپنے والد صاحب سے کچھ روپیہ منگوایا تھا۔ مکان بنانے کے لئے اینٹیں بھی خرید لی تھیں اور اپنی زمین میں باغ لگوا رہے تھے جبکہ اختلاف ہوا اور آپ کو منجملہ اور چیزوں کے ان سب انتظامات کو ختم کر کے لاہور آنا پڑا۔ پھل دار درخت، پھول اور سبزی لگانے سے آپ کو ہمیشہ گہری دلچسپی رہی اور جہاں کہیں بھی آپ نے بعد میں اپنی رہائش کی جگہ بنائی وہاں باغ ضرور لگوایا۔ اپنی انتہائی مصروفیات اور تصنیف و تالیف کے کام میں گہرے انہماک کے ساتھ ساتھ آپ تھوڑا سا وقت ان کاموں کے لئے نکال لیتے تھے۔ اور یہی آپ کی تفریح کے لئے ایک مشغلہ تھا۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت یعنی نماز فجر کے بعد آپ پابندی کے ساتھ لمبی سیر کیا کرتے تھے۔ یہی عادت خود حضرت مسیح موعود کی تھی کہ صحت کی حالت میں صبح کی سیر کے پابند تھے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام اور بورڈنگ کی تعمیر

اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ہی تعلیم الاسلام ہائی سکول کے لئے ایک عمارت اور اس کے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور اس کے لئے قادیان کی پرانی آبادی سے باہر زمین بھی لی جا چکی تھی۔ جنوری ۱۹۰۸ء میں صدر انجمن احمدیہ نے مولانا محمد علی صاحب کو نامزد کیا کہ تعلیم الاسلام سکول و بورڈنگ کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کریں۔ اور اس کام کا آغاز کریں۔ اس کے بعد مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت صاحب کی وفات ہوئی۔ اور مولانا نورالدین صاحب کی قیادت میں مولانا محمد علی صاحب نے اس کام کو شروع کیا۔ قادیان جیسے مقام پر اتنی بڑی عمارات کا سامان

وغیرہ مہیا کرنا بے حد محنت طلب تھا اور اینٹوں کے لئے بھٹہ بھی خود ہی بنوانا پڑتا تھا۔ مولانا محمد علی صاحب نہایت ہی تندہی کے ساتھ یہ کام بھی سرانجام دیتے رہے اور بھٹہ کی بنوائی اور تعمیر کے کام کی ذاتی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ تمام امور کی دیکھ بھال آپ جس جانفشانی سے کرتے تھے اس کے لئے یہ ایک مثال کافی ہے کہ ایک دفعہ موسم سرما کی ایک نہایت سرد و تاریک رات میں باد و باراں کا ایک طوفان آگیا۔ اور اندیشہ تھا کہ بھٹہ میں پانی داخل ہو جائے گا اور ہزارہا روپے کا نقصان ہو جائے گا۔ تو آپ تیز بارش میں جبکہ چھتری وغیرہ بھی بے کار تھی۔ اپنے آرام کو پس پشت ڈال کر خود موقع پر تمام انتظامات کرتے رہے۔ اور آپ کے نمونے کے اثر سے تمام کارکن بھی نہایت جوش سے سرگرم عمل رہے اور عین وقت پر ایک بڑے نقصان سے بچ گئے۔ مولانا محمد علی صاحب خود ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی اپنے ہاتھ سے کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

پہلے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ کیونکہ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے رہائش کا انتظام ناکافی تھا حتیٰ کہ کچھ طلباء مسجد نور میں رہا کرتے تھے۔ جنوری ۱۹۰۹ء تعمیر شروع ہوئی اور اساتذہ کے لئے کوارٹر بھی بننے شروع ہوئے۔ تعمیر کی مشکلات کے ساتھ ساتھ روپیہ کی فراہمی بھی ایک بڑی جدوجہد کو چاہتی تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء کے دوران میں مولانا محمد علی صاحب نے اس طرف تمام جماعتوں کو بار بار توجہ دلائی۔ ایک وفد بنا کر بھی جماعتوں میں بھیجا۔ اور اس زمانے کے اخبارات "الحکم" و "بدر" میں متعدد اپیلیں شائع کیں۔ مارچ ۱۹۱۰ء میں آپ نے ایک ایک ماہ کی آمد کی اپیل ہر احمدی سے کی تاکہ بورڈنگ ہاؤس کی تکمیل ہو سکے اور مدرسہ کی بھی تعمیر ہو جائے۔ غرضکہ روپے کی فراہمی اور تعمیر کے یہ کام ساتھ ساتھ چلتے رہے بورڈنگ ہاؤس کے بعد سکول کی ایک عظیم الشان عمارت بنوائی گئی اور مئی ۱۹۱۳ء سے مدرسہ اس باہر کی عمارت میں لگنا شروع ہو گیا۔ گو اس وقت یہ عمارت پورے طور پر مکمل نہ ہوئی تھی۔ اس کی تکمیل ۱۹۱۳ء کے آخر میں ہوئی۔

مولانا نورالدین صاحب کی مصروفیات اور صحت

حضرت مولانا نورالدین صاحب کے زمانے میں جن عظیم الشان کاموں کا آغاز ہوا۔ اُن کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ ۱۹۱۱ء سے خواجہ کمال الدین صاحب نے ہندوستان بھر کے بڑے بڑے شہروں میں لکچروں کے ایک سلسلہ کو شروع کیا۔ جس کی وجہ سے اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کی وجہ سے جماعت احمدیہ کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی۔ اور اس تحریک کو ایسی مقبولیت حاصل ہونے لگی کہ خیال ہوتا تھا کہ گویا ہندوستان اس تحریک کے لئے فتح ہو جائے گا۔ اس زمانے کا تمام تعلیم یافتہ طبقہ اور بڑے بڑے لوگ اس جماعت کے مداح بننے لگے۔ اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کو بھی کہنا پڑا کہ اگر کسی نے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کو دیکھنا ہو تو وہ قادیان میں ملے گی۔ بڑی بڑی مذاہب کی کانفرنسوں اور مباحثات

میں جماعتِ احمدیہ کا ہاتھ سب سے اُوپر ہوتا تھا۔ ادھر قادیان میں اس جماعت کا قائد دن رات جماعت کو قرآن کی طرف توجہ دلاتا رہتا تھا۔ مولانا نورُالدّین صاحب دن بھر میں کئی ایک درس قرآن دیتے تھے۔ جو مستورات۔ طلباء اور عام لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث کا بھی آپ درس دیا کرتے تھے۔ اپنے اخراجات پُورے کرنے کے لئے طبابت فرماتے تھے اور نہایت شفقت و توجہ سے عوام کا علاج کرتے۔ آپ کی عمر اس وقت بہت ضعیف ہو چکی تھی۔ نومبر ۱۹۱۰ء میں آپ پر ایک سخت بیماری کا حملہ بھی ہُوا جبکہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نواب محمد علی خان صاحب کی کوٹھی سے تشریف لا رہے تھے، تو گھوڑے پر سے گر پڑے۔ اور آپ کو زیادہ چوٹیں آئیں۔ اس وقت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب جو وہاں تھے اور ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب نے زخموں کو ٹانکے لگائے۔ اور خیال ہُوا کہ آپ کو جلد صحت ہو جائے گی۔ مگر کچھ عرصہ بعد تکالیف پھر بڑھ گئیں اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی لاہور سے آپکی تیمارداری اور علاج کے لئے قادیان آ بیٹھے۔ چار پانچ ماہ تک مولانا بستر علالت پر دراز رہے۔

کتاب ٹیچنگز آف اسلام کی اشاعت

حضرت مسیح موعود کے کئی ایک مضامین اور تحریرات کا انگریزی ترجمہ مولانا محمد علی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز کے لئے کیا۔ ۱۹۱۱ء میں آپ نے حضرت صاحب کے مشہور طویل مضمون "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا انگریزی ترجمہ کر کے "ٹیچنگز آف اسلام" کے نام سے چھاپا۔ یہ مضمون ۱۸۹۶ء میں لاہور میں جلسۂ تحقیق مذاہب میں پڑھا گیا تھا۔ اور جو فتح اس مضمون کو ہوئی۔ وہ ایسی شاندار تھی کہ علم و حکمت اور دلائل و براہین کے ساتھ اسلام کا غلبہ تمام مذاہب عالم پر ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ یہ کتاب اتنی مفید اور مؤثر ہے کہ بعد میں اس کے بے شمار ایڈیشن ہزارہا کی تعداد میں چھپ کر شائع ہوئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ذریعہ سے ہزارہا کی تعداد میں ہی مفت تقسیم اس کتاب کی ممالک غیر میں ہوئی۔ اور جس کثرت سے اس کے تراجم ہندوستان اور ممالک غیر کی زبانوں میں ہوئے اتنے شاید اور کسی کتاب کے نہ ہوئے ہوں گے۔

انگلستان میں اشاعتِ اسلام کی ابتداء

۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء میں حضرت مسیح موعود کی آرزوؤں کو پُورا کرنے کے لئے ایک اور عظیم الشان کام کی ابتداء خواجہ کمال الدّین صاحب کے ذریعے سے ہوئی۔ جب کہ وہ انگلستان تشریف لے گئے۔ لندن پہنچنے کے تھوڑا عرصہ بعد ہی اُنہیں ووکنگ مسجد کا پتہ چلا۔ یہ مسجد ایک انگریز مستشرق ڈاکٹر لائٹنر نے جو ایک وقت میں پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار بھی تھے، ۱۸۸۹ء میں بیگم بھوپال شاہجہاں بیگم کی مدد سے بنوائی تھی۔ مگر یہ مدتوں سے بند اور ویران پڑی تھی۔ خواجہ صاحب نے اس کو آباد کیا۔ اور ڈاکٹر لائٹنر کے ورثاء سے لے کر ایک ٹرسٹ بنا کر اس کی تحویل میں مسجد اور ملحقہ مکان کو رکھا اور خود ووکنگ کے

سب سے پہلے امام بنے۔ خواجہ صاحب کو اپنے کام میں آہستہ آہستہ کامیابی نصیب ہونے لگی۔ اور جلد ہی ایک بہت بڑے انگریز لارڈ ہیڈلے نے اُن کے ہاتھوں پر قبول اسلام کیا۔ اس واقعہ سے ووکنگ مسلم مشن کی شہرت اور بڑھ گئی۔

---

(۴) اختلافِ سلسلۂ احمدیہ کی حقیقت اور مولانا محمد علی صاحب کی قادیان سے ہجرت

حضرت مولانا نورالدین صاحب کے زمانے کے روشن پہلو کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اب اسی زمانے کے ایک تاریک پہلو کو بھی دیکھئے جس کا نتیجہ ان کی وفات کے بعد اس اختلاف کی صورت میں رونما ہوا جس نے نہ صرف سلسلۂ احمدیہ ہی کو دو ٹکڑے کر دیا اور کثیر حصّہ غلو میں بہہ گیا۔ بلکہ جس کی وجہ سے احمدیت کی مقبولیت اور ترقی کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی پھر کبھی نہ ہو سکی۔ اگرچہ اس اختلاف کی اصل ابتداء مولانا نورالدین کی زندگی میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء تک پیچھے جانا پڑتا ہے۔ جبکہ حضرت مسیح موعود نے "الوصیت" لکھی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کو قائم کیا۔

الوصیت اور صدر انجمن احمدیہ کا قیام اور اس کے نتائج

جیسا کہ ذکر آچکا ہے حضرت مسیح موعود نے ۱۹۰۵ء میں "الوصیت" کے ذریعے سے اپنی جماعت کے نظام کو اسلامی جمہوریت کی بنیادوں پر کھڑا کر کے تجدید دین کا یہ عظیم الشان کارنامہ بھی دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ پھر اپنی زندگی میں ہی اس نظام کو قائم کر کے برابر سلسلہ کو انہی جمہوریت کے اصولوں پر چلایا۔ یعنی ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کو قائم کر کے اس کے سپرد سب کاروبار کر دیا۔ اور اپنے بعد اس انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔ یہ بات میاں محمود احمد صاحب کو اندر ہی اندر ناگوار گزری اور اسی وقت سے اُن کے دل میں خاص طور پر مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کے خلاف بغض اور حسد کے خیالات پیدا ہو گئے۔ اور اُن کے وقت کا بڑا حصّہ صدر انجمن کو کالعدم کرنے کی فکر میں گذرا۔

اُن لوگوں کے متعلق، جن کے سپرد حضرت مسیح موعود نے اموال سلسلہ کی حفاظت کو کیا تھا، میاں صاحب کے دل میں جس قسم کے خیالات بیٹھ گئے تھے۔ ان کا اظہار حضرت مسیح موعود کی زندگی کے آخری حصّے میں میاں صاحب کی کسی قدر کشیدگی کی صورت میں نظر آتا تھا۔ حضرت صاحب کے منشاء کے مطابق ہر سال سیکرٹری شپ کی ذمہ داری مولوی محمد علی صاحب کو سونپی جاتی تھی۔ مولوی صاحب نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ شاید اس طرح اصلاح ہو جائے ۱۹۰۸ء کے آخر میں تین ماہ کی رخصت لے کر میاں صاحب کو اپنی جگہ سیکرٹری تجویز کیا۔ اور جب سالانہ انتخاب عہدیداران کا وقت آیا تو چونکہ انتخاب ہمیشہ حضرت مسیح موعود کے استصواب سے کیا جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت مسیح موعود سے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ سال آئندہ کے لئے میاں صاحب کو سیکرٹری بنا دیا جائے۔ جس کے جواب میں حضرت صاحب نے فرمایا کہ اُس کی رائے

میں تمامی سے بالکیا ہے۔ اور سیکرٹری کے عہدے کے لئے پھر مولانا محمد علی صاحب کا نام ہی تجویز کیا۔ اس کے بعد مولانا نور الدین صاحب کے وقت میں بھی انتخاب ان کے استصواب سے ہی ہوتا رہا اور مولانا محمد علی صاحب کو ہی سیکرٹری مقرر کیا جاتا رہا۔ اس دوران میں یعنی ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۳ء تک کے عرصہ میں انجمن کی سالانہ آمد و خرچ کا بجٹ تیس ہزار سے ترقی کر کے قریباً دو لاکھ پر پہنچ گیا۔ اور قریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کی ایک عظیم الشان عمارت تیار ہو گئی۔

حضرت صاحب کی وفات اور مولانا نور الدین صاحب کی بیعت

جب حضرت مسیح موعود اپنی وفات سے قریباً ایک ماہ پیشتر قادیان سے لاہور تشریف لے گئے تو اپنی غیر حاضری میں سب کاروبار کا انتظام مولانا محمد علی صاحب کے سپرد کر گئے۔ وفات کے بعد آپکی نعش مبارک جب قادیان میں پہنچی تو باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مولانا سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جانشین مولانا نور الدین صاحب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی اُن کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جو نئے لوگ سلسلہ میں داخل ہوں انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی الوصیت کا منشاء ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ وقت بڑا نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پڑ جائے اور احمدیوں کا مولانا نور الدین صاحب کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کر لینے میں کوئی حرج نہیں، تب مولانا محمد علی صاحب نے اسے تسلیم کر لیا۔ چنانچہ مولانا نور الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

فتنہ کی ابتدا اور مولانا نور الدین صاحب کو بدظن کرنے کی کوشش

مولانا نور الدین صاحب اور مولانا محمد علی صاحب کے تعلقات بہت گہری محبت کے تھے۔ اور مولانا نور الدین صاحب جو کام کرتے تھے وہ آپ کے مشورہ سے کرتے تھے۔ اور جو کچھ اعلان وغیرہ کرنا ہوتا تھا وہ آپ کے قلم سے لکھواتے۔ یہ گہرا تعلق لوگوں کے لئے مزید حسد کا باعث ہوا۔ مولانا محمد علی صاحب حضرت مسیح موعود کی خلافت کے صرف جانشینی کے معنوں میں قائل تھے اور آیت استخلاف کو صرف نبی کریم صلعم کے متعلق ہی مانتے تھے۔ ان پاک اور گہرے تعلقات کو جو آپ کے اور مولانا نور الدین صاحب کے درمیان تھے۔ حاسدوں نے اس رنگ میں برباد کرنے کے لئے پورا زور لگایا کہ مولوی نور الدین صاحب کو ہر وقت یہ کہا جائے کہ مولوی محمد علی صاحب آپ کو خلیفہ نہیں مانتے۔ اور ایک وقت کے لئے یہ لوگ کچھ کامیاب بھی ہو گئے۔ اس سال کی سالانہ رپورٹ میں جو جلسہ سالانہ پر مولانا محمد علی

ؔ یہ واقعات مولانا محمد علی صاحب نے اپنی کتاب "حقیقت اختلاف" میں لکھے ہیں۔

صاحب نے تیار کی۔ اور ۲۶ر دسمبر کو پڑھی۔ حضرت مسیح موعود کی وفات کے ذکر میں انجمن کا ذکر بھی تھا کہ آپ کے بعد نظم و نسق اس انجمن کے سپرد ہوا جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے قائم کی۔ اور مولانا نے حضرت صاحب کی وہ تحریر بھی جلسہ میں پڑھ کر سنائی کہ میرے بعد صدر انجمن احمدیہ کا ہر فیصلہ قطعی ہوگا۔ آپ کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نے جو تقریر کی اس میں بھی یہ ذکر تھا کہ حضرت صاحب اب انجمن کو اپنا جانشین کر گئے ہیں۔ اس بات کو بہانہ بنا کر میاں محمود احمد صاحب کے ماموں میر محمد اسحٰق صاحب نے ایک فتنہ کی بنیاد ڈالی۔ اور سات سوالات تیار کئے کہ آیا انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے یا خلیفہ انجمن کے ماتحت ہے۔ اور انجمن خلیفہ کو برطرف کر سکتی ہے یا خلیفہ انجمن کو توڑ سکتا ہے۔ اور انجمن کے انتظامات میں خلیفہ کس حد تک دخل دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ دوسری طرف مولوی نورالدّین صاحب کے کان بھرے جانے لگے کہ مولوی محمّد علی صاحب اور آپ کے ساتھی اُن کو خلافت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب کا جواب جو انہوں نے ان سات سوالات کا دیا تھا مولانا نورالدّین صاحب نے سائل کو بھیج دیا۔ لیکن اس پر بھی ان لوگوں کی تسلّی نہ ہوئی۔ اور مزید سوالات لکھ کر ان لوگوں نے مولانا نورالدّین صاحب کو دیئے۔ ان کا جواب جو مولوی محمّد علی صاحب نے دیا وہ مکمّل آپ کی کتاب "حقیقت اختلاف" میں درج ہے۔ مختصراً آپ نے اس بات کو دُہرایا کہ حضرت صاحب نے انجمن کو ہی اپنا جانشین بنایا ہے۔ مگر اس وقت مولانا نورالدّین صاحب کو سب نے بالتفاق اپنا مطاع مانا ہے اور ان کے اور انجمن کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں۔ اس لئے یہ سب سوالات فرضی اور پیش از وقت ہیں۔ اور انجمن کو توڑنے کی ایک کوشش ہے۔ لیکن آپ نے یہ بھی لکھا کہ بہتر ہے ان سوالات کا جواب انجمن دے۔ اس جواب کے پہنچنے پر مولانا نورالدّین صاحب نے فرمایا کہ ان سوالات کو جواب کے لئے چالیس آدمیوں کے پاس بھیجا جائے۔ اور ان کی رائے سے انہیں اطلاع دی جائے۔ اور ۳۱ر جنوری ۱۹۰۹ء کو وہ سب قادیان میں جمع ہوں۔

ان سوالات کے لاہور پہنچنے پر خواجہ کمال الدّین صاحب نے احباب لاہور کا ایک جلسہ کر کے (یعنی خواجہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب) اُن کی متفقہ رائے لکھ کر بھیج دی۔ جو وہی تھی جو مولانا محمّد علی صاحب لکھ چکے تھے۔ یعنی یہ کہ حضرت صاحب کی اصل اور حقیقی جانشین انجمن ہے۔ انجمن نے بالاتفاق مولانا نورالدّین صاحب کو اپنا مطاع مانا ہے۔ یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ بہر حال مولانا کی ذات پر سب کو اتفاق ہے۔ دوسری طرف قادیان میں شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مکان پر جلسہ کر کے جو کچھ چاہا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا۔ ۳۱ر جنوری کو اجتماع کے دن مولانا نورالدّین صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ خلیفہ

کا کام محض نماز پڑھا دینا نہیں۔ مگر صاف الفاظ میں کوئی فیصلہ نہ دیا۔ بلکہ آخر پر آکر وہی بات کہی جو مولانا محمد علی صاحب نے اپنے جواب میں لکھی تھی کہ یہ سوالات قبل از وقت ہیں۔ ان میں پڑنا صحیح نہیں۔ اور آخری فیصلہ کے طور پر کہا کہ مجھ پر دونوں فریق کا اعتماد ہے۔ اس لئے میری زندگی میں اس سوال کو نہ اٹھایا جائے۔ اور اپنی تقریر ختم کر کے پہلے میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب سے یہ اقرار لیا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ پھر مولانا محمّد علی صاحب و خواجہ کمال الدّین صاحب سے ایک طرف اور شیخ یعقوب علی اور میر محمد اسحاق سے دوسری طرف بیعت لی۔ اور اس کا منشا سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ میری زندگی میں میری اطاعت کی جائے۔ کیونکہ دونوں فریق یہ کہہ چکے تھے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اس کی اطاعت کریں گے۔

اس واقعہ کو عجیب عجیب رنگ آمیزیوں کے ساتھ بعد میں میاں محمود احمد صاحب اور اُن کی جماعت کی طرف سے بیان کیا جاتا رہا۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی اور مولانا نورالدین صاحب کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو ان معنوں میں خلیفہ نہیں منوایا جن معنوں میں میاں محمود احمد صاحب نے بعد میں منوایا۔ اور نہ کبھی انجمن کے فیصلوں کو توڑا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انجمن کے قواعد وضوابط وہی رہے جو حضرت صاحب نے بنائے تھے (اور جن کو میاں محمود احمد صاحب کو خود خلیفہ بنتے ہی بدلنے کی ضرورت پیش آئی)۔

مولانا محمد علی صاحب اور احباب لاہور کو جماعت سے نکلوانے کی کوشش

بظاہر اس فتنہ کا یہاں خاتمہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ میاں محمود احمد صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو اپنے اصل مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے اس فتنہ کو بار بار جگانے کی کوششیں ہوتی رہیں اور مولوی نورالدین صاحب کو یہ کہا جاتا رہا کہ یہ لوگ اندرونی طور پر آپ کی اب بھی مخالفت کرتے ہیں۔ خود میاں محمود احمد صاحب ایسا کہنے والوں میں اوّل نمبر پر تھے۔ جیسا کہ ان کے اس خط سے ثابت ہوتا ہے جو انہوں نے مولانا نورالدین صاحب کو لکھا۔ اور جس کی نقل کتاب "حقیقتِ اختلاف" میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس لمبے چوڑے خط میں اپنا ایک رؤیا بیان کر کے مولانا نورالدین صاحب کو ہر ممکن طریق پر بھڑکانے کی کوشش کی گئی اور مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے ہم خیال احباب کو جماعت سے نکال دینے کی تحریک کی۔ مولانا نورالدّین صاحب کو اس خط میں یہاں تک بدظن کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت صاحب کے وقت میں بھی اندر ہی اندر تیاری کر رہے تھے۔ اور حضرت صاحب سے حساب لینا چاہتے تھے۔ اور ایک غلط بات بھی بنا کر مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدّین صاحب کی طرف منسوب کی ہے کہ یہ دونوں اصحاب حضرت صاحب کی وفات کے قریب یہ کہتے تھے کہ حضرت صاحب قوم کا روپیہ کھا جاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں:

"جس قدر پیپ پھوڑے میں بھری رہے وہ اسی قدر خراب ہوتا ہے۔ میرا اب تک یہ خیال تھا کہ جس قدر ہو سکے اس بات کو دبایا جائے ... مگر اب اس دعا کے بعد میری طبیعت اور رائے نے بالکل پلٹا کھایا ہے۔ اور میرا یہ خیال ہے کہ اب وقت ہے کہ اس کا علاج کیا جائے۔"

یہ خط اس طرح ختم ہوتا ہے :-

"..... غرضکہ میری رائے تو یہ ہے کہ حضور کا ابھی شرح صدر خدا تعالےٰ اس پر فرمائے تو خواہ کسی رنگ میں ہو اب اس بات کا فیصلہ ہو جائے۔ کیونکہ ابتلاء تو ضرور آنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا بیج نکالا جائے نہ کہ جب درخت بن جائے۔

خاکسار۔ محمود"

اس کے ساتھ ہی ایک واقعہ پیش آیا یعنی حکیم فضل دین کی حویلی کی فروخت کا واقعہ۔ اس پر بھی بڑھا چڑھا کر پروپاگنڈا کا ایک طوفان کھڑا کیا گیا۔ جس میں علاوہ اور باتوں کے لاہور سے بھی مولانا نورالدین صاحب کو خطوط لکھے گئے کہ ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب یوں کہتے ہیں۔ ڈاکٹر مرزا صاحب یوُں کہتے ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب آخر خدا تعالیٰ کے مامور نہ تھے۔ بتقاضائے بشریت ان کے دل پر غبار آ گیا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں عید کے دن ایک اعلان کرونگا۔ چونکہ اعلان کا لفظ واضح نہ تھا۔ اس لئے بعض لوگوں کو خیال ہوُا کہ حضرت مولوی صاحب شاید کوئی ایسا اعلان نہ کر دیں۔ جس سے انجمن کالعدم ہو جائے اور سلسلہ میں فساد پیدا ہو[۱]۔ عید سے ایک دن پہلے شیخ رحمت اللہ صاحب حسب معمول لاہور سے قادیان آئے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ جاکر مولانا نورالدین صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحبان آپ کے فرمانبردار ہیں۔ مولانا اٹھ کر اندر گئے اور ایک بستہ خطوط کا اٹھا کر لائے کہ میرے پاس اس قدر خطوط ان لوگوں کے خلاف آئے ہیں۔ اس پر ان دونوں حضرات نے کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں۔ اس پر مولانا صاحب راضی ہو گئے۔ اور آپ نے کوئی بھی اعلان نہ کیا۔ اور جس عید کے دن پر بعض لوگ امیدیں لگائے بیٹھے تھے وہ ان کے لئے بجائے خوشی کے غم کا دن ہو گیا۔

اس کے فوراً بعد ہی ان احباب لاہور کی طرف سے جو تحریر شائع ہوئی وہ حسب ذیل ہے :-

"عید الفطر کے مبارک موقع پر ہم حسب معمول قادیان دارُالامان میں حاضر ہوُئے۔ تو معلوم

---

[۱] بعد کے واقعات سے پتہ چلا کہ مولانا صاحب یہ اعلان کرنا چاہتے تھے کہ انہیں انجمن کے مالی نظم و نسق سے کوئی تعلق نہیں۔ گو یہ اعلان بھی سلسلہ کے لئے نقصان دہ ہوتا۔

ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بعض لوگوں نے ایسے خطوط لکھ کر بھیجے ہیں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بعض ممبران مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان خطوط سے ہمیں بہت رنج ہوا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی ہمارے خیال میں ضرور رنج ہوا ہوگا۔ ہم اپنے بھائیوں پر کوئی بدظنی نہیں کرتے۔ ہم نے ان کے لئے دعا بھی کی ہے کہ وہ ہمارے متعلق حُسنِ ظنی سے (اس کا حکم قرآن و حدیث میں بڑی تاکید سے ہے) کام لیا کریں۔ ہم اپنے دل پھاڑ کر کسی کو نہیں دکھا سکتے۔ لیکن بذریعہ اعلان ہذا ہم سب احباب کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے جو بیعت حضرت خلیفۃ المسیح کی کی وہ کسی جبر اور اکراہ سے نہیں بلکہ شرح صدر سے کی ہے اور ہم اس وقت تک اس عہد بیعت پر قائم ہیں۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں وحدتِ قہری کوئی نہیں بلکہ وحدتِ ارادی ہے۔ اور اسی وحدتِ ارادی کے ماتحت ہم سب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کی ہے۔ اور آئندہ کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ سے ہی یہ توفیق طلب کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس عہد پر قائم رکھے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ نے یہ دعا کی تھی اِنّی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی بہٖ علم کیونکہ سب توفیق اور طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے۔

خاکسار ان :- مرزا یعقوب بیگ بقلم خود - رحمت اللہ بقلم خود
ممبران مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۹ء

اعلان بالا کے حرف حرف سے میرا اتفاق ہے اور میں حضرت خلیفۃ المسیح کی فرمانبرداری کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ خاکسار :- محمد علی از قادیان "

(اخبار بدر - مورخہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۰۹ء)

مولانا محمد علی صاحب اور بعض دوسرے احباب کو جماعت سے نکلوانے کی جو فکر میاں محمود احمد صاحب کے دل میں تھی اُس کی ایک جھلک اُن کے اس خواب میں نظر آتی ہے۔ جو انہوں نے اخبار بدر مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۱۱ء میں چھپوایا۔ لکھتے ہیں :-

"صبح کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک بڑا محل ہے۔ اور اس کا ایک حصّہ گرا رہے ہیں۔ اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے۔ اور اس میں ہزاروں آدمی پتھیروں کا کام کر رہے ہیں ..... میں نے پوچھا۔ یہ کیسا مکان ہے اور یہ کون لوگ ہیں، اور اس کو کیوں گرا رہے ہیں۔ تو ایک

شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے اور اس کا ایک حصّہ اس لئے گرا رہے ہیں تا پرانی اینٹیں خارج کی جائیں (اللہ رحم کرے) اور بعض کچی اینٹیں پکّی کی جائیں.....“

مولانا نور الدین صاحب کو بدظن کرنے کی مزید کوششیں

اس طرح کے اور بعض واقعات ہوتے رہے۔ جن میں میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے پوری کوششیں جاری رہیں کہ کس طرح مولوی نور الدین صاحب کو مولوی محمد علی صاحب۔ خواجہ صاحب۔ ڈاکٹر شاہ صاحب و ڈاکٹر مرزا صاحب سے زیادہ سے زیادہ بدظن کیا جائے۔ ان واقعات کی تفصیلات کتاب ”حقیقتِ اختلاف“ میں درج ہیں چنانچہ نومبر ۱۳ء میں جبکہ میاں صاحب کی انصار اللہ پارٹی مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف بعض باتیں منسوب کر کے پروپاگنڈا کر رہی تھی تو اس پر مولانا محمد علی صاحب نے مولانا نور الدین صاحب کی خدمت میں لکھ کر احتجاج کیا۔ ان کے خط میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔ جن سے اُس وقت کے ماحول کا پتہ چلتا ہے:۔

”حضور نے کل فرمایا تھا کہ لوگ تمہارا اور خواجہ صاحب کا نام لیتے ہیں۔ مگر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ کس امر کے متعلق۔ اگر حضور کو یہ اطلاع پہنچائی گئی ہے کہ ہم دونوں حضور کی اطاعت نہیں کرتے۔ یا ہم دونوں میں سے کسی کا تعلق کسی قسم کا اس گمنام ٹریکٹ لکھوانے سے ہے[1]۔ یا ہم دونوں میں سے کوئی ایک دعویدار خلافت بنتا ہے تو اپنی نسبت پورے یقین کے ساتھ اور خواجہ صاحب کی نسبت اس گمان غالب کے ساتھ جو سالہا سال کے بے تکلف دوستانہ تعلقات سے یقین کے قائمقام ہو جاتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ تینوں باتیں بالکل جھوٹ ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ بھی کہہ دے کہ اس کے ساتھ ہم نے کبھی کوئی ایسی بات کی تو کم سے کم اس سے میرے سامنے حلف لی جاوے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ میں خود ان تمام لوگوں سے جن سے میرے تعلقات ہیں۔ حلفیہ شہادت دلا سکتا ہوں کہ کبھی ان سے کوئی ایسی بات نہیں کی.....

ہاں یہ میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ حضور کی اطاعت میں ہم نے تو یہاں تک بھی اپنے اوپر الزام لینا قبول کیا کہ بعض معاملات میں اگر حضور کے منہ سے کوئی لفظ نکل گیا تو اپنی بریت کا خیال بھی نہیں کیا۔ محض اس لئے کہ حضور کو کوئی امر ناگوارِ خاطر ہو..... یہ سیکرٹری کا

---

[1] اس زمانے میں دو گمنام ٹریکٹ لاہور سے نکلے تھے۔ جن میں کچھ نقطہ چینی مولانا نور الدین صاحب کے طرزِ عمل پر تھی۔ اور کچھ اعتراضات میاں محمود احمد صاحب پر۔

کام نہ میں نے کبھی ذاتی خواہش سے لیا، نہ کبھی نفسانی خواہش سے کیا۔ حضرت مسیح موعود کے وقت میں بھی کئی مرتبہ حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اس سے سبکدوش کیا جائے۔ مگر یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ حضور نے خود ہر سال جب تک اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھ کر یہ بوجھ مجھ پر نہیں ڈالا۔ میں نے اُسے اُٹھانا پسند نہیں کیا....

ہاں۔ میرا اور خواجہ صاحب کا نام ایک غرض کے لئے آج ضرور لیا جاتا ہے۔ یعنی ہمیں منافق اور بے ایمان قرار دینے کے لئے۔ اس بیماری نے یہاں تک زور پکڑا ہے کہ بعض واعظین تک باہر جاتے ہیں تو ہمیں ان الفاظ سے یاد کرنا اور سامعین کو یہ علم دینا وہ باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ اور یہاں قادیان میں تو حد ہی ہوگئی ہے۔ ان باتوں کے پھیلانے کی کیا ضرورت پیش آتی ہے۔ اور کون لوگ اصل میں ان کے پھیلانے والے ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن پر میں کچھ کہہ کر حضور کو رنج دینا نہیں چاہتا۔ یہ ایک ابتلاء ہے جس کے نیچے ہم لوگ آئے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحب ہندوستان سے نکل کر بھی ان مطاعن کا شکار رہے۔ اور باوجودیکہ حضور نے دو دفعہ ان کی خطبوں میں بریت کی مگر اب تک وہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ میں تو خیر ابھی یہاں ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اور پانچ سات ماہ میں (اگر اس وقت تک زندگی رہی) میں بھی ولایت چلا جاؤنگا..... للہ حضور ہی ہمیں بتادیں کہ کون سے کونے میں ہم چلے جائیں جہاں جاکر ان بدظنیوں اور افتراؤں کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔ خدائے واحد جانتا ہے کہ نہ کبھی کوئی منصوبہ کیا نہ منصوبہ بازی کی عادت ہے نہ ہی یہ طبیعت ہے۔ ان باتوں کو چھوڑ کر دین کی خدمت کے لئے ایک تنہائی کی جگہ اختیار کی تھی۔ اس کا کیا علاج ہے کہ بعض احباب اسے بھی پسند نہیں کرتے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم منصوبہ باز نہیں ہاں اگر کچھ ہیں تو منصوبہ بازیوں کا شکار ہیں۔ ... اگر ہمیں منافق اور بے ایمان قرار دینا تھوڑی لوگوں تک محدود رہتا تو بھی کوئی بات نہ تھی۔ مگر یہ بات دُور تک پہنچی ہوئی ہے اور اب یہ کوشش ہورہی ہے کہ کسی طرح حضور کی نظر میں بھی ہم ایسے ہوجائیں۔

والسلام خاکسار محمد علی ۱۱/۱۲/۲۳"

مولانا نور الدین صاحب کے دلی خیالات

مولانا نور الدین صاحب نے یہ خط میاں محمود احمد صاحب کو بھیج دیا۔ اس پر انہوں نے جواباً لکھ کر واپس کیا کہ وہ آئندہ انصار کو (یعنی اپنی پارٹی انصار اللہ کو) تاکید کردیں گے کہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ اور یہ بھی لکھا کہ انہوں نے خود مولوی محمد علی صاحب سے ایسی

کوئی بات نہیں سنی۔ یہ جواب مولانا نورالدین صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کو بھیج دیا اور اپنی قلم سے مزید لکھا کہ:۔

"واللہ الذی لا الٰہ الا ھو ونفسی بیدہٖ میرے وہم و گمان میں ایک آن کے لئے بھی کبھی نہیں آیا کہ آپ کا یا خواجہ صاحب کا ایسا خیال ہے۔ یہ تو میرا یقین ہے کہ دونوں کے دل میں نہیں۔۔۔ لا یحکمات علیکما ۔۔۔۔۔۔"

یہ ۲۳ر نومبر ۱۳ء کی تحریر ہے جبکہ مولانا کی آخری بیماری شروع ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے ۱۲ء میں جب مولانا نورالدین صاحب لاہور تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس میں تقریر فرمائی تو فرمایا:۔

"تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں اور میرے دوست ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالٰے نے یہی تعلیم دی ہے کہ بدظنی سے ہٹ جاؤ۔ یہ بدکار کر دے گی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ پس تم بدظنی نہ کرو۔۔۔۔۔ اب بھی میرے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ لاہور کی جماعت خلافت میں روک ہے۔ میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو کہتا ہوں کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم پہلے ان جیسے اپنے آپ کو مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے اُن کو محبت ہے۔۔۔۔۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کریگا۔"

(اخبار بدر مورخہ ۴، ۱۱ جولائی ۱۲ء)

جیسا کہ مولوی نورالدین صاحب کی ان تحریرات وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اُن پر خوب واضح ہو چکا تھا کہ یہ سب فتنہ بعض لوگوں کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ اور اس میں حقیقت کچھ نہیں۔ ان لوگوں سے تنگ آکر خواجہ کمال الدین صاحب کو ۱۳ر مئی ۱۳ء میں (جبکہ وہ انگلستان میں تھے) ایک خط میں مولوی نورالدین صاحب نے اپنے دردِ دل کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کا ایک فقرہ یہ ہے[1]۔

"نواب۔ میر ناصر۔ محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں۔ یہ بلا ابتک لگی ہے۔ یا اللہ نجات دے۔ آمین۔۔۔۔"

اس کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب سے جو محبت آپ کو تھی اس کا اظہار آپ کی بیماری کے ان واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ جو ڈائری کی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ اور جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

---

[1] اس خط کا عکس اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۶ر نومبر ۳۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

افتراق اور بدگمانیوں پر مولانا محمد علی صاحب کا ایک اعلان

افتراق اور بدگمانیوں کی جو فضاء ایک خاص گروہ نے قادیان میں پیدا کر دی تھی۔ اس کے متعلق مولانا محمد علی صاحب نے دسمبر ۱۹۱۳ء میں جلسۂ سالانہ سے کچھ دن پہلے اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات سے تین ماہ پیشتر اخبار بدر میں ایک خط احباب جماعت کے نام شائع کروایا تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کے حالات قادیان میں پیدا ہو چکے تھے۔ اور آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا درد تھا۔ یہ خط حسب ذیل ہے۔

"برادران۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'!

میں اسے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت ہی بڑا فضل سمجھتا ہوں کہ اس نے حضرت مسیح موعود کی وفات پر سب جماعت کو ایک شخص کے ہاتھ پر اکٹھا کر دیا۔ یہ اللہ تعالےٰ کا ایک فضل تھا کہ سب دلوں کو اس کی اطاعت پر مائل کر دیا اور اپنے فضل سے ایسے صدمے کے وقت ایک سکینت نازل کر دی۔ میری آپ سب کی خدمت میں یہ التجا ہے کہ اس فضل کی قدر کرو۔ اور اس کی قدر یہ ہے کہ تم ایسے امور سے بچو جن سے فتنہ پیدا ہو کہ جماعت میں اختلاف پیدا ہو۔ تم اپنے بھائیوں پر حسن ظنی سے کام لو۔ اور اُن کے ایمان کے معاملہ کو اللہ تعالےٰ پر چھوڑ دو۔ ہر ایک بھائی یہ کوشش کرے کہ وہ دوسرے بھائی کی بدگوئی سے بچے۔ اور اگر ایک کی نسبت یہ سُنتا ہے کہ کسی دوسرے نے اس کی بدگوئی کی ہے تو بہرحال اس کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات کچھ ہوتی ہے اور وہ کچھ اور رنگ اختیار کر کے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ جب کوئی فتنہ پیدا ہوتا دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لو۔ خاموشی کا طریق اختیار کرو۔ تقویٰ کی راہ دراصل احتیاط کی ہی راہ ہے۔ اور فتنوں کے وقت اس سے بڑھ کر احتیاط کی کوئی راہ نہیں کہ خاموشی اختیار کی جائے قرآن میں اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ملامت فرماتا ہے جو فتنہ کی باتوں کو لے کر ان کو پھیلاتے ہیں۔ واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ یعنی جب کوئی امن یا خوف کی بات ہوتی ہے تو اسے لے اُڑتے ہیں۔ اور فرماتا ہے کہ اس بات کو پھیلانے کی بجائے رسول یا اولی الامر کی طرف لے جانا چاہیئے۔ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھو کہ اختلاف کا پیدا کر لینا کوئی بہادری کی بات نہیں ہے۔ لیکن اتفاق بدوں اللہ تعالیٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہوتا۔

لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم ولٰکن اللہ الف بینھم یہ اتفاق کی دولت اگر ایک دفعہ کھو دو گے تو پھر سب کچھ خرچ کر کے بھی

نہ پاؤ گے۔ اور تمہارے سب کام ناقص اور ادھورے رہ جائیں گے۔ بجائے بغض اور کینہ کے اپنے بھائیوں کے لئے اپنے دلوں کے اندر درد اور محبّت پیدا کرو۔ اور اگر وہ نہیں کر سکتے تو بغض اور کینہ تو نکال دو۔ اگر ایک شخص تمہارا کام کر رہا ہے۔ یا دین کی کوئی خدمت کر رہا ہے۔ اور اس میں کوئی کمزوری بھی نظر آئے تو اس کمزوری کے بالمقابل اس کی خدمت اور اس کے کام کا بھی خیال کر لو۔ اپنے بھائیوں کو اپنے اندر سے نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اوروں کو ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے سارا زور اپنے بھائیوں کے نکالنے پر لگا دیا تو پھر دوسری طرف لگانے کے لئے تمہارے پاس کوئی طاقت نہ ہوگی۔

میں پھر بمنّت التجا کرتا ہوں کہ ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اتفاق کی طاقت کو ضائع مت کرو۔ اور خدا کے فضلوں کے جاذب بنو۔ جو اقرار پہلے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر کیا۔ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدّم کروں گا۔ اس کو اپنے پیشِ نظر رکھو۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرو۔ اگر کوئی امر خلافِ طبیعت پیش آجائے تو اسے برداشت کرو۔ حضرت مسیح موعود نے کشتی نوح میں یہاں تک تعلیم دی ہے کہ تم سچے ہو کر جھوٹے بنو۔ خدا کے لئے غور کرو۔ کیا تمہاری کوشش جھوٹے ہو کر سچے بننے کے لئے ہو رہی ہے یا سچے ہو کر جھوٹے بننے کے لئے۔ اگر یہ تعلیم تمہارے لئے نہیں تو کس قوم کے لئے ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے اندر ایک آدمی کھڑا کر دیا۔ جس نے ساری قوم کو سنبھال لیا۔ اور اس کی اطاعت کے لئے سب دلوں کو جھکا دیا۔ اس فضل کو اپنے ہاتھ سے نہ گنواؤ۔ اور باہمی جھگڑوں کو چھوڑ کر اتفاق کی باتوں کی طرف آؤ۔ دنیا کی طرف مت جھکو۔ دین کو مقدم کرو۔ تمہارے دنیا میں قائم کئے جانے کی غرض دین کی اشاعت اور دین کی قوّت ہے۔ اگر تم دین کی طاقت کو گنوانے کے پیچھے پڑ جاؤگے تو اللہ تعالےٰ کس طرح تمہاری نصرت کرے گا۔ والسّلام خاکسار محمّد علی۔ ایڈیٹر

ریویو آف ریلیجنز قادیان۔ یکم دسمبر ۱۹۱۳ء"

(اخبار "بدر" مورخہ ۴ر دسمبر ۱۳ء)

دوسرا حربہ مذکورہ بالا تو ایک حربہ تھا جو میاں محمود احمد صاحب اور آپ کی پارٹی نے مولانا محمّد علی صاحب اور آپ کے ہم خیال احباب کو جماعت سے نکالنے یا مولانا نورالدّین صاحب کو ان احباب

سے بدظن کرنے کے لئے استعمال کیا۔ دوسرا حربہ جو میاں محمود احمد صاحب کی خلافت کی بنیاد ڈالنے کے لئے استعمال کرنا شروع کیا گیا ۔ وہ یہ تھا کہ جماعت میں میاں صاحب کے علم اور تقویٰ کا ایک پروپاگنڈا شروع کر دیا گیا۔ تاکہ مولوی نورالدین صاحب کے بعد قوم کی نظرِ انتخاب کسی اور شخص پر نہ پڑے۔ میاں صاحب کے نانا میر ناصر نواب صاحب "دارالضعفاء" کے چندے کے بہانے شہر بہ شہر دورے کرتے رہے۔ اور مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب کے خلاف پروپاگنڈا کرتے رہے۔ اور اسی طرح میاں صاحب کے تیار کردہ دیگر مبلغین بھی یہی کام کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان کے مسلمان عوام پیر پرستی کی لعنت میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے اور رسوم اور توہمات کے مرید تھے۔ اور حضرت مسیح موعود کے کارناموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے پیری مُریدی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اور اُن کے بعد مولانا نورالدین صاحب کا بھی یہی رنگ تھا۔ اور یہ اس جماعت کی ایک ایسی خصوصیت تھی جو غیر احمدی مسلمانوں پر بہت اثر ڈالتی تھی۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب کے لئے جو خلافت تیار کی جا رہی تھی وہ اس سے مختلف تھی۔ اس کا ثبوت ایک باہر کے غیر جانبدار شخص کی زبانی سنیئے۔ امرتسر کے ایک صاحب محمد اسلم جو احمدی نہ تھے۔ قادیان دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اور کیا اثر لے کر جاتے ہیں۔ مولانا نورُالدین صاحب کے متعلق تو لکھتے ہیں :۔

"جہاں تک میں نے دو دن ان کی مجالس وعظ اور درس قرآن شریف میں رہ کر ان کے کام کے متعلق غور کیا مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور خالصتہً لِلّٰہ اصول پر نظر آیا۔ مولوی صاحب کا طرزِ عمل ریا اور منافقت سے پاک ہے اور ان کے آئینۂ دل میں صداقتِ اسلام کا ایک ایک زبردست جوش ہے..... اگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہے تو قرآن مجید کی صادقانہ محبت جیسی مولوی صاحب میں میں نے دیکھی۔ اور کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے۔ اور نہایت زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے..... مجھے حیرت اس بات کی ہوئی ہے کہ ایک اسّی سالہ بوڑھا آدمی صبح سے شام تک لگاتار کام کرتا ہے..... مولوی صاحب کی تمام حرکات و سکنات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔"

پھر یہ صاحب لکھتے ہیں کہ پیر پرستی کی لعنت مولانا نورالدین صاحب کی مجالس میں کسی جگہ نہیں تھی۔ لیکن دوسرا رُخ بھی انہی کی زبانی سنیئے :۔

"ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم ہو جانے کے متعلق مجھے

نظر آئی۔ وہ الحکم کے ایڈیٹر کا مطبوعہ اشتہار تھا جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا۔

جو صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے سفرِ حج سے بخیریت واپس آنے کی مبارکبادی کے لئے شائع کیا گیا۔ جس کا مفہوم...... سیاق عبارت سے پیر پرستی کے خدوخال نمایاں کر رہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی۔ کہ وہ بہت دنوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں کو چمٹا ہوا ہے ...... اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں یہ پیر پرستی کی خاموش چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کر ڈالے۔ جو غالباً مولوی نورالدین صاحب کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے انتظار میں ہے ......" (اخبار بدر مورخہ ۱۴ مارچ ۱۳ء صفحہ ۹)

غرضکہ ایک غیر جانبدار دیکھنے والے کو بھی صاف نظر آرہا تھا کہ میاں محمود احمد صاحب کو کیا مقام دلانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں ——————

تکفیر مسلمین کا فتنہ اور انصار اللہ پارٹی کا قیام

انہی دنوں میں جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب پنجاب و ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دیا کرتے تھے تو اس سے ان کی شہرت ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔ جھنگ کے ایک عام جلسہ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے جو اعلان کیا کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں تو میاں محمود احمد صاحب نے اس کی تردید میں رسالہ تشحیذ الاذہان میں اپریل ۱۱ء میں وہ مضمون تکفیر مسلمانان پر لکھا جس کے ذریعے تمام دنیا کے مسلمانوں کو خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو یا آپ کو دل سے مانتے بھی ہوں مگر بیعت نہ کی ہو۔ کافر خارج از اسلام قرار دے دیا۔ سچ پوچھو تو یہی مضمون تھا جس نے جماعت کی جڑ پر کلہاڑا رکھ دیا اور اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مگر خلافت کے حصول کے لئے ایک مضمون لکھ دینا کافی نہ تھا۔ میاں صاحب نے فوراً ایک پارٹی بنائی جس کا نام "انصار اللہ" رکھا۔ اور جس کے لیڈر خود بنے۔ اور پروپاگنڈا جاری رکھا۔ اس فتنہ نے یہاں تک زور پکڑا کہ مولانا نورالدین صاحب نے بسترِ علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو میاں محمود احمد صاحب نے نہیں سمجھا۔ اور اس مسئلہ کو صاف کرنے کی خدمت مولانا محمد علی صاحب کو تفویض فرمائی۔ تو میاں صاحب نے غضبناک ہو کر ۲۵ فروری ۱۴ء کے الفضل میں ایک مضمون لکھا کہ خلیفہ کا فتویٰ کیا چیز ہے۔ جس کو فتوے کی ضرورت ہو ہمیں ایک پیسہ کا کارڈ لکھ دے۔ ہم حضرت مسیح موعود کی کتب سے اُسے فتویٰ نکال کر بھیج دیا کریں گے۔ یہی انصار اللہ پارٹی تھی جسے حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات سے پہلے قادیان میں جمع کیا گیا تاکہ خلافت کے حصول کے لئے ان سے پوری پوری مدد لی جائے۔ چنانچہ جو خطوط حافظ روشن علی

کی طرف سے انصار اللہ پارٹی کو مختلف شہروں میں لکھے گئے ان میں سے ایک خط کی نقل اخبار پیغام صلح مورخہ ۱۱ مارچ ۱۹۱۴ء میں چھپی جس میں ذکر تھا کہ مولانا نور الدین صاحب کی عمر کا اندازہ اب دنوں کی بجائے گھنٹوں میں کیا جاتا ہے۔ اور آپ سب فوراً قادیان میں جمع ہو جائیں۔

مسئلہ تکفیر اور خلافت پر دو ٹریکٹ

جیسا کہ ذکر آچکا ہے حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنے بستر علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے فرمایا تھا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو "ہمارے میاں نے بھی نہیں سمجھا۔" اور مولانا محمد علی صاحب کو اس کی وضاحت کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا چنانچہ مولانا محمد علی صاحب نے اس پر ایک مضمون تصنیف فرمایا جو کہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو قادیان میں ہی چھپ کر شائع ہوا۔ اس میں میاں محمود احمد صاحب کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اور مولانا فرماتے ہیں:-

"مضمون لکھنے کے بعد میں نے اسے حضرت خلیفۃ المسیح کو سُنا بھی دیا۔ چونکہ آپ ان دنوں میں بیمار تھے۔ آپ کے صاحبزادہ عبدالحئی نے یہ خیال کر کے کہ شاید آپ پوری توجہ سے مضمون نہ سُن سکتے ہوں عرض کیا کہ حضور سنتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں خوب سنتا ہوں اور مجھے مخالفت ہو تو میں کہہ دوں؟ آخر مضمون پر آپ نے صحیح مسلم کی ایک حدیث درج کرنے کو فرمایا۔ چنانچہ وہ بھی درج کر دی گئی ہے۔" (مسئلہ کفر و اسلام مطابق ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح)

اس کے ساتھ ہی مولانا محمد علی صاحب نے ایک ٹریکٹ بعنوان "ایک نہایت ضروری اعلان" شائع فرمایا۔ جس میں جماعت کو پانچ باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے ہاتھ پر چالیس آدمی بیعت کرلیں وہ خلیفہ بن گیا۔ بلکہ حضرت صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ نئے لوگوں کو سلسلے میں داخل کرنے کے لئے ایسے آدمی بیعت لینے کے مجاز ہوں گے جن کے نام پر چالیس آدمیوں کو اتفاق ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کا کوئی حکم ہرگز ایسا نہیں کہ احمدیوں کو دوبارہ کسی شخص کی بیعت کی ضرورت ہو۔ تیسری بات یہ کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت مسیح موعود کی صحیح جانشین ہے۔ چوتھی بات یہ کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو۔ اور حضرت صاحب کے صحیح عقیدہ کو پہچانو۔ جنہوں نے اپنے دعوے کا انکار کرنے والوں کو کبھی کافر نہیں ٹھہرایا۔ اور پانچویں بات یہ کہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی جانشینی کے مسئلہ کو سوچ سمجھ کر قومی مشورہ سے طے کرو۔ اس ٹریکٹ میں ان تمام باتوں کو اور انجمن کی صحیح پوزیشن کو نہایت صفائی اور تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ مگر یہ لاہور سے چھپ کر اس وقت قادیان پہنچا جب کہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی وفات ہو چکی تھی۔

اور قادیان کے حالات بگڑ چکے تھے۔

مولانا نورالدین صاحب کی وفات اور اس کے بعد کے واقعات

حضرت مولانا نورالدین صاحب نے ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے وقت جبکہ وہ باوجود ضعف کے حالت نماز میں تھے، وفات پائی۔ اس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ مولانا محمد علی صاحب کی زبانی سنیئے (جو کہ کتاب حقیقتِ اختلاف میں چھپ چکے ہیں):-

"اسی دن بعد از نماز عصر ہم پانچ احباب جو وہاں موجود تھے نواب صاحب کے مکان کی طرف گئے۔ تاکہ آئندہ جو سلسلہ کی حالت ہو گی۔ اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پیشتر میاں صاحب اکیلے سیر کے لئے موضع کھارا کی طرف نکل گئے تھے۔ میں نے بھی احباب سے یہی کہا کہ بہتر ہے میں تنہا ہی ان سے گفتگو کروں۔ چنانچہ میں ان کے پیچھے گیا۔ اور ان سے کہا کہ اس وقت جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے دو فریق علی الاعلان ہو چکے ہیں۔ اس لئے آئندہ کے لئے جو نظام ہو گا وہ غور طلب ہے۔ کوئی ایسی صورت سوچنی چاہیئے کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے۔ میاں صاحب نے میری باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کر لیں۔ اور جو وہ کہے وہ مانیں۔ اسی صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے۔ جواباً میں نے کہا کہ یہی تو دقت ہے کہ دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ میں کم از کم ایسے شخص کو اپنا مرشد نہیں مان سکتا جو اہلِ اسلام کی تکفیر کا فتویٰ دیتا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرا فریق کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہے جو ان کے نزدیک اتنے اہم معاملہ میں غلطی پر ہے۔ باتوں باتوں میں میں نے میاں صاحب کو کہا کہ اس مشکل کا حل دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ اس وقت ایک امیر کا انتخاب کر لیا جائے اور بیعت کو لازمی قرار نہ دیا جائے۔ جو شخص چاہے بیعت کرے۔ جو نہ چاہے نہ کرے۔ جب اس واقعہ پر کچھ وقت گزر جائے تو مسئلہ کفر و اسلام پر فریقین اپنی اپنی دلیلیں پیش کریں۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ دلائل کا غلبہ ایک طرف دیکھ کر ساری جماعت ایک ہی مسلک اختیار کرے۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہ کرے وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ ناممکن العمل ہے۔ دوسری تجویز میں نے یہ پیش کی کہ سردست کوئی انتخاب نہ کیا جائے۔ چودہ دن کی کم سے کم مہلت دی جائے۔ اور جماعت

کے اہل الرائے احباب کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا جائے کہ اس دقت کا کیا علاج ہو۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ اتنے دن انتظار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک دوسرے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے پہلا خلیفہ دفن نہیں ہو سکتا[1] اور اتنے دن لاش نہیں رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حل مشکلات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔

اگلے دن پھر ہم پانچوں احباب نواب صاحب کے مکان پر پہنچے اور اس معاملے میں کچھ گفتگو کرنی چاہی مگر یہ کوشش بھی بے کار ثابت ہوئی۔ آخر نماز عصر کے بعد جلسہ لگا۔ نواب صاحب نے اُٹھ کر وصیّت پڑھی۔ مولانا محمد احسن صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا۔ میں نے کھڑے ہو کر چاہا کہ ان باتوں کا ذکر کروں جو مجھ میں اور میاں صاحب میں ہوئی تھیں مگر چند آدمیوں نے اُٹھ کر شور مچا دیا کہ ہم ہرگز نہیں سنیں گے اور ادھر تختِ خلافت مبارک کے آوازے شروع ہو گئے۔ میاں صاحب نے خاموشی سے ان باتوں کو سُنا اور اس قدر بھی لب نہ ہلا سکے کہ ان کی بات تو سُن لو۔ ہم وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔"

یہ اجتماع جس کا ذکر مولوی محمّد علی صاحب نے کیا ہے مسجد نور میں ہُوا تھا۔ اور جب مولوی محمد علی صاحب نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو حافظ روشن علی سیکرٹری انصار اللہ پارٹی اور شیخ یعقوب علی تراب نے جو اس موقع کے منتظر تھے چلّا کر کہنا شروع کیا کہ ہم نہیں سُننا چاہتے۔ یہ ایک سگنل تھا جس پر تمام انصار اللہ پارٹی ایک دم کھڑے ہو کر چلّانے لگ گئے کہ ہم نہیں سُننا چاہتے۔ اور ایک دم میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اور ساتھ ہی اس قدر اچھل کود مچی کہ الامان۔ اور "تختِ خلافت مبارک" اور "ایوانِ خلافت مبارک" کے نعرے لگنے لگے۔

اس کے بعد گورنمنٹ اور باہر کی جماعتوں کو غلط تاریں دی گئیں کہ میاں محمود احمد صاحب بالاتفاق خلیفہ چُن لئے گئے ہیں۔ اور تمام اطراف میں کثرت سے آدمی بھیج دیئے گئے۔ جنہوں نے دور افتادہ ناواقف احمدیوں سے تحریری بیعت پر دستخط کروا کے قادیان کو روانہ کیا۔ اور جس غلط پروپاگنڈے سے جماعت

---

[1] میاں محمود احمد صاحب کا یہ بیان۔ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے مطابقت نہیں کھاتا۔ حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد۔ اور اپنی وفات سے پہلے چھ بڑے صحابیوں کا ایک بورڈ بنایا اور ان کو ہدایات دیں کہ وہ موزوں خلیفہ منتخب کریں۔ حضرت عمرؓ وفات پا گئے۔ حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آئندہ خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کا انتخاب بعد میں ہُوا۔

کی بنا ابھی نہیں ڈال کر سمیٹا گیا وہ ایک لمبی داستان ہے۔

جب مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ مسجد نور سے اٹھ کر آپ کے مکان پر پہنچے آئے تو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی مسجد سے نعروں کی آوازیں آرہی تھیں جو مرزا سلطان احمد مرحوم (فرزند حضرت مسیح موعود) مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے۔ اتفاق سے وہ بھی مسجد میں موجود تھے۔ انہوں نے آتے ہی مولانا محمد علی صاحب سے کہا کہ میرے بھائی نے جو بدسلوکی اپنے باپ کے پرانے دوستوں سے آج روا رکھی ہے میں اس کی معافی مانگنے آیا ہوں۔ اس بدتہذیبی کو دیکھ کر جو ابھی مسجد میں روا رکھی گئی ہے میں ندامت سے زمین میں گڑھ گیا۔

(پیغام صلح مورخہ ۲۷ر اپریل ۳۷ء)

پیغام صلح مورخہ ۱۰ر مارچ ۱۴ء میں مولانا محمد علی صاحب کا ایک مضمون "حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ان غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے جو میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے حضرت صاحب کی طرف اب منسوب کئے جا رہے تھے۔ اور ۱۷ر مارچ ۱۴ء کے اخبار میں مسئلہ اسلام وکفر پر جو مضمون شائع ہوا وہ "حسب ارشاد حسب مولوی نور الدّین صاحب مرحوم" لکھا گیا تھا۔ اسی اخبار میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا قادیان سے لکھا ہوا ایک خط شائع ہوا جس سے اس وقت کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے اور جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:-

"خاکسار اور لاہور کے بہت سے احباب ۱۴ر مارچ کی صبح کو قادیان پہنچ گئے۔ یہاں پر جس خطرہ سے حضرت مولوی محمد علی صاحب نے نہایت عاقبت اندیشی سے پہلے سے ہی قوم کو مطلع کر دیا ہوا تھا حرف بحرف سچا پایا۔ ہر طرف سکول کے طلباء پر جوش انصار اللہ اور شیخ یعقوب علی صاحب اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ ادھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ کوشش یہ ہو رہی تھی کہ جہلاء کو بھڑکایا جائے اور میاں صاحب کے خلیفہ مقرر کرنے پر اُکسایا جائے۔ مستری مولے صاحب کو قادیان کے راہ میں نہر کے پل پر کھڑا کیا گیا تھا جہاں وہ جماعت کے نووارد احباب سے یہ کہہ کر دستخط کرواتے تھے کہ آیا تم جماعت کے لئے خلیفہ مقرر کرنا پسند کرتے ہو یا نہیں۔ لیکن جس کاغذ پر دستخط کروائے جاتے تھے اس میں لکھا تھا کہ خلیفہ مقرر ہو۔ خلیفہ چاہے انجمن کو توڑ دے یا رکھے۔ جس ممبر کو چاہے نکالے وغیرہ۔ اسی طرح دو پہر ہوگئی مگر ان اہل الرائے احباب کو جو باہر سے آئے ہوئے تھے کسی نے نہیں پوچھا۔ مسجد نور میں میاں صاحب نے تقریر کی اور اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا

کہ جو کچھ کرو مشورہ سے کرو۔ جلدی میں کام خراب نہ کرو۔ دوپہر کے وقت ہم نے خلیفہ رجب دین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھیجا تاکہ سمجھا دیں کہ جو کچھ ہو جماعت کے مشورہ سے کیا جائے۔ جلدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں کوئی ملکی انتظام خراب نہیں ہو رہا۔ اس لئے پہلے تجہیز و تکفین ہو۔ بعد میں اہل الرّائے احباب کو بلا کر دس پندرہ دن کے اندر مشورہ کیا جائے۔ کیوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ آج ہمارے درمیان بڑا بھاری اختلاف ہے۔ ایک گروہ سب مسلمانوں کو جو حضرت صاحب کو نہیں مانتے کافر سمجھتا ہے۔ دوسرا گروہ ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان کہتا ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ جو کچھ ہونا ہے آج ہونا چاہیئے۔ اور اس سے پہلے کہ جنازہ دفن ہو خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے ......"

نماز عصر کے بعد مسجد نور میں جو واقعہ ہوا اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

"نواب صاحب نے کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھی۔ اور کہا کہ آپ کا جانشین کوئی پسند کرنا چاہیئے۔ اس پر جیسا کہ پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا۔ مختلف اطراف سے آوازیں آئیں کہ "میاں صاحب" اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے بھی میاں صاحب کو تجویز کیا۔ لیکن جب مولوی محمد علی صاحب کچھ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ یعقوب علی صاحب۔ حافظ روشن علی اور دوسرے لوگوں نے شور ڈال دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ اور کچھ کہنے نہ دیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے خود بھی کہا کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بعد کسی کو تقریر نہ کرنے دو۔ اس طرح حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے خلاف جس میں ارشاد تھا کہ میرا جانشین پرانے احباب سے درگذر۔ چشم پوشی اور نیک سلوک کرے، عمل شروع کیا۔ اور خلافت کی خوشی میں اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اس کے بعد حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نعش پڑی تھی "مبارک! مبارک! میاں صاحب کو تختِ خلافت مبارک! ایوان خلافت مبارک!" کے نعرے بلند ہوئے۔ اور بازاری گروہ کی طرح شور شروع ہو گیا ...... اس کے بعد خلافت کے ایجنٹ کچھ اڈے پر کھڑے ہو گئے اور کچھ شہر میں پھرنے لگے۔ اور ہر شخص کو مجبور کر کے دستخط کرانے لگے۔"

مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ مسجد نور میں جو افسوسناک سلوک ہوا اس پر خود قادیان کے اپنے ایک اخبار "نور" میں اس طرح اظہار افسوس کیا گیا:-

"ایک رنجیدہ امر۔

میرے اس اظہار پر بعض دوستوں کو رنج پہنچے۔ مگر جس شخص نے سچائی کی خاطر اپنے والدین تک کے عزیز رشتہ کو چھوڑ دیا تو دوستو بتاؤ اب اسے سچائی کے اظہار کے لئے کونسی بات مانع ہو سکتی ہے۔ حضرت سید محمد احسن صاحب کی تقریر کے بعد جناب مولوی محمّد علی صاحب نے کچھ بولنے کی خواہش کی۔ مگر افسوس بعض غیر ذمّہ دار لوگوں نے جناب مولوی صاحب کو سختی سے بولنے کے لئے منع کر دیا۔ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ ہونا وہی تھا جو کچھ ہوا تو پھر کیا وجہ تھی کہ مولوی محمّد علی صاحب کو بولنے کے لئے موقع نہ دیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالے اس وقت ان کی زبان سے ایسے ہی لفظ نکال دیتا جو ہمارے ہی حق میں ہوتے۔ اپنے دوستوں کے لئے ہمارے دل میں وسعت ہونی چاہئے۔ آہ آج ایک چھوٹا بچّہ جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے وہ بھی ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ہم اس امر سے انکاری نہیں ہیں کہ مولوی محمّد علی صاحب کے دل میں اشاعتِ دین کے لئے ایک خاص ولولہ ہے۔ اور خدمتِ دین کے لئے آپ کے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ ہے۔ اور دینی خدمت کے لئے اپنی جان اور صحت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ قادیان کے رہنے والوں کے لئے یہ امر پوشیدہ نہ ہو گا کہ خاکسار ایڈیٹر نورؔ کی سکول سے علیحدگی صرف جناب مولوی محمّد علی صاحب کے ذریعہ ظہور میں آئی۔ مگر یہ میرا نہایت ہی کمینہ پن ہو گا کہ آج میں اپنی ذاتی کدورت کی وجہ سے ایک معزز بھائی کے مسلّمہ قابلیت سے انکار کر دوں۔ جناب مولوی محمّد علی صاحب کے ساتھ جو حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح کی محبّت اور پیار تھا۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

(از اخبار نورؔ قادیان مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء)

اس کے علاوہ متعدد خطوط اُس وقت جماعت کے ان لوگوں نے لکھے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اور جن میں اُس وقت کے واقعات پر اظہار رنج و افسوس کیا ہے۔ ان میں سے کئی خطوط اخبار پیغام صلح میں چھپے۔ اور ان سب میں اس بات پر انتہائی رنج کا اظہار کیا گیا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کے سامنے ایسے آدمیوں نے جن کی مولانا محمّد علی صاحب کے مقابل میں کوئی ہستی بھی نہ تھی گستاخی سے ان کو ڈانٹ کر بٹھا دیا۔ اور میاں صاحب چپ کر کے سب کچھ دیکھتے رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے مولانا نورالدین صاحب کی وصیت پڑھی جا چکی تھی کہ میرا جانشین حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب

سے نیک سلوک کرنے والا ہو۔ یہ سب خطوط ماہ مارچ کے اس وقت کے لکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ ابھی مولانا محمد علی صاحب قادیان میں ہی تھے۔

قادیان میں مزید قیام اور وہاں سے ہجرت

ان حالات کے بعد مولانا محمد علی صاحب مزید کچھ عرصہ قادیان میں ہی رہے۔ ۷ رمارچ کو آپ نے "پیغام صلح" میں اعلان شائع فرمایا جس میں یہی فرمایا کہ دین ایمان کا معاملہ ایسا نہیں۔ جس میں جلد بازی سے کام لیا جائے۔ لیکن ہمارا سلسلہ مسلمانوں کی تکفیر پر جمع نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی اپنے نہ ماننے والوں کو اپنے دعوے کے انکار کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا۔ اور یہی مذہب مولانا نورالدین صاحب کا تھا۔ جنہوں نے اپنے آخری ایام میں میاں محمود احمد صاحب کو صاف کہہ دیا کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھے۔ اس کی تطبیق کے لئے مجھے مامور فرمایا۔ اس لئے ہم ایسے کسی شخص کی بیعت نہیں کر سکتے جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہو۔ ہاں سلسلہ کے کام میں ہم اکٹھا رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۹ رمارچ کے اخبار میں بھی آپ نے بعض واقعات دہرا کر اسی بات پر زور دیا۔ اور منجملہ اور باتوں کے فرمایا۔

"جو کارروائی کی گئی اس کو اور نہیں تو قابلِ افسوس ضرور کہونگا.... اگر ہماری جماعت نری دھڑا بندی پر ہے تو میں ضرور غلطی پر ہوں۔ لیکن اگر حق اور صداقت کوئی چیز ہے۔ اور کسی قسم کی زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت کرنا خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو قرآن کریم کی رُو سے گناہ ہے۔ تو میں نے اس حق کو ظاہر کرنے میں پہلے بھی اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور آئندہ بھی کرونگا۔ خواہ مجھ پر کوئی فتوے جاری کیا جائے[1] میں اپنے لئے اگر کسی بات کا مدعی ہوں یا خواہشمند ہوں تو مجھ سے بڑھ کر لعنتی کوئی نہیں۔ کہ حق کی آڑ میں فساد پھیلاتا ہوں۔ لیکن میرے دل میں ایک درد ہے اور وہی مجھے مجبور کرتا ہے کہ سب مصیبتوں کو قبول کر کے بھی اس کا اظہار کروں۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر وہ امر ہے۔ جس کے لئے حضرت مرزا صاحب نے اپنے مخالف مولویوں کو سخت ملزم قرار دیا ہے۔ آہ! آج وہ بات جس کے لئے دوسروں کو ملزم قرار دیا گیا تھا اس کا ارتکاب ہم خود کر رہے ہیں۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو کافر خارج از اسلام قرار دیا جائے.....

اگر درحقیقت سب کلمہ گو جب تک وہ مسیح موعود پر ایمان نہ لائیں کافر ہیں تو پھر ہماری اشاعتِ اسلام کی کوشش بے سود ہے۔ کسی ہندو یا عیسائی کو کلمہ پڑھا لینا ایک عبث بات ہے....

---

[1] ان دنوں میں آپ کو میاں محمود احمد صاحب کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے فاسق کہا جا رہا تھا۔

ان حالات میں امیر یا خلیفہ کا انتخاب ایک مشکل سوال ہو جاتا ہے۔ ایسی مشکل کو حل کرنے کے لئے قوم کو بہت سے تدبر۔ بہت سے مشوروں اور بہت سی دعاؤں کی ضرورت تھی۔ اور اب بھی ہے۔ ایسے اہم امور کا منٹوں میں فیصلہ نہیں ہو سکتا.....

جو کچھ بھی نتائج مجھے بھگتنے پڑیں ان کے لئے تیار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، اور توفیق چاہتا ہوں کہ وہ مجھے حق پر استقامت دے اور مصائب میں صبر عطا فرمائے۔ آخر میں عرض یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کام کرنے میں ویسا ہی مل کر رہنا چاہیئے جیسا پہلے سے ہے ہیں اور کسی حالت میں ہمارے ان کاموں میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سپرد کئے ہیں۔ اور انہی کاموں میں مَیں اپنے مکرم دوست خواجہ کمال الدین کے کاموں کو شامل سمجھتا ہوں.... اور جو کوئی اس کو ضعف پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ بھی ایک تفرقہ کی بنیاد ڈالے گا[1]۔"

ان دنوں میں جبکہ مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد مولانا محمد علی صاحب قادیان میں مقیم تھے آپ کا وہاں رہنا مشکل کر دیا گیا۔ سوقیانہ نعروں اور طعن و تشنیع کے آوازوں کا نشانہ آپ کو بنایا جانے لگا۔ جب حالات بد سے بدتر ہو گئے تو آپ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے۔ اس تاریخ کے بعد جو واقعات ہوئے اُن کا ذکر آگے آئے گا۔

اسلامی دنیا اور ۱۹۱۴ء کا واقعہ

جماعت احمدیہ کے علاوہ دیگر اسلامی دنیا نے ملک ہندوستان میں بھی اس اختلاف کو محسوس کیا اور چند لوگوں کی جرأتِ ایمانی کی وجہ سے جماعت کے ایک حصّہ کو غلو اور مسلمانوں کی تکفیر کی لعنت سے جو نجات ملی۔ اس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد اپنے اخبار الہلال مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء میں لکھتے ہیں:-

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بنا پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں۔ گو وہ مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لائے ہوں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا

---

[1] اس وقت میاں محمود احمد صاحب اور ان کے ہمخیال لوگوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا۔ کہ مولوی شیر علی صاحب کو ووکنگ جانے سے روک دیا تھا۔ اور ووکنگ سے قطع تعلق شروع کر دیا تھا۔

بشیر الدّین محمود احمد ہیں۔ اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔

مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کے دوسرے دَور کا اختتام

اس واقعہ کے ساتھ اپریل ۱۹۱۴ء میں مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کا دوسرا دور ختم ہوتا ہے۔ جو قادیان کی زندگی کے پندرہ سالوں پر مشتمل تھا۔ اس دَور کا آغاز مولانا کی اس زبردست قربانی سے ہوتا ہے جو آپ نے پچیس سال کی عمر میں اپنے دنیاوی مستقبل کو چھوڑ کر اور حضرت صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر پیش کی۔ اور ۲۵ سال کی عمر سے لے کر ۴۰ سال کی عمر تک اپنی جوانی کا بہترین زمانہ قادیان میں گذارا۔ ان پندرہ سالوں میں آپ کو پہلے آٹھ سال حضرت مسیح موعود کا وہ قرب اور صحبت میسّر آئی جو کم کسی کو آئی ہوگی۔ حضرت صاحب نے نہ صرف آپ کو اپنے گھر میں جگہ دی اور اس طرح سے انکا مسلسل جسمانی قرب آپ کو میسّر آیا بلکہ مولانا محمد علی صاحب نے حقیقی معنوں میں حضرت صاحب سے روحانی نسبت حاصل کی اور حضرت صاحب سے آپ نے دین اسلام کی اشاعت کا درد اور قرآن کا عشق اور اس کو دنیا میں پھیلانے کی تڑپ اپنے دل میں لی۔ اور حضرت صاحب نے بھی آپ کو وہ سب کام سپرد کئے جن کو آپ نے اپنے آنے کا مقصد ٹھہرایا۔ پھر حضرت صاحب سے اور مولانا نورالدین صاحب سے آپ نے قرآن سیکھا اور اس دَور کے دوسرے چھ سالوں میں مولانا نورالدین صاحب کے منشاء کے مطابق انگریزی ترجمہ قرآن اور اُردو ترجمہ کے اس کام کا آغاز کیا جو حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے مطابق آپ کا اپنا تھا یا اس کا جو آپ کی شاخ ہے اور آپ میں ہی داخل ہے۔ ان پندرہ سالوں میں سے تیرہ سال تک آپ نے ریویو آف ریلیجنز کو جاری کر کے چلایا اور اس شان کے ساتھ چلایا کہ اس زمانے میں اس رسالے کی شہرت ہندوستان سے نکل کر غیر ممالک میں پھیل گئی۔ اور اپنے اور بیگانے سبھی کو اعتراف کرنا پڑا کہ مجددِ وقت نے جو اسلام کا خوبصورت چہرہ پیش کیا ہے وہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ پھر جب حضرت صاحب نے اپنی جانشین صدر انجمن احمدیہ قادیان قائم کی تو قریباً آٹھ سال تک اس کے سیکرٹری اور رُوحِ رواں مولانا محمد علی صاحب رہے اور جگہ جگہ جماعتوں کا قیام اور تنظیم ہوئی اور اس انجمن کا بجٹ اس زمانے کے دو لاکھ روپے تک پہنچا۔ اور اس کی جائداد میں معتدبہ اضافہ ہُوا جس میں ڈیڑھ لاکھ روپے کی ایک عمارت مدرسہ تعلیم الاسلام اور اس کے بورڈنگ کی تھی جس کی تعمیر

آپ نے اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی۔ لیکن اس سب بنے بنائے کارخانے کو اس محبوب مقام کو جہاں آپ کو امام زمان کی صحبت میسر آئی اور جہاں آپ نے ان سے اور دیگر بزرگان سے وہ فیوض حاصل کئے جنہوں نے آپ کی زندگی کو بدل دیا۔ ۱۹۱۴ء میں ایک اصول کی خاطر آپ نے چھوڑا۔ اور خالی ہاتھ لاہور کو ہجرت فرمائی۔ ہاں ایک چیز آپ کے پاس تھی۔ اور وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تھا۔ جس کو آپ قادیان سے اپنے ساتھ لاہور لائے۔

دَورِ سوم - لاہور کی زندگی - اپریل ۱۹۱۴ء تا اکتوبر ۱۹۵۱ء

(۱) احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی ابتدا

احمدیہ بلڈنگس کی مختصر تاریخ

قادیان سے ہجرت کرنے کے بعد مولانا محمد علی صاحب نے لاہور میں احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرمایا۔ جہاں لاہور کے ممبران یعنی خواجہ کمال الدین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکانات تھے۔ یہیں پر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا محمد علی صاحب کی زندگی میں اور اس کے بعد اب تک اس انجمن کی قریباً پچاس سالہ تاریخ اسی مقام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ احمدیہ بلڈنگس کی مختصر سی تاریخ بیان کر دی جائے۔

احمدیہ بلڈنگس کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں رکھی گئی۔ جس زمین پر احمدیہ بلڈنگس قائم ہے وہ اس سلسلہ کے محترم بزرگ چودھری ظہور احمد صاحب کے والد ماجد چودھری اللہ یار صاحب کی ملکیت تھی۔ اور ان سے ابتدا میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے لمبے عرصہ کے لئے کرایہ پر لی تھی۔ پہلے شاہ صاحب اور خواجہ صاحب نے لبِ سڑک اپنے مکانات تعمیر کئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مرزا صاحب اور بابو منظور الٰہی صاحب نے بھی اپنے مکانات بنوائے۔ اس وقت اس تمام علاقے میں گنجان آبادی نہ تھی۔ البتہ سڑک کے دوسری طرف اسلامیہ کالج کی عمارت بن چکی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود پہلے خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں اترے اور چند دن بعد ڈاکٹر شاہ صاحب کے مکان میں تشریف لے گئے۔ ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو سب سے پہلا جمعہ احمدیہ بلڈنگس میں پڑھا گیا۔ اس سے پہلے جمعہ میاں چراغ الدین صاحب کے مکانات بیرون دہلی دروازہ میں پڑھا جاتا تھا۔ اس جمعہ کے بعد حضرت صاحب نے ایک تقریر فرمائی جو بعد میں "حجۃ اللہ" کے نام سے شائع ہوئی۔ حضرت صاحب نے اپنی آخری تصنیف "پیغامِ صلح" بھی احمدیہ بلڈنگس میں ہی تحریر فرمائی۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت صاحب کا انتقال ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں ہوا۔ اس وقت تک احمدیہ بلڈنگس کی موجودہ مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں ایک چبوترہ سا بنا لیا گیا جس پر

دن کے وقت نمازیں پڑھ لی جاتی تھیں۔ اور بعض وقت لیکچر اور درس وغیرہ بھی دیئے جاتے تھے۔ جمعہ کی نماز خواجہ صاحب کے مکان کے ایک بڑے کمرے میں ہوتی تھی۔ مولانا نور الدین صاحب اپنے زمانے میں دو یا تین مرتبہ لاہور تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس میں ہی قیام فرمایا۔ اور ایک دفعہ اسی چبوترے پر جہاں اب مسجد ہے ایک کثیر مجمع میں لیکچر بھی دیا۔ بعد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے اسی مقام پر ہر اتوار کو لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان کا طرز بیان اس قدر موثر ہوتا تھا۔ کہ دُور دُور سے عوام الناس۔ رؤسا۔ تعلیمیافتہ لوگ اور سرکاری افسران ان لیکچروں میں کثرت سے شامل ہوتے تھے۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد اس چبوترے پر باقاعدہ مسجد بن گئی۔ گو ابتداء میں یہ بہت چھوٹی تھی۔

اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب قادیان میں حضرت مولانا نور الدین صاحب کی وفات ہوئی۔ اور مولانا محمد علی صاحب لاہور تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس کی سرزمین کو بسایا۔ جیسا کہ آئندہ مفصل ذکر آئے گا۔ پہلی مجلسِ شوریٰ ۲۲ر مارچ ۱۹۱۴ء کو ڈاکٹر شاہ صاحب کے مکان کے بالائی حصّہ کے صحن میں ہوئی اور جب میاں محمود احمد صاحب سے مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی اور میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کی وصیت کے خلاف صدر انجمن احمدیہ کو کالعدم کر کے رکھ دیا تو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی بنیاد ۳ر مئی ۱۹۱۴ء کو یہیں پر رکھی گئی۔

اس وقت حالت یہ تھی کہ نام کو تو انجمن بن گئی۔ لیکن نہ کوئی پیسہ پاس تھا نہ مکان نہ جائیداد اور سابقین اور کارکن سب مخالف طرف تھے۔ انجمن بنانے والے اپنی عمر بھر کی کمائی قادیان میں لٹا کر اور وہاں کی انجمن کے لئے مکانات اور جائداد بنوا کر خالی ہاتھ لاہور چلے آئے۔ یہاں بہت تھوڑے سے گھر تھے۔ ان میں سے کسی میں انجمن کا دفتر اور کسی میں مہمان خانہ تھا۔ مسجد کے ساتھ والا مکان (جو مولانا محمّد علی صاحب کا مسکن ایک عرصہ تک رہا) اس وقت شاہ صاحب نے انجمن کے دفاتر کے لئے بنوانا شروع کیا تھا۔ لیکن بعد میں دفاتر کو اس مکان میں رکھا گیا جو موجودہ دفاتر کے مغربی جانب ہے۔ اس کے بعد دفتروں کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے مکانات میں منتقل کر دیا گیا اور یہ آج تک وہیں چلے آتے ہیں۔ بعد میں ۱۹۲۰ء کے سالانہ جلسہ پر جب مولانا محمد علی صاحب نے ایک لاکھ روپے کے لئے اپیل کی تو ان دونوں بزرگوں نے جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر صفِ اوّل میں ہوتے تھے۔ ان مکانات کو انجمن کے نام پر منتقل کر دیا۔ اسی طرح ایک اور بزرگ بابا احمد دین صاحب تھے۔ جنہوں نے اپنا مکان جو موجودہ مسلم ہائی سکول کے غربی حصّہ میں تھا انجمن کو دیدیا۔ پہلے اس میں مہمان خانہ تھا۔ بعد میں اسے گرا کر سکول کی عمارت میں شامل کر دیا گیا۔

یہ ہے احمدیہ بلڈنگس کے مکانات کی مختصر سی تاریخ۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ مکان ہے۔ جو خدا کا گھر بنا۔ اور جہاں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو کر یورپ اور ایشیا کے اکثر مقامات میں گونجی۔ اور جس نے بے شمار قلوب کو ایمان کی روشنی سے منور کیا۔ مولانا محمد علی صاحب ۳۳ سال تک اسی مسجد میں اپنے روحانیت سے بھرے ہوئے خطبات سے جماعت کو خدا کا نام دنیا میں بلند کرنے کے کام کی طرف توجہ دلاتے رہے اور یہیں آپ نے سالہا سال درس قرآن دیئے۔ اور اس کے بعد دیگر بزرگوں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اور اسی کے ساتھ والے مکان میں تقریباً بائیس سال تک حضرت مولانا نے قیام فرمایا۔ اور یہیں سے اپنی معرکتہ الآراء تصانیف کا ایک بڑا حصہ لکھا جو ہزارہا کی تعداد میں اور کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر تمام دنیا میں پھیلیں۔ اور نہ صرف ایک بیش بہا علمی خزانہ اس جماعت کے لئے تیار ہوا بلکہ احمدیہ بلڈنگس کا نام دنیا کے ہر ملک میں مشہور ہوا۔

اخبار پیغام صلح کا اجرا مولانا محمد علی صاحب کے لاہور تشریف لانے سے پہلے اخبار پیغام صلح کا اجرا ہو چکا تھا۔ جولائی ۱۳ء میں جماعت میں اندرونی طور پر بہت خلفشار پیدا ہو چکا تھا۔ اور میاں محمود احمد صاحب اور ان کی پارٹی کے افراد لاہور کے ممبروں کے متعلق جماعت میں چہ میگوئیاں کرتے پھرتے تھے۔ اس وقت قادیان کے اخبارات "الحکم" اور "بدر" زیادہ تر میاں صاحب کے ہی زیر اثر تھے۔ اور مولوی نورالدین صاحب کو مولانا محمد علی صاحب، خواجہ صاحب، اور لاہور کے ممبروں سے بدظن کرنے کی کوششیں بڑے زور و شور سے جاری تھیں۔ دوسری طرف خواجہ کمال الدین صاحب کو انگلستان گئے ایک ہی سال ہوا تھا۔ اور وہاں سے رسالہ "مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو" جاری ہو چکا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس رسالہ کے چیدہ چیدہ مضامین کا اردو ترجمہ اور ووکنگ مشن کی ضروری خبریں ہندوستان کے لوگوں کو پہنچائی جائیں۔ ان ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے "پیغام صلح سوسائٹی" کے نام سے مشترک سرمائے کی ایک کمپنی بنائی۔ اور اس کے ماتحت اخبار "پیغام صلح" جولائی ۱۳ء میں جاری ہوا۔ مولانا نورالدین صاحب نے بھی اس اخبار کے نکلنے کو منظور فرمایا اور ایک حصہ پانچ روپے کا تبرکاً خود خریدا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر ایک صاحب احمد حسین فرید آبادی تھے۔ جن کا تعلق خصوصی طور پر میاں صاحب کی انصار اللہ پارٹی سے تھا۔ اور چند ایک اشاعتوں میں انہوں نے پیغام صلح کو بھی انہی عقائد کا ذریعہ بنانا چاہا۔ چنانچہ ان کو بعض خود ساختہ بیانات کی اشاعت کرنے پر نومبر ۱۳ء میں برطرف کر دیا گیا اور مولوی دوست محمد صاحب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ان ابتدائی ایام میں جن اصحاب نے خاص طور پر اس اخبار کی ترقی میں حصہ لیا ان میں ایک تو خود ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب تھے۔ دوسرے بابو منظور الٰہی صاحب اور تیسرے

مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی۔

جب مارچ ۱۹۱۴ء میں مولانا نورالدین صاحب کی وفات ہوئی اور میاں محمود احمد صاحب نے اپنے پہلے سے تیار کئے ہوئے معاونین کی مدد سے خلافت کی گدی پر متمکن ہو کر ان بزرگان کو جو ان کے عقائد سے اختلاف رکھتے تھے فاسق کہنا شروع کیا اور صدر انجمن احمدیہ کے قواعد بدل کر مختارِ کل خلیفہ بن گئے تو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی بنیاد پڑی اور اسی وقت سے "پیغامِ صلح" کو بھی اسی انجمن کی ملکیت اور اس کا آرگن قرار دے دیا گیا اور پیغامِ صلح سوسائٹی کا وجود ختم ہو گیا۔

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا قیام

قادیان میں ان افسوسناک حالات کے بعد جن کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب نے ۲۲ مارچ ۱۹۱۴ء کو لاہور میں احمدی احباب کی ایک مجلس شوریٰ بلائی۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر چند احباب جمع ہوئے اور صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد جو فیصلے ہوئے ان کا ماحصل یہ تھا۔

۱:۔ حسبِ وصیت حضرت مسیح موعود، صدر انجمن احمدیہ قادیان کے فیصلے قطعی سمجھے جائیں اور کسی ایک شخص کو ان کے مسترد کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔

۲:۔ جس بزرگ کو احمدی قوم کا امیر سمجھا جائے اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کی بیعت لازمی نہ ہو جو پہلے سے احمدی ہیں۔

۳:۔ چونکہ میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر چالیس آدمیوں (سے زائد) نے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے ان کو سلسلۂ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لینے کا اختیار ہو گا۔

۴:۔ اگر میاں محمود احمد صاحب انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیں اور پرانے احمدیوں سے دوبارہ بیعت لینا لازم تصور نہ کریں تو اُن کو صدر انجمن احمدیہ کا پریذیڈنٹ اور کل جماعت کا امیر تسلیم کیا جائے۔

یہ فیصلے حضرت مسیح موعود کے ان ارشادات کے عین مطابق تھے کہ "میرے بعد سب مل کر کام کرو۔" اور یہ کہ آپ کے بعد انجمن کے فیصلے قطعی ہوں گے۔ اور کسی ایک شخص کو ان میں ردّ و بدل کا اختیار نہ ہو گا۔ اور یہ کہ انجمن ہی آپ کی جانشین ہو گی۔ اور یہ بھی کہ نئے احباب کو سلسلۂ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے ایسے بزرگ جن کے ناموں پر چالیس آدمی اتفاق کر لیں وہ حضرت مسیح موعود کے نام پر بیعت لیا کریں۔ اگرچہ ان تمام احباب کو جو اس مجلس میں تھے۔ میاں صاحب کے عقیدۂ تکفیرِ اہلِ اسلام سے اصولی اختلاف تھا۔ مگر جماعت کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اس بات پر تیار تھے کہ اگر میاں صاحب الوصیت کے ماتحت کام کریں تو ان کو امیر مان لیا جائے۔ ان احباب کا خیال تھا کہ وہ مسئلہ تکفیر کو جماعت کے آگے

واضح کر دیں گے اور جماعت ضرور حق کو تسلیم کر لے گی۔

چنانچہ ان فیصلوں کی نقول میاں محمود احمد صاحب کو قادیان بھیجی گئیں۔ اور اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۴؍۲۷ مارچ ۱۹۱۴ء میں شائع کی گئیں۔ پندرہ آدمیوں کا ایک وفد تجویز ہوا۔ تاکہ وہ ۸ ؍مارچ کو میاں محمود احمد صاحب سے ملاقات کرے۔ اور ان تجاویز کے منظور کروانے کی کوشش کرے۔ لیکن میاں صاحب نے اپنے جواب میں اس وفد سے ان تجاویز پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸؍مارچ کو احباب پھر لاہور میں جمع ہوئے اور مولانا محمد علی صاحب نے ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ اب ہم کیا کریں۔ آپ نے ایک مدلل اور جامع تقریر کی ہمارے سامنے اب یہ سوال ہے کہ حضرت صاحب کی تحریرات اور الوصیت کو مقدم رکھا جائے یا نہ۔ اور آپ نے حضرت صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ تحریر مورخہ ۲۷؍اکتوبر ۱۹۰۷ء پیش کی جس میں صریح الفاظ میں انجمن کو اپنا جانشین اور اس کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا تھا۔ اور آپ نے ثابت کیا کہ حضرت صاحب نے کسی ایسے خلیفہ کو اپنا جانشین تصور ہی نہیں کیا جو انجمن کا مطاع ہو۔ آپ نے اور بھی سب واقعات سنائے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) کہ کس طرح مولوی نورالدین صاحب کے زمانے سے ہی آپ کو اور احباب لاہور کو انجمن سے نکالنے کی کوششیں ہوئیں اور کس طرح وہ ناکام ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد اور احباب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے قادیان کے حالات سنائے کہ مولانا محمد علی صاحب کا وہاں رہ کر کام کرنا اب ناممکن ہو گیا ہے۔ چنانچہ مشورہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔

۱۔ چونکہ میاں صاحب نے ان فیصلوں کے متعلق جو ۲۲؍مارچ کو طے ہوئے تھے۔ وفد سے ملنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے اب وفد کو قادیان جانے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ریزولیوشن جو پچھلے جلسہ میں پاس کئے گئے تھے ان کو بحال رکھا جائے [1]

۳۔ چونکہ حسب وصیت حضرت مسیح موعود، اشاعت اسلام اس سلسلہ کی اصل غرض ہے اور اس خدمت کا حتی الوسع بجالانا ضروری ہے اور بوجہ اختلاف کے قادیان میں بیٹھ کر ان خدمات کا انجام دینا موجب فتنہ ہے۔ اس لئے بامر مجبوری مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک انجمن بنام اشاعت اسلام قائم کی جائے جس کا صدر مقام لاہور ہو۔

۴۔ اس انجمن کے کم از کم چالیس معتمدین ہوں۔

مندرجہ ذیل عہدیداران باتفاق رائے منظور ہوئے:۔

صدر۔ مولانا محمد علی صاحب۔ ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز"

---

[1] یعنی میاں محمود احمد صاحب سے مصالحت کا دروازہ کھلا رہے۔

نائب صدر:- مولوی غلام حسن خانصاحب، پشاور - شیخ نیاز احمد صاحب، وزیر آباد -

خان عجب خان صاحب، صوبہ سرحد -

سیکرٹری:- ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - محاسب:- شیخ رحمت اللہ صاحب

اسسٹنٹ سیکرٹری:- حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسےٰ -

قواعد تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ممبر مولانا محمد علی صاحب - مولوی عالم دین صاحب وکیل - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب - شیخ رحمت اللہ صاحب - چشتی عبدالرحمان صاحب اور خلیفہ رجب دین صاحب تھے - چندہ کے لئے اپیل کرنے کا فیصلہ ہوا - اُس وقت موقع پر جو چندہ ہوا وہ کل ۳۲۵ روپے تھا - اس مجلس میں ۲۹ احباب شامل ہوئے جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں ——— مولانا محمد علی صاحب - ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - شیخ رحمت اللہ صاحب - شیخ نیاز احمد صاحب (وزیر آباد) - شیخ محمد جان صاحب (وزیر آباد) - سید حامد شاہ صاحب - حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ - چوہدری محمد سرفراز صاحب (بدوملہی) مولوی عالم دین صاحب وکیل (شیخوپورہ) چشتی عبدالرحمان صاحب - ماسٹر غلام محمد صاحب (سیالکوٹ) شیخ فیض الرحمان صاحب (امرتسر) صوفی احمد دین صاحب - عبدالحنان خانصاحب (پشاور) اور مرزا عبدالغنی صاحب -

اس وقت تک پوزیشن یہ تھی کہ یہ سب لوگ صدر انجمن احمدیہ قادیان سے علیحدہ نہ ہوئے تھے - مگر چونکہ مولانا محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کا قادیان میں رہ کر خدمت دین کا کام کرنا مشکل کر دیا گیا تھا اس لئے وہ لاہور رہ کر اس کام کو ایک انجمن کے ذریعے چلانا چاہتے تھے - جماعت کو دو حصّوں میں تقسیم کر دینا ایک ایسا قدم تھا - جس پر ان بزرگان نے بعد میں بہت سوچ سمجھ کر اور جبراً قدم اٹھایا - اس وقت تک ان کی پہلی پیشکش قائم تھی - یعنی یہ کہ میاں محمود احمد صاحب حضرت مسیح موعود کی مقرّر کردہ حدود کے اندر بے شک امیر جماعت ہوں -

میاں محمود احمد صاحب نے فوراً اپنی جماعت کو سختی سے حکم دیا کہ وہ لاہور کے احباب کی کوئی تحریر نہ پڑھیں - ان احباب لاہور کے پاس اپنے نظریہ کی اشاعت کے لئے اخبار "پیغام صلح" کے علاوہ کچھ نہ تھا - اور وہ بھی جماعت کے سب افراد کو نہ جاتا تھا - بہر حال مولانا محمد علی صاحب نے اسی اخبار کے ذریعہ جماعت کے سامنے اصل حقائق کو رکھنا شروع کیا - آپ کا ایک طویل مضمون بعنوان "چند کھلی کھلی باتیں" ۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو بطور ضمیمہ اخبار "پیغام صلح" شائع ہوا - جس میں حضرت صاحب کی تحریر مورخہ ۲۷ بھی چھاپی گئی - اور

مولانا نورالدین صاحب کے وقت کا عملی نمونہ بھی پیش کیا گیا۔ پھر ۲۲ مارچ کے جلسۂ شوریٰ کی تجاویز اور میاں صاحب کا ان کو رد کر دینے کا ذکر کر کے مولانا محمد علی صاحب نے لکھا:۔

"اس خیال سے تا قوم کی طاقت کو اپنے اصل مقصد کی طرف لگایا جائے اور اس خیال سے کہ اہل قبلہ کے کفر کا مسئلہ اشاعت اسلام اور سلسلہ کی ترقی میں خطرہ ہے اور جو کام اشاعتِ اسلام کا اس وقت یورپ میں شروع کیا گیا ہے اس میں حرج واقعہ نہ ہو[1]۔ یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ علاوہ اس کام کے جو صدر انجمن احمدیہ کے تحت مل کر افراد سلسلہ کر رہے ہیں۔ ایک انجمن لاہور میں اشاعتِ اسلام کی غرض سے بنائی جائے جس کا مقصد سلسلہ کی اصل غرض کو، جو اشاعتِ اسلام ہے، قوت دینا ہو۔ اور اس کام کو ایک مستحکم بنیاد پر رکھ کر نئے جوش کے ساتھ اس میں وہ سب احباب شریک ہوں۔ جو عام اہلِ اسلام اہلِ قبلہ کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتے ..... چنانچہ اسی بنیاد پر توکلاً علی اللہ ایک انجمن کی بنیاد رکھ دی گئی ہے ... جس صورت میں اصل غرض ہمارے سلسلہ کی جو بار بار حضرت مسیح موعود فرما چکے ہیں اشاعتِ اسلام ہی ہے۔ اس لئے ہم جس قدر بھی زور اشاعتِ اسلام پر لگا سکیں اور جس قدر بھی اپنے مالوں اور جانوں کو اس کام کے لئے وقف کر سکیں تھوڑا ہے۔ میرے دوستو! اسلام سخت مصائب کے نیچے ہے۔ اس کی اشاعت کرنا یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے کہ ابھی تک جو تم نے اس بارے میں کیا وہ درحقیقت ایک پہلا قدم ہے۔ اگر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد میں سچے ہو تو آؤ اور پورا زور اس رسی کے کھینچنے میں لگاؤ ..... یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو۔ ہمت بکار ہے تعداد بکار نہیں کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله اللہ کا اذن تبھی ہوگا جب تم اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھو ..... ظاہری کوشش بھی کرو اور باطنی بھی یعنی دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔"

مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد پہلا اجلاس قادیان میں ہوا۔ جس میں مولانا محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب بھی شامل ہوئے۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ امور جو ایجنڈا پر بھی نہ تھے اس مجلس میں تحکمانہ طور پر پاس ہونے لگے۔ اور جن ممبران نے اصرار کیا کہ ہماری رائے

---

[1] ووکنگ مشن اور خواجہ کمال الدین صاحب کے ولایت میں کام کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے خلاف ہے۔ وہ لکھ لی جائے تو لکھنے سے انکار کر دیا گیا۔ منجملہ اور امور کے صدر مجلس میاں محمود احمد صاحب کی کاسٹنگ ووٹ سے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ خواجہ کمال الدین صاحب کی مدد کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو ولائیت نہ بھیجا جائے۔ حالانکہ مولوی نورالدین صاحب کے وقت میں یہ پکّا فیصلہ ہو چکا تھا اس کے بعد مندرجہ ذیل چار ممبر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ مولانا محمد علی صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب۔

اس کے دو دن ہی بعد یعنی ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو میاں صاحب نے چند خاص آدمیوں کے ایک اجلاس میں صدر انجمن احمدیہ پر وہ تبر چلایا جس سے اُس کی جڑیں کٹ جاتی تھیں یعنی انجمن کے قاعدہ ۱۸ میں جو کہ حسب ذیل تھا:۔

”ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین ... اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق ہو گا۔“

—— یہ تجویز کی گئی کہ الفاظ ”حضرت مسیح موعود“ کی جگہ ”حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۂ ثانی“ درج کئے جائیں۔ اس بات کی اطلاع مولوی محمّد علی صاحب کو پہنچی تو آپ نے ۱۷ اپریل کے پیغامِ صلح میں ایک کھلا اعلان شائع کیا جس کا عنوان تھا:۔

”صدر انجمن احمدیہ قادیان
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن“

اور بتایا کہ کس طرح اس تبدیلی سے اس انجمن کا جو حضرت صاحب نے بنائی تھی وجود ختم ہو جائے گا۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب نے اپنی تجویز کو ۲۶ اپریل کے اجلاس معتمدین میں اپنے بیعت کردہ ممبران کی کثرت رائے سے پاس کروا لیا۔ جس پر ۵ مئی ۱۹۱۴ء کے پیغامِ صلح میں مولانا محمّد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا صاحب۔ ڈاکٹر شاہ صاحب وغیرہم کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں تمام معاملے کی پھر وضاحت کی گئی اور اس اعلان کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا:۔

”اب عملاً وہ انجمن ٹوٹ گئی ہے جس کے قواعد کی یہ بے حرمتی کی گئی ہے۔ اور ایک غیر مامور کو مامور کا رتبہ دے دیا گیا ہے۔ اور پھر زکوٰۃ اور اشاعتِ اسلام کے فنڈ جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی کلیتہً انجمن کے تصرّف میں تھے اب میاں محمود احمد صاحب[1] کے تصرّف میں چلے

---

[1] میاں محمود احمد صاحب نے یہ حکم بھی دیدیا تھا کہ اشاعتِ اسلام کا اور سب دیگر روپیہ اُن کے نام پر بھیجا جائے۔ اور ان ہی کے منشاء کے مطابق خرچ ہو۔

گئے ہیں، چونکہ ہم قانونی چارہ جوئی کرکے قوم کی طاقت اور روپیہ کو برباد کرنا نہیں چاہتے اس لئے ہم اپنی بیزاری کا اعلان شائع کرتے ہیں اور اس اعلان کے ذریعے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک بری الذمہ ہیں۔ کیونکہ کسی قانونی صورت کو اختیار کرنے میں بجائے فائدے کے نقصان زیادہ نظر آتا ہے۔"

ان حالات کے اندر مورخہ ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا باقاعدہ قیام ہوا اور ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو ہی اس کی معتمدین کا پہلا اجلاس ہوا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے قواعد انجمن پیش کئے جو پاس ہوئے۔ مولانا محمد علی صاحب کو امیر قوم اور پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا اور عہدیداران وہی رہے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ سوائے اس کے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب کی جگہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب فنانشل سیکرٹری ہوئے۔ کل ۵۹ ممبران معتمدین کے منتخب ہوئے۔ جن میں سے چودہ دوامی تھے۔ ان پہلے ۵۹ ممبران کے نام یہ ہیں :-

۱۔ مولانا محمد علی صاحب، ۲۔ خواجہ کمال الدین صاحب، ۳۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ۴۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ۵۔ شیخ رحمت اللہ صاحب، ۶۔ شیخ نیاز احمد صاحب (وزیرآباد)، ۷۔ شیخ محمد جان صاحب (وزیرآباد) ۸۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ۹۔ مولوی غلام حسن خان صاحب (پشاور) ۱۰۔ مولانا عزیز بخش صاحب، ۱۱۔ بابو منظور الٰہی صاحب، ۱۲۔ مولوی صدر الدین صاحب، ۱۳۔ ملک غلام محمد صاحب، ۱۴۔ شیخ فیض الرحمٰن صاحب (امرتسر) ۱۵۔ چوہدری محمد سرفراز خانصاحب (بدوملہی) ۱۶۔ مولوی عالم دین صاحب (شیخوپورہ) ۱۷۔ ماسٹر غلام محمد صاحب (سیالکوٹ) ۱۸۔ بابو علی بخش صاحب (گوجرانوالہ) ۱۹۔ سید امیر علی شاہ صاحب (سیالکوٹ)۔ ۲۰۔ صوفی احمد دین صاحب (لاہور) ۲۱۔ خان عجب خان صاحب (صوبہ سرحد)، ۲۲۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب (سیالکوٹ)، ۲۳۔ حافظ غلام رسول صاحب (وزیرآباد) ۲۴۔ خواجہ جمال الدین صاحب (جموں) ۲۵۔ مرزا حاکم بیگ صاحب (سیالکوٹ) ۲۶۔ خلیفہ رجب الدین صاحب (لاہور) ۲۷۔ ڈاکٹر محمد عمر صاحب (لکھنؤ) ۲۸۔ بابو محمد عیسٰے صاحب (جہلم) ۲۹۔ شیخ نور احمد صاحب (ایبٹ آباد)۔ ۳۰۔ شیخ شاہنواز صاحب (راولپنڈی) ۳۱۔ بابو عطاالٰہی صاحب (وزیرآباد) ۳۲۔ شیخ مولا بخش صاحب (سیالکوٹ)، ۳۳۔ شیخ عبدالرزاق صاحب (گوجرانوالہ) ۳۴۔ بابو محمد صاحب (لدھیانہ) ۳۵۔ مولوی نذر علی صاحب (پشاور) ۳۶۔ ملک شیر علی خانصاحب (کشمیر) ۳۷۔ میر حیات علی شاہ صاحب (ہزارہ) ۳۸۔ ڈاکٹر محمد شریف صاحب (مظفر گڑھ) ۳۹۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اسسٹنٹ سرجن پشاور ۴۰۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب، ۴۱۔ بابو محمد الٰہی صاحب (ہری پور) ۴۲۔ بابو علی گوہر صاحب (سیالکوٹ) ۴۳۔ ڈاکٹر حسن علی صاحب (گجرانوالہ) ۴۴۔ مولوی رکن دین صاحب (گجرانوالہ) ۴۵۔ بابو محمد حسین صاحب (لاہور چھاؤنی) ۴۶۔ قاضی محمد یوسف صاحب (پشاور) ۴۷۔ مولوی مصطفٰے خان صاحب (پٹیالہ) ۴۸۔ مسٹر ایم۔ اے مولوی (تنکارپور) ۴۹۔ ڈاکٹر

نبی بخش صاحب (لاہور) ۵۰۔ شیخ مظفر الدین صاحب (ایبٹ آباد) ۵۱۔ مولوی مبارک علی صاحب (سیالکوٹ) ۵۲۔ محمد ولایت اللہ خان صاحب (اجمیر) ۵۳۔ ڈاکٹر خالق داد صاحب (ہنگو) ۵۴۔ چوہدری محمد بخش صاحب (سیالکوٹ) ۵۵۔ بابو غلام رسول صاحب (پشاور) ۵۶۔ بابو امام دین صاحب (جہلم) ۵۷۔ شیخ نظام دین صاحب (میانوالی) (۵۸) شیخ میاں محمد اسمٰعیل صاحب (لائلپور) ۵۹۔ شیخ مولا بخش صاحب (لائلپور)۔

ان تمام حالات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ اختلاف کے ڈیڑھ ماہ بعد تک مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے رفقاء کی یہی کوشش رہی کہ کسی طریق پر جماعت کی سالمیت برقرار رہے۔ حتیٰ کہ میاں محمود احمد صاحب کو امیر جماعت ماننے کی پیشکش بھی کی گئی۔ مگر اس شرط پر کہ وہ حضرت مسیح موعود کے ارشادات کے خلاف مختار کل خلیفہ نہ بن جائیں کیونکہ ایک تو یہ الوصیت کے خلاف تھا اور دوسرے میاں صاحب نے ایک خطرناک عقیدہ تمام مسلمانوں کے کفر کا گھڑ لیا تھا۔ مگر جب میاں صاحب نے انجمن کے قواعد کو بدل کر مختار کل خلیفہ کی حیثیت حاصل کی تو مجبوراً صدر انجمن احمدیہ سے علیحدہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو قائم کیا گیا۔ باقی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جب حضرت صاحب نے انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دے دیا اور اسی انجمن نے میاں محمود احمد صاحب کو ایک مختار کل خلیفہ بنا لیا تو کیا اس سے اُن کا ماننا ضروری ہوگیا۔ اس بات کا جواب ۵ رمئی ۱۴ء والے اعلان میں وضاحت سے دیا جا چکا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت صاحب نے یہ حدود دے رکھ کر اس انجمن کو قائم کیا تھا کہ آپ کے بعد کوئی شخص واحد آپ کا جانشین نہ ہوگا اس لئے انجمن خود اپنے قواعد کے ہی مطابق حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کے خلاف نہ کر سکتی تھی۔ اور آپ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کی مجاز نہ تھی۔

مولانا محمد علی صاحب اور آپکے رفقاء کا صدر انجمن احمدیہ قادیان سے اخراج

۱۲ رمئی ۱۶ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان میں ایک ریزولیوشن مولانا محمد علی صاحب اور پانچ دیگر ممبران کے اخراج کے لئے پیش کیا گیا۔ پھر ۲۲ رجون ۱۶ء کو بذریعہ ریزولیوشن نمبر ۲۱۳ مندرجہ ذیل ممبران کو نوٹس دیا گیا کہ کیوں نہ ان کو صدر انجمن احمدیہ سے خارج کر دیا جائے (۱) مولانا محمد علی صاحب، (۲) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، (۳) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، (۴) شیخ رحمت اللہ صاحب، (۵) خواجہ کمال الدین صاحب، (۶) مولانا غلام حسن خاں صاحب۔ اس سلسلے میں ان چھ ممبران کی طرف سے جو جواب دیا گیا۔ اس کے کچھ حصے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) صدر انجمن احمدیہ قادیان بنا کر وہ ۱۹۰۶ء کی بنیاد حضرت مسیح موعود کی وصیت ہے۔ جس کے قواعد خود حضرت کی زندگی میں بنے اور ان کی اجازت اور منظوری سے شائع ہوئے اور ان پر انجمن کا عملدرآمد ہوا۔ اس وصیت پر حضرت اقدس نے ایک کو ڈی سِل یعنی تکملہ ۱۹۰۷ء میں لکھا جو میر ناصر نواب کی خلاف ورزی انجمن

مذکور پر حضرت نے تنبیہاً لکھا جس میں آپ نے قطعی فیصلہ کیا کہ انجمن کے فیصلہ جات جو کثرت رائے سے ہوں وہ قطعی ہوں گے۔ اور آپ کے بعد انجمن کے فیصلہ جات کی بحالی یا منسوخی کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲) آپ لوگوں نے اس بنیادی اصول کو چھوڑ دیا اور حضرت مسیح موعود کے وضع کردہ قاعدہ ۱۸ میں سے حضرت صاحب کا نام کاٹ کر میاں محمود احمد صاحب کا نام درج کر دیا اور حضرت اقدس کے منشاء کے خلاف انجمن پر میاں محمود احمد صاحب کو حاکم قرار دیا۔ اس طرح آپ کی اس کارروائی کے بعد یہ وہ انجمن نہیں رہی جس کی بنیاد حضرت اقدس کی وصیت اور آپ کی کوڈی سل یا تکملہ ہے۔ ہم بحیثیت احمدی ہونے کے اور حضرت اقدس کے الفاظ کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھ کر اس انجمن کی کارروائیوں میں شریک ہونا ہتکِ احمدیت سمجھتے ہیں۔

(۳) رہا یہ مغالطہ کہ میاں صاحب کو یہ اختیار انجمن احمدیہ کے ایک جلسہ نے کثرت رائے سے دیا ہے اس طرح حضرت اقدس کی شرائط کی تکمیل ہوگئی۔ اوّلاً اس ساری کارروائی میں قانونی سقم ہیں جن کی موجودگی میں یہ کارروائی قانوناً کالعدم ہے۔ علاوہ ازیں، کوئی وصی اغراض و اصول وصیت کو توڑ نہیں سکتا۔ اس وصیت میں جہاں وصیوں کی کثرت رائے سے اغراض وصیت نفاذ پاتے ہیں۔ وہ وصی اپنی کثرت رائے سے غرض و غایت وصیت کو کالعدم نہیں کر سکتے۔ کثرت رائے یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ آئندہ اشاعتِ اسلام کے کل معاملے کثرت رائے سے نہیں بلکہ ایک شخصِ واحد کی رائے سے سرانجام پائیں گے۔ جس صورت میں بانیٔ انجمن حضرت مسیح موعود یہ اپنی فیصلہ کن تحریر اپنے قلم سے لکھ کر انجمن کے سپرد کر چکے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص واحد اس امر کا مجاز نہیں کہ وہ اس انجمن کے کثرت رائے کے فیصلوں کو توڑ سکے۔ تو آپ کا اپنے میں سے ایک شخص کو یہ اختیار دے دینا غرض و غایتِ وصیت کو ہی کالعدم کرنا ہے۔"

اس جواب کے اختتامی حصّہ کا عکس حسبِ ذیل ہے۔ اس پر دستخط کرنے والے ہیں۔ "غلام حسن سب رجسٹرار پشاور۔ خواجہ کمال الدین۔ سیّد محمد حسین۔ رحمت اللہ۔ مرزا یعقوب بیگ۔ محمد علی۔"

اس لیے ہم نے ایک مدت تک صبر کیا کہ آپ کوئی اصلاح کی صورت پیدا کریں اور جب یہ نظر آنے لگا کہ صدر انجمن کی آمد کی مدات اور اس کے ضروری کام دوسری انجمن کو آہستہ آہستہ منتقل ہو رہے ہیں اور یوماً فیوماً ابتر صورت ہے تو ہم نے پسند نہ کیا کہ ہماری وصیتوں کا نفاذ آپ کے ہاتھ جاوے۔ اسلئے وصیتوں کو منسوخ کیا اور حضرت اقدس نے جس غرض خاص کرنے کے لیے صدر انجمن بنائی تھی

اس غرض کے لیے ایک انجمن بنائی جس کا نام انجمن احمدیہ اشاعت اسلام ہو گا اور چھتیوں سو روپے ... صرف میں کیا -

عطاء الرحمن ... خواجہ کمال الدین - سید محمد حسین ... رحمت اللہ بقلم خود

بقلم خود ۳ اگست ۱۹۱۴

مرزا یعقوب بیگ بقلم خود ۳ اگست ۱۹۱۴

محمد یحییٰ بقلم خود ۳ اگست ۱۶

اس اختتامی حصّہ میں جو یہ الفاظ ہیں کہ صدر انجمن کی آمد دوسری انجمن کو منتقل ہو رہی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے چندوں کے روپے کو ایک انجمن بنام "ترقی اسلام" بنا کر اس کے نام پر منگوانا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ غالباً قانونی مشورہ کے ماتحت تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کے اموال پر ان اصحاب لاہور کی طرف سے قانونی چارہ جوئی نہ ہو جائے۔

لیکن انجمن قادیان کو اس جواب اور اس کے دلائل سے کوئی غرض نہ تھی۔ جو کچھ انہوں نے کرنا تھا وہی ہُوا اور کچھ عرصہ بعد ان ۶ ممبران کا اخراج انجمن قادیان سے ہُوا۔ یہ واضح رہے کہ ایک تو قادیان کی انجمن اس وقت صدر انجمن احمدیہ نہ رہی تھی۔ کیونکہ جس دن اس انجمن نے حضرت مسیح موعود کی مقرّر کردہ حدود کو توڑ کر ایک بنیادی قاعدے کو بدل دیا۔ اُس دن سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کا وجود ختم ہو گیا۔ دوسرے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سب سے پہلے چودہ ممبروں میں سے جو حضرت مسیح موعود نے بنائے تھے۔ سات ممبر اختلاف کے بعد جماعت لاہور کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم کے بعد قادیان میں جو ممبر رہ گئے وہ چھ تھے اور ان میں سے بھی تین میاں محمود احمد صاحب کے رشتہ دار تھے۔ یعنی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب (ماموں)۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (خسر) اور نواب محمد علی خاں صاحب (بہنوئی)۔ صرف دو ممبر میر حامد شاہ صاحب اور سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس ان کے علاوہ تھے جو کہ غیر رشتہ دار تھے۔ گیا عملی طور پر بھی حضرت مسیح موعود کی بنائی ہوئی صدر انجمن احمدیہ قادیان کی صحیح جانشین احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ہی، جس کے قائد اور امیر مولانا محمد علی صاحب تھے۔

اسی موقعہ کی ایک تحریر ہے۔ جو مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اور جس پر گیارہ بزرگان کے دستخط ہیں۔ اس کا عکس حسب ذیل ہے :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

ہم دستخط کنندگان ذیل ابتدائی ممبران انجمن حسب ذیل اقرار کرتے ہیں کہ ہم دل سے اس بیعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پابند ہیں اور رہیں گے۔

۲- ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو کلی حکومت قرآن کے تابع کر کے اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول صلعم کے احکام کے پابند رہیں گے

۳- ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے اور اس پر عمل کرنے اور کرانے میں ساعی رہیں گے

۴- ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنے اموال کو اللہ تعالیٰ کا مال سمجھیں گے اور اشاعت اسلام کی ضروریات کے لئے اپنی آمدنیوں کا کم از کم دسواں حصہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو دیتے رہیں گے۔

۵- ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنے اوقات کو اشاعت اسلام کے لئے وقف سمجھیں گے اور ضرورت کے وقت اشاعت و تبلیغ کے کام میں ہر قسم کی امداد کرتے رہیں گے۔ وما توفیقنا الا باللہ۔ اللہم ایاک نعبد وایاک نستعین۔

خواجہ کمال الدین عفی عنہ

محمد حسین عفی عنہ

محمد علی بقلم خود ۲۳ شوال ۱۳۳۲ ہجری مطابق ۱۴ اگست ۱۹۱۴

نور الٰہی وکیل ایبٹ آباد

سید محمد حسین ... ۱۴/۸

رحمت اللہ عفی عنہ

بشارت احمد ... بقلم خود
انشاء اللہ بحولہ و قوتہ و بفضلہ

مرزا یعقوب بیگ بقلم خود
اللہم ایدنی بتایید ک

حیات علی شاہ بقلم خود
۱۰ اگست ۱۹۱۴

عبدالرحیم بقلم خود

عصمت اللہ
کالرہ - ضلع شاہ پور

قادیانی عقیدۂ نبوت کب بنایا گیا

اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً بیان کر دیا جائے کہ قادیانی عقیدہ دربارہ نبوت مرزا غلام احمد صاحب کب بنایا گیا۔ ان مسائل پر بہت مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اور اس مضمون پر سب سے جامع کتاب مولانا محمد علی صاحب کی النبوۃ فی الاسلام ہے۔ جس کا کوئی جواب جماعتِ قادیان کی طرف سے نہیں نکلا۔ لیکن چونکہ مولانا محمد علی صاحب کی زندگی میں جماعت قادیان کے ساتھ بحث و دعوت مقابلہ وغیرہ کا ذکر آئندہ آئیگا۔ اس لئے ان قارئین کی اطلاع کے لئے جو سب کتابوں کو نہیں پڑھ سکتے۔ مختصراً اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے ساتھ ہی نبوت کے دعوے سے انکار بھی کیا اور یہاں تک الفاظ اپنے قلم سے لکھ دیئے کہ "ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔" آپ کی تحریروں میں بعض لفظ ایسے آئے ہیں جن سے مخالف مولویوں نے مراد دعوائے نبوت لیا اور اس وجہ سے آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ جن کے جوابات حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے نہایت صفائی سے اور بار بار واضح کر کے دیئے۔ اور جو جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں یہ ہیں۔ "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعوےٰ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔" (ازالۂ اوہام صفحہ ۴۲۱) "ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔" (حمامتہ البشریٰ صفحہ ۸) "میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہ آپ کی غلطی ہے" (جنگ مقدس صفحہ ۶۷) "اور اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ... تو بغیر اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین" (انوار الاسلام صفحہ ۳۴)۔ "افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے" (کتاب البریہ صفحہ ۱۸۱)۔ دعویٰ نبوت کی غلطی بعض مخالفین کو کیوں لگی؟ اس کا جواب خود اکابرِ قادیان کی زبانی سن لیجئے۔ جس سے یہ بھی پتہ چل جائیگا کہ جب تک میاں محمود احمد صاحب نے تکفیر مسلمانان کا عقیدہ بعض مصلحتوں کی بناء پر ایجاد نہیں کیا تھا۔ تب تک جماعت احمدیہ کے کسی فرد کے دل میں حضرت مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کے متعلق کوئی وہم تک بھی نہ تھا اور حضرت صاحب کی تحریرات میں جو لفظ نبی کبھی استعمال ہوا ہے۔ وہ خود حضرت صاحب کی ہی بیان کردہ توجیہہ کے مطابق لغوی معنوں میں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنیوالے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور حضرت صاحب خود فرما چکے ہیں کہ اس سے مراد محدث ہے۔

اکابر قادیان کی گواہیاں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مفتی محمد صادق صاحب۔ ایڈیٹر اخبار "بدر" قادیان، جو کہ بعد میں میاں محمود احمد صاحب کے خاص مریدوں میں سے ہوئے، اپنے اس دورہ کا ذکر کرتے ہوئے جو کہ انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا کیا اور جس میں ان کے ساتھ مولوی سرور شاہ صاحب (میاں صاحب کے ایک اور خاص مرید بھی تھے)، اپنے

اخبار "بدر" مورخہ ۲۷؍ اکتوبر ۱۹۱۰ئہ میں صفحہ ۹ پر مولانا شبلی کے ساتھ ملاقات کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"مولوی شبلی صاحب کی زیارت کے واسطے ان کے مکان پر پہنچے ... دریافت فرمایا کہ کیا ہم لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ہمارا عقیدہ اس بارے میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے۔ آنحضرت خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور وہ بھی آنحضرت صلعم کے کے طفیل آپ سے فیض حاصل کرکے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوئے اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتائی جاتی تھیں جو پوری ہوتی رہیں۔ اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام نبی رکھا۔

اس پر شبلی صاحب نے فرمایا کہ لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ ہوسکتا ہے۔ اور عربی لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں لیکن عوام اس مفہوم کو نہ پانے کے سبب گھبراتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ مرزا صاحب کی نبوت کا مسئلہ ہمارے ہاں ایسا نہیں کہ شرائط بیعت میں داخل ہو۔ یا بیعت کے وقت اس کا اقرار لیا جاتا ہو یا اس کا ہم وعظ کرتے پھرتے ہوں ..

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح (یعنی مولانا نورالدین صاحب) کا ایک تازہ خط اخبار میں درج کردوں جو حضور نے سردار محمد عجب خاں صاحب کے جواب میں لکھا ہے۔ اور اسے موکد بحلف کیا ہے۔ سردار صاحب موصوف کی گفتگو ایک شخص کے ساتھ اس معاملے میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو جو جواب دیا وہ حضرت کی خدمت میں لکھ کر دریافت کیا کہ آیا میرا جواب درست ہے یا نہیں۔ حضرت صاحب نے ان کے جواب کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ اور اس کی زیادہ وضاحت سے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے جو درج ذیل ہے:۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ دل چیر کر دیکھنا یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قسم پر کوئی اعتبار کرے تو واللہ العظیم کے برابر کوئی قسم مجھے نظر نہیں آتی۔ نہ آپ میرے ساتھ میری موت کے بعد ہوں گے نہ کوئی اور میرے ساتھ سوائے میرے ایمان و

اعمال کے ہوگا۔ پس یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے والا ہے واللہ العظیم۔ واللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض۔ میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔ میں ان کو راستباز مانتا ہوں۔ حضرت محمد الرسول اللہ النبی العربی المکی المدنی خاتم النبیین کا غلام اور اس کی شریعت کا بدل خادم مانتا ہوں۔ اور مرزا خود اپنے آپ کو جاں نثار غلام نبی عربی محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف کا مانتے تھے۔ نبی کے معنی لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں۔ نہ شریعت لانے والا۔ مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک نقطہ بھی قرآن شریف کا اور شریعتِ محمدؐ رسول کا نہ مانے میں اُسے کافر اور لعنتی اعتقاد کرتا ہوں۔ یہی میرا اعتقاد ہے اور یہی میرے نزدیک مرزا غلام احمد کا تھا۔ کوئی ردّ کرے یا نہ مانے یا منافق کہے اس کا معاملہ حوالہ بخدا ———— نورالدین بقلم خود۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۰ء"

نوٹ:۔ یہ خط مولانا محمدّ علی صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہے اور اس کا عکس حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ مع التسلیم

اما بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
دل کو چیر کر دیکھنا ۔ یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے
قسم پر اگر کوئی اعتبار کرے تو واللہ العظیم کے برابر
کوئی قسم مجھے نظر نہیں آتی ۔ نہ آپ میرے ساتھ
میری موت کے بعد ہونگے نہ کوئی اور میرے
سوائے میرے اعمال کے ہوگا
پس یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے والا ہے
واللہ العظیم ۔ واللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض
میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین

کرتا ہوں۔ میں اسکو راستباز مانتا ہوں کہ
حضرت محمد رسول اللہ النبی العربی۔ المکی المدنی
خاتم النبیین کا غلام۔ اور اسکی شریعت
کا بدل خادم مانتا ہوں اور مرزا صاحب اپنے آپکو
جاں نثار غلام نبی عربی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب
بن ہاشم بن عبد مناف۔ کا مانتے تھے
نبی کے معنے لغوی بیشک از روئے اللہ تعالیٰ سے
اطلاع پاکر خبر دینے والا ہم لوگ لفظ
کرتے ہیں۔ نہ شریعت لانے والا۔
مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک لفظ بھی
قرآن شریف کا اور شریعت محمد رسول کا نہ مانے
میں اسکو کافر اور لعنتی اعتقاد کرتا ہوں۔
یہی میرا اعتقاد ہے اور یہی میرے نزدیک مرزا غلام احمد کا تھا

[illegible]

(٢) میاں محمود احمد صاحب کے استاد سید سرور شاہ صاحب لکھتے ہیں :-
"لفظ نبی کے معنی اوّل اپنے خدا سے اخبارِ غیب پانے والا۔ دوئم عالی رتبہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرفِ مکالمہ سے سرفراز کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجدّدینِ سابق مختلف مدارج کے انبیا گزرے ہیں"
("بدر" - ١٦ر فروری ١٩١١ء)

(٣) خود میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں :-
"اللہ تعالیٰ نے آپ کو (آنحضرت صلعم کو) خاتم النّبییّن کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر

ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔" ("الحکم" ۱۱ر مارچ ۱۹۱۱ء)

"آنحضرت صلعم کے دعوے کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوّت کا دعوٰی کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔" ("تشحیذ الاذہان"۔ اپریل ۱۹۱۰ء)

۴) میر محمّد سعید صاحب۔ امیر جماعت حیدر آباد دکن:۔

"حضرت مرزا صاحب نے صرف محدّث ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ نہ نبی حقیقی ہونے کا جو خاتم النّبیّین کے منافی اور لانبی بعدی کے خلاف ہے" (انوار اللہ۔ ص ۲۶۹ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

غرضکہ یہ بات تو صاف ہو گئی کہ نہ مرزا غلام احمد صاحب نے نبوّت کا دعوٰی کیا۔ نہ کبھی ان کی جماعت کے افراد میں سے کسی کے دل میں اُن کی وفات کے کئی سال بعد تک کبھی کوئی ایسا خیال آیا۔ لفظ نبی جو آپ کے الہامات میں یا تحریرات میں کبھی آیا تو اسے واضح طور پر سب کے سب مجازی۔ ظلّی اور لغوی معنوں پر محمول سمجھتے رہے۔

حضرت صاحب کی وفات کے بعد جو مولانا نورالدّین صاحب کو "خلیفۃ المسیح" کہا جاتا رہا اور ان کی بیعت کی گئی وہ بیعت خدا کے کسی حکم کے ماتحت نہ تھی۔ کیونکہ وہ آیت استخلاف کے ماتحت خلیفہ نہ تھے۔ آیت استخلاف حضرت محمّد صلعم پر نازل ہوئی۔ اور آپ کے بعد خلفاء کا ایک سلسلہ چلا۔ انہیں میں سے ایک حضرت مسیح موعود تھے۔ دوئم۔ یہ بیعت حضرت مسیح موعود کے کسی حکم کے ماتحت نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی "الوصیّت" میں احمدیوں کو آپ کے بعد کسی اور شخص کی بیعت کرنے کا حکم نہ تھا۔ پس مولانا نورالدّین صاحب کی بیعت ان لوگوں کا اپنا فعل تھا۔ اور اطاعت کی بیعت تھی۔ مولانا محمّد علی صاحب نے اس وقت بھی اعتراض کیا تھا کہ احمدیوں کو مولانا نورالدّین صاحب کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تجدید بیعت میں کوئی حرج بھی تو نہیں۔ اس وقت جماعت کے دلوں میں انتشار ہے۔ وہ دُور ہو جائیگا۔ مولانا نورالدّین صاحب کو خلیفہ کہنا لغوی معنوں میں تھا۔ یعنی پیچھے آنے والا۔ آیت استخلاف کے ماتحت وہ خلیفہ نہ تھے۔ اور اُن کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل سے یہ بخوبی ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی انجمن کے فیصلے کو اپنے حکم سے نہیں توڑا اور کبھی اس کے قواعد میں تبدیلی کروا کر اپنے آپ کو مطاع الکل خلیفہ نہیں بنوایا (جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب نے کیا)۔

لیکن جب میاں محمود احمد صاحب اپنی "خلافت" کی تیاریوں میں مصروف تھے تو چونکہ مولانا محمّد علی صاحب اور آپ کے رفقا کا نظریہ خلافت کے بارے میں سب کو معلوم تھا۔ اس لئے میاں صاحب جانتے تھے کہ ان کے بارے میں یہی سوال پیدا ہوگا کہ مسیح موعود تو خود آنحضرت صلعم کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کا خلیفہ

کیا تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے عقیدہ تکفیر مسلمانان ایجاد کیا۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی طرف یہ بات منسوب کی کہ آپ نے ۱۹۰۱ء میں اپنے دعوے میں تبدیلی کر لی تھی۔ اور تعریف نبوت بدل دی تھی۔ اس طرح گویا ۱۹۰۱ء سے پہلے کی آپ کی تحریرات کو منسوخ کر دیا۔ اور آپ کی طرف نبوت منسوب کر کے اپنی خلافت کو قائم کیا۔ یہ ایک ایسا خطرناک الزام تھا۔ کہ مولانا محمد علی صاحب اور دیگر بزرگان نے اس کو فوراً چیلنج کیا۔ اور اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آئندہ ذکر آئیگا کہ کس طرح مولانا محمد علی صاحب نے اس بات پر میاں صاحب کو بار بار مخاطب کیا۔ لیکن ان کو کبھی مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں صرف اس حلفیہ اعلان کا عکس دیا جاتا ہے۔ جو جماعت کے ۷۰ ستر بزرگان نے ۱۹۱۵ء میں بار بار شائع کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ ان سب نے ۱۹۰۱ء سے پہلے بیعت کی تھی۔ اور وہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ نہ تو حضرت صاحب نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ نبوت کیا نہ ۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر کے دعوائے نبوت کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہم دستخط کنندگان ذیل حلفی شہادت ادا کرتے ہیں۔ کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جب ۱۸۹۱ء میں یہ اعلان کیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اور جن حدیثوں میں ابن مریم کے امت محمدیہ میں آنیکا ذکر ہے۔ وہ میں ہوں۔ تو اس وقت آپ نے نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن بعض علماء نے لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اور انکو مدعی نبوت قرار دیکر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ جسکے بعد حضرت موصوف نے صاف طور پر کئی مرتبہ یہ اعلان کیا جیسا کہ انکی تحریروں سے ظاہر ہے۔ کہ انکی طرف دعویٰ نبوت منسوب کرنا محض افترا ہے۔ اور آپ نبوت کو آنحضرت صلعم پر ختم سمجھتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد مدعی نبوت کو کاذب اور کافر یقین کرتے ہیں۔ اور انکے بعض الہامات میں لفظ جو مرسل یا رسول یا نبی کا آیا ہے۔ یا حدیث میں مسیح کی نسبت جو لفظ نبی کا آیا ہے۔ تو اس سے مراد حقیقی نبی نہیں۔ بلکہ مجازی یا جزوی یا ظلی نبی ہے۔ جسے محدث کہا جاتا ہے۔ اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا نہ نیا ہے نہ پرانا۔

ہم یہ بھی حلفی شہادت ادا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے نومبر ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی۔ اور میاں محمود احمد صاحب سرگروہ احمدی فریق قادیانی نے جو یہ لکھا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ ابتداء میں نبوت کا نہ تھا۔ مگر نومبر ۱۹۰۱ء

میں آپ نے بنیادی طور پر تبدیلی کر لی - اور نبوت کے مدعی بن گئے - اور انکار نبوت سے دس گیارہ سال کی لگاتار تحریریں منسوخ ہیں - یہ محض غلط اور سراسر خلاف واقعات ہیں - ہم اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں - کہ کبھی ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعویٰ میں تبدیلی کی - یا آپکی سابقہ تحریریں - جو انکار دعویٰ نبوت سے بھری پڑی ہیں - منسوخ ہو گئیں - نہ ہم نے اپنے علم میں کبھی ایسے لفظ کسی ایک شخص سے بھی سنے تھے جب تک کہ میاں محمود احمد صاحب نے انکا اعلان نہیں کیا -

واللہ علی ما نقول شہید۔

محمد علی - سابق اڈیٹر ریویو آف ریلیجنز قادیان - پریزیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

غلام حسین سابق سٹیشن ماسٹر
سکنہ موضع لودی سوال
سنہ بیعت ۱۹۰۱ء

حافظ محمد رسول لودگر امیر
وزیر آباد سن بیعت
1891

خاکسار نے 1890 میں بیعت کی تھی
مندرجہ بالا مضمون بالکل درست ہے
خاکسار محمد حسن تاجر وزیر آباد

بیعت کی مسلم حسن صدیقی احمدی سیالکوٹی
حال ہیڈ محرر تھانہ اسلام پورہ
سال ۵۷ بر حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی
بقلم خود

حال امیر جماعت احمدیہ
وزیر آباد

مندرجہ بالا عکس اس کاغذ کا ہے۔ جس پر مولانا محمد علی صاحب کے اپنے دستخط ہیں بعینہٖ یہی حلفیہ تحریریں ستتّر آدمیوں کی دستخط شدہ مولانا محمد علی صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔

اس حلف کی اشاعت کے ساتھ ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب نے اور مولانا محمد علی صاحب نے بڑے زور سے میاں محمود احمد صاحب کو چیلنج پر چیلنج دیئے کہ وہ بھی حضرت صاحب کے ان اصحاب سے جنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی یہ شہادت دلوائیں کہ وہ ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کو مجدّد مانتے تھے مگر ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنے عقیدہ دربارہ نبوت میں تبدیلی کر لی۔ اور اس کے بعد وہ ان کو نبی ماننے لگے۔ پھر یہاں تک چیلنج دیا کہ ایسی صرف ایک شہادت پیش کر دیں۔ مگر میاں صاحب کو اس چیلنج کے قبول کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ اور ان کے اخبار "الفضل" مورخہ ۲۰ جولائی ۱۵ء میں جو اعلان نکلا وہ صرف اس قدر تھا:-

"ہمارے احباب خواجہ صاحب کو فرداً فرداً جواب نہ دیں۔ جو حلفیہ شہادتیں خواجہ صاحب نے طلب کی ہیں۔ ان کی نسبت جدا جدا طبع آزمائی کی ضرورت نہیں۔ سلسلۂ عالیہ کے مرکز اور مقامِ خلافت سے ہی سب کا یکجا جواب ہو جائیگا۔"

اس کے بعد چالیس پنتالیس سال گذر گئے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کے بار بار مطالبہ کے باوجود قادیان سے ایک حلفی شہادت بھی نہ نکل سکی۔

غرضکہ یہ تھا قادیانی عقیدۂ نبوّت اور تکفیر کا پس منظر جماعتِ قادیان کے ساتھ جو کچھ تعلقات رہے۔ ان کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئیگا۔ اس موقعہ پر یہ مزید ذکر کر دینا مناسب حال ہوگا کہ اختلاف کے فوراً بعد ہی میاں محمود احمد صاحب نے لاہور کے احباب پر انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اور یہ ہمیشہ ان کی طرز رہی۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب اور ان احباب کو "ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغیان" کا خطاب دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ یہ "جہنّم کی جلتی بھرتی آگ" ہیں اور "گوبھی شلغم کے گلے سڑے چھلکے ہیں"۔ اور یہ کہ "ان سے بدترین قوم آج تک صفحہ زمین پر پیدا ہی نہیں ہوئی۔"

ان خطابات کے عنایت کرنے کے ساتھ ساتھ ہی میاں صاحب کو "الہام" بھی ہوُا کہ "لیمزّقنّھم" کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور یہ پیشینگوئی بھی کر دی گئی۔ پھر جہاں کہیں احباب لاہور میں آپس میں کچھ اختلاف ہوتا تو اُسے پیشگوئی کا نتیجہ بتا دیا جاتا۔ لیکن زمانے نے خود بتا دیا کہ مولانا محمّد علی صاحب کی قیادت میں جماعت لاہور نے کتنی ترقی کی اور کیا کیا کام کئے۔ مولانا محمّد علی صاحب نے ایک موقع پر فرمایا کہ[1]

"جس وقت ہم علیحدہ ہوئے ہیں مجھے بھی الہام ہوُا تھا۔ وللآخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ۔

اور آج واقعات بتاتے ہیں کہ یہ الہام پورا ہوُا اور خدا تعالیٰ کس طرح اس قوم کو ترقی دیتا چلا گیا۔ اور اس سے اپنے دین کی نصرت کے لئے عظیم الشان کام لیتا چلا گیا جو قادیانی جماعت سے نہ ہو سکے۔ (خطبۂ جمعہ ۵ رجنوری ۴۵ء "پیغام صلح" ۱۷ رجنوری ۴۵ء)

---

[1] مولانا محمد علی صاحب نے کبھی اپنے الہامات کی تشہیر نہیں کی اور غالباً یہ صرف ایک ہی موقعہ ہے کہ براہِ راست آپ نے اپنے کسی الہام کا ذکر اخبار میں کیا ہو۔ اپنے قریبی اور عزیز رشتہ داروں میں بھی شاذ و نادر ہی ایسا ذکر کرتے تھے۔ آخری عمر میں اور خاص طور پر اپنی تکلیف دہ بیماری میں البتہ بعض رؤیا اور کشفی نظاروں کا ذکر آپنے اخبار میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک - انگریزی ترجمہ قرآن کی تکمیل اور اشاعت

لاہور میں ابتدائی قیام

مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد جب قادیان میں حالات بگڑ چکے تھے تو مولانا محمد علی صاحب نے اپنی اہلیہ اور بچوں کو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے پاس بھیج دیا تھا جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو آپ تن تنہا ہجرت فرما کر لاہور آ گئے۔ اور مسجد احمدیہ بلڈنگس سے ملحقہ ایک زیرِ تعمیر مکان میں جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا تھا، آپ کی رہائش تجویز ہوئی۔ اس کی نچلی منزل میں دو کمرے بن گئے تھے۔ مگر ابھی فرش، پلستر وغیرہ نہ ہوا تھا۔ ان میں سے ایک کمرے میں دروازہ لگوا کر آپ نے اپنا دفتر بنا لیا۔ دوسرا کمرہ مہمانوں کے لئے تھا۔ دوسری منزل پر دو کمرے آپ کے گھر والوں کے لئے تھے۔ ان میں دروازے بھی نہ لگے تھے۔ ٹاٹ کا پردہ لگا کر گذارہ ہوتا تھا اور صحن میں چولھا بنا کر کھانا پکتا تھا۔ اسی گھر میں آپ نے اپنے اہل و عیال کو بلا لیا اور تنگی سے گذارہ کرنے لگے۔

دو ابتدائی کام

کہنے کو تو لاہور میں انجمن بن گئی۔ لیکن اس وقت نہایت بے سرو سامانی کی حالت تھی۔ نہ دفتر تھے۔ نہ روپیہ۔ نہ مبلغ۔ اس حالت میں تشکیلِ جماعت کے علاوہ اشاعتِ اسلام کے دو اہم کام ان لوگوں کے سامنے تھے۔ ایک ووکنگ مشن اور دوسرا انگریزی ترجمہ قرآن۔ انگریزی ترجمہ کے ۲۶ پاروں تک ترجمہ اور تفسیری نوٹ مولانا نورالدین صاحب کو سنائے جا چکے تھے۔ بقایا چار پاروں پر کام باقی تھا۔ پھر مسودہ پر نظرِ ثانی کرنی۔ اس کا ٹائپ کروانا۔ دیباچہ کا لکھنا اور دیگر وہ سب کام باقی تھے۔ جن کا ذکر مولانا محمد علی صاحب نے جون ۱۹۰۹ء میں معتمدین صدر انجمن قادیان کے سامنے کیا تھا۔ چنانچہ آپ شب و روز اسی کام کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ ادھر ولایت میں خواجہ کمال الدین صاحب تندہی سے اپنے کام میں مصروف تھے اور ووکنگ مشن کا کام روز بروز ترقی پر تھا۔ خواجہ صاحب کے خط پر خط آ رہے تھے کہ انگریزی ترجمہ قرآن جلد مکمل ہونا چاہیئے۔ انگریز نو مسلمین اور عام عیسائیوں میں اس کی مانگ بہت تھی۔ اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے والا ایک بھی ترجمہ موجود نہ تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب کے سامنے تنظیمی امور کے علاوہ سب سے بڑا کام یہی تھا۔ اور چار سال تک آپ موسم گرما کے تین یا چار ماہ ایبٹ آباد میں گذارا کرتے تھے تا کہ تنہائی میں اس کام کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دے سکیں۔

ووکنگ میں خواجہ صاحب کی امداد کے لئے اختلاف سے پہلے صدر انجمن احمدیہ قادیان نے مولوی شیر علی صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کو بھیجنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن میاں محمود احمد صاحب

نے خلیفہ بنتے ہی سب سے پہلے کاموں میں سے ایک یہ کیا کہ اس فیصلہ کو منسوخ کردیا چنانچہ لاہور میں جب انجمن بنی تو مولوی صدرالدین صاحب کو ووکنگ بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور وہ اگست ۱۴ء میں روانہ ہوئے۔ ان کے پہنچنے کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نومبر ۱۴ء میں عارضی طور پر ہندوستان واپس آگئے اور قریباً پونے دوسال یعنی اگست ۱۶ء تک یہیں رہے۔

تشکیل جماعت کے لئے شیخ رحمت اللہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب خاص طور پر پنجاب کے اضلاع کا دورہ کیا کرتے تھے۔ اور مولانا محمد علی صاحب بھی خود کئی ایک مقامات پر تشریف لے جاتے رہے۔ اور ان سب اصحاب کی کوششوں سے جگہ جگہ انجمن کی شاخیں قائم ہوئیں۔ چندہ ماہوار باقاعدگی سے آنے لگا اور انجمن کا بجٹ ترقی کرنے لگا۔

درس قرآن لاہور میں تشریف لانے کے فوراً بعد ہی یعنی اپریل ۱۴ء میں مولانا محمد علی صاحب نے احمدیہ بلڈنگس میں روزانہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اپنی قادیان کی زندگی میں آپ نے سالہا سال مولانا نورالدین صاحب کے درس سننے اور ان سے قرآن کا علم حاصل کیا۔ پھر اپنا ترجمہ اور نوٹ ان کو سنائے۔ اب وقت آگیا تھا کہ ان علوم سے آپ دنیا کو فیض یاب کریں۔ چنانچہ باقاعدگی سے روزانہ درس قرآن دینا آپ نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ اور اس درس میں وہ کشش ہوتی تھی کہ احمدی ہوں یا غیر احمدی۔ لاہور کے تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک کثیر حصّہ کھنچا چلا آتا تھا۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار "زمیندار" جو ان مجالس میں شریک ہوتے تھے، ایک موقعہ پر اس طرح لکھتے ہیں:۔

> "جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں۔ جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلمبند کرکے شائع فرمائے ہیں۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے۔"
>
> (زمیندار۔ ۱۵ اپریل ۱۵ء)

بعد میں حالات بدل گئے اور مولانا ظفر علی صاحب اپنی مصلحتوں کی وجہ سے احمدیت کے مخالف بن گئے۔ لیکن ان کا اس وقت کا خراج ادا کیا ہوا اب تک گواہی دیتا ہے کہ اس درس قرآن کی کیا شان تھی۔

غیر احمدی مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جنہوں نے میاں محمود احمد صاحب کی بیعت کر لی تھی یا جو ابھی

دونوں طرفوں میں فیصلہ نہیں کر چکے تھے، کثرت سے آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ یہ بات میاں محمود احمد صاحب کے لئے سخت قابلِ فکر تھی۔ کیونکہ ان کو خوف تھا کہ آپ کا درس اور آپ کے دلائل اختلاف کے بارے میں اس قدر مؤثر تھے کہ ان کی خلافت کو اس سے زک پہنچے گی ــــــ چنانچہ قادیان سے اُن کے بار بار اعلان نکلتے تھے جن میں مولانا محمدؐ علی صاحب کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے ان کی بیعت نہ کی تھی۔ فاسق قرار دیا جاتا تھا۔ اور یہ کہ مولانا محمد علی قرآن کا ترجمہ کرنے اور قرآن کا درس دینے کے اہل ہی نہیں۔ انہیں اعلانات کے بارے میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کو خطاب کرتے ہوئے دسمبر ۱۹۱۴ء میں "پیغام صلح" میں ایک مضمون لکھا جس میں فرماتے ہیں:۔

"..... آخر تمہاری سب قوم نے، تمہاری مجلس معتمدین نے، اس بے نظیر مفسّر قرآن حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم نے کیا مجھے نہ صرف انگریزی بلکہ اُردو ترجمہ کا بھی اہل سمجھ کر یہ کام میرے سپرد نہ کیا تھا، حتیٰ کہ جب اثنائے انگریزی ترجمہ میں میر ناصر نواب صاحب نے ایک اردو ترجمہ کی بنیاد ڈالنی چاہی تو حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم نے صاف کہہ دیا کہ اردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا جو میں (یعنی یہ عاجز) کریگا۔ تو آج میرا درس قرآن سننے سے ان احمدیوں کو جنہوں نے میاں صاحب کی بیعت کی ہے۔ کیوں روکا جاتا ہے۔ میں اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے ترجمہ کے چھپنے کا فکر ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی مولوی شیر علی صاحب سارے اسلامی اخباروں میں واویلا کر چکے ہیں "پیسہ اخبار" میں بھی آپ لوگوں کی تحریریں نکل چکی ہیں۔ اور بھی جو زور ہے لگا لینا چاہیئے۔ تاکہ یہ حسرت دل میں نہ رہے کہ ہم نے پورا زور نہیں لگایا۔ آدمی بھی بقول تمہارے ہم دو چار۔ اور کوئی ہمارے ساتھ ہے نہیں۔ مال و زر اور جائداد بھی سب آپ کے پاس چھوڑی۔ اب کچھ صبر کرو اور انتظار کرو۔ اگر تم سچے ہو تو ہم خود ہی ناکام ہو جائیں گے اور ہمارے کاروبار جو شروع کئے گئے ہیں رک جائیں گے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی نصرت کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے تو ہماری قلت اور بے سروسامانی کا علاج وہ خود ہی فرمائیگا....." ("پیغام صلح" ۲۹ر دسمبر ۱۹۱۴ء)

علاوہ قرآن کریم کے درس کے مولانا محمدؐ علی صاحب نے لاہور میں صحیح بخاری کا درس بھی ہفتہ میں تین بار شروع کر رکھا تھا۔ اور اس کو بھی آئندہ سالوں میں وقتاً فوقتاً جاری رکھا۔ موسم گرما میں جب آپ ایبٹ آباد چلے جاتے تھے تو وہاں روزانہ درس قرآن کریم ہوا کرتا تھا۔ اس میں ایبٹ آباد کے احمدی و غیر احمدی حضرات شریک ہوتے تھے۔ پھر ہر ماہ رمضان میں ایبٹ آباد میں آپ روزانہ ایک ایک پارہ کا درس دیا کرتے تھے۔ اور جماعت کے بہت سے احباب جو چھٹی لے کر ایبٹ آباد جا سکتے تھے۔ ماہ

رمضان وہیں گذارتے تھے۔ غرض کہ درس قرآن آپ کی زندگی میں ایک امتیازی خصوصیت رکھتا تھا۔ سالہاسال آپ سے خود احمدیہ بلڈنگس لاہور میں اور پہاڑ پر جہاں کہیں بھی مقیم رہے۔ خود درس دیئے اور بعد میں لاہور میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور دیگر بزرگان نے اس سلسلہ کو چلایا اور درس قرآن جو اس زمانے میں جماعت احمدیہ کا ایک خصوصی نشان تھا۔ لاہور میں اسی طرح قائم رہا جس طرح حضرت مسیح موعود اور مولانا نورالدین صاحب کے زمانے میں قادیان میں تھا۔

انگریزی ترجمہ کی تکمیل واشاعت

آخر کار قریباً سات سال کی محنت کے بعد اپریل ۱۹۱۶ء میں آپ نے ترجمہ اور تفسیر کے کام کو ختم کیا۔ مورخہ ۲۸ اپریل کے خطبۂ جمعہ میں آپ نے یہ خوشخبری جماعت کو سنائی۔ سورۂ فاتحہ، سورۂ الفلق اور سورۂ النّاس پڑھ کر فرمایا:-

"انسان اللہ کی مدد سے ہی کسی کام کو شروع کر سکتا ہے اور اللہ کی مدد سے ہی اُسے نبھا سکتا ہے۔ آج میرے لئے ایک خوشی کا دن ہے۔ کئی سال سے میں ایک کام پر لگا ہُوا تھا۔ اور وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تھا۔ آج اس کو اللہ کے فضل سے میں نے ختم کر لیا ہے۔ مجھے یہ خوشی اس لئے نہیں کہ جیسے ایک طالب علم کو امتحان دے کر ہوتی ہے کہ کچھ فرصت کا موقع ملے گا۔ اور چند دن آرام ہو سکے گا۔ بلکہ خوشی اس لئے ہے کہ جتنا عرصہ میں اس کام میں لگا رہا ہوں۔ مجھے خیال آتا تھا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کام بیچ میں ادھورا ہی رہ جائے۔ یوں تو اللہ کے ہاں آدمیوں کی کوئی کمی نہیں۔ وہ تو اس کا اپنا کام تھا۔ کسی نہ کسی طرح سرانجام پا لیتا۔ اگر اس نے میرے جیسے تنکے کو اٹھا کر کھڑا کر دیا تو اور کسی سے وہ اپنا کام کیوں نہ لے سکتا۔ لیکن انسان کے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوتی ہے کہ جس کام کو وہ شروع کرے اُسے اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی میں تکمیل تک بھی پہنچا دے۔۔۔"

اس کے بعد سورۃ الفلق و سورۃ النّاس کی تفسیر بیان کی کہ کس طرح انسان خدا کی پناہ میں جا سکتا ہے۔ اور انسان کے ہر کام کا مقصد پناہ الٰہی تلاش کرنا ہے۔ اور کس طرح خدا نے اس کام میں سب مراحل کو طے کیا۔ تاریکیوں کو دُور کیا اور رکاوٹیں پیدا کرنے والوں کو ناکام رکھا۔

انگریزی ترجمۃ القرآن کو چھاپنے کا انتظام انگلستان میں ہی کیا گیا تھا۔ اس میں جو اعلیٰ درجہ کا باریک کاغذ استعمال کیا جانا تھا اس کو چھاپنے کے لئے ہندوستان میں مشینیں موجود نہ تھیں۔ اس لئے اس کی طباعت کے انتظامات ووکنگ میں مولانا صدرالدین صاحب کے سپرد کئے گئے۔ اور انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ اس کام کو ہاتھ میں لیا۔ بعد میں میاں غلام رسُول صاحب کے صاحبزادے میاں غلام عباس صاحب بھی اس

کام کے لئے ووکنگ تشریف لے گئے۔ مولانا صدرالدین صاحب کو ترجمہ کے کام کے لئے مولانا محمد علی صاحب نے جو ہدایات دیں وہ آپ کے مندرجہ ذیل خط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جون ۱۵ء کے آخر میں آپ نے ان کو لکھا جبکہ ترجمہ کا حصہ تیار تھا۔ مگر اور کام ابھی باقی تھا:۔

"مکرمی و مخدومی مولوی صدرالدین صاحب، امام مسجد ووکنگ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چونکہ آپ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ترجمہ قرآن کی اشاعت اسلام کے لئے جس میں آپ لگے ہوئے ہیں۔ سخت ضرورت ہے اور اس کے بغیر آپ کو بھی اور نومسلموں کو بھی سخت تکالیف پیش آرہی ہیں اور چونکہ میرا صرف ترجمے کا حصّہ بالکل تیار ہے نوٹوں میں کچھ تھوڑا کام باقی ہے اور بظاہر بوجہ مشکلات عربی ٹائپ ممکن ہے اس میں زیادہ التوا بھی ہو جائے۔ اس لئے میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ خالص ترجمہ کی پہلی ایڈیشن چھپوالیں اور اس کے اخراجات کا جس طرح چاہیں انتظام کرلیں۔ اور جس طرح چاہیں اس کی اشاعت کریں۔ البتّہ ترجمہ میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل یا کمی بیشی سوائے لفظی اصلاح کے جس کی ضرورت پروف پڑھنے میں پیش آئے، نہ کریں۔ مجھے پروف بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ والسّلام۔

خاکسار۔ محمّد علی ۲۹/۱/۱۵"

مگر یہ ترجمہ بلامتن اس وقت نہ چھپایا گیا۔ بعد میں بلامتن ترجمہ اور مختصر تفسیری نوٹوں کے ساتھ ایک چھوٹا ایڈیشن مولانا محمّد علی صاحب نے ۱۹۲۸ء میں پہلی بار شائع کروایا۔

۱۶ء کے تمام سال میں آپ انگریزی ترجمہ کے انڈکس اور دیباچہ تیار کرنے میں مصروف رہے اور ساتھ ساتھ ترجمہ کے پہلے پروف جو ولایت سے طبع ہو کر آتے تھے۔ آپ خود پڑھتے تھے۔ یہ پروف پہلے ولایت میں مولانا صدرالدین صاحب پڑھتے تھے۔ اور اس کے بعد آپ خود ان کو یہاں پڑھتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے ان پر اصلاحیں فرماتے تھے۔ اس کے بعد دوسرے پروف پڑھنے اور عربی متن کی اصلاح اور طباعت کا اور سب کام مولانا صدرالدین صاحب کرتے رہے۔ نومبر ۱۴ء میں خواجہ صاحب ولایت سے کچھ عرصہ کے لئے ہندوستان آگئے تھے۔ ۲۵ر اگست ۱۶ء کو وہ دوسری بار ولایت جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور آخر ستمبر میں اُن کے وہاں پہنچنے کے بعد مولانا صدرالدین صاحب جنوری ۱۷ء میں لاہور تشریف لے آئے۔

۱۷ء کے آخر میں انگریزی ترجمہ طبع ہو کر اس کی اشاعت ولایت میں شروع ہو گئی۔ ہندوستان میں اس کی پہلی قسط آخر نومبر ۱۷ء میں پہنچی اور اس طرح یہ عظیم الشان کام جو حضرت مسیح موعود کے منشاء کے مطابق آپ

نے مولانا نورالدّین صاحب کے وقت میں شروع کیا اور جس پر آپ نے علاوہ اور دینی خدمات اور مصروفیات کے سات سال شب و روز محنت کی تھی۔ تکمیل کو پہنچا۔ اور حضرت صاحب کا وہ رؤیا پورا ہؤا۔ جس کو آپ نے یوں بیان کیا ہے :-

"پھر اس کے بعد مجھ کو ایک کتاب دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے۔ اب علی تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

یہ ترجمہ شائع ہونے کے بعد بے حد مقبول ہؤا۔ تمام ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات میں اس پر تعریفی کلمات کے ساتھ ریویو شائع ہوئے۔ علاوہ انگریز اور عیسائی دنیا کے ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ ترجمہ کثرت سے پھیلا اور بڑے بڑے تعلیمیافتہ مسلمانوں کو جو اس وقت عیسائیت یا دہریت کی رَو میں بھٹک رہے تھے ہدایت پر لانے کا موجب ہؤا۔ حضرت مولانا نورالدّین صاحب کی بشارت کہ "ترجمہ مقبول ہؤا" جس خوبی سے پوری ہوئی اس کا اندازہ اس وقت کے اخبارات اور ان بے شمار خطوط کے مطالعے سے لگ سکتا ہے جو اس ترجمہ کے متعلق لکھے گئے اور چھپے۔ علاوہ اس بے نظیر علم کلام کے جو حضرت مسیح موعود نے پیدا کیا اور ان سے اور مولانا نورالدّین صاحب سے مولانا محمّد علی نے حاصل کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اسلام کا روشن چہرہ اپنی پوری چمک کے ساتھ اس ترجمہ میں نظر آتا ہے۔ اس کی اور بڑی بڑی خصوصیات یہ ہیں۔ انگریزی عام فہم۔ سلیس اور بامحاورہ ہے۔ لیکن ترجمہ میں زائد الفاظ کم سے کم ہیں۔ اور یہ زائد الفاظ بریکٹ میں دیئے گئے ہیں۔ تفسیری نوٹ اسلام پر، عیسائیت اور دیگر مذاہب کے اعتراضات کے مدّنظر لکھے گئے ہیں۔ نوٹوں میں لغات۔ تفاسیر۔ احادیث اور تاریخ سے حاصل کیا ہؤا ایک قیمتی خزانہ درج ہے اور باقاعدہ حوالجات دیئے گئے ہیں۔ تمام سورتوں، رکوعوں اور آیتوں کو نمبر دیئے گئے ہیں اور اندرونی حوالجات کثرت سے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ قرآن کریم کے ایک مشکل مقام کو دوسرے مقام سے حل کیا جائے۔ ہر سورت کے شروع میں تمہیدی نوٹ ہیں۔ رکوعوں کے مضامین دیئے گئے ہیں اور رکوعوں اور سورتوں کا آپس میں تعلق واضح کیا گیا ہے۔ پھر ایک جامع دیباچہ جو بجائے خود ایک کتاب ہے۔ شروع میں دیا ہے۔ جس میں اسلام کے اصول۔ خود قرآن کریم کا جمع کیا جانا اور دیگر مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور نماز اور دعائیں عربی، رومن، اور انگریزی میں دی گئی ہیں۔ غرضکہ ایسی کئی ایک خصوصیات کا یہ ترجمہ حامل ہے۔ اور اس کی مقبولیت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پہلے تین ایڈیشن اور بلا متن ترجمہ کے مختلف ایڈیشن کل ۴۲ ہزار کی تعداد میں شائع ہوئے۔ اور اس کی چوتھی ایڈیشن جس میں مولانا محمّد علی صاحب نے مکمل نظر ثانی کر کے بہت سے تغیر و تبدل کئے۔ وہ مزید ۲۰ ہزار کی تعداد میں چھپ کر قریب الاختتام ہے۔ اور دس ہزار کاپی پانچویں ایڈیشن

کی چھپوانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب مولانا محمد علی صاحب نے اس کو شروع کیا تو ان کے سامنے کوئی مثال اس قسم کے ترجمے کی موجود نہ تھی۔ عیسائیوں کے کئے ہوئے تراجم نہایت متعصبانہ رنگ میں تھے۔ اور ایک کٹھن اور انتہائی محنت طلب ریسرچ آپ کو کرنی پڑی۔ کنواں کھود کر پانی پینے والی بات تھی۔ چنانچہ اس ترجمہ اور تفسیر کے لئے مولانا نے تمام گذشتہ مفسرین کی کتابیں اور تفاسیر اور احادیث اور لغات کو سامنے رکھ کر ان کا ایک نچوڑ لے لیا ہے۔ اور ہزارہا کی تعداد میں ان گذشتہ تفاسیر اور لغات کے حوالے آپ نے اس ترجمہ اور تفسیری نوٹوں میں درج کئے ہیں۔ اس کے بعد جو اور مسلمانوں کی طرف سے تراجم ہوئے یعنی حافظ غلام سرور۔ علامہ عبداللہ یوسف علی۔ مسٹر پکتھال ان میں مولانا محمد علی صاحب کے ترجمے اور تفسیر سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔

انگریزی ترجمہ قرآن اور جماعت قادیان

مولانا محمد علی صاحب کے لاہور تشریف لے آنے کے بعد جماعت قادیان کی طرف سے منجملہ اور باتوں کے انگریزی ترجمہ قرآن کے متعلق بھی بہت کچھ غلط پروپاگنڈا کیا گیا۔ اور مولوی شیر علی صاحب کی طرف سے بعض اعلانات شائع ہوئے کہ یہ ترجمہ قادیانی جماعت کی ملکیت ہے۔ لہذا کوئی شخص احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو اس کی طباعت واشاعت میں مدد نہ دے۔ جب یہ ترجمہ تیار ہو چکا تھا تو ۱۵/۱ ۱۷ء کو مولانا محمد علی صاحب نے انجمن قادیان کو جو خط لکھا وہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"بخدمت سیکرٹری صاحب۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ابتدائے اپریل ۱۴ء میں جب میں رخصت پر آیا تو قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا کام نہایت نامکمل حالت میں تھا۔ اور اس وقت سے لے کر اب تک میں اسی کام کی تکمیل میں لگا رہا۔ اب بحمداللہ یہ کام محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تکمیل کی حالت کو پہنچ گیا ہے اور ایک ماہ کے اندر اندر پریس میں دینے کے قابل ہو جائیگا۔ سال گذشتہ میں جو وفد آپ کا آیا اس نے ترجمے کے متعلق گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ اس لئے مجھے اس کی تکمیل تک خاموش ہو جانا پڑا۔

یہ آپ کو علم ہے کہ اس ترجمہ کی ابتدا میری ہی تجویز سے ہوئی تھی۔ اور اس وقت انجمن میری حوصلہ افزائی کرتی یا نہ کرتی میں نے بہرحال اس کام کو کرنا تھا۔ مگر اس وقت کی انجمن نے میری تجویز کو نہ صرف مستحسن ہی سمجھا بلکہ اس نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ میرے اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے کے لئے میری حوصلہ افزائی کرے۔ اس لئے میں آپ سے استفسار کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آیا آپ میرے ترجمہ کے پہلے ایڈیشن کے چھپوانے کا بیڑا اٹھانا پسند کرتے ہیں؟ اگر آپ

تیار ہوں تو حسب ذیل قیود کی پابندی کے ساتھ آپ اس نیک کام کو کر سکیں گے۔"

اس کے بعد جو شرائط آپ نے لکھی ہیں ان میں سب سے پہلی شرط یہ ہے:۔

"میرے ترجمہ میں کسی قسم کی ترمیم یا ردّ و بدل مطلق نہ کیا جائے گا۔ جو کچھ میری قلم سے نکلا ہے وہ بجنسہٖ و بلفظہٖ چھاپا جائیگا۔ آخری پروف میں خود پاس کرونگا اور وہی چھاپے جائیں گے"

اور باقی کی شرائط اخراجات کے متعلق ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ چھپوائی کے اخراجات دونوں انجمنیں برداشت کریں اور حصّہ رسدی کے مطابق مطبوعہ ترجمہ کی کاپیاں لے لیں۔ اور یہ بھی تجویز کی کہ خرچ کا تخمینہ ۳۰ ہزار روپیہ کا ہے۔ دونوں انجمنیں اس کے لئے پندرہ پندرہ ہزار روپیہ بنک میں جمع کروا دیں۔ لیکن قادیان سے کورا جواب ملا۔ اکابرِ قادیان نے اس تجویز کو نہایت افسوس ناک طریقہ سے ردّ کر دیا۔ اور میاں محمود احمد صاحب نے اپنے خطبۂ جمعہ مطبوعہ اخبار "الفضل" میں نہایت نازیبا الفاظ آپ کے اور اس ترجمہ کے متعلق استعمال کئے۔ نہ صرف آپ پر خیانت کا الزام لگایا بلکہ کہا کہ مولانا محمدؐ علی صاحب اس کام کے اہل ہی نہ تھے۔ اور یہ کہ بجائے اس کے کہ ہم "ردّی کے کاغذ جلانے کے لئے لاڈالیں انہیں کہیں کہ یہ ترجمہ آپ ہی رکھیں۔" اس کے متعلق حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اپنے خطبۂ جمعہ مطبوعہ اخبار پیغام صلح $\frac{2}{16}$ ۶ میں کہا:۔

"..... غضب میں اندھا ہونا اسے کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے میرے ترجمے کو دیکھا تو ہے نہیں اور بن دیکھے اُسے ردّی کے کاغذ قرار دیتے ہیں۔ با ایں مجھے خائن بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا ردّی کے کاغذ کہ جن کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہو کوئی شخص خائن کہلاتا ہے۔ خائن تو وہ لوگ کہلا سکتے ہیں۔ کہ ان کو علم تھا کہ میں قرآن کے علم سے بالکل بے بہرہ ہوں۔ پھر وہ خاموش رہے۔ کیا میاں صاحب کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ انجمن میں یہ معاملہ پیش کرتے کہ یہ شخص ترجمہ کے کام کا اہل نہیں پہلے اپنے خلیفہ سے یہ بات پوچھو کہ تم کو کب یہ علم ہوا کہ محمدؐ علی ترجمہ کے کام کا اہل نہیں۔ کیا ریویو کے مضامین سالہا سال تک پڑھ کر یہ پتہ نہ چلا۔ کیا اس وقت پتہ نہ لگا جب اردو ترجمہ بھی پہلے چند پاروں کا حضرت مولوی صاحب مرحوم مجھ سے کروا رہے تھے۔ اور جب انہوں نے میر صاحب کو کہہ دیا کہ اردو ترجمہ محمدؐ علی کا ہی چھپے گا۔ اور کوئی ترجمہ نہیں چھپے گا۔ پھر کیا اس وقت پتہ نہ لگا تھا جب میں قادیان سے چلا آیا تو آپ انجمن سے ریزولوشن پاس کروایا کرتے تھے۔ جن کا منشاء یہ تھا کہ ترجمے کی تکمیل میں کرتا رہوں ..... حضرت مولوی نور الدّین صاحب کی وفات سے آٹھ دس یوم بیشتر جب حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ خدا کی طرف سے بشارت آگئی ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہُوا تو میرے ساتھ ساری جماعت جو وہاں موجود تھی۔ سجدے میں گر گئی ....

میری اس میں کیا خیانت ہے۔ میں نے ترجمہ قرآن کی تجویز کو انجمن کے سامنے پیش کیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو خدا تعالیٰ میرے لئے کوئی اور صورت کر دے گا۔ میں نے انجمن کو یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا ملازم ہوں۔ مجھے کوئی کام دو۔ بلکہ میں نے یہ کہا کہ میں ترجمہ قرآن کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ اگر انجمن ان اخراجات کو برداشت نہ کر سکتی ہو تو میرے لئے خدا تعالیٰ کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے سچ ہی کر دکھایا۔ کہ انجمن نے اخراجات دینے سے انکار کر دیا۔ تو اس مولا کریم نے کشائش بفضل و کرم دیگرے کا معاملہ میرے ساتھ کیا۔"

غرضکہ ان حالات میں جماعتِ قادیان اس اہم خدمت قرآن کے کام سے محروم رہی۔ اور وہاں سے بڑے دھڑلے کے ساتھ اعلان ہوا کہ یہ کیا ترجمہ ہے۔ ہم اپنا ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور ہر ماہ ایک پارہ چھاپیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک پارہ چھاپا بھی گیا۔ مگر پھر خدا جانے کیا مشکل پیش آئی کہ ۲۵، ۳۰ سال تک انگریزی ترجمہ ان کو چھاپنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اور اس کمزوری کو چھپانے کے لئے بعد میں یہاں تک کہا گیا۔ کہ یہ کوئی ایسی ضروری دینی خدمت نہیں۔ اور قرآن کا ترجمہ کرنا کسی امام کا کام نہیں۔ ورنہ حضرت مرزا صاحب خود یہ کام کرتے۔ اور اسی کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے بعد میں مولانا محمد علی صاحب نے ایک دفعہ فرمایا۔

"کوئی ان سے یہ پوچھے کہ اگر یہ ضروری کام نہ تھا تو حضرت صاحب نے دعوے کے ساتھ اس خواہش کا اظہار کیوں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ بجائے واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اور اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کر کے ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے" اگر قرآن کو دنیا میں پھیلانا حضرت صاحب کا مقصد نہ تھا تو پھر آپ اور آئے کس کام کے لئے تھے؟ قرآن کا دنیا میں پہنچانا تو ہر مسلمان کا فرض ہے اور حضرت صاحب تو خاص کر اسی لئے آئے تھے کہ دنیا کی تمام اقوام بالخصوص مغربی اقوام تک اس نور کو پہنچائیں۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ ضروری کام ہوتا تو حضرت صاحب اسے کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ جو ہوا ہے یہ بھی حضرت مسیح موعود ہی کا کام ہے۔ اور آپ کی قوت قدسی سے ہوا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے کی چابیاں میرے ہاتھ میں دی گئی ہیں۔ لیکن وہ چابیاں ہاتھ آئیں حضرت عمرؓ کے زمانے میں۔ تو بات یہ ہے کہ پیرو کے ہاتھ سے جو کام

سرانجام پائیں گے وہ امام سے کام ہی شمار ہوتے ہیں۔ جس شخص نے قرآن کے انگریزی ترجمہ کے لئے دلوں کے اندر تڑپ ڈالی اور جس نے اس کام پر آمادہ کیا یہ اسی کا کام ہے۔ آپ خوب یاد رکھیں یہ کام نہ جماعت کا ہے نہ میرا ہے۔ یہ کام یقیناً حضرت مرزا صاحب کا ہے۔ ہم تو ذریعہ بن گئے۔"

(خطبۂ جمعہ ۲۳/۱۲/۳۸ بر موقعہ سلور جوبلی)

دیگر تصانیف ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۷ء مارچ ۱۹۱۵ء میں قرآن کریم کے پہلے پارہ کا اردو ترجمہ اور تفسیری نوٹ "نکات القرآن حصہ اوّل" کے نام سے شائع ہوئے جس پر اس وقت کے متعدد اخبارات میں تعریفی ریویو نکلے۔ ان میں سے مولانا ظفر علی خان کا اخبار زمیندار بھی تھا۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ ترجمہ اور نوٹ بے حد مقبول ہوئے۔

چھوٹی تصانیف میں سے سب سے پہلی کتاب "حدوث مادہ" ہے جس میں وہ مباحثہ درج ہے جو مولانا محمد علی صاحب اور سوامی دیانند کے ایک پیرو کے درمیان کوہ مری میں ستمبر ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں آپ نے ایک رسالہ "المصلح الموعود" لکھا۔ مئی ۱۹۱۴ء میں قادیان کے رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں ایک قادیانی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ میاں محمود احمد صاحب ہی وہ مصلح موعود ہیں۔ جس کے آنے کی پیشگوئی حضرت مسیح موعود نے کی۔ اس رسالہ میں مولانا محمد علی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ حضرت صاحب کے موجودہ بیٹوں میں سے کوئی بھی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق نہیں۔ اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں آپ کی کتاب "آیت اللہ" شائع ہوئی جس میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کا حضرت مسیح موعود کے مقابل پر مباہلہ سے فرار کے متعلق حال درج ہے۔ ۱۹۱۵ء کے آخر میں ہی آپ کے دو رسالجات "غلامی" اور "عصمت انبیاء" شائع ہوئے۔

دسمبر ۱۹۱۵ء میں مکمل سورۂ بقرہ کا اردو ترجمہ اور تفسیری نوٹ "نکات القرآن حصہ دوم" کے نام سے شائع ہوئے۔ اور حصہ اوّل کی طرح یہ بھی بیحد مقبول ہوئے۔

دسمبر ۱۹۱۵ء میں ہی آپ کی ایک معرکتہ الآرا کتاب "النبوۃ فی الاسلام" شائع ہوئی۔ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی خلافت قائم کر کے اور کل مسلمانوں کی تکفیر کر کے حضرت مسیح موعود کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا ہوا تھا۔ اور ایک کتاب "حقیقت نبوت" بھی لکھ ڈالی تھی۔ ان عقائد کی تردید اگرچہ مولانا محمد علی صاحب و دیگر بزرگان جماعت کی طرف سے وقتاً فوقتاً اخبار "پیغام صلح" میں نکلتی رہتی تھی مگر اس موضوع پر کوئی مستقل اور جامع تصنیف موجود نہ تھی۔ "النبوۃ فی الاسلام" میں نہ صرف "حقیقت نبوت" کا دندان شکن جواب دیا گیا تھا بلکہ نبوت و رسالت کی غرض و غایت۔ وحی نبوت کے امتیازی نشانات۔ ختم نبوت کی وجوہات مبشرات کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود کے مقام پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب پونے چھ سو صفحات کی ہے جس میں سے دو سو صفحے ایک ضمیمہ کے ہیں۔ جس میں حضرت مرزا صاحب کی تمام کتب سے مسئلہ

نبوت کے تمام حوالجات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مئی ۱۹۱۶ء میں آپ نے ایک رسالہ "جہاد کبیر" لکھ کر شائع کیا۔ جس میں اشاعت اسلام کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور مسلمانوں کو جو اس فرض سے مکمل طور پہ غافل تھے۔ اس کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی۔

۱۹۱۶ء کے آخر میں "نکات القرآن" حصہ سوئم و چہارم یعنی سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کا اُردو ترجمہ اور تفسیری نوٹ شائع ہوئے۔ اور پہلے حصوں کی طرح مقبول عام ہوئے۔

جولائی ۱۹۱۷ء میں آپ کی کتاب "جمع قرآن" شائع ہوئی۔ جس میں قرآن کریم کی حفاظت۔ کتابت۔ ترتیب وغیرہ پہ روشنی ڈالی ہے اور مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۱۷ء میں آپ کی کتاب "احمد مجتبےٰ" شائع ہوئی۔ جس میں قرآن۔ احادیث اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے ثابت کیا گیا ہے کہ "احمدؐ" آنحضرت صلعم کا نام تھا۔ اور "اسمہٗ احمد" والی آیت کی پیشینگوئی بھی آنحضرت صلعم پر ہی پوری ہوئی۔ یہ کتاب میاں محمود احمد صاحب کے اس عقیدے کی تردید میں لکھی گئی کہ اسمہٗ احمد کی پیشینگوئی مرزا غلام احمد صاحب پر چسپاں ہوتی ہے۔ اس غلط عقیدے کی تردید میں مولانا محمد علی صاحب اور دیگر بزرگانِ جماعت کئی ایک مضامین اخبار پیغام صلح میں لکھ چکے تھے۔ اور آپ کی طرف سے میاں محمود احمد صاحب کو بار بار ایک فیصلہ کن مباحثے کی دعوت دی جا چکی تھی۔ جو کہ میاں صاحب نے قبول نہ کی۔

متفرق حالات ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک

۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۱۴ء کو احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔ سالانہ جلسہ کی ابتداء حضرت مسیح موعود نے اپنی جماعت کے لئے کی تھی۔ اور اس میں شمولیت کی بار بار تاکید آپ فرماتے تھے۔ تاکہ سال میں کم از کم ایک دفعہ نہ صرف سب احباب مل سکیں اور ان کے تعلقات محبت اور اخوت بڑھیں۔ بلکہ سال بھر کے کام پر تبصرہ اور آئندہ سال کا پروگرام تیار ہو سکے اور اشاعتِ اسلام کے لئے نئی تجاویز سوچی جا سکیں۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ہر سال سالانہ جلسے احمدیہ بلڈنگس میں منعقد ہونے شروع ہو گئے۔ اس پہلے جلسے کے وقت ابھی جماعت کی تعداد بہت محدود تھی۔ اور اس میں اشاعت اسلام کے لئے اپیل پر ۳۸۴۶ روپے چندہ جمع ہوا۔ لیکن ایک عرصے کے بعد خدا نے اس جماعت کو وہ ترقی دی اور اس کے اندر قربانی کی وہ رُوح پیدا ہوئی کہ مولانا محمد علی صاحب کی اپیلوں پر اور ان پروگراموں پر جو آپ قوم کے آگے رکھتے تھے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ جمع ہوتا تھا۔

۱۹۱۴ء کے آخر میں ہی لاہور میں ایک اشاعتِ اسلام کالج کھولا گیا۔ تاکہ مبلغین تیار کئے جا سکیں اور ریسرچ کا کام کرنے والے اس میں تعلیم پا سکیں۔ یہ کالج میکلوڈ روڈ پر ایک کوٹھی میں کھولا گیا اور شروع دسمبر ۱۹۱۴ء

سے مولانا محمد علی صاحب نے اسی کوٹھی میں رہائش اختیار کی۔ کالج کا باقاعدہ افتتاح خواجہ کمال الدین صاحب نے جو نومبر میں ولایت سے واپس آ چکے تھے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۴ء کو کیا۔ مولانا محمد علی صاحب اس کے آنریری پرنسپل تھے۔ اور اس میں پڑھاتے بھی تھے اور درس قرآن دیتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی اپنے لاہور کے قیام میں (جنوری ۱۹۱۵ء سے اگست ۱۹۱۶ء تک) وہاں لیکچر دیا کرتے تھے۔ مولوی فضل الٰہی صاحب جو عیسائیت سے مسلمان ہوئے تھے عیسائیت پر لیکچر دیتے تھے اور مولوی مبارک علی سیالکوٹی عربی پڑھاتے تھے۔ اس کالج کے طلباء بھی وہیں اس کوٹھی کے ایک حصے میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک طالب علم مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی تھے جنہوں نے اُس وقت سنسکرت زبان کی تحصیل شروع کی۔

جولائی ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد علی صاحب تین ماہ کے لئے دوسری بار ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپ کی مصروفیات اس قدر ہوتی تھیں کہ انگریزی ترجمہ اور دیگر تصنیفات کے لئے آپ کو زیادہ وقت ان ہی ایام میں ملا کرتا تھا۔ اس سال یعنی ۱۹۱۵ء میں خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے لئے شہزادہ بخارا کی کوٹھی میں رہنے کا انتظام کیا تھا۔ اور انہوں نے آپ کو بھی دعوت دی کہ اسی کوٹھی میں چل کر رہیں۔ چنانچہ آپ نے دو کمرے اس کوٹھی میں سے لے لئے اور بقیہ حصے میں خواجہ صاحب ٹھہرے۔ ایبٹ آباد میں حسب سابق آپ نے روزانہ درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور ماہ رمضان میں روزانہ ایک ایک پارہ کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ جس میں شامل ہونے کے لئے بہت سے احباب جماعت اپنے کاموں سے فرصت حاصل کر کے اور چھٹی لے کر ایک ماہ کے لئے ایبٹ آباد چلے جاتے تھے۔

نومبر ۱۹۱۵ء میں مولانا نور الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادہ عبدالحئی قادیان میں وفات پا گئے۔ ۱۴ نومبر کو مولانا محمد علی صاحب بمعہ چند احباب کے قادیان تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں چند گھنٹے ہی قیام فرمایا اور اہلیہ صاحبہ مولانا نور الدین صاحب سے تعزیت کرنے اور حضرت مسیح موعود کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔

دسمبر ۱۹۱۵ء میں انجمن کا دوسرا سالانہ جلسہ ہوا۔ اُس وقت انجمن کا سالانہ بجٹ بائیس ہزار روپے تھا۔ سالانہ جلسہ سے پہلے اور بعد میں علاوہ اپنے اور مشاغل کے مولانا محمد علی صاحب پنجاب کے مختلف شہروں کی جماعتوں کے دورے بھی کیا کرتے تھے۔ ۱۹۱۶ء کی گرمیاں آپ نے پھر ایبٹ آباد میں گذاریں۔ اس سے پچھلے سال جب آپ وہاں رہے تھے تو شیخ نور احمد صاحب وکیل جو جماعت کے ایک نہایت معزز رکن تھے۔ اور جن سے آپ کی اہلیہ کی طرف سے رشتہ داری بھی تھی۔ انہوں نے اور دیگر احباب جماعت نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ آئندہ سال بھی آپ ایبٹ آباد آئیں گے۔ لیکن جس مقام پر آپ کا قیام تھا وہ بہت تنگ جگہ تھی۔

اس لئے ڈپٹی مظفر الدین صاحب نے اپنی کوٹھی کا ایک کمرہ دفتر کے لئے پیش کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ صبح ناشتہ کے بعد ہی دفتر چلے جاتے اور نماز ظہر کے بعد گھر آتے۔ پھر نماز عصر سے پہلے جاتے اور رات کو نماز عشاء کے بعد آتے۔ ڈپٹی مظفر الدین صاحب کی کوٹھی پر درس قرآن اور باجماعت نماز ہوتی تھی۔ پھر جب ماہ رمضان میں ایک ایک پارہ روز کے درس کی تجویز ہوئی تو دو اور کوٹھیاں لے لی گئیں۔ اور خواجہ کمال الدین صاحب۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اور دیگر متعدد احباب نے رمضان وہیں گذارا۔ اس وقت انگریزی ترجمہ قرآن کے پروف آرہے تھے۔ جن کو پڑھنے اور دیگر تصنیف و تالیف کے کاموں میں آپ مشغول رہتے تھے۔ اسی سال یعنی ۱۹۱۴ء میں اگست کے مہینے میں خواجہ صاحب دوسری بار ولایت جانے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کی مشائیعت کے لئے مولانا محمد علی صاحب دو دن کے لئے ایبٹ آباد سے لاہور تشریف لائے۔ لاہور سٹیشن پر احمدیوں اور غیر احمدیوں کے ایک کثیر مجمع نے خواجہ صاحب کو رخصت کیا۔ ان میں میاں محمد شفیع (جو بعد میں سر محمد شفیع بنے) بھی تھے۔

۲۷ سے ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء تک آپ بمعیت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و شیخ رحمت اللہ صاحب امروہہ میں سید محمد احسن صاحب کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ تیسرے جلسہ سالانہ کے بعد آپ نے جماعتوں میں تنظیمی دورے پھر کئے۔ اور بیشتر مقامات پر جماعتوں کے سالانہ جلسوں میں شرکت فرمائی۔

۱۹۱۶ء کے شروع میں اشاعت اسلام کالج کو احمدیہ بلڈنگس میں منتقل کر دیا گیا۔ اور آپ بھی احمدیہ بلڈنگس والے مکان میں تشریف لے آئے۔ اپریل ۱۹۱۷ء میں میکلوڈ روڈ پر ایک کوٹھی میں مسلم ہائی سکول کا افتتاح کیا گیا اور مولوی صدر الدین صاحب اس کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔

انجمن کی زندگی کے پہلے ساڑھے تین سال

غرضیکہ یہ انجمن کی اور مولانا محمد علی صاحب کی لاہور کی زندگی کے پہلے ساڑھے تین سال تھے۔ اس عرصہ میں جماعت کی ابتداء اور تشکیل ہوئی۔ مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ اور اول دن سے ہی اس جماعت کی تاریخ اشاعت اسلام کے بڑے بڑے کارناموں سے شروع ہوئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے بحیثیت سیکرٹری جو رپورٹیں ۱۹۱۶ء و ۱۹۱۷ء کے سالانہ جلسوں میں پیش کیں اس میں انہوں نے اس وقت کے تاثرات اور حالات کو اس طرح پیش کیا۔

"ہماری جماعت کے بہت سے افراد حیران و سرگردان تھے کہ اس جماعت کا کیا حشر ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ امیر قوم مولانا محمد علی صاحب کی اڑھائی سالہ کوشش کو اللہ تعالیٰ نے بار آور کیا۔ اور جماعت کو از سر نو ترتیب دے کر تقویٰ اور خشیۃ اللہ کے مقام پر کھڑا کر دیا۔ اور جماعت میں از سر نو زندگی اور تازگی پیدا کر دی۔

حضرت مولانا محمدؐ علی صاحب نے اپنی زور دار تحریروں اور تقریروں سے اور اپنے اعلیٰ نمونے اور ایثار سے اس وقت جو خدمت سلسلہ اور خدمتِ اسلام کی ہے اس کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ کس کو خیال تھا کہ حضرت مولوی صاحب جیسا گوشہ نشین اور کم گو انسان اس قدر عظیم الشان خدمت اس کفر و بدعت کو توڑنے اور جماعت کو توحید پر قائم رکھنے میں کرے گا۔ آپ کی یہ خدمت اس مصیبت کے وقت میں بعینہٖ اس مقولہ کی مصداق ہے :-

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

(ماخوذ از رپورٹ ۱۶-۱۹۱۵ء)

اور اس سے اگلی رپورٹ میں جبکہ ۱۷ء میں انگریزی ترجمہ قرآن چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ لکھتے ہیں :- "جب تک دنیا ہے امید ہے قرآن مجید کی یہ خدمت بطور یادگار کے رہیگی۔ جس میں بہت بڑا حصّہ مولانا نورالدین صاحب کا ہے۔ یعنی آپ نے قریبًا اٹھائیس پارے کے ترجمے کے نوٹ مولانا محمد علی صاحب سے سنے۔ اور اپنی ہدایات اور اصلاح سے مستفید فرمایا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اس ترجمہ کے مقبول و مفید خلائق ہونے کے لئے بہت بہت درد دل سے دعائیں کیں اور یہ آخری خدمت اس کلام پاک کی تھی جو آپ نے اپنی مرض الموت میں ادا کی۔

اس خاکسار سے بڑھ کر اور کوئی شاہد نہیں کہ کس طرح آپ نے اس تکلیف دہ بیماری میں قرآن مجید مولانا محمد علی صاحب کو پڑھایا۔ ایسی صورت میں کہ وہ خود کروٹ نہیں بدل سکتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے کھا پی نہیں سکتے تھے، مگر وہ روحانی انسان اپنے اس روحانی بیٹے کو قرآن مجید کی روحانی غذا اپنے انفاس طیبہ سے پہنچاتا تھا۔ آج سے قریبًا چار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی صاحب مرحوم کو بشارت دے دی تھی کہ یہ ترجمہ خدا کی درگاہ میں مقبول ہو گیا، اور یہ سب سے بڑی بشارت تھی جو آپ کو اس جہان سے رخصت ہونے سے چند یوم پہلے ملی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت مولوی محمدؐ علی صاحب کو بلوایا اور آپ کو اور سب جماعت کو یہ الہامی بشارت سنائی (جو کہ میر عابد علی شاہ کے ذریعے سے آپ کو ملی تھی) اور آپ نے حضرت مولوی محمدؐ علی صاحب و خاکسار و دیگر حاضرین کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور فرمایا کہ یہ اس کی ذرّہ نوازی ہے کہ اس مُردہ پر یہ فضل کیا ہے [1] اور یہ بشارت دیدی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ

---

[1] گویا ترجمہ کو اپنی طرف منسوب کیا۔

اُس نے مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھا۔" (رپورٹ انجمن ۱۷-۱۹۱۶ء)

انگریزی ترجمہ قرآن پر آراء

انگریزی ترجمہ کی خصوصیات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس پر جو آراء وقتاً فوقتاً ظاہر کی گئیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

ہندوستان کے مشہور مسلم لیڈر مولانا محمد علی جوہر (مدیر کامریڈ) اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اپنی نظر بندی کے وقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قریباً یہی وہ وقت تھا جبکہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا جو نہایت اعلیٰ درجہ پر چھپوایا گیا ہے اور اس کے ساتھ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں۔ جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ یہ میرے فاضل ہمنام مولانا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے جو ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں۔ اور اس جماعت کے کچھ ممبر انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے مسجد ووکنگ میں مشن قائم کر رکھا ہے۔ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل۔ راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس ذہنی کیفیت میں جس میں مَیں اس وقت مبتلا تھا۔ میں نے اس دوست کو جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے یہ لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کُن نہیں ہوسکتی کہ جونہی مَیں ان قیود سے جو نظر بندی کی حالت میں مجھ پر عائد ہیں آزاد ہو جاؤں۔ یورپ چلا جاؤں اور ان لوگوں کے جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں۔ ہر ایک پارک سے اور ہر بازار سے اس پاک مذہب کی تلقین کروں۔ جو ان جنگ کرنے والی قوموں کے شور و غل کو اسلام کے متحد کرنے والے امن و امان میں خاموش کر واسکتا ہے۔"

یہی مولانا محمد علی جوہر ایک دفعہ ولائیت جانے سے پہلے مولانا محمد علی صاحب کو ملے تو کہنے لگے کہ "مولانا آپ مجھے ایک جھوٹ بولنے کی اجازت دیں۔ کہ میں انگلستان میں یہ کہہ دوں کہ یہ ترجمہ مَیں نے کیا ہے۔" مولانا محمد علی صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔ "بے شک محمد علی نے ہی ترجمہ کیا ہے۔"

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں:۔

"مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت

نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا، میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں۔ اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے۔ اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔" (اخبار سچ ۲۵ رجون ۱۹۴۲ء)

الحاج حافظ غلام سرور صاحب، جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ خود بھی کیا تھا، لکھتے ہیں:۔

"پچھلے تینتیس سال سے مولانا محمد علی صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن صرف ایک ہی کتاب نہیں ہے جو انہوں نے لکھی ہو مگر اس کی وجہ سے انکا نام قرآن کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۱۹۱۷ء سے جب سے یہ ترجمہ چھپا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی اس معرکتہ الآراء تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

مسٹر ایس۔ ایچ۔ لیڈر۔ (انگلستان)

"آپ کی مذہبی کتاب کے اتنے اعلیٰ درجہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ چھپنے پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کے اندر جو نور اور علم و فضل بھرا ہوا ہے اس کو دیکھا جائے تو ہمارا دل آپ کی اتنی بڑی محنت کے لئے تشکر کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔ یہ ترجمہ دنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کی ابتدا ہے۔"

اخبار "کوینسٹ" لنڈن:۔

"بے شک یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس پہ ایک عالم و فاضل انسان فخر کر سکتا ہے۔"

اخبار "مدراس میل":۔

"مولانا محمد علی صاحب کا نام ہی اس ترجمہ کی عمدگی کا ضامن ہے۔ شاید ہی کوئی انگریزی ترجمہ اتنے اعلیٰ پایہ کا ہوگا۔"

اخبار "ہندو" مدراس:۔

"اس کے مصنف صحیح اور قابلِ اعتماد ترجمہ کے لئے مشہور ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں اور تشریحی نوٹوں میں ایک علم کا خزانہ موجود ہے۔"

اخبار "یونائیٹڈ انڈیا" دہلی :-

"نسلِ انسانی نے جواب تک تصنیف و تالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ان میں مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔"

اخبار "ایسٹ اینڈ ویسٹ" انگلستان :-

"اس کتاب کی ترتیب انتہائی قابلِ تعریف ہے۔ اسلام کے مذہبی لٹریچر میں یہ ایک قیمتی اضافہ ہے۔"

اخبار "ٹائمز آف سیلون" :-

"اس تصنیف پر قابل مصنف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔"

اخبار "ایڈووکیٹ" لکھنؤ :-

"ہم مولانا محمد علی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کا یہ ترجمہ سب تراجم سے بڑھ چڑھ کر ہے۔"

اسی طرح پادری زویمر اپنے مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" جولائی ۱۹۳۱ء (صفحات ۲۸۹ تا ۲۹۴) میں مولانا محمد علی صاحب، مسٹر پکتھال اور حافظ غلام سرور کے تراجم کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھتے ہیں کہ مؤخر الذکر دونوں اصحاب اکثر مولانا محمد علی کے ترجمہ کا ہی اتباع کرتے ہیں اور معمولی الفاظ کا فرق رہ جاتا ہے۔ اور یہ کہ اس ترجمے سے دونوں اصحاب نے کثیر استفادہ حاصل کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ترجمہ ایک نہایت وسیع مطالعے اور دقیق ریسرچ پر مبنی ہے اور اس رنگ میں باقی کے تراجم Original Work نہیں کہلا سکتے۔

اس قسم کی اور بے شمار آراء ہیں جو وقتاً فوقتاً اس ترجمہ کے متعلق ظاہر کی گئیں۔ اور ان میں سے اکثر اخبارات "پیغام صلح" اور "لائٹ" میں چھپ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ لاتعداد ایسے خطوط ہیں جن میں دنیا کے بیشتر ممالک سے انگریزی خوان لوگوں نے اس ترجمہ کی خوبیوں کا اور اس کے ذریعے سے ہدایت پانے کا اعتراف کیا ہے۔

(۴) ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک، بیان القرآن کی تکمیل اور اشاعت

اردو ترجمہ و تفسیر کی تکمیل اور اشاعت

انگریزی ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کے فوراً بعد ہی مولانا محمد علی صاحب نے اُردو ترجمہ اور تفسیر قرآن کے کام کو باقاعدگی سے شروع کیا۔ اور ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک کے پانچ چھ سال کا وہ زمانہ ہے جب آپ نے اپنی وہ عظیم الشان اُردو تفسیر قرآن تصنیف فرمائی جو "بیان القرآن" کے نام سے تین جلدوں میں چھپی۔ جب قادیان میں آپ انگریزی ترجمہ اور نوٹ مولانا نورالدین صاحب کو سنایا کرتے تھے تو میر ناصر نواب صاحب نے ایک اردو ترجمہ قرآن کی بنیاد ڈالنی چاہی اس پر حضرت مولانا نورالدین صاحب نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ اردو ترجمہ بھی وہی چھپے گا جو محمد علی کرے گا۔ اور ساتھ ہی مولانا محمد علی صاحب کو ہدایت کی کہ کچھ اردو ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کر دو۔ چنانچہ چھ سات پاروں کا ترجمہ آپ نے کر کے مولانا نورالدین صاحب کو سُنایا۔ مولانا کی وفات کے بعد جماعت میں ایک انقلاب آیا۔ اور ایک طرف تو مولانا محمد علی صاحب لاہور میں آکر انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں ایک نئی جماعت کی تشکیل میں مصروف رہے۔ دوسری طرف انگریزی ترجمہ کی بڑھتی ہوئی مانگ کی وجہ سے اردو ترجمہ و تفسیر کا کام بند رکھنا پڑا۔ اس دوران میں آپ کے روزانہ درس قرآن کے نوٹ اخبارات میں چھپا کرتے تھے۔ اور سورۂ فاتحہ سے سورۃ النساء تک کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ "نکات القرآن" کے نام سے چار حصوں میں شائع ہو چکے تھے۔ مئی ۱۹۲۱ء سے بیان القرآن کی اشاعت ایک ایک پارہ کر کے شروع ہوئی۔ اور پہلے چھ سات پارے اس طرح چھپے۔ لیکن اس کے بعد یہ کتاب جلدوں کی صورت میں شائع ہوئی اور نومبر ۱۹۲۳ء میں اس کی تیسری اور آخری جلد چھپ کر شائع ہوئی۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں بیان القرآن کی تکمیل کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے اخبار "پیغام صلح" مورخہ ۷ اپریل ۱۹۲۳ء میں جو کچھ لکھا وہ حسب ذیل ہے:-

"ختم قرآن

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

"۲ اپریل ۱۹۲۳ء دوشنبہ کا دن میرے لئے ایک بڑا ہی مبارک دن تھا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے اردو ترجمۃ القرآن ختم کرنے کی توفیق دی۔ اور انگریزی ترجمہ کے بعد اردو ترجمہ اور تفسیر کو محض فضل ایزدی نے تکمیل کو پہنچایا۔ الحمد للہ۔ مجھ جیسے عاجز اور کم علم انسان سے

اس نے اتنا بڑا کام لیا۔ اس پر میرے قلب میں حمد الٰہی سے وہ لذت پیدا ہوتی ہے کہ جس کو کوئی الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ ۱۳ء کا واقعہ ہے۔ ابھی انگریزی ترجمہ کا کام بہت سا کرنے والا باقی تھا۔ کہ میر ناصر نواب صاحب نے اردو میں ترجمہ قرآن کریم کے چھپوانے کی تحریک کی اور بہت سے احباب سے روپیہ بھی جمع کر لیا۔ اور پھر حضرت مولانا نور الدین صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست کی کہ اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ چھپوانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ ہماری جماعت میں ایک ہی ترجمہ ہوگا۔ اور وہ وہ ہوگا جو محمد علی انگریزی ترجمہ ختم کرنے کے بعد کرے گا۔ اور ساتھ ہی مجھے ارشاد فرمایا کہ تھوڑا اردو ترجمہ بھی کر کے دکھاتے جاؤ۔ چنانچہ چھ سات پارے کے قریب ترجمہ کر کے میں حضرت مولوی صاحب کو دکھاتا بھی رہا۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم جیسا عاشق قرآن اور میرے جیسے بے بضاعت آدمی پر یہ حسن ظن اور پھر اپنی آخری زندگی میں ایک بڑے مجمع میں آپ نے فرمایا کہ انگریزی ترجمہ مقبول ہوگیا۔ انگریزی ترجمہ نے کوئی تین سال اور لئے۔ اور کچھ اور کاروبار ضروری کی وجہ سے اردو ترجمہ کا کام ملتوی پڑا رہا۔ دوسری طرف سے ۱۴ء سے قادیان میں ایک عظیم الشان پیمانہ پر دس بارہ آدمیوں کی مجموعی محنت سے ایک اردو اور ایک انگریزی ترجمہ شائع ہونے کی تجویز زور سے ہوئی۔ میں نے ۱۸ء میں اردو ترجمہ کا کام شروع کیا مگر ابتدائی حصہ یعنی سورۂ بقرہ کے ختم ہونے پر معلوم ہوا کہ پانچ سو صفحہ مسودہ صرف ایک سورت کا ہوگیا ہے۔ اس لئے دوبارہ اختصار سے کام کو شروع کیا گیا۔ اور اس پہلی تجویز کے دس سال بعد، اور اردو ترجمہ پر چار پانچ سال محنت کے بعد محض اللہ کے فضل سے یہ کام اتمام کو پہنچتا ہے۔ اور حضرت مولوی صاحب کی فراست مومنانہ فانّہٗ ینظر بنور اللّٰہ کی مصداق ثابت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج میری طرح نہ صرف اور بہت سے میرے احباب کی رُوح کو لذت حاصل ہوتی ہوگی۔ بلکہ حضرت مولوی صاحب مرحوم کی رُوح اور پھر اس مقدس انسان کی روح جس نے یہ لکھا کہ انگریزی ترجمہ وتفسیر کا شائع کرنے کا کام مجھ سے ہوگا یا اس سے جو میری شاخ ہے، اور یُوں مجھے کھلے الفاظ میں اپنے ساتھ نسبت فرزندی دی، آج یقیناً اُن کی رُوحوں کو بھی اس کام سے خوشی پہنچتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بڑی بڑی برکات نازل کرے جنہوں نے مجھے اس راہ پر ڈالا۔ اور مجھے اس کام کے قابل بنایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے اتنی بڑی خدمت مجھ سے لی۔ میں اس کام کا اہل نہ تھا۔

اس کے فضل سے اتنی بڑی منزل طے ہوئی کہ اس کام کے بعد مجھے چودہ سال تک زندگی عطا فرمائی جس میں شب و روز خدا کا پاک کلام میری رُوح کی غذا رہا۔ اس لئے آج اس کام کو ختم کرنے کے بعد اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر جو خدمتِ قرآن کے رنگ میں اس نے مجھے عطا فرمائیں۔ میں خوش ہوں تو دوسری طرف میرا دل اس خوف کو بھی محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے جو غلطی بتقاضائے بشریت یا میری بے بضاعتی سے ہوگئی ہو وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ قرآن کا ہر ایک لفظ ہر مسلمان کے لئے نور اور حجت ہے۔ ترجمہ اور تفسیر میں میں نے اپنے آپ کو کلامِ خدا۔ حدیثِ رسولؐ۔ لغت عرب سے جہاں تک میری سمجھ تھی پابند کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر پھر بھی وہ میری سمجھ ہے۔ وہ کسی کے لئے حجت نہیں۔ سوائے اس کے کہ خدا کے کلام اور رسول اللہؐ کی صحیح حدیث کے مطابق ہو۔ میری صرف یہ کوشش ہے کہ لوگ علم قرآن کو پڑھیں اور اس کی خدمت کی طرف متوجہ ہوں۔"

بیان القرآن کے دیباچے میں حضرت مسیح موعود اور مولوی نور الدین صاحب کا ذکر آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"بالآخر اس بات کا ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں میں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرّم حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو جہاں وہ میرے لئے دعا کرے ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں۔ اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے۔ ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم"

انگریزی ترجمہ و تفسیر کے مقابلہ میں اردو ترجمہ و تفسیر میں بہت زیادہ تشریح ہے۔ الفاظ کی لغت کی تشریح کے علاوہ تفسیر کے حواشی بہت زیادہ ہیں۔ اس ترجمہ کی بہت سی خصوصیات ہیں ترجمہ کو عموماً الفاظ کی حد سے نکلنے نہیں دیا۔ لیکن محاورہ کو مدّنظر رکھا ہے۔ اور اگر کہیں زائد الفاظ کا مجبوراً

استعمال کرنا پڑا ہے تو انہیں خطوط وحدانی میں رکھا ہے۔ تفسیر میں ایک حصّہ لغت کا ہے جس میں امام راغب کی مفردات اور تاج العروس اور لسان العرب جیسی ضخیم اور مستند کتابوں کی طرف بکثرت رجوع کیا ہے۔ اور جہاں کہیں کوئی کمی تھی اسے دوسری معتبر لغات سے پورا کر دیا ہے۔ ایک خاص چیز یہ ہے کہ چونکہ عربی زبان میں وسعت بہت زیادہ ہے اس لئے الفاظ کے وہ تمام معنی جو پچھلے شارحین اور لغات لکھنے والوں نے دیئے ہیں، وہ درج کر دیئے ہیں۔ اور جو معنے خود لئے ہیں ان کی وجوہات دے دی ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے کے سامنے سب پہلو آجائیں اور ہمیشہ کے لئے ان ضخیم کتابوں کا گویا خلاصہ آئندہ ریسرچ کرنے والوں کے لئے ایک جگہ جمع ہو جائے۔ تفسیر کے حصے میں جن اصولوں کو مدّنظر رکھا ہے وہ یہ ہیں کہ قرآن کے ایک موقعے کا حل دوسرے موقع سے کیا جائے۔ اور یہ اصول خود اسی پاک کتاب میں موجود ہے۔ جہاں معنی میں اشتباہ ہو وہاں خود قرآن پاک میں دوسری جگہ وضاحت کو تلاش کیا ہے۔ دوسری بات یہ مدّنظر رکھی ہے کہ احادیث صحیحہ کو تفسیر میں اور باتوں پر مقدم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے امام بخاری کی کتاب التفسیر۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا ہے۔ لیکن روایات اور احادیثِ قصص کو بہت احتیاط سے قبول کیا ہے اور اگر کوئی چیز قرآن کریم کی صراحت کے خلاف یا اصول دینی کے خلاف نظر آئی ہے تو اس کو ردّ کر دیا ہے۔ پھر ایک بات جس پر بہت زور دیا ہے وہ ترتیبِ قرآن ہے۔ اور تین قسم کی ترتیبوں کی طرف خصوصیّت سے توجّہ دلائی ہے۔ اوّل آیات میں باہمی تعلق جہاں جہاں ضرورت تھی حواشی میں ظاہر کیا ہے۔ دوئم، ہر سورت کے رکوعوں میں باہمی تعلق۔ اور سوئم، سورتوں میں باہمی تعلق۔ ہر رکوع کا خلاصہ اس رکوع کے نیچے دیا ہے اور ہر سورت کے شروع میں ان تمام خلاصوں کی ترتیب اور نظم کو ظاہر کیا ہے اور سورتوں کے باہمی تعلق کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک تفاسیر کو سامنے رکھا ہے جن کے حوالے بکثرت دیئے ہیں۔ مثلاً تفسیر بحر المحیط۔ تفسیر کبیر امام رازی۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر غرائب القرآن۔ تفسیر فتح البیان۔ تفسیر کشاف وغیرہ۔

غرضیکہ سلف صالحین کی ان عظیم الشان تفاسیر اور لغات کا ایک طرف تو گویا نچوڑ لے لیا ہے اور دوسری طرف موجودہ زمانے کے حالات کے مطابق اور اس علم کلام کے مطابق جو آپ نے ایک مدت تک حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا نور الدین صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر حاصل کیا اور ان اعتراضات کو مدّنظر رکھتے ہوئے جو دوسرے مذاہب اور خاص طور پر عیسائی اور مغربی اقوام کی طرف سے اسلام پر کئے جاتے ہیں، آپ نے تفسیر قرآن کی ایک ایسی خدمت سرانجام دی ہے جو سالہا سال تک دنیا کے لئے

مشعلِ ہدایت کا کام دے گی۔

جو محنت آپ نے بیان القرآن کی تیاری پر کی ہے۔ اس کا اندازہ ان مسوّدات کو دیکھنے سے ہو سکتا ہے جو آپ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے اب تک محفوظ ہیں۔ کل کتاب کے تین ضخیم مسوّدات ہزارہا صفحوں پر مشتمل خود آپ کی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے مسوّدے کو تیار کرنے کے بعد اس میں اس قدر مزید تشریحی نوٹوں میں کمی بیشی کی گئی ہے کہ تمام صفحے اور ان کے حاشیہ جات بھر گئے ہیں۔ چنانچہ دوسری دفعہ ان ہزارہا صفحات کے ایک ایک لفظ کو پھر صاف کر کے اپنی قلم سے دوسرا مسوّدہ تحریر فرمایا ہے۔ لیکن اس میں بھی خود ہی کئی ایک تبدیلیاں کر کے اس کو ایک اور بہتر شکل دی ہے اور پھر تیسری دفعہ کاتب کو دینے کے لئے نئے سرے سے سب کچھ سہ بارہ لکھا ہے۔ اس تمام محنت کا نتیجہ آج تین جلدوں اور اڑھائی ہزار صفحوں کی اس عظیم الشان تفسیر بیان القرآن کی شکل میں موجود ہے۔

اس تفسیر کی مقبولیت اور افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے غیر احمدی اور مخالفین مولوی صاحبان بھی اس کو درس قرآن دینے کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ بہت سے احباب نے مشاہدہ کیا ہے کہ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں اس تفسیر سے درس قرآن دیا جاتا رہا ہے۔ اور اس کے بعض حصّوں کے عربی تراجم بھی ہوئے ہیں۔ اور یہ بات بھی مشاہدہ میں آچکی ہے کہ بعض مخالف مولوی صاحبان، جو کسی مصلحت کی بنا پر احمدیوں کو کافر کہنے پر مجبور ہیں، اس تفسیر کے سرورق کو علیحدہ کر کے (جس پر مولانا محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا نام لکھا ہے) باقی کی کتاب اپنے سامنے درس قرآن دیتے وقت رکھتے رہے ہیں۔

دیگر تصانیف ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء

ان تمام سالوں میں جبکہ ایک طرف مولانا محمد علی صاحب اس عظیم الشان ترجمہ اور تفسیر میں مصروف تھے۔ دوسری طرف ضروریات کے لحاظ سے اور بھی کئی ایک تصانیف آپ نے فرمائیں جن کی تاریخ وار تفصیل درج ذیل ہے :-

جنوری ۱۹۱۸ء میں آپ کی کتاب "مسیح موعود" شائع ہوئی جس میں نزولِ ابنِ مریم پر از روئے قرآن و حدیث روشنی ڈالی ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے دعوے کو پیش کیا ہے۔

اس کے علاوہ چار رسالجات انگریزی میں شائع ہوئے یعنی (۱) بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے حالات (۲) ان کی پیشینگوئیاں (۳) اندرونی اختلافات اور (۴) سلسلۂ احمدیہ کے مسائل خصوصی۔

جنوری ۱۹۱۹ء میں آپ کی کتاب مرآۃ الحقیقت شائع ہوئی جو کہ میاں محمود احمد صاحب کی حقیقۃ الامر کے جواب میں آپ نے لکھی۔

مارچ ۱۹ء میں "شناخت مامورین" شائع ہوئی جس میں مامورین کے پرکھنے کے معیاروں کا تفصیلاً ذکر ہے۔

۱۹ء کے شملے کے قیام میں آپ نے دو تصنیفات فرمائیں۔ ایک تو سیرت خیر البشرؐ یعنی حضرت نبی کریم صلعم کے حالاتِ زندگی جس میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی آگیا ہے اور دوسرے جمع حدیث جون ۲۰ء میں شائع ہوئی اور جس میں حدیثوں کے جمع کئے جانے پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

۲۰ء میں گرمیوں میں شملہ کے قیام میں آپ نے دو رسالے "ضرورت مجددیت" اور "عیسائیت کا آخری سہارا" تصنیف فرمائے۔ اور ایک اور رسالہ "خلافتِ اسلامیہ بروئے قرآن وحدیث" بھی تصنیف فرمایا۔

اکتوبر ۲۱ء میں آپ کی ایک اہم انگریزی تصنیف "محمدؐ اینڈ کرائسٹ" (Muhammad & Christ) شائع ہوئی جس میں از روئے قرآن و بائبل حضرت نبی کریم صلعم اور حضرت عیسیٰؑ کا موازنہ کیا گیا ہے یہ کتاب دنیا کے مختلف ممالک میں از حد مقبول ہوئی۔ اس کے تراجم ایشیا اور مغربی ممالک کی پندرہ زبانوں میں ہو چکے ہیں اس کتاب پر ایک عیسائی مبلغ مسٹر ہیوآن جونز نے مشہور انگریزی مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" میں اس طرح تبصرہ کیا ہے:-

"اب ہمیں عیسائیت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے قرآن کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ گزشتہ ربع صدی میں عیسائی مبلغین قرآن مجید کی آیات کو مسیح کی صداقت اور تائید میں پیش کرتے رہے۔ ۱۸ء یا اس سے قبل ایک اردو ٹریکٹ "حقائق قرآن" لدھیانہ سے شائع ہوا تھا جس کا پہلا ایڈیشن دو ہزار کا تھا۔ ۱۹ء میں چار ایڈیشن انیس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئے۔ ۲۰ء میں چھٹا ایڈیشن بائبل سوسائٹی کی طرف سے ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہوا۔ اس رسالہ میں قرآن مجید کی آیات سے حضرت مسیح کی رسول عربی (صلعم) پر فوقیت ثابت کی گئی تھی۔ اسلامی کیمپ میں یہ ٹریکٹ بم کی طرح پھٹا تھا اور عیسائی مبلغین کے علاوہ آریہ مبلغین نے بھی اس سے خوب استفادہ حاصل کیا تھا۔

مسلمان علماء کی طرف سے اس ٹریکٹ کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ اور غالباً ان کے پاس اس کا کوئی جواب تھا بھی نہیں۔ بالآخر مولانا محمد علی جو لاہوری احمدیوں کے امیر ہیں انہوں نے اس کا جواب ۲۱ء میں ایک کتاب "محمدؐ اینڈ کرائسٹ" کے ذریعے دیا۔ یہ کتاب ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں ایک ایک کر کے سب اعتراضات کو صاف کیا گیا ہے۔ اور اس مذکورہ بالا ٹریکٹ کی سطحیت کو خوب واضح کیا گیا ہے۔" (مسلم ورلڈ جولائی ۲۴ء)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عیسائی مبلغین کے حوصلے کس قدر بلند ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنے مذہبی

صحیفوں کے قطع نظر قرآن سے حضرت مسیح کی فوقیت ثابت کرنے لگے تھے۔ اور مسلمان علماء کے حوصلے کس قدر پست ہو چکے تھے کہ ان میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ ان اعتراضات کی تردید کر سکیں اور اس آڑے وقت میں مولانا محمد علی صاحب کی یہ تصنیف اس قدر کام آئی کہ عیسائی مبلغین کا طریقہ تبلیغ اس سے بدل گیا۔

۱۹۲۱ء میں ہی انگریزی ترجمۃ القرآن کا دوسرا ایڈیشن ولایت سے ۵۰۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔

جون ۱۹۲۲ء میں آپ کی کتاب "حقیقتِ اختلاف" شائع ہوئی جو میاں محمود احمد صاحب کی کتاب "آئینۂ صداقت" کے جواب میں تھی۔ یہ کتب سلسلۂ احمدیہ کے اختلاف کے متعلق تھیں۔ میاں محمود احمد صاحب نے اپنی کتاب میں واقعات کو بہت حد تک بگاڑ کر پیش کیا تھا۔ اور اس نظریئے کا اظہار کیا تھا کہ خواجہ کمال الدین صاحب اور مولانا محمد علی صاحب دونوں شروع سے ہی منافق تھے۔ اور حضرت صاحب کو بھی تکالیف پہنچاتے رہے۔ حقیقتِ اختلاف میں نہ صرف آپ نے ان باتوں کا جواب لکھا ہے بلکہ اختلاف کی اصل حقیقت اور ان سب واقعات کا ذکر کیا ہے جو اس موقع پر پیش آئے (ان کی تفصیل اس سوانح میں پہلے دی جا چکی ہے)۔

۱۹۲۲ء کے موسم گرما میں آپ کا رسالہ "ردِ تکفیر اہلِ قبلہ" شائع ہوا۔ جس میں اس خطرناک عقیدہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو نہ ماننے والے مسلمان کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ اس رسالہ کا جواب آج تک جماعت قادیان کی طرف سے نہیں دیا جا سکا۔ اس رسالہ میں قرآن، حدیث اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات اور طرزِ عمل سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمام کلمہ گو مسلمان ہیں۔ اور غیر احمدیوں کا جنازہ پڑھنے کے مسئلے کو بھی صاف کیا گیا جس پر میاں محمود احمد صاحب بحث کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں دو انگریزی ٹریکٹ "بیک ٹو اسلام" (BACK TO ISLAM) اور "بیک ٹو قرآن" (BACK TO QURAN) شائع ہوئے۔ اور ایک اردو ٹریکٹ "مذہب کی غرض" بھی شائع ہوا۔

درسِ قرآن اس تمام دوران میں روزانہ درسِ قرآن کا سلسلہ مولانا محمد علی صاحب نے جاری رکھا۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں اس کا ایک دور ختم ہوا۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۱۸ء سے آپ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ جس میں آپ ایک چوتھائی پارہ قرآن کریم کا روز پڑھاتے تھے۔ تاکہ چار ماہ میں قرآن ختم ہو جائے۔ درس کے اس دور میں بیرونی جماعتوں کے بھی بہت سے احباب نے لاہور میں قیام کر کے فائدہ اٹھایا اور یہ دور اپریل ۱۹۱۸ء میں ختم ہوا۔ اسی طرح ۱۹۱۸ء کے موسم گرما میں شملہ میں اور لاہور آنے کے بعد احمدیہ بلڈنگس میں درس قرآن جاری رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ نے حدیث کے درس کا بھی آغاز کیا۔ اور یہی طریق آپ کا ہر سال

رہا۔ ۲۱-۱۹۲۲ء کے موسم سرما میں آپ نے علاوہ درس قرآن کے جو نماز مغرب کے بعد ہوتا تھا ایک سلسلہ درس قرآن و حدیث کا خاص طور پر سکول کے اساتذہ اور بلادِ غیر میں تبلیغ کے لئے تیا والوں کے لئے شروع کیا۔

۱۹۲۲ء و ۱۹۲۳ء کے قیام لاہور میں آپ نے ایک نئی طرز سے درس قرآن دینا شروع کیا۔ اس آپ لفظی ترجمہ کے ساتھ ساتھ ضروری نوٹ اور تشریح فرمایا کرتے تھے مگر زیادہ باریکیوں کو چھوڑ کر مق یہ تھا کہ ہر طبقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ بعد میں ان لوگوں کا جو اس درس میں باقاعدگی سے شامل ہوتے تھے۔ آپ نے تحریری امتحان بھی لیا۔

غرضکہ کئی رنگوں میں اور کئی طریقوں سے آپ نے قرآن کا درس دینا اپنی زندگی کا ایک جزو بنایا اور آپ اپنے خطبات جمعہ میں اور دوسرے ذرائع سے جہاں ایک طرف اشاعتِ قرآن اور اشاعت اسلام پر ہمیشہ زور دیا کرتے تھے وہاں اس امر کو بھی واضح کیا کرتے تھے کہ ایک حامل قرآن جماعت کے لئے سب سے ضروری چیز خود قرآن کو پڑھنا اور اس پر سمجھ کر عمل کرنا ہے۔

بیرونی جماعتوں کے دورے اور دوسرے سفر

جماعتی تنظیم کو جو اہمیت مولانا محمدؐ علی صاحب دیتے تھے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ اتنی عظیم الشان تصنیفات میں منہمک ہونے کے باوجود اور دیگر کئی قسم کے فرائض کے سرانجام دیتے ہوئے بھی ہمیشہ بیرونی جماعتوں میں ایک ایک دو دو دن کے قیام کے لئے وقت نکالا کرتے تھے اور اکثر ان کے سالانہ جلسوں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ ہر سال قریباً دس بارہ جماعتوں میں اس طرح سے خود جاتے۔ اور منجملہ اور باتوں کے ماہوار چندوں، درس قرآن اور نماز جمعہ کے اجتماع پر خصوصیت سے زور دیتے تھے۔ چنانچہ ان پانچ چھ سالوں میں بھی آپ کا یہی طریقہ رہا۔ یہ سفر عموماً پنجاب اور سرحد کے مقامات کے لئے ہوتے تھے۔ یعنی پشاور سے دہلی تک۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے پہلا لمبا سفر بمبئی اور مدراس کا کیا جس میں خواجہ کمال الدّین صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ وسط فروری میں آپ دونوں پہلے بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں چند دن کے قیام اور تقاریر کے بعد مدراس پہنچے۔ جہاں ان کا نہایت شاندار استقبال عام مسلمانوں نے کیا۔ سیٹھ ملنگ احمد بادشاہ صاحب کے گھر پر ان کا قیام تھا۔ مدراس پہنچتے ہی مولانا محمدؐ علی صاحب بیمار ہو گئے اور اس وجہ سے پبلک تقاریر نہ کر سکے۔ لیکن خواجہ صاحب نے کئی ایک لکچر دیئے۔ بمبئی اور مدراس کے ان سفروں میں ان دونوں بزرگوں نے عام مسلمانوں سے خطاب کر کے ان کو اشاعت اسلام کے کام کی ضرورت اور اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور انجمن کے لئے مالی امداد کی اپیلیں کیں۔ ان کے سفر کی وجہ سے نہ صرف انجمن کو اور ووکنگ مشن کو معقول مالی امداد ملی بلکہ

ان شہروں میں اس جماعت کے اور اس کے کام کے مدّاح جگہ جگہ پیدا ہو گئے۔

اس زمانہ میں انگریزی ترجمہ قرآن اور دیگر لٹریچر کی اشاعت سے اور یورپ میں تبلیغ اسلام کے کام کی وجہ سے متعصّب مولویوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے تعلیمیافتہ طبقہ میں جماعت احمدیہ لاہور اور مولانا محمد علی صاحب کی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔ انجمن اسلامیہ پنجاب کے جلسوں میں جو مختلف شہروں میں ہوتے تھے، شرکت کی دعوت ہمیشہ آپ کو دی جاتی تھی اور کئی ایک جلسوں میں آپ باہر جا کر شرکت فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۹۲۰ء میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں بھی آپ نے ایک تقریر "ہماری مشکلات اور ان کا حل" کے عنوان سے کی جس میں تمام مسلمانوں کے سامنے اشاعت اسلام کے کام کو پیش کیا اور اس جماعت کی امداد کرنے کی دعوت دی۔

شملہ کا قیام ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۱ء

جیسا کہ ذکر آچکا ہے ۱۹۱۷ء تک موسم گرما میں مولانا محمد علی صاحب ایبٹ آباد جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں شملہ حکومتِ ہند کا موسمِ گرما کا دارالخلافہ تھا اور وہاں ایک معقول تعداد جماعتِ احمدیہ لاہور کے ممبران کی ہوتی تھی۔ ۱۹۱۸ء میں شملہ کے احباب نے استدعا کی کہ آپ موسمِ گرما شملہ میں گذاریں۔ چنانچہ اس سال آپ ۳۱ مئی کو چار ماہ کے لئے بمعہ اہل و عیال شملہ تشریف لے گئے۔ اور چھوٹے شملہ میں ایک کوٹھی ابوالاآج میں قیام فرمایا۔ چونکہ آپ کے پہاڑ پر قیام کے دوران میں کئی ایک اور بزرگان بھی آجاتے تھے اور خاص طور پر ماہِ رمضان کے درس قرآن کے لئے، اس لئے آپ نے اپنی کوٹھی کا نصف حصّہ مہمانوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی کاٹج بھی لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ حافظ فقیر اللہ صاحب جو ایک خوش الحان بزرگ ہیں آپ کے ہمراہ تھے اور روزانہ ایک پارہ سب احباب کو سناتے تھے اور آپ درس قرآن دیتے تھے۔ اور سب مل کر رمضان المبارک کی تہجد کی عبادت میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے روزانہ درس قرآن کی شہرت شملہ میں پھیل چکی تھی اور کثیر تعداد میں غیر احمدی مسلمان بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔

اسی سال یعنی ستمبر ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد انفلوئنزا کی عالمگیر وبا تمام ملک ہندوستان میں بھی پھیل گئی تھی۔ اور ہزارہا اموات روزانہ ہوتی تھیں۔ خاص طور پر لاہور اور بڑے بڑے شہروں میں اس کا بہت اثر تھا[1]۔ احباب نے آپ کو لاہور آنے سے روکا مگر آپ نے بیوی بچوں کو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب

---

[1] انہی ایام میں جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب ووکنگ میں تھے تو لاہور میں ان کے بڑے صاحبزادہ بشیر احمد کی دردناک موت واقع ہوئی اُس وقت مولانا محمد علی صاحب نے خواجہ صاحب کو ذیل کے مضمون کا تار ووکنگ میں دیا: Beloved Bashir called back. Sorrowfully we submit ان سے زیادہ مناسب اور مختصر الفاظ میں اظہارِ محبت اور اظہارِ رنج اور مشیّت ایزدی پر صبر۔ اور انسان کی زندگی

کے پاس خانپور میں، جہاں وہ تعینات تھے، پہنچا دیا اور خود اکیلے لاہور آ گئے۔

آخر مئی ۱۹۱۹ء میں آپ دوبارہ شملہ تشریف لے گئے۔ اور چھوٹے شملہ میں کوٹھی "ہری ولا" میں قیام فرمایا۔ اس سال خواجہ کمال الدین صاحب بھی، جو مئی ۱۹۱۹ء میں ولایت سے واپس تشریف لائے تھے آپ کے ساتھ ہی شملہ چلے گئے اور "ہری ولا" کے ساتھ ایک کاٹج "ہری کاٹج" میں قیام پذیر ہوئے۔ شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری بھی اس موسم گرما میں ہری ولا میں رہے۔ اس سال شملہ میں ایک اور مکان لے کر جماعت کے بعض تعلیمیافتہ احباب کے لئے ایک تبلیغی کلاس کا آپ نے اجرا کیا۔ اور اس کلاس میں آپ خود دو گھنٹے روزانہ لیکچر دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ درس قرآن تو حسب معمول روزانہ ہوتا تھا۔ یہ تبلیغی کلاس کا سلسلہ شملہ میں دو۲ سال تک رہا۔

غرضکہ چار سال موسم گرما آپ نے شملہ میں اس رنگ میں گذارے۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ آپ "بیان القرآن" کی تصنیف میں مصروف تھے۔ اور اس کے علاوہ "سیرت خیر البشر"، "جمع حدیث"، "محمدؐ اینڈ کرائسٹ" اور کئی ایک رسالجات و ٹریکٹ آپ نے تحریر فرمائے۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

دیگر حالات ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۳ء

۱۹۱۸ء میں مولانا محمد یعقوب خانصاحب نے اپنی اعلیٰ ملازمت ترک کر کے اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کی۔ اور لاہور میں آ کر سکونت اختیار کی۔

خواجہ کمال الدین صاحب مئی ۱۹۱۹ء میں ولایت سے واپس تشریف لائے۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں ان کی جگہ مولوی صدر الدین صاحب کو دوبارہ ووکنگ بھیجا گیا۔ جو اپریل ۱۹۲۰ء تک وہاں رہے۔ خواجہ صاحب پھر تیسری بار ووکنگ جانے کے لئے اکتوبر ۱۹۲۱ء میں روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے ستمبر ۱۹۲۱ء میں ووکنگ میں کام بڑھ جانے کی وجہ سے مولانا محمد یعقوب خانصاحب کو بھی وہاں بھیجا گیا۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں اخبار لائٹ کا اجرا ہوا۔ اب تک اس جماعت کا کوئی انگریزی اخبار لاہور سے نہ نکلتا تھا۔ اور اس کی کمی بہت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اس اخبار نے آہستہ آہستہ بہت ترقی کی۔ خاص طور پر جب مولانا یعقوب خانصاحب نے ووکنگ سے آ کر اس کی ادارت سنبھالی تو ان کے زمانے میں اس اخبار نے نہ صرف ہندوستان بھر کے انگریزی جاننے والے طبقہ سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ بلکہ ایک بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی اور کثرت سے غیر ممالک میں بھیجا جانے لگا۔

کے مقصد کو بیان کرنا مشکل ہے۔ خود خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق۔ اس پیغام نے جہاں اس اچانک اور افسوسناک موت کی خبر پہنچائی۔ وہاں صبر کی تلقین اور راضی برضا رہنے کی بھی نصیحت کی۔

ڈلہوزی کا قیام ۲۲ء، ۲۳ء

اپریل ۲۲ء میں رمضان شروع ہونے سے کچھ پہلے مولانا محمد علی صاحب تنہائی میں عبادت اور دعاؤں کے ایک مجاہدے کے لئے اکیلے ڈلہوزی پہاڑ پر کچھ عرصہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ پہاڑ ایبٹ آباد، مری اور شملہ کی طرح پُر رونق جگہ نہ تھی۔ بلکہ نہایت پُرسکون اور خاموش مقام تھا۔ اس جگہ کی سکون اور تنہائی آپ کو اس قدر پسند آئی کہ آپ نے آئندہ موسم گرما ڈلہوزی میں ہی گذارنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے پیغام صلح میں ایک مختصر سی تحریر احباب جماعت کے لئے لکھی جو درج ذیل ہے:۔

"میری غیر حاضری اور ہمارا کام۔

برادران سلسلہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ لاہور آنے سے بھی دو سال بیشتر میں تصنیف کے کام کی خاطر پہاڑ پر چلا جایا کرتا تھا۔ لاہور میں انجمن کے بن جانے سے یہ ضرورت اور بھی بڑھ گئی اس لئے کہ لاہور میں رہ کر میرے موجودہ فرض منصبی نے اس قسم کے بہت سے کام میرے ذمہ ڈال دیئے جو شغلِ تصنیف میں بہت زیادہ ہارج ہو جاتے ہیں۔ تصنیف کا کام، بالخصوص ایسی تصنیف کا کام جس میں بہت زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ جیسے قرآن شریف کی تفسیر، ایسی تنہائی کو چاہتا ہے جو لاہور میں میسّر نہیں ہو سکتی۔ اس سال کا واقعہ ہے کہ لاہور میں پورے سات ماہ رہ کر صرف پون پارہ ترجمہ قرآن شریف کا آگے چل سکا ہوں۔ حالانکہ اللہ کے فضل سے مجھے کام کرنے کی اس وقت بھی اسی طرح عادت ہے جس طرح طالب علمی کے زمانہ میں امتحان کی تیاری کے لئے کیا کرتا تھا اور حقیقت میں بڑا امتحان تو باقی ہے۔ شملہ میں میرے جانے سے وہاں بھی ایک جماعت اچھی بن گئی۔ لیکن اس دفعہ میں نے وہاں سے بھی کنارہ کشی کر کے ڈلہوزی میں رہائش اختیار کی ہے تاکہ سارا وقت ترجمہ کے کام پر دے سکوں۔ وما توفیقی الاّ باللہ۔"

("پیغام صلح" مورخہ ۱۰ رمئی ۲۲ء)

پہلے سال میں ڈلہوزی کے نچلے حصے میں ایک کوٹھی 'مال ہوس'، میں آپ نے قیام فرمایا۔ لیکن جہاں شمع ہو پروانے بھی پہنچ ہی جاتے ہیں۔ اس سال ہی شیخ رحمت اللہ صاحب، میاں غلام رسول صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور کچھ اور اصحاب بھی ڈلہوزی آپ کے پاس تشریف لے آئے۔ 'مال ہوس' ایک وسیع مکان تھا اور اس کا نصف حصہ مہمانوں کے لئے تھا۔ لیکن ساتھ ہی ایک اور کوٹھی 'مال کاٹیج' بھی لے لی گئی۔ اور ڈلہوزی کے خاموش مگر سرسبز اور خوبصورت پہاڑ اذانوں اور قرآن پاک کی تلاوت اور پچھلی رات کی دعاؤں سے گونج اُٹھے۔

اس کے بعد پھر ہر سال گرمیوں کا موسم آپ نے ڈلہوزی میں ہی گذارنا شروع کیا۔ اور دیگر اصحاب بھی اکثر وہاں جانے لگے۔

جرمن مشن انہی سالوں میں یورپ میں تبلیغ اسلام کی ایک اور بنیاد بھی رکھی گئی یعنی انجمن نے جرمنی میں مشن قائم کیا۔ جرمنی میں مشن قائم کرنے کے لئے پہلے محرک ایک صاحب عبدالجبار خیری تھے۔ جنہوں نے ۲۱ء میں کارکنان ووکنگ کو وہاں ایک اسلامی مشن قائم کرنے کی تحریک کی۔ اور وہاں سے یہ تحریک لاہور کی انجمن کو پہنچی۔ ۲۱ء میں ہی انجمن نے برلن میں مشن کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ جون ۲۲ء میں مولانا عبدالمجید صاحب (حال ایڈیٹر اسلامک ریویو۔ ووکنگ) برلن بھیجے گئے۔ اور جولائی ۲۲ء میں یہ مشن باقاعدہ کھل گیا۔ ان کے وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی خواجہ کمال الدین صاحب بھی جولائی میں ووکنگ سے برلن پہنچے اور حالات کا جائزہ لے کر انجمن کو یہ مزید تحریک کی کہ وہاں تبلیغی کام شروع کرنے کے لئے ایک مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اس ابتداء کے بعد آہستہ آہستہ برلن میں زمین خریدنے اور مسجد بنانے کے انتظامات کئے گئے۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب نے خاص طور پر برلن مسجد کے لئے چندہ کی اپلیں شروع کیں۔ انجمن نے مولانا صدرالدین صاحب کو برلن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ آخر دسمبر ۲۲ء میں لاہور سے روانہ ہوئے۔

حق تصنیف کی ابتدا اپریل ۱۴ء سے یعنی لاہور تشریف لے آنے کے بعد سے مولانا محمد علی صاحب کو بہت سی مالی مشکلات کا سامنا ہوا اور پانچ سال سے زائد ایک عرصہ وہ ہے جبکہ آپ کے گذارے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس دوران میں کئی ایک کتب آپ کی تصنیف کردہ چھپیں۔ اور ترجمۃ القرآن انگریزی کا پہلا ایڈیشن بھی شائع ہو کر تمام دنیا میں پھیلا۔ لیکن آپ نے نہ تو انجمن سے کوئی رقم گذارے کے لئے لینی منظور کی نہ ہی آپ کی کتب پر کوئی حق تصنیف دیا گیا۔ بلکہ اس پانچ سال کے عرصہ میں اپنے اوپر بہت سی مشکلات اٹھا کر گذارہ کرتے رہے حتیٰ کہ گھر کے برتن تک بیچ بیچ کر بسر کرتے رہے۔ پہلے ایک سال تو خود انجمن نے یا اس کے کسی ممبر نے اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔ ایک سال کے بعد بعض ممبران نے اپنے طور پر آپ کے سامنے تجویز پیش کی کہ آپ انجمن سے کچھ وظیفہ ماہوار لیں۔ مگر آپ نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اس کے بعد ۱۷ء اور ۱۸ء میں دو مرتبہ یہ معاملہ انجمن میں پیش ہوا۔ اور وہ تجاویز حسب ذیل تھیں:۔

(۱) "مورخہ ۱۷/۴/۲۹۔ ریزولوشن ۵۹/۹۱۔ تجویز ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کہ حضرت امیر قوم مولانا محمد علی صاحب نے آٹھ سال کی لگاتار محنت سے انگریزی ترجمۃ القرآن تصنیف کیا۔ اور پھر سلسلہ پر اس ابتلا کے زمانے میں بڑی جانفشانی سے خدمتِ سلسلہ کو ادا کیا۔ جس سے ان کی صحت پر بہت برا اثر پڑا۔ آجکل بھی باوجود اس کمزوری اور ضعف کے خدمتِ سلسلہ میں مضامین نگاری، روزانہ درس قرآن

تشریف، بیرونی مقامات میں جاکر لکچر دینے، بیرونی احباب اور دیگر اشخاص سے خط وکتابت کرنا، روزانہ ملاقاتوں میں تقریریں اور مباحثات کرنے کے علاوہ جب سے قادیان سے قطع تعلق کیا ہے اپنے معاش کی فکر بھی ان کو خود کرنی پڑتی ہے۔ اب تک انجمن سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اگر چندے اور یہی صورت رہی تو خطرہ ہے کہ ان کی صحت کو بڑا سخت صدمہ پہنچے گا۔ چونکہ حضرت مولوی صاحب کا سارا وقت انجمن کی اغراض کو پورا کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اس لئے آپکے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے مفصلہ ذیل تجاویز انجمن کے غور کے لئے پیش کرتا ہوں۔

اوّل:۔ آپ کو فکرِ معاش سے سبکدوش کیا جائے۔

دوئم:۔ آپ کے کام میں امداد دینے کے لئے کوئی مددگار دیئے جائیں۔

رپورٹ سیکرٹری کہ شاہ صاحب کی تجویز سے مجھے بکلی اتفاق ہے۔ میری رائے میں کم از کم دو صد روپیہ ماہوار حضرت مولوی صاحب کے گذارہ کے لئے انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے

فیصلہ:۔ مفصلہ ذیل اصحاب اس معاملے میں غور کر کے رپورٹ کریں۔ شیخ رحمت اللہ۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ۔ مولوی صدرالدین۔ میاں غلام رسول صاحب۔ خاکسار (یعقوب بیگ) سیکرٹری۔

۴) اسی طرح ایک اور تجویز حسب ذیل تھی:۔

"ر ۲۷۷ منتظمہ ۱/۱۸ ۱۳ ۔ تجویز حضرت مولوی صدرالدین صاحب کہ حضرت امیر قوم نے قریباً چار سال تک اپنا گذارہ جسطرح بھی ہُوا کیا ہے۔ اس قسم کے گذارے کی صورتیں عمر کو کم کر دیتی ہیں۔ ایسے عزیز اور قیمتی وجود جیسا کہ حضرت امیر کا ہے، روز روز دنیا میں نمودار نہیں ہوتے۔ اس لئے انجمن کو فکر کرنی چاہیئے نیز انجمن کو حضرت امیر قوم کی خدمت میں درخواست کرنی چاہیئے کہ براہِ کرم انجمن کی اس درخواست کو منظور فرمائیں۔ رسولِ کریمؐ، خلفائے راشدہ نے دینی خدمت کے عوض میں کفاف لینا منظور فرمایا ہے۔ آپ بھی اس سنّت کو ترک نہ کریں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ آپ اسلام پر کتابیں بھی لکھیں۔ قوم کے مصالح کی باگ ڈور بھی لیں اور ادھر مایحتاج کی فکر کو بھی دامنگیر رکھیں۔۔۔۔ کاش ہم میں طاقت ہوتی۔ ہم ان کی خدمت کے لئے بیش از بیش کوشش کرتے۔ سرِدست دو صد روپیہ ماہوار ان کے لئے منظور کرنا ضروری ہے۔"

یہ تجویز دوبارہ بطور ریزولیوشن ۱۹ مورخہ ۲/۱۸ ۳ پیش ہوئی اور فیصلہ ہُوا:۔

"ممبران انجمن کی متفقہ طور پر یہ درخواست ہے کہ حضرت امیر قوم انجمن کی طرف سے مجوزہ نذرانہ جو کہ اگرچہ بہت قلیل ہے قبول فرمائیں۔ مگر چونکہ حضرت امیر قوم اس قسم کی مالی امداد لینا پسند نہیں

کرتے اس لئے سردست یہ تجویز ملتوی کی جاوے۔"

مولانا محمد علی صاحب نے اپنے اس رویہ کی یعنی مالی امداد لینے سے انکار کرنے کی وضاحت خود ہی ایک تحریر میں کی ہے جو آپ نے وفات سے چند روز قبل لکھی تھی۔ فرماتے ہیں:-

"یہ بھی میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے جو شروع سے انجمن سے کوئی معاوضہ لینا ناپسند کیا۔ حالانکہ میرے پاس کوئی ذرائع آمد نہ تھے۔ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ڈرتا تھا کہ میرا بار انجمن کے لئے ناقابل برداشت نہ ہو جائے۔ نئی نئی انجمن بنی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میرا بار اس پر اور بڑھ جائے۔ تو انجمن ہی رہ جائے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ جب میں قادیان سے چلا آیا تو ایک قادیانی بزرگ نے میرے متعلق یہ فقرہ کہا کہ جب چھ ماہ تنخواہ نہ ملے گی تو خود سبد سے ہو کر خلیفۂ قادیان کے سامنے سر جھکا دیں گے۔"

اس کے علاوہ اپنے ایک خط مورخہ ۲ر دسمبر ۳۰ء بنام مولانا غلام حسن خان صاحب لکھتے ہیں:-

"۳ مئی ۱۴ء کو انجمن بنی۔ اور مجھے امیر منتخب کیا گیا۔ مگر ایک سال تک انجمن ہی نہیں انجمن کے کسی فرد نے بھی امیر کے گذارہ کا ذکر تک نہ کیا۔ اور نہ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا گذارہ کس طرح ہوتا ہے۔ قریبًا ایک سال بعد انجمن کے بعض ممبران نے اپنے طور پر میرے سامنے کچھ وظیفہ انجمن سے دیا جانے کی تجویز پیش کی۔ میں نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ اس کی وجوہات بہت سی تھیں۔ ایک تو انجمن کی مالی حالت ایسی تھی کہ اگر میں اپنا بوجھ اس پر ڈالتا تو انجمن کے لئے سخت مشکلات کا موجب ہوتا۔ دوسرے میں دیکھتا تھا کہ جس طرح ایک طرف پیر پرستی تھی دوسری طرف آزادی حد سے گذری ہوئی تھی۔ اور میں نے سمجھا کہ وظیفہ خور بن جانے سے امارت کی رہی سہی حیثیت بھی جاتی رہے گی۔ کچھ اور وجوہ بھی تھیں۔ مگر زیادہ تر یہی دو خیالات میرے دل میں تھے۔ اس عرصہ میں جس قدر میری تصانیف تھیں وہ انجمن چھپواتی اور ان سے فائدہ اٹھاتی رہی۔ ۱۸ء میں میں نے بیان القرآن شروع کیا اور ۱۹ء میں میں نے چند احباب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بیان القرآن کو میں خود چھپوا لیتا ہوں۔ اس وقت ان احباب نے باہم مشورہ کر کے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ میری جملہ تصانیف انجمن چھپواتی رہے اور ان کی قیمت فروخت کا ایک حصہ بطور حق تصنیف مجھے دیتی رہے۔ ان احباب میں خواجہ صاحب، شاہ صاحب، مرزا صاحب تو ضرور تھے۔ ان میں سے آج بھی کسی سے حلفیہ دریافت کر لیا جائے کہ کیا میں نے اشارۃً بھی کبھی کسی کو کہا تھا کہ انجمن مجھے حق تصنیف دے۔ البتہ جب یہ تجویز میرے سامنے آئی تو میں نے اسے پسند کیا۔ کیونکہ انجمن نے اس

ذریعہ سے کچھ کما کر اس کا ایک حصہ مجھے دینا تھا۔ میرے ساتھ اس معاملہ کو طے کر کے یہ تجویز باقاعدہ انجمن میں آئی۔"

یہ تجویز جو حق تصنیف کی ابتدا ہے۔ ۳۰ جولائی ۱۹۱۹ء کو اس طرح پیش ہوئی۔ اس وقت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سیکرٹری تھے۔ اور انہوں نے اس کو پیش کیا:۔

"ر ۱۹۱ ۶/۱۹ ۳۰ - رپورٹ سیکرٹری کہ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب رات دن انجمن کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن انجمن سے اس کا کچھ معاوضہ لینا پسند نہیں کرتے۔ کئی بار کوشش کی گئی ہے کہ کسی رنگ میں انجمن یا احباب سلسلہ آپ کی خدمت کریں۔ لیکن آپ نے ہمیشہ ایسی مدد لینے سے انکار کیا ہے۔ چونکہ اخراجات فی زمانہ بہت بڑھ گئے ہیں اس لئے ان تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جن کی آپ للّٰہیت اور بےنفسی کی وجہ سے پرواہ نہیں کرتے۔ چند احباب نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ آپ جو تصانیف انجمن کے لئے فرماتے ہیں۔ ان کے منافع میں سے کچھ اپنی ضروریات کے لئے قبول فرمائیں۔ بہت اصرار کے بعد آپ نے منظور کیا ہے کہ آپ کی آئندہ تصانیف کی قیمت مفصلہ ذیل حساب سے رکھی جائے۔ مثلاً اگر ایک کتاب پر لاگت ۱/۲ فی نسخہ ہو تو اس میں اخراجات دفتر لگایا جائے۔ ۱/۲ منافع رکھا جائے۔ اور ۱/۴ حق تصنیف۔ ان میں سے حق تصنیف ہر نسخہ فروخت ہونے پر حضرت امیر کو دیا جائے۔ بل ماہوار بنا کرے۔ لہذا یہ تجویز بغرض منظوری مجلس میں پیش کی جاتی ہے۔

فیصلہ:۔ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں میں حق تصنیف کے معاوضے کے طور پر ذیل کی تجویز اختیار کی جاوے۔ کہ جو کتابیں آئندہ نئی تصنیف ہوں ان کی قیمت فروخت لاگت سے تین گنا رکھی جائے۔ اور ایک چوتھائی قیمت فروخت فی کاپی حضرت امیر مولوی محمد علی صاحب کو دی جائے اور جو کتابیں پہلے تصنیف ہو چکی ہیں۔ معہ ترجمۃ القرآن۔ آج کی تاریخ سے ان کی فروخت سے ۱/۴ حصہ قیمت فروخت فی کاپی حضرت امیر کو دی جائے۔ بل ماہوار بنا کرے۔ اور جو رقم آوے وہ حضرت امیر کی خدمت میں بطور معاوضہ حق تصنیف پیش کر دی جائے۔"

چنانچہ اگست ۱۹۱۹ء سے اس پر عملدرآمد شروع ہوا۔ اور اس کے بعد ہمیشہ یہی انتظام رہا کہ انجمن آپ کی تصنیف کردہ کتب چھپواتی اور بیچتی رہی۔ اور اس کا ایک حصہ وقتاً فوقتاً مقررکردہ شرح کے مطابق آپ کو بطور رائلٹی یا حق تصنیف کے دیتی رہی۔ جس کا کہ عام دستور اور قاعدہ ہے۔ یہ ایک نہایت مناسب اور باعزت طریقہ تھا جس کے ذریعہ سے آپ نے اپنے مایحتاج کا انتظام کیا۔ اور اس طریق سے آپ نے کبھی

انجمن پر اپنے گذارے کے لئے بوجھ نہ ڈالا۔ اور نہ ہی کبھی دیگر مذہبی لیڈروں کی طرح نذر ونیاز سے اپنے اخراجات پورے کئے۔ صرف اپنی محنت کا معاوضہ لیا۔ اور وہ بھی اس آمد سے جو انجمن کو آپ کی کتب کی اشاعت سے ملتی تھی۔

جماعت قادیان کے ساتھ تعلقات

۱۹۱۴ء کے اختلاف کے بعد سے لے کر اس تمام عرصہ میں جماعت قادیان کو مخاطب کر کے اختلافی مسائل پر مولانا محمد علی صاحب نے بذریعہ اخبار "پیغام صلح" بہت کچھ لکھا۔ اور میاں محمود احمد صاحب کے غلط عقائد یعنی حضرت مسیح موعود کی طرف دعوائے نبوت منسوب کرنا، اُن کو اسمہٗ احمد والی آیت قرآنی کا مصداق ٹھہرانا، اور کل غیر احمدی مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا وغیرہ کی بارہا تردید کی۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ آپ کے اور خود میاں محمود احمد صاحب کے درمیان ان مسائل پر تحریری فیصلہ کن مباحثہ ہو جائے جس کو چھاپ کر دونوں جماعتوں میں پھیلا دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے لئے خود فیصلہ کر سکے مگر کسی نہ کسی وجہ سے میاں محمود احمد صاحب نے اس تجویز کو کبھی قبول نہ کیا۔ یہ بھی پہلے ذکر آچکا ہے کہ جماعت لاہور کی طرف سے "ستر" احمدیوں کی، جنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت مسیح موعود کی بیعت کی تھی۔ حلفیہ شہادتیں شائع کی گئیں کہ حضرت مسیح موعود نے ۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدہ دربارہ نبوت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ مگر اس کے مقابل پر میاں محمود احمد صاحب ایک آدمی کی بھی شہادت اس کے خلاف پیش نہ کر سکے۔

اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب نے جماعت قادیان سے خطاب کر کے مندرجہ ذیل ٹریکٹ بھی تصنیف فرمائے۔

(۱) "جلسہ سالانہ پر تبادلۂ خیالات کے لئے میاں صاحب کو دعوت"

(۲) نبی یا محدث۔

(۳) ادعائے نبوت۔

(۴) انکار نبوت اور ۱۹۰۱ء۔

(۵) آخری نبی۔

(۶) حضرت مسیح موعود کا حلفی بیان

(۴) ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک

فضل الباری اور ریلجن آف اسلام کی تصنیف

۲۴ء سے ۳۷ء تک کے چودہ سال

۱۹۲۳ء تک مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کریم کے انگریزی و اردو تراجم اور تفاسیر کی تکمیل کی۔ اور اس عرصہ میں ہی سیرت آنحضرت صلعم پر بھی اردو میں سیرت خیر البشر شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک کا چودہ سال کا عرصہ وہ ہے جبکہ علاوہ اور تصانیف کے آپ کی دو بڑی تصانیف فضل الباری، یعنی اردو ترجمہ صحیح بخاری بمعہ تفسیری نوٹ، اور ریلجن آف اسلام (انگریزی) شائع ہوئیں۔ اس دوران میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے آپ کی قیادت میں نمایاں ترقی کی اور اشاعت اسلام کے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے۔ انجمن کا سالانہ بجٹ بڑھ کر دو لاکھ روپے تک جا پہنچا۔ ہندوستان اور غیر ممالک میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ اور کئی لاکھ کی جائداد کی انجمن مالک بنی۔ انگریزی ترجمہ قرآن کے نئے ایڈیشن شائع ہوئے اور آپ کا تصنیف کردہ لٹریچر کثرت سے غیر ممالک میں پھیلا اور غیر زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ مسلم ہائی سکول کی اپنی عمارت تعمیر ہوئی۔ برلن کی مسجد بنی۔ جرمن ترجمہ قرآن شروع ہوا۔ جاوا مشن قائم ہوا اور ڈچ ترجمہ قرآن شائع ہوا۔ مولانا محمد علی صاحب نے کئی ایک سفر باہر کے کئے۔ جہاں ایک طرف آپ کے تصنیف کردہ لٹریچر اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے کارناموں کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی وہاں اپنے ملک میں اس جماعت کو ایک مخالفت کے خطرناک طوفان میں سے گزرنا پڑا۔ مگر باوجود اس کے جماعت کا قدم ترقی کی طرف ہی بڑھتا گیا۔ اس عرصہ میں جہاں انجمن کے بجٹ میں اتنی ترقی ہوئی اور وہ قیمتی جائیداد کی مالک بنی وہاں اشاعت اسلام کے عالمگیر کاموں کی وجہ سے اس کو بہت سی مالی مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ لیکن ان کی وجہ سے کسی کام میں فرق نہ آیا۔ کیونکہ اس انجمن کی قیادت پر وہ شخص تھا جس کے قدم کبھی اشاعت اسلام کی راہ میں ذرہ بھر بھی متزلزل نہیں ہوئے۔ اس کے دل میں جو درد اور تڑپ اور خلوص تھا اس کا نتیجہ ایک طرف تو ایک آہنی عزم اور ان تھک جدوجہد تھا اور دوسری طرف آدھی رات کو اٹھ کر خدا کے آگے رونا اور جماعت کی نصرت اور دین کے غلبے کی دعائیں کرنا۔ یہی وجہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے اس کی آواز میں وہ اثر رکھا تھا کہ گو وہ چندے مانگتے اور خاص تحریکات کے لئے اپیلیں کرتے ہوئے نہیں تھکتا تھا۔ تو جماعت بھی چندے دیتے ہوئے اور اپیلوں پر اپنے مال حاضر کرتے ہوئے نہیں تھکتی تھی۔ اور

احمدیوں کی مالی قربانیاں غیروں تک میں ضرب المثل تھیں۔

تصنیفات ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک۔

قرآن کریم کی انگریزی و اُردو تراجم و تفاسیر کے بعد مولانا محمد علی صاحب نے صحیح بخاری کا اردو ترجمہ اور تشریحی نوٹ لکھنے کا کام شروع کیا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب نے انگریزی ترجمہ قرآن آخری پاروں کے نوٹ سنتے ہوئے اپنے آخری ایام میں مولانا محمد علی صاحب سے فرمایا تھا کہ "مولوی صاحب قرآن تو ہوگیا مگر بخاری رہ گئی"۔ مولانا محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ مولانا نورالدین صاحب کی خواہش تھی کہ آپ اس کام کو بھی کرتے۔ چنانچہ بیان القرآن کے بعد آپ نے تاریخ خلافتِ راشدہ تصنیف فرماتے ہی اس کام کو ہاتھ میں لیا۔ ۲۶ء سے ہی یہ ترجمہ اور تشریحی نوٹ "فضل الباری" کے نام سے مختلف حصّوں میں شائع ہونے شروع ہوئے۔ اور تمام تعلیم یافتہ طبقہ میں اُسی طرح پسند کئے گئے۔ جس طرح ترجمہ قرآن مقبول ہوا تھا۔ مثال کے طور پر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے اخبار سچ مورخہ ۱۲ نومبر ۲۶ء میں لکھا:۔

"احادیث کے ایک اچھے ترجمے کی ایک سخت ضرورت ابھی باقی تھی۔ خدا کے فضل سے اس اہم ضرورت کے پورا ہونے کا وقت اب آگیا اور کارسازِ حقیقی نے اس خدمت کے لئے ایک ایسے شخص کو چُن لیا جو "علماء سوء" ہی کے نزدیک نہیں بلکہ بہت سے نیک علماء کے نزدیک شاید سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ لاہور کی جماعتِ احمدیہ کے امیر مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے اسلام کے ان چند مخلص ترین فرزندوں میں سے ہیں جو سالہا سال سے خاموشی سے اسلام کی نہایت گرانقدر خدمات میں مصروف ہیں۔ چنانچہ ان کا انگریزی ترجمہ خدا معلوم کتنے بھٹکے ہوؤں کو اب تک راہ ہدایت دکھلانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ انہیں خدمات جلیلہ کی ایک تازہ قسط اُن کا ترجمہ صحیح بخاری ہے جو فضل الباری کے نام سے انہوں نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور جس کا پہلا حصّہ ابھی مطبع سے باہر آیا ہے۔"

مکمّل کتاب ۳۶ء کے آخر میں شائع ہوئی۔ اس کی تمہید ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں "مقام حدیث" کے نام سے آپ نے لکھ کر شائع کر دی تھی۔ جس میں حدیث کے صحیح مقام اور جمع حدیث پر مفصل بحث ہے۔ صحیح بخاری کے ترجمے میں سب سے بڑی روک اس کا حجم ہے جو کہ احادیث کی مختلف ابواب میں تکرار کی وجہ سے ہے۔ مکرر احادیث کو اگر حذف کر دیا جائے تو پڑھنے والا امام بخاری کی فقاہت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اختلافِ لفظی سے جو بعض وقت مفید نتائج پیدا ہو جاتے ہیں وہ سامنے نہیں آتے۔ کیونکہ امام بخاری احادیث کو مکرر کسی علیحدہ مسئلہ کے اخذ کے لئے لاتے ہیں۔ اور ان کے یہ استنباطات خفقہ

میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس مشکل کا حل مولانا محمد علی صاحب نے نہایت خوبی سے کیا۔ جملہ ابواب کی ترتیب اسی صورت میں رکھی ہے جیسے بخاری میں ہے۔ ہر حدیث پر نمبر دے دیا۔ جب وہ حدیث مکرّر آتی ہے تو صرف نمبر کا حوالہ دے دیا ہے اور اگر کوئی اختلاف لفظی یا ٹکڑا کم و بیش ہو تو نوٹ دے کر تفسیر میں اس کی تشریح کر دی ہے۔ نوٹوں پر آپ نے بہت محنت کی ہے۔ حضرت مسیح موعود کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق (جن کی تفصیل آپ نے مقام حدیث میں دی ہے) اگر کسی حدیث کو خلاف قرآن پایا ہے تو اس کی تاویل کی ہے جو اُسے قرآن کے ماتحت لے آئے۔ ورنہ اس کو ردّ کرنے کے قابل سمجھا ہے۔ اپنے نوٹوں میں اسلام پر غیر مذاہب کے اعتراضات کو مدِ نظر رکھا ہے اور ترجمہ عام فہم اور لفظی مگر بامحاورہ کیا ہے۔

فضل الباری کی اشاعت کے دَوران میں ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں آپ نے اپنی مشہور انگریزی کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" (The Religion of Islam) تصنیف فرمائی۔ دراصل یہ کتاب لکھنے کا کام آپ نے ۱۹۲۸ء سے تھوڑا تھوڑا شروع کیا ہُوا تھا۔ اُس سال ایک پادری کی لکھی ہوئی اسی نام کی کتاب آپ کو چودھری سر شہاب الدّین نے جو پنجاب اسمبلی کے پریذیڈنٹ تھے، دی تھی۔ اس کتاب میں اسلام کی ایک نہایت غلط تصویر پیش کی گئی تھی، اور اس کو پڑھنے کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ دینِ اسلام پر ایک مکمّل اور جامع کتاب انگریزی میں لکھیں۔ لیکن دیگر تصنیفات اور مشاغل کی وجہ سے یہ کام تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ حضرت مسیح موعود نے بھی ایک موقع پر آپ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ایک کتاب اس قسم کی انگریزی میں لکھی جائے۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں آپ پر ایک بیماری کا حملہ ہُوا اور یہاں تک بڑھا کہ ۱۱ اپریل کو اسی حالت میں تبدیل آب و ہوا کے لئے آپ کو ڈلہوزی لے جایا گیا۔ تھوڑی سی صحت ہونے پر آپ نے سب سے پہلے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ دسمبر ۱۹۳۵ء میں جلسۂ سالانہ پر اس بات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

"حضرت مسیح موعود نے اپنی وفات سے قبل ۱۹۰۷ء میں ایک خواہش ظاہر فرمائی تھی، اور مجھے مخاطب کر کے ظاہر فرمائی کہ اسلامی مسائل کے متعلق انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی جائے، ۱۹۰۸ء میں مَیں تو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ میں لگ گیا اور اس کام کو دراصل بھول ہی گیا۔ ۱۹۲۸ء میں ایک دوست نے ایک پادری کی لکھی ہوئی کتاب مجھے دی جس میں اسلامی تعلیم کو بگاڑ کر دکھلایا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے خود اسلامی مسائل کے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کر دی۔ اور بھی بہت سے مشاغل تھے۔ اس کے ساتھ رفتہ رفتہ یہ کام بھی ہوتا رہا۔

میں یکایک گذشتہ مارچ میں بیمار ہوگیا۔ تکلیف اس قدر زیادہ ہوئی کہ ڈاکٹروں نے چارپائی پہ ڈال دیا اور تاکید کردی کہ کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ یہ کتاب کیا میری زندگی میں مکمل ہو جائے گی۔

خیر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے صحت دی۔ میں بستر علالت سے اٹھا تو اس کتاب کو مکمل کرنا شروع کیا اور ایسی محنت کی جیسے ایک طالب علم کسی امتحان کے لئے کرتا ہے۔ بعض اوقات تو اس کے لئے صبح کی سیر تک ترک دی اور صبح سے لے کر رات کے نو بجے تک متواتر اسی کام میں مصروف رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب اس کتاب کی طباعت تمام مکمل ہو چکی ہے۔ تمام پروف دیکھے جا چکے ہیں۔ اس کا نام دی ریلجن آف اسلام ہے۔"

(پیغام صلح مورخہ ۷ر فروری ۱۹۳۶ء)

قریباً آٹھ سو صفحات کی اس ضخیم کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اسلامی تعلیم کے ماخذ دیئے ہیں یعنی قرآن کریم۔ احادیث اور اجتہاد۔ اور ان میں وہ سب باتیں آگئی ہیں جن کا ایک مسلمان یا غیر مسلم کے لئے جاننا ضروری ہے۔ دوسرے حصے میں اسلامی اصولوں پر بحث ہے۔ یعنی ایمان۔ ہستئ باری تعالیٰ۔ ملائکہ۔ الہامی کتب، انبیاء، حیات بعد الموت، قدر و تقدیر وغیرہ وغیرہ۔ تیسرے حصے میں فرائض دینی اسلامی قوانین و احکام وغیرہ کا ذکر ہے یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، شادی و طلاق، مال و جائداد، وراثت، قرضے، سُود، کھانے پینے کے احکام، و دیگر قوانین وغیرہ۔ ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث اور فقہ و دیگر کتب کے کثرت سے حوالجات دیئے ہیں۔ کل کتاب میں اڑھائی ہزار سے زیادہ حوالجات درج ہیں۔ اس کتاب نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ سے جو خراج تحسین وصول کیا ہے اس کے چند ایک نمونے درج ذیل ہیں:۔

"یہ کتاب نہایت جامع اور دقیق معلومات سے لبریز ہے۔ اس میں اسلامی فلسفہ، فقہ، معرفت الٰہی اور شریعتِ اسلامیہ پر نہایت مفصّل اور عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب مصنّف کی اعلیٰ قابلیّت، وسیع معلومات اور انتہائی محنت کا نتیجہ ہے۔"

(سر ایس۔ ایم سلیمان۔ چیف جسٹس)

"یہ کتاب نہایت عالمانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور فاضل مصنّف کی انتہا درجہ کی قابلیّت اور نکتہ سنجی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں فاضل مصنّف نے اہم امور اسلامیہ پر کماحقہٗ روشنی ڈالی ہے اور ان کی تشریح کرنے میں کمال درجہ کی قابلیّت کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسلام کے

متعلق یہ ایک مستند اور بے نظیر کتاب ثابت ہو گی ۔ "
(سر شفاعت احمد خاں)

" نہایت مفید کتاب ہے اور مذہب اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے "
(علامہ اقبال)

" اس میں تمام مسائل پر مفصل اور قابلِ اعتبار معلومات درج ہیں۔ شروع سے آخر تک تمام امور پر بے نظیر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ کوئی پبلک یا پرائیویٹ لائبریری اس کتاب سے خالی نہ ہونی چاہیئے ۔ "
(چوہدری سر شہاب الدین۔ سپیکر پنجاب اسمبلی)

" یہ کتاب وسیع معلومات سے پُر ہے ۔ بے نظیر ریسرچ کا کام کیا گیا ہے اور ہر اختلافی مسئلہ پر تنقید کی گئی ہے ۔ "
(جسٹس سر عبدالرشید)

" بڑی مدت سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اسلام پر کوئی ایسی مستند کتاب لکھی جائے جو اس کے مفہوم اور اس کے مشن کو اچھی طرح واضح کرے ۔ اس قسم کی کتاب کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ تھی کہ جو لٹریچر اسلام کے متعلق غیر مسلم مشنریوں کی طرف سے نکلتا تھا اس میں عام طور پر اسلام کی غلط تصویر پیش کی جاتی تھی ۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے سالہا سال کے تجربے اور مطالعے کے بعد یہ کتاب لکھی ہے ۔ مصنف نے اوّل سے آخر تک قرآن کریم اور حدیث اور دیگر مستند کتب سے بکثرت حوالجات درج کرنے میں غیر معمولی محنت کی ہے ، اور اس طرح یہ کتاب گویا اسلام کا انسائیکلوپیڈیا ہے "
(ایسٹرن ٹائمز لاہور ۲/۳۹ ۲۸)

" لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن حمید کی جو خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں ۔ سب سے زیادہ میں ان کی انگریزی تالیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا ۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے رجحانات اور طریقۂ فکر و نظر کو پیش رکھ کر لکھی گئی ہے ۔ میں اس کتاب کو مولانا کا ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور ناواقفانِ مذہبِ اسلام کے لئے نہایت با اثر پیام تصور کرتا ہوں ۔ "
(نواب بہادر یار جنگ ۔ حیدر آباد ۔ دکن)

" کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں ۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریکِ احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے ۔ میری رائے میں یہ کتاب ان کی سب سے اچھی تصنیف ہے ۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن و سنّت سے خوب واقف

ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی اُس نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں۔" (محمد مارماڈیوک پکتھال۔ رسالہ اسلامک کلچر۔ اکتوبر ۳۶ء)

فضل الباری اور ریلیجن آف اسلام کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب نے ۲۴ء سے ۳۶ء تک کے عرصہ میں متعدد اور تصانیف بھی فرمائیں اور اشاعتِ اسلام کی ضرورت اور احمدیت کے پیغام پر کئی ایک ٹریکٹ اور رسالے لکھے جن کی ہزارہا کی تعداد میں مفت اشاعت ہندوستان اور خاص طور پر ممالکِ غیر میں ہوئی۔ ان تصنیفات کی تاریخ وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

۲۴ء میں انگریزی ٹریکٹ "کال آف اسلام" Call of Islam تصنیف کیا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کے متعلق ایک مسلمان کے کیا کیا فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اور کس طریق سے یہ احمدیت کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ اس ٹریکٹ کے دس ایڈیشن تیس ہزار سے زائد تعداد میں طبع ہو چکے ہیں اور کئی ایک غیر ممالک میں اس کے تراجم وہاں کی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اسی سال میں ایک اردو ٹریکٹ "دعوتِ عمل" بھی آپ نے تحریر فرمایا۔ نومبر ۲۴ء میں "تاریخ خلافتِ راشدہ" شائع ہوئی جس میں چاروں خلفائے راشدین کے حالات درج ہیں۔

اپریل ۲۶ء میں سیرت خیر البشر کا انگریزی ترجمہ "محمد دی پرافٹ" (Muhammad the Prophet) شائع ہوا۔ یہ ترجمہ مولانا محمد یعقوب خاں صاحب نے کیا۔

۱۹۲۸ء میں دو انگریزی ٹریکٹ "اسلام دی ریلیجن آف ہیومینیٹی" (Islam the Religion of Humanity)۔ اور "دی پرافٹ آف اسلام" (The Prophet of Islam) تصنیف فرمائے۔ یہ دونوں رسالے مذہبِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنے میں انتہائی مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اور ان کے کئی ایڈیشن پچیس پچیس، تیس تیس ہزار کی تعداد میں لاہور سے طبع ہو کر مفت پھیلائے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور دیگر ممالکِ غیر کی تیس زبانوں میں ان رسائل کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۷ء اور ۲۸ء میں مولانا محمد علی صاحب نے انگریزی ترجمہ قرآن کے تفسیری نوٹوں کو مختصر کر کے ایک چھوٹا اور بلا متن ایڈیشن شائع کرنے کی تیاری کی۔ تاکہ غیر ممالک کے انگریزی خوان طبقہ میں اس کی اور بھی کثرت سے اشاعت ہو سکے۔ اس کا پہلا ایڈیشن مئی ۲۹ء میں ہندوستان میں پہنچا۔ بعد میں اس کے مزید ایڈیشن نکلتے رہے اور کل ۲۱ ہزار کی تعداد میں یہ اب تک طبع ہو کر پھیل چکا ہے۔ اس کا ایک کثیر حصہ ممالک غیر میں مفت تقسیم ہو چکا ہے۔

مارچ ۱۹۲۹ء میں ایک مختصر انگریزی کتاب "دی اسلامک انسٹی ٹیوشن آف پریئر The Islamic Institution of Prayer" شائع ہوئی جس میں نماز کے طریقے اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اگست ۱۹۲۹ء میں حضرت نبی کریم صلعم کی ایک مختصر سوانح "محمد مصطفٰے" اردو میں شائع ہوئی۔ اس میں گویا سیرت خیر البشر کی تلخیص کر دی گئی ہے۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں اردو حمائل شریف شائع ہوئی۔ یعنی بیان القرآن کے نوٹوں میں سے لغت کے حصے کو اڑا کر اور تفسیر کو مختصر کر کے یہ حمائل چھاپی گئی تاکہ کم قیمت پر زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔

اسی زمانے میں آپ کے چار رسالجات ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ شائع ہوئے جن میں ان خلفاء کے حالات مختصر کر کے درج کیے ہیں۔

۱۹۳۰ء کے شروع میں ایک نئی تصنیف "ہستیٔ باری تعالٰی" شائع ہوئی۔

مئی ۱۹۳۰ء میں آپ نے اپنی ایک اور مشہور کتاب "تحریک احمدیت" کی تصنیف شروع کی جو کہ دسمبر میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے ابتدائی حصے میں تحریک احمدیت کی مختصر تاریخ، حضرت مسیح موعود کے ابتدائی ایام زندگی اور دعوائے مجددیت اور آپ کی دینی خدمات کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں آپ کے دعاوی پر مکمل بحث ہے۔ تیسرے حصے میں خروج دجال۔ یاجوج ماجوج اور دیگر نشانات کا ذکر ہے۔ چوتھے حصے میں تحریک احمدیت کے صحیح مفہوم اور احمدیت کی امتیازی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ پانچویں حصے میں احمدیت کا عملی کام اور تبلیغی کارنامے درج ہیں۔

۱۹۳۱ء میں تاریخ خلافت راشدہ کا انگریزی ترجمہ "ارلی کیلیفیٹ" (Early Caliphate) شائع ہوا۔ یہ ترجمہ مولانا یعقوب خان صاحب نے کیا۔

فروری ۱۹۳۲ء میں آپ کی تصنیف "المسیح الدجال و یاجوج ماجوج" شائع ہوئی جس میں احادیث نبوی کو واقعات کی روشنی میں لا کر ثابت کیا گیا ہے کہ موجودہ مغربی طاقتیں ہی ملکی رنگ میں یاجوج ماجوج ہیں اور مسیحی اقوام مذہبی رنگ میں دجال ہیں۔

۱۹۳۲ء میں بابی مذہب پر آپ کی ایک انگریزی تصنیف شائع ہوئی۔ جس کا نام "ہسٹری اینڈ ڈاکٹرین آف دی بابی موومنٹ" History & Doctrine of the Babi Movement ہے۔

۱۹۳۲ء میں جب کہ "محمد دی پرافٹ" کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا تھا تو دوسرے ایڈیشن کے شائع کرنے سے پہلے آپ نے کتاب پر نظر ثانی کی اور دو نئے باب اس میں مزید بڑھائے یعنی اسلامی جنگوں

اور حضرت نبی کریم پر مظالم کے الزامات پر۔ اسی طرح اسی سال آپ نے "مقامِ حدیث" پر نظرِ ثانی فرمائی۔ اور اس کا نیا ایڈیشن شائع ہُوا۔ انگریزی میں اسی سال آپ نے "انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث" Introduction to the Study of Hadith تصنیف فرمائی۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں آپ کا انگریزی ٹریکٹ "عالمگیر مذہبی انقلاب" شائع ہُوا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے عقائد اور تبلیغی کارنامے پیش کئے گئے پیش کئے گئے ہیں۔ اسی سال ایک اور انگریزی ٹریکٹ تقدیر یعنی پری ڈیسٹی نیشن (Pre-destination) پر نکلا۔

۱۹۳۳ء میں انگریزی کتاب "سیلکشن فرام دی ہولی قرآن" Selections from the Holy Quran شائع ہوئی جس میں قریباً سوا سو مختلف عنوانات کے تحت قرآن کریم آیات کو جمع کیا ہے۔ اسی سلسلے کی دوسری کتاب "کلیکشن اینڈ اریجمنٹ آف دی ہولی قرآن" Collection and Arrangement of the Holy Quran ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ جس میں قرآن کریم کی جمع۔ نظم اور ترتیب کا ذکر ہے۔

اپریل ۱۹۳۵ء میں جاوا کی جماعت کی طرف سے ڈچ ترجمہ قرآن شائع ہُوا۔ جو انگریزی ترجمہ سے کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ٹیچنگز آف اسلام۔ محمد دی پرافٹ اور کئی ایک رسالوں اور کتابوں کے ڈچ ترجمے۔ جاوا کی جماعت کر چکی تھی۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں "مغرب میں تبلیغِ اسلام یا اسلام کا دورِ جدید" شائع ہوئی۔ جس میں یورپ میں اشاعت اسلام کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔ اور اس چیز کو پیش کیا ہے کہ یہ خیال سب سے پہلے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دل میں پیدا ہُوا۔ اور آپ کی جماعت لاہور کے ذریعے سے ہی پورا ہُوا۔ حضرت صاحب کے دعوے اور جماعت احمدیہ کے عقائد اور کاموں کا ذکر بھی اس میں ہے۔

۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں کچھ اور ٹریکٹ عام مسلمانوں سے خطاب کر کے لکھے۔ یعنی "ایک دردمندانہ گذارش"۔ "تصویر کا دوسرا رُخ"۔ "ہمارے عقائد اور ہمارے کام" وغیرہ۔

۱۹۳۶ء میں انگریزی کتاب "انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہولی قرآن" Introduction to the Study of Holy Quran شائع ہوئی۔ جس میں ترتیب قرآن۔ تعلیمات قرآن۔ نبیوں کی تاریخ۔ اور قرآن کے متعلق بعض اعتراضات کو صاف کیا۔

۱۹۳۷ء میں انگریزی کتاب "فاؤنڈر آف دی احمدیہ موومنٹ" Founder of the Ahmadiya Movement شائع ہوئی۔ یہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی انگریزی سوانح ہے۔

جس میں آپ کے دعوے اور عقائد اور آپ کے کاموں کا ذکر ہے

۱۹۳۰ء میں ایک مختصر سی انگریزی کتاب "احمدیہ مومنٹ ایز دی ویسٹ سیز اٹ" The Ahmadiyya Movement as the West Sees It یعنی احمدیت مغرب کی نظروں میں، شائع ہوئی۔ اس میں عیسائی مستشرقین اور مصنّفین کی کتب اور رسائل سے جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق اُن کی آرا کو جمع کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کتب اور رسالجات کے علاوہ آپ نے وقتی مسائل پر کئی ایک اور رسالجات بھی تحریر فرمائے۔ ۱۹۲۴ء میں مسئلہ ارتداد پر آپ کے دو ٹریکٹ شائع ہوئے۔ یعنی "مرتد کی سزا بروئے شریعت اسلامی" اور "کیا اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنے پہ کوئی سزا ہے"۔ ۱۹۲۵ء میں رسالہ جہاد سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان" تصنیف فرمایا۔ ختم نبوت پر دو اور ٹریکٹ ایک اردو اور ایک انگریزی میں ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۰ء میں نکلے یعنی "مسیح موعود اور ختم نبوت"۔ اور "The Finality of Prophethood" ۱۹۳۱ء میں انگریزی ٹریکٹ "حضرت نبی کریم کا پیغام" The Prophet's Message شائع ہوا۔ اسی سال آنحضرتؐ پر مظالم کے الزامات کے جواب میں انگریزی رسالہ (The Alleged Atrocities of the Prophet) شائع ہوا۔ اور ۱۹۳۲ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے "مودت نامہ" کا جواب بعنوان "جواب مودّت نامہ" شائع ہوا۔

اسی زمانے میں ہندوستان کی اچھوت اقوام کے لیڈروں نے ہندو مذہب سے بیزاری کے اعلان کئے تھے۔ اور مسلمانوں کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا کہ وہ آٹھ کروڑ اچھوتوں کو مسلمان کر لیتے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے اس کام کو اپنے محدود ذرائع کے اندر ہی شروع کیا اور اس میں بہت کامیابی بھی حاصل کی۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں اور ان کے لیڈروں کی توجہ اس طرف نہ ہوئی اور یہ نادر موقع مسلمانان ہند نے کھو دیا۔ اس سلسلے میں مولانا محمد علی صاحب نے جو ٹریکٹ وغیرہ عام مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کے لئے لکھے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) اچھوتوں کی مشکلات کا حل صرف اسلام میں ہے۔

(۲) اسلام کے لئے ایک بہترین موقع (انگریزی) Islam's Great Obburtunity

(۳) اسلامی برادری اور ہری جن (انگریزی) Islamic Brotherhood & the Harigans

(۴) اچھوت اقوام اور پونا مشن (انگریزی) Depressed Classes & the Poona Mission

اور مختلف ٹریکٹ جو ان سالوں میں تصنیف فرمائے وہ یہ ہیں:۔ (۱) جماعت قادیان کی تبدیلی عقیدہ

(۲) کیا حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا (۳) احمدیہ جماعت لاہور کے عقائد (۴) ڈاکٹر اقبال اور احمدیت (انگریزی) (۵) مولانا ابوالکلام آزاد اور احمدیت (انگریزی) (۶) مسٹر پکھتال اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ (۷) جماعت کو مجاہدہ کی دعوت (۸) قادیانی جماعت اور کلمہ گوؤں کی تکفیر (۹) مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ (۱۰) انجمن حمایت اسلام کا اعلان (۱۱) جماعت احمدیہ لاہور اور جماعت قادیان پر ایک نظر (۱۲) میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدین کے الزامات اور بریت کا نرالا طریق (۱۳) احباب قادیان سے ایک اپیل۔

درس قرآن ۱۴ء سے لاہور آتے ہی مولانا محمد علی صاحب نے جو درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ آپ نے ۳۰ء تک جاری رکھا۔ ایک طرف قرآن کی کل دنیا میں اشاعت کی آپ کو فکر تھی تو دوسری طرف یہ کہ جماعت میں قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہو۔ چنانچہ آپ کی اول سے آخر تک تحریرات اور خطبات سے یہی درد اور تڑپ ظاہر ہوتی ہے۔

آپ درس قرآن نہ صرف خود روزانہ دیتے رہے بلکہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اس کو کئی رنگوں میں دیا کرتے تھے۔ ۲۴-۲۵ء میں آپ نے درس کا سلسلہ بصورت تعلیم القرآن کلاس شروع کیا جس میں چھ ماہ میں قرآن ختم کیا گیا۔ ۲۵ء اور ۲۶ء کے رمضان کے مہینوں میں (ماہ مارچ و اپریل) آپ روزانہ ایک ایک پارہ قرآن کا پڑھاتے تھے۔ اور اس درس میں آپ نے خاص طور پر باہر کی جماعتوں کے ان لوگوں کو بلوایا جو ایک ماہ لاہور آکر رہ سکیں۔ ۳۰ء میں آپ نے ایک نئی طرز کا درس ہفتہ میں دو بار شروع کیا یعنی مختلف مضامین کو انتخاب کر کے اس پر تمام آیات قرآنی جمع کر کے درس دیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ علاوہ اس روزانہ درس کے تھا۔ ۳۰ء اور اس کے بعد سے ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہور تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ مسجد احمدیہ بلڈنگس میں روزانہ درس قرآن کا سلسلہ انہوں نے جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک بے نظیر عاشق قرآن تھے۔ اور قرآن کا درس اُن کی زندگی کی ایک ایسی خصوصیت تھی کہ جہاں کہیں بھی اپنی نوکری کے سلسلے میں رہے ہمیشہ درس قرآن دیا۔ ڈاکٹر صاحب کو خدا تعالےٰ نے فہم قرآن عطا کیا تھا اور ان کا طرز بیان اس قدر دلچسپ ہوتا تھا کہ لوگ کھچے چلے آتے تھے۔ اور مذہب سے زیادہ دلچسپی نہ رکھنے والے نوجوان اور دیگر اصحاب بھی ان کے درس قرآن کو ایک دفعہ سن لیتے تو ہمیشہ کے لئے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

مارچ ۳۲ء سے مولانا محمد علی صاحب نے نوجوانوں کے اندر اسلامی علوم کا اشتیاق پیدا کرنے کے لئے سہ ماہی امتحانات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس کا نصاب قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود کی کتب سے مقرر کیا۔ یہ امتحانات وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے اور ۴۷ء تک ان کا سلسلہ جاری رہا۔

ڈلہوزی کا قیام جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ ۲۲ء سے مولانا محمد علی صاحب نے موسم گرما میں ڈلہوزی جانا

شروع کیا۔ جہاں زیادہ تنہائی اور یکسوئی آپ کو میسر آتی تھی۔ پہلے ڈلہوزی کے نچلے حصہ میں ڈاکخانہ کے قریب ایک کوٹھی "مال ہوس" میں قیام فرماتے رہے۔ ۱۹۲۵ء سے بکروٹہ پہاڑ پر ایک کوٹھی "پٹیر برو" میں ہر سال جانے لگے جو کہ کافی چڑھائی کے بعد ایک الگ تھلگ جگہ پر تھی۔ اس ٹبّہ پر یعنی بکروٹہ پر بہت کم آبادی تھی۔ لیکن اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کے گرد ایک اڑھائی میل کی ہموار سڑک گول چکر کی صورت میں تھی۔ مولانا محمد علی صاحب ہمیشہ سے صبح کی سیر کے عادی تھے۔ اور پہاڑ پر دوسرے وقت یعنی نماز مغرب سے پہلے بھی سیر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بکروٹہ کا ہی راؤنڈ آپ کی اور دوسرے اصحاب کی جو ڈلہوزی جاتے تھے سیر کی جگہ تھی۔

۱۹۳۰ء میں آپ نے اپر بکروٹہ پر کچھ آگے کر کے ایک قطعۂ زمین سستے داموں پر خرید لیا۔ اس وقت یہ بالکل سنسان جگہ تھی۔ صرف ایک دو کوٹھیاں قریب تھیں۔ اور اسی سال ہی آپ نے اپنے گاؤں مرآر کی زمین کا کچھ حصہ اپنے بھتیجوں کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی ذاتی کوٹھی کی تعمیر شروع کی جس کا نام آپ نے "دارالسلام" رکھا۔ ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہر سال موسم گرما آپ نے اسی کوٹھی میں بسر کیا اور یہیں پر اپنی بہت سی تصانیف کی تکمیل کی۔

۱۹۳۰ء میں آپ کے خسر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے نوکری سے ریٹائر ہو کر خدمتِ دین میں زندگی بسر کرنے کی خاطر لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور موسم گرما بسر کرنے کے لئے وہ بھی ڈلہوزی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب کے مشورہ سے پنشن کے روپوں سے انہوں نے آپ کی زمین سے ملحق ایک قطعہ زمین خرید کر ۱۹۳۲ء میں ایک مختصر سی کوٹھی تعمیر کروائی۔ اسی سال ۱۹ جون ۱۹۳۲ء کو ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ یعنی مولانا محمد علی صاحب کی خوشدامن کا انتقال ڈلہوزی میں بعارضہ نمونیا ہوا۔ اور ان کی تدفین کے لئے یہ دونوں بزرگ دو تین روز کے لئے لاہور آئے۔ چونکہ مولانا محمد علی صاحب کو تعمیر عمارات کا کافی ذوق اور تجربہ تھا اس لئے اس سال آپ نے خاص توجہ سے ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی تعمیر کروائی۔ پھر ڈاکٹر صاحب ہر سال اسی کوٹھی میں موسم گرما گذارتے تھے۔ اور یہیں بیٹھ کر انہوں نے اپنی مشہور کتابیں "انوار القرآن" حصہ اوّل و دوئم اور "مجدّدِ اعظم" تحریر فرمائیں۔ ڈلہوزی میں روزانہ درس قرآن کا سلسلہ بھی ڈاکٹر صاحب نے شروع کیا جس میں خاندان کے نوجوان اور کچھ آس پاس کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ بعد میں جب شیخ مولا بخش صاحب لائلپوری نے بھی بکروٹہ پر کوٹھی بنوائی تو شام کو درس قرآن ان کے ہاں ہونے لگا۔

قیامِ ڈلہوزی میں ہمیشہ "دارالسلام" میں پانچ وقت اذان اور نماز باجماعت ہوا کرتی تھی۔ کوئی نہ کوئی جماعت کے بزرگ یا دیگر افراد جو مہمان ہوتے تھے، اور خاندان کے نوجوان اور بچے سب مل کر نماز پڑھتے۔ اور اور کوئی نہ بھی ہو تو مولانا محمد علی صاحب اور مولوی عبدالوہاب صاحب (جو کہ ایک لمبی مدت آپ کے پرسنل

اسسٹنٹ رہے) ہی باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ جمعہ پر البتہ زیادہ رونق ہو جاتی تھی۔ کہ کئی ایک اصحاب جو ذرا فاصلہ پر بھی قیام رکھتے تھے، تشریف لے آتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ڈلہوزی پہاڑ مری اور شملہ کی طرح نہ تھا اور بکروٹہ جہاں آپ کی اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی کوٹھیاں تھیں، بہت کم آباد اور ڈلہوزی کی اصل آبادی سے کافی دور اور اونچائی پر واقع تھا۔ اور فاصلے زیادہ تھے۔

ڈلہوزی سے مولانا محمد علی صاحب عموماً اخبار پیغام صلح میں "برادرانِ جماعت کے نام خطوط" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین لکھا کرتے تھے۔ جو کہ لاہور کے خطبات جمعہ کا گویا قائم مقام ہوتے تھے اور ان مضامین میں بھی وہی اشاعتِ اسلام کا درد اور قرآن کو دنیا میں پھیلانے کی تڑپ نظر آتی ہے جو آپ کے خطباتِ جمعہ کا عموماً موضوع ہوا کرتی تھی۔ کئی ایک خطوط میں ان لوگوں سے بھی خاص طور پر خطاب ہے جو ذاتی رنجشوں اور جھگڑوں کی بناء پر ناراض ہو بیٹھتے تھے۔

مسلم ہائی سکول کی عمارت کی تعمیر اور بڈو ملہی سکول

۲۴ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسلم ہائی سکول کی جو میکلوڈ روڈ پر ایک کرایہ کی کوٹھی میں تھا، اپنی عمارت احمدیہ بلڈنگس میں تعمیر کی جائے۔ دسمبر ۲۴ء میں اس عمارت کی تعمیر شروع ہوئی۔ اس وقت ایک طرف برلن مسجد کی تعمیر بھی ہو رہی تھی۔ چنانچہ دونوں جگہ کے لئے مولانا محمد علی صاحب نے خاص طور پر اپیلیں کر کے اور مختلف مقامات کے دورے کر کے بذریعہ چندہ رقوم جمع کیں۔ اور خاص طور پر ۲۴ء کے جلسۂ سالانہ میں اپیلیں کی گئیں۔ اور احباب جماعت سے آپ نے پانچ پانچ دن کی آمد کا مطالبہ کیا۔ اس عمارت کی تعمیر کے دوران میں مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے بعض رفقاء خود تعمیر کے کام کی نگرانی فرماتے رہے۔ ۱۵ فروری ۲۵ء کو اس کا کتبہ مولانا محمد علی صاحب نے نصب فرمایا۔ اور جون ۲۵ء میں سکول اس میں منتقل ہو گیا۔ اس سے پہلے ۱۸ء میں انجمن نے بڈو ملہی میں بھی ایک سکول کھولا جس کی عمارت کی تعمیر چودھری غلام حیدر صاحب اور چودھری سرفراز خان صاحب کی ہمت اور کوشش سے ہوئی۔

شیخ رحمت اللہ صاحب کا انتقال

اگست ۲۴ء میں شیخ رحمت اللہ صاحب وفات پا گئے۔ شیخ صاحب حضرت مسیح موعود کے وقت سے جماعتِ احمدیہ کے عمائد میں سے تھے۔ جب حضرت صاحب نے صدر انجمن احمدیہ قادیان قائم کی تو اس کے چودہ ممبروں میں سے ایک آپ بھی تھے اور نہ صرف ایک ممبر تھے، بلکہ انتہائی جوش اور عقیدت کے ساتھ سرگرم عمل ممبر تھے۔ لاہور میں آپ اپنا کاروبار کرتے تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو مال دنیا عطا فرمایا تھا۔ جس کو آپ نے دین کی خدمت میں بے دریغ خرچ کیا۔ ہمیشہ حضرت مسیح موعود اور ان کے بعد مولانا نور الدین صاحب کی خدمت میں قادیان میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اختلاف جماعت کے بعد آپ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ یہ پانچ بزرگ یعنی مولانا محمد علی صاحب،

خواجہ کمال الدین صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب آپس میں نہایت گہرے تعلقاتِ محبّت اور اخوت اپنے درمیان رکھتے تھے، مولانا محمد علی صاحب قادیان میں صدر انجمن احمدیہ کے رُوحِ رواں تھے تو یہ چار بزرگ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹانے اور مشورہ دینے میں اوّل نمبر پر تھے۔ اور لاہور میں انجمن قائم ہونے کے بعد جماعت کے لئے بمنزلہ ستونوں کے تھے۔ ان پانچوں میں سے سب سے پہلے شیخ رحمت اللہ صاحب اپنے عہدِ وفا کو نبھا کر اپنے مولا سے جاملنے والوں میں سے تھے۔

سیّد محمد احسن صاحب امروہی کی وفات

۱۰ر جولائی سنہ ۲۶ء کو سلسلہ کے ایک اور بزرگ جناب سیّد محمد احسن صاحب امروہی کی وفات ہوئی۔ آپ حضرت مسیح موعود کے سب سے پرانے خدّام میں سے تھے اور حضرت اقدس آپ کی بہت عزّت کیا کرتے تھے۔ مولانا قرآن اور حدیث کے بہت بڑے مسلّمہ عالم تھے، اور نواب صدیق حسن خاں کے زمانے میں بھوپال میں نواب صاحب کے دستِ راست تھے۔ جب حضرت مسیح موعود کو مانا تو محض خدا کے لئے اپنی نہایت معزز ملازمت چھوڑ کر قادیان چلے آئے اور ایک چھوٹے سے کمرہ میں حضرت صاحب کے قدموں میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے اخلاص اور قربانی کے متعلق حضرت صاحب کو یہ الہام ہُوا :-

از برائشِ محمد احسن را تارکِ روزگار می بینم

حضرت صاحب کی وفات کے بعد آپ اپنے وطن امروھہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ مولانا محمد علی صاحب کے متعلق آپ شروع سے نہایت اچھے خیالات رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے نام اپنے خط مورخہ ۵ر فروری سنہ ۱۰ء میں فرماتے ہیں :-

"۔۔۔۔ جناب کو تو وہ فضیلت حاصل ہے جو جماعت میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اور یہ بات کچھ میں خوشامد سے نہیں کہتا۔ بلکہ میرا ایمان و اعتقاد ہے جو مقتضٰے اس کے اظہار کا ہُوا ہے۔ اور خوشامد کرنے والے کو تو میں منافق سمجھتا ہوں۔ بلکہ ملعون جانتا ہُوں۔۔۔۔"

(پیغام صلح، رابریل سنہ ۱۴ء)

مولانا نور الدّین صاحب کی وفات کے وقت آپ قادیان میں تھے اور میاں محمود احمد صاحب کا نام خلافت کے لئے آپ نے ہی مسجد نور والے اجتماع میں تجویز کیا۔ لیکن جیسا کہ انہوں نے بعد میں لاہور آکر خود بیان کیا ان کو علم نہ تھا کہ میاں صاحب کے ایسے خطرناک عقائد ہیں۔ کیونکہ وہ امروہہ میں قادیان کے ماحول سے الگ تھلگ تھے۔ اپنے ۲۴ر دسمبر سنہ ۱۶ء کے اعلان میں فرماتے ہیں :-

"آپ صاحبان کو علم ہے کہ سنہ ۱۴ء کے اوائل میں حضرت مولانا نورالدّین صاحب کی وفات پر ہماری جماعت میں ایک اختلاف نمودار ہؤا۔ اس وقت میں نے اتحاد قائم رکھنے کی خاطر یہی مناسب سمجھا کہ ہم سب لوگ صاحبزادہ محمود احمد صاحب کی بیعت کر لیں۔ مجھے اس وقت تک علم نہ تھا کہ صاحبزادہ صاحب کے عقائد میں کوئی فساد واقع ہو چکا ہے۔"

اس کے بعد آپ کو لاہور کے احباب نے ان باتوں کی طرف توجّہ دلائی۔ اُدھر قادیان سے آپ کو مطالبہ آیا کہ اپنے عقائد تبدیل کرو، تو آپ اصلاح کے لئے خود قادیان گئے۔ مگر مایوس ہو کر بالآخر آپ کو اعلان کرنا پڑا:

"پس اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اور اس کے حضور میں جوابدہی کا خوف کرتے ہوئے میں اعلان کرتا ہوں کہ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب بوجہ اپنے عقائد فاسدہ پر مصر ہونے کے میرے نزدیک اب ہرگز اس بات کے اہل نہیں کہ وہ حضرت مسیح موعود کی جماعت کے خلیفہ یا امیر ہوں۔ اس لئے میں اس خلافت سے جو محض ارادی ہے سیاسی نہیں، صاحبزادہ صاحب کو اپنی طرف سے عزل کر کے عند اللہ و عند النّاس اس ذمّہ داری سے بری ہوتا ہوں جو میرے سپرد تھی۔ اور جماعت احمدیہ کو اطلاع کرتا ہوں کہ صاحبزادہ صاحب کے یہ عقائد کہ:-

۱۔ سب اہلِ قبلہ کلمہ گو کافر اور خارج از اسلام ہیں۔

۲۔ حضرت مسیح موعود کامل حقیقی نبی ہیں۔ جزوی نبی یعنی محدّث نہیں۔

۳۔ اِسمُہٗ احمد والی پیش گوئی جناب مرزا صاحب کے لئے ہے۔ محمد صلعم کے واسطے نہیں۔

ایسے عقائد اسلام میں موجب ایک خطرناک فتنہ کے ہیں۔ جس کے دُور کرنے کے لئے کھڑا ہو جانا ہر احمدی کا فرضِ اوّلین ہے۔" (اعلان مورخہ ۲۴ دسمبر سنہ ۱۶ء)

اس کے ساتھ ہی آپ نے اِسمُہٗ احمد اور خاتم النّبیّین پر دو نہایت جامع کتب تصنیف کیں۔ آپ اپنی ضعیفی اور بیماری کی وجہ سے امروہہ میں ہی رہ پڑے مگر انجمن کے سالانہ جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ نے ۹۰ برس سے زیادہ عمر پائی۔

ہندوستان میں تبلیغ گو جماعتِ احمدیہ کے سامنے بڑا مقصد مغرب میں اشاعت اسلام تھا۔ لیکن ہندوستان میں بھی اس دوران میں تبلیغ کی طرف توجّہ کی گئی۔ جب سنہ ۲۲ء کے لگ بھگ ہندوستان میں شدھی اور ارتداد کا دَور دورہ شروع ہؤا تو انجمن نے اس سلسلہ میں بہت سا کام سر انجام دیا اور ہر طرف حسبِ

ضرورت مبلّغین کو بھیجا جاتا رہا اور ہندوستان کے کئی ایک مقامات پر ہیڈکوارٹر مقرر کر کے وہاں کام کو جاری رکھا گیا۔ بعد میں جب یہ رو ختم ہوگئی اور مالی مشکلات بھی کافی بڑھ گئیں تو یہ سلسلہ کم ہوگیا۔ ۲۶ء میں انجمن نے فیصلہ کیا کہ اچھوت اقوام میں خاص طور پر تبلیغ اسلام کا کام کیا جائے۔ چنانچہ کئی اضلاع میں یہ کام شروع کیا گیا اور سینکڑوں اچھوتوں کو مسلمان کیا گیا۔ اور مولانا محمد علی صاحب نے جماعت سے اپیل کی کہ اپنی ماہوار آمد کا چھٹا حصّہ سب لوگ اس کے لئے دیں۔ اسی طرح آریہ سماج کے خلاف اس انجمن کے مبلّغین نے سالہاسال جگہ جگہ جلسوں میں تقاریر کیں اور بڑے بڑے مناظروں میں مخالف فریق کو شکستیں دیں۔ اور خاص طور پر دو بزرگ مبلّغ انجمن کے ایسے تھے۔ جن کی شہرت کا سکّہ ہندوستان بھر میں بیٹھ گیا تھا۔ یعنی مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور مولانا عصمت اللہ صاحب۔ ان کے علاوہ شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی اور مرزا مظفر بیگ صاحب نے بھی بڑی قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ اور آریہ پنڈت احمدی مبلّغین کے سامنے بحث کرنے سے گھبرانے لگ پڑے۔ اسی طرح اس جماعت کے مبلّغین نے عیسائی پادریوں کے خلاف نہایت کامیابی کے ساتھ سالہاسال تک مہم جاری رکھی۔ حتیٰ کہ عیسائی پادریوں نے بھی احمدیوں سے بحث کرنی بند کر دی۔ اور ان کے ہاں خفیہ ہدایات جاری کی گئیں کہ احمدیوں سے بحث کی جائے اور نہ اُن میں تبلیغ کی جائے۔

جماعتوں کے تنظیمی دورے اور دیگر سفر ۲۴ء سے ۳۱ء تک

تصنیف و تالیف کے کاموں سے فرصت نکال کر مولانا محمد علی صاحب جہاں تک ہوسکتا تھا ہر سال مختلف جماعتوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بیشتر جگہ جماعتوں کے سالانہ جلسوں میں شرکت بھی فرماتے تھے۔ اور یہ سلسلہ آپ نے ان تمام سالوں میں اسی طرح جاری رکھا۔ کئی ایک جگہ پر انجمن اسلامیہ کی طرف سے آپ کو جلسوں میں شمولیّت کی دعوت آتی تھی، تو آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور غیر احمدی مسلمانوں کی توجّہ ہمیشہ اس عظیم الشّان کام کی طرف دلاتے جو جماعت احمدیہ کا، اور خود آپ کا نصب العین تھا۔ یعنی کل دُنیا میں اور بالخصوص مغربی اقوام میں تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن۔

نومبر ۲۴ء میں آپ خواجہ کمال الدّین صاحب کی معیّت میں دہلی سے ہوتے ہوئے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی ان دونوں کے ساتھ تھے۔ ۱۲ر نومبر کو یہ لوگ علی گڑھ پہنچے جہاں مسلم یونیورسٹی میں آپ کے اور خواجہ صاحب کے متعدّد لیکچر ہوئے۔ اس زمانے میں جو ٹھوس کام یہ جماعت کر رہی تھی اور جو بیش بہا تصانیف آپ نے فرمائی تھیں ان کا عام مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا اثر تھا چنانچہ ان لیکچروں میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب نے جو اس وقت یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے،

آپ کے ان کارناموں کو بہت سراہا۔ اور خاص طور پر آپ کے انگریزی ترجمہ قرآن کو۔ انہوں نے اپنی تعارفی تقریر میں ذکر کیا کہ ایک دفعہ ان کو ولایت کے سفر میں بعض معزز مصری مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہوں نے کہا کہ باوجودیکہ ان کی مادری زبان عربی ہے لیکن انہوں نے قرآن کو حضرت مولانا کے انگریزی ترجمہ سے سمجھا ہے۔ اور بھی کئی بڑے بڑے لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے اس ترجمہ سے فائدہ اٹھایا۔

۲۹ ء میں ایک اور بڑا سفر آپ نے مانگرول کا کیا جہاں آپ مولوی عصمت اللہ صاحب، مولوی صدرالدین صاحب اور شیخ محمد یوسف صاحب گرنیقی کے ساتھ ۲۰ فروری کو تشریف لے گئے۔ مانگرول کاٹھیاواڑ کے علاقے میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ جہاں کے نواب شیخ محمد جہانگیر میاں آپ کے اور انجمن کے کاموں کے بہت مداح تھے اور وقتاً فوقتاً انجمن کو مالی امداد بھی دیتے تھے۔ مانگرول میں آپ کا قیام پنجم مارچ تک رہا۔ وہاں پر ایک عام جلسہ میں آپ کا ایک لیکچر ہوا۔ اور زیادہ وقت نواب صاحب اور ان کے عمائدین سے گفتگو میں گذرا۔

۳۱ ء و ۳۲ ء کے موسم سرما میں خرابی صحت کی وجہ سے آپ باہر کی جماعتوں میں زیادہ نہ جاسکے اور اپنی جگہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب و میاں غلام رسول صاحب کو متعین فرمایا۔ جو باہر کی جماعتوں میں تنظیمی دورے کرتے رہے۔ اسی طرح ۳۳ ء میں بھی آپ ایگزیما کی تکلیف کی وجہ سے ایک لمبا عرصہ بیمار رہے۔

۳۴ ء میں آپ نے کچھ مزید سفر پنجاب کے شہروں کے کئے اور پشاور میں اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء کے سامنے بھی ایک تقریر فرمائی۔

۳۵ ء اور اس کے بعد چونکہ آپ کی صحت اتنی اچھی نہ رہی جیسے پہلے تھی اور تصنیف کا کام اور دیگر مصروفیات بہت بڑھ چکی تھیں اس لئے باہر کی جماعتوں میں دورے آپ نے پہلے سے کم کر دیئے۔

دسمبر ۳۶ ء میں آپ کو ایک مرتبہ پھر قادیان جانے کا اتفاق ہوا۔ بٹالہ میں ایک مقدمہ میں آپ کو بطور گواہ صفائی کے بلایا گیا تھا۔ جو کہ ایک قادیانی شیخ عبدالرحمٰن صاحب پر اس لئے چلایا گیا تھا کہ انہوں نے ایک ٹریکٹ میں گورو نانک صاحب کو مسلمان کہا ہے۔ لاہور سے آپ بمعہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و بابو منظور الٰہی صاحب موٹر پر بٹالہ گئے۔ اور گواہی کے بعد قادیان جا کر حضرت صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور شام کو واپس تشریف لے آئے۔

لارڈ ہیڈلے کی آمد دسمبر ۲۷ ء

۱۴ ء میں ووکنگ مشن کے کھلنے کے کچھ ہی عرصہ بعد خواجہ کمال الدین صاحب

کی سعی اور وساطت سے جو انگریز مسلمان ہوئے ان میں ایک لارڈ ہیڈلے بھی تھے اور ان کے اسلام لانے کی وجہ سے اس بات کا ایک چرچا انگلستان اور ہندوستان میں شروع ہو گیا اور تبلیغِ اسلام کا گویا ایک دروازہ کھل گیا اور اس میدان میں خواجہ صاحب کو بڑھ چڑھ کر کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ دسمبر ۲۷ء میں لارڈ ہیڈلے اور خواجہ کمال الدّین صاحب ہندوستان کے ٹور کے لئے ولائت سے اکٹھے آئے۔ اس سال جلسۂ سالانہ چند دن دیر سے یعنی ۲۸، ۲۹، اور ۳۰ دسمبر کو ہوا تاکہ اس میں لارڈ ہیڈلے شمولیت کر سکیں۔ اور اس کے پہلے اجلاس کے صدر بھی وہی تھے۔ ۲۸ر دسمبر ۲۷ء کو خواجہ صاحب اور لارڈ ہیڈلے لاہور پہنچے۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر ان کا استقبال کرنے والے نہ صرف مولانا محمدؐ علی صاحب اور جماعت احمدیہ کے افراد تھے بلکہ لاہور شہر کے ہزارہا مسلمان بھی موجود تھے۔ لارڈ ہیڈلے، خواجہ صاحب اور مولانا محمدؐ علی صاحب ایک موٹر میں سوار ہوئے اور ایک عظیم الشّان جلوس کی شکل میں ان لوگوں نے لاہور شہر کا چکر لگایا۔ جگہ جگہ جلوس روک کر لارڈ ہیڈلے نے مختصر تقاریر کیں۔ پہلے اجلاس کی کارروائی اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ میں ہوئی جس میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے لارڈ ہیڈلے کو ایڈریس پیش کیا۔ اس جلسہ میں سر محمدؐ شفیع، علّامہ اقبال اور مولانا ظفر علی صاحب نے بھی شرکت کی اور تقاریر کیں۔ لاہور میں چند دن رہنے کے بعد لارڈ ہیڈلے نے خواجہ صاحب کی معیّت میں پنجاب اور ہندوستان کے بہت سے شہروں کا دورہ کیا۔ اور اس کے بعد واپس انگلستان چلے گئے۔

برلن مسجد کی تعمیر اور جرمن ترجمہ قرآن

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ برلن مسجد کی تعمیر شروع ہو چکی تھی۔ اس کا پہلا تخمینہ تو پچاس ساٹھ ہزار روپے کا تھا لیکن بعد میں بعض حالات کی وجہ سے اخراجات بڑھتے گئے۔ اور قریبًا ایک لاکھ کے قریب خرچ پہنچ گیا۔ ان حالات میں ۲۴ء کے آخر میں جبکہ مسجد کے مینارے ابھی نہیں بنے تھے۔ مولانا محمدؐ علی صاحب نے برلن میں مولانا صدرالدّین صاحب کو لکھا کہ میناروں کا کام سرِ دست ملتوی کر دیں۔ برلن مسجد کے لئے ایک عرصہ سے مولانا محمدؐ علی صاحب کی خاص اپیلوں پر چندہ جمع ہوتا رہا تھا۔ دسمبر ۲۴ء کے سالانہ جلسہ میں بھی اسی کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔ اس جلسہ میں پہلے دن عورتوں کے جلسہ میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات کا ذکر کیا کہ برلن مسجد کے میناروں کا کام روک دیا گیا ہے۔ مستورات سے خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے آپ نے چندے کے لئے اپیل کی اور فرمایا:

"شاید ہماری جماعت میں بہت سی بہنوں کا یہ خیال ہو کہ ان کے خاوند یا بزرگ جب خدمات دینی میں حصّہ لیتے ہیں تو ان کے لئے بھی یہی کافی ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں جس طرح خاوند کی کی ہوئی نیکیاں بیوی کے کام نہ آئیں گی۔ اسی طرح اس کی خیرات بھی بیوی کے کام نہ آسکے گی۔ بلکہ

کریم میں جہاں صدقہ دینے والے مردوں کا ذکر کیا وہاں المتصدقات یعنی صدقہ دینے والی عورتوں کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدمتِ دین کی ذمہ داری جس طرح مردوں پر رکھی ہے اسی طرح عورتوں پر بھی رکھی ہے۔ ہمارے سلسلہ کی خواتین کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خاوند خواہ کتنی بھی خدمت دین کریں۔ اگر وہ اپنے طور پر خدمتِ دین میں حصّہ نہیں لیتیں تو ایسی ہی محروم ہیں جیسے دوسری کوئی عورت ......"

آپ کی اس اپیل پر یہ نظارہ نظر آیا کہ تمام حاضر خواتین نے اپنے زیور اتار اتار کر اشاعتِ اسلام کے لئے دے دیئے اور مردانہ جلسۂ سالانہ پر قوم نے مزید رقم کو پورا کیا اور اس طرح برلن مسجد کی عمارت کے مکمل ہونے کے سامان ہو گئے۔ اپریل ۱۹۲۵ء میں عید کے موقع پر مسجد کا افتتاح ہوُا اور مئی ۱۹۲۵ء میں مولوی صدرالدین صاحب واپس تشریف لے آئے۔

۱۹۲۸ء میں جماعت کے ایک بزرگ ملک غلام محمد صاحب کی تحریک سے جرمن زبان میں ترجمہ قرآن کی تجویز شروع ہوئی۔ چنانچہ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء کو اس کی اپیل مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے اخبار پیغامِ صلح میں شائع ہوئی۔ فرماتے ہیں:-

"مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ ایک مختصر سی جماعت پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی صرف کام کرنے پر ہی آتی ہے۔ اور اس لئے مجھے خوشی ہے کہ ہمارے ایک مکرم دوست کی تحریک سے جرمن زبان میں ترجمہ قرآن کی تحریک شروع ہو گئی ہے جرمنی میں مشن کا جاری ہونا، پھر ایک سہ ماہی رسالہ کا جاری ہونا، پھر کم و بیش ایک لاکھ روپے کے خرچ سے ایک مسجد کا بن جانا، یہ سب کچھ اسی کے فضل سے ہوُا۔ ہماری جماعت نے اس میں ابتداء کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کے دروازے کئی رنگوں میں کھول دیئے۔ مگر ظاہر ہے کہ جو کچھ وہاں ہو چکا وہ اس وقت تک نامکمل ہے۔ جب تک کہ ہم ان لوگوں کی اپنی زبان میں ترجمہ قرآن کریم ان کے سامنے نہیں لاتے۔"

اس کے ساتھ ہی آپ نے بذریعہ خطبات و اخبارات اس تحریک کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ ترجمہ کے متعلق انجمن کی طرف سے پہلا اعلان مارچ ۱۹۲۸ء میں پیغامِ صلح میں اس طرح شائع ہوُا۔

"قرآنِ کریم کا جرمن ترجمہ

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے قرآن کریم کا جرمن زبان میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو دو جرمن نو مسلم علماء زبان جرمنی۔ انگریزی و عربی سے زیر نگرانی مولانا صدرالدین صاحب

کہدیا جائے گا۔ اسلام کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے لئے اس کارِ خیر میں شرکت حاصل کرنے کا بڑا عمدہ موقع ہے۔ خاکسار۔ محمد دین جان۔ اسسٹنٹ سیکرٹری

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور" (پیغام صلح مورخہ ۳۰ مارچ ۲۰ء)

لیکن بعض وجوہ سے یہ ترجمہ شروع نہ ہوسکا۔ حتیٰ کہ فروری ۳۲ء میں ڈاکٹر منصور صاحب جو ایک لمبا عرصہ جرمنی میں رہے تھے لاہور پہنچے اور ترجمہ کا کام مولانا صدر الدین صاحب کی نگرانی میں شروع ہوا۔

مئی ۲۵ء سے مولانا صدر الدین صاحب کے برلن سے واپس آجانے کے بعد قریباً تین سال مشن کے انچارج ایک صاحب فضل کریم خاں درانی تھے۔ اس سے پہلے وہ انجمن کی طرف سے بطور مبلغ ٹرینیڈاڈ گئے تھے لیکن وہاں ان کا رویہ کچھ اچھا نہ تھا اور وہ نوکری سے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ بعد میں ان کی اپنی درخواست پر انجمن نے انہیں پھر مبلغ رکھ کر برلن بھیجا۔ ان کے وہاں کے قیام میں ان سے پھر کچھ نامناسب حرکات سرزد ہوئیں۔ انہوں نے کافی رقمیں انجمن کی منظوری کے بغیر مسجد کی تعمیر پر صرف کیں۔ اور مسجد کو مقروض کر دیا۔ چنانچہ مارچ ۲۸ء میں انجمن نے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کو ان سے چارج لینے کے لئے برلن بھیجا۔ اس وقت انجمن کو بہت سی مالی مشکلات درپیش تھیں۔ برلن مسجد کا قرضہ اور اخراجات بیس ہزار مارک کے قریب تھے۔ اس لئے متعدد اپیلیں مولانا محمد علی صاحب نے کیں۔ بالآخر نومبر ۳۲ء میں یہ قرضہ ادا کر کے برلن مسجد کو فک کرایا گیا۔

بیرن عمر کی آمد ہندوستان

۳۲ء میں جلسۂ سالانہ کے موقع پر ایک اعلیٰ خاندان کے آسٹرین نومسلم بیرن عمر الف ایرنفلز، ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے ہمراہ برلن سے ہندوستان تشریف لائے۔ بیرن عمر کا لاہور سٹیشن پر استقبال ۲۴ دسمبر کو ایک شاندار طریقہ پر ہوا۔ اسٹیشن پر مولانا محمد علی صاحب اور تمام اکابر جماعت احمدیہ کے علاوہ غیر از جماعت مقتدر اصحاب کثیر تعداد میں موجود تھے۔ مثلاً سر عبدالقادر۔ نواب ممدوٹ۔ مولانا غلام محی الدین صاحب قصوری وغیرہ۔ اسٹیشن سے ایک جلوس کی شکل میں بیرن صاحب کو احمدیہ بلڈنگس لایا گیا جہاں نواب ممدوٹ کی صدارت میں انجمن کے سالانہ جلسہ کا پہلا اجلاس ہوا اور تلاوت قرآن کے بعد اس کا افتتاح ابوالاثر حفیظ جالندھری صاحب نے اپنی نظم سے کیا۔ جو انہوں نے بیرن عمر کے اسلام لانے پر لکھی تھی۔

بیرن عمر کو ان کے لاہور کے قیام میں مختلف انجمنوں اور سوسائٹیوں اور اکابرِ لاہور نے مدعو کیا اور ان کی کئی ایک تقاریر ہوئیں۔ اس کے بعد بیرن صاحب اور ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب نے ہندوستان کے مختلف شہروں کے دورے کئے۔ اور مئی ۳۳ء میں بیرن عمر واپس تشریف لے گئے۔ وی آنا (دارالخلافہ آسٹریا) واپس پہنچ کر بیرن عمر انجمن کے ایک نئے آسٹریا مشن کے انچارج کچھ مدت تک رہے۔

جاوا مشن — اس مشن کی ابتدا ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ ان دنوں جاوا سماٹرا وغیرہ پر ہالینڈ کی حکمرانی تھی۔ وہاں کے مسلمان انتہائی پس ماندگی کی حالت میں تھے۔ اس وقت انجمن نے تین آدمیوں یعنی مولانا احمد صاحب۔ حافظ محمد حسن صاحب چیمہ اور مرزا ولی احمد بیگ صاحب کو وہاں بھیجا۔ حافظ صاحب تو بعض وجوہ کی بنا پر سنگاپور میں ہی رہ گئے۔ مولانا احمد صاحب جاوا پہنچ کر بیمار ہو گئے اور چار ماہ بعد انہیں ہندوستان واپس آنا پڑا اور مرزا ولی احمد بیگ صاحب وہاں اکیلے رہ گئے۔ ایک اجنبی ملک میں ناواقفیت۔ زبان کی اجنبیت اور دوسرے حالات کی وجہ سے مرزا صاحب کو ابتداء میں بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ لیکن انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور مصروف سعی رہے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کوششوں سے تیرہ چودہ سال کے عرصہ میں ایک مذہبی انقلاب اس ملک میں آیا۔ مسلمانوں نے پسپائیت کو چھوڑ کر عیسائیت کے خلاف ایک جارحانہ محاذ قائم کیا۔ جماعت احمدیہ کے کثرت سے ممبر بنے۔ قرآن کریم اور دیگر ضروری کتب کا ڈچ ترجمہ ہوا اور ایک طاقتور اور عظیم الشان جماعت وہاں قائم ہو گئی۔

جب ۱۹ دسمبر ۳۸ء کو مرزا ولی احمد بیگ صاحب ۱۴ سال کے بعد جاوا سے واپس تشریف لائے تو ان کا ذکر کرتے ہوئے ۲۳/۱۲/۲۲ کے خطبہ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا:۔

"خدا کا فضل ہے کہ اس زمانے میں بھی حضرت مسیح موعود کی روحانی طاقت نے ایسے آدمی پیدا کئے ہیں جو جدوجہد اور خاکساری کے لحاظ سے صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہیں۔ اگر مجھے اپنی جماعت میں سے کام اور خاکساری کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو میں مرزا ولی احمد بیگ کا نام لوں گا۔"

اس کے بعد ان کے کام کا ذکر کیا کہ کس طرح ایک وسیع ملک کی ساڑھے پانچ کروڑ آبادی میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ عیسائیت کے خلاف ایک محاذ قائم ہو گیا۔ اور فرمایا کہ آج سے ۱۴ سال پہلے مرزا صاحب کو کسی اور بزرگ کے ساتھ جاوا بھیجا گیا تھا۔ جاتے وقت الوداعی جلسہ میں جب ان کو تقریر کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ "اب کیا کہوں۔ اگر کچھ کام کر سکا تو واپس آکر کہونگا۔" پھر چودہ سال میں انہوں نے ایک بے مثال کام کر دکھایا۔ ایک طاقتور جماعت وہاں پیدا ہوئی اور ملک کو اسلامی لٹریچر سے بھر دیا۔ ہماری ہر ضروری کتاب کا ڈچ ترجمہ ہو گیا اور آج وہی انکساری اور خاکساری کا مجسمہ مرزا ولی احمد بیگ واپس آیا ہے۔ وہ یہاں سے نوجوانی میں گئے اور بڑھاپے اور بیماریوں کو ساتھ لے کر آئے۔ لیکن پھر بھی کوئی گلہ نہیں۔ کوئی شکایت نہیں۔ پھر آپ نے اپنے مبلغین اور جماعت کو ایسے نمونے پیدا کرنے کی تلقین کی۔ کہ کام کرتے نہ تھکیں اور ساتھ ہی یہ سمجھیں کہ ابھی کچھ نہیں کیا اور فرمایا:۔

"ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قوم کا ایک حصہ بیکار پڑا ہے اور ان کو محسوس نہیں ہوتا کہ ابھی کس قدر کام کرنا ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنہیں اس کام کی اہمیت اور اپنے مقصد کی بلندی کا احساس ہے۔ کہ ہم نے اسلام کو دنیا میں پھیلانا ہے۔ دین کو پھیلانا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ محمد الرسول اللہ کی نیابت کا کام ہے۔ اس جماعت کے اندر شامل ہو کر دنیا کی دلفریبیوں کو نہ دیکھو کہ فلاں جگہ ہوتے تو ہماری دنیا یوں بن جاتی۔ یہاں اس کا کوئی سامان نہیں۔"

اراضی اوکاڑہ کی خرید

۱۹۳۰ء میں انجمن کی جائداد میں ایک اہم اضافہ ہوا۔ یعنی اوکاڑہ کے علاقے میں اکتالیس مربعے اراضی کے حاصل کئے گئے۔ انجمن کی مالی حالت کو بہتر بنانے اور مستقل آمد کی صورتیں پیدا کرنے کا خیال مولانا محمد علی صاحب کو ہمیشہ رہتا تھا۔ اور یہ آپ کی ذاتی کوششوں اور عمائدین حکومت کے ساتھ تعلقات کا نتیجہ تھا کہ ایسی مفید اراضی انجمن کو حاصل ہوئیں۔ اس کے کچھ سال کے بعد سندھ اور کراچی میں بھی زمینیں لی گئیں اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ زمینیں انجمن کے لئے کس قدر قوت کا موجب ہوئیں۔ دسمبر ۱۹۳۰ء کے سالانہ جلسہ میں اس اراضی کے لئے اخراجات مہیا کرنے کے لئے مولانا محمد علی صاحب نے تمام افرادِ جماعت سے دس دس روز کی آمد کا مطالبہ کیا اور خود فہرستیں تیار کروا کر احباب کے نام رقوم ڈال دیں جو انہوں نے پوری کیں اور اس طریق سے یہ کام سرانجام پایا۔

مولانا عزیز بخش صاحب

پہلے ذکر آچکا ہے کہ مولانا عزیز بخش صاحب اور مولانا محمد علی صاحب بچپن سے اکٹھے پڑھے اور ۱۸۹۷ء تک دونوں بھائی اکٹھے لاہور میں رہے۔ اس کے بعد مولانا محمد علی صاحب قادیان چلے گئے اور مولانا عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازی خان۔ جھنگ اور امرتسر میں اپنی ملازمت پر رہے۔ ۱۹۳۰ء میں مولانا عزیز بخش صاحب نے پنشن لی اور نصف روپیہ یکجائی کر ارادہ کیا کہ اپنے گاؤں مرار میں زمین پر باغ وغیرہ لگا کر باقی ایامِ زندگی وہاں پر صرف کریں۔ لیکن جب مولانا محمد علی صاحب نے ان کو کسی دینی کام کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے فوراً لبیک کہا اور احمدیہ بلڈنگس میں آکر رہ پڑے۔ اور اس کے بعد سے انجمن کے مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔ مسجد احمدیہ بلڈنگس میں باقاعدہ امامت کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل تھا۔

ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ کا قیام

۱۹۲۹ء کے آخر تک ووکنگ مشن کا تمام انتظام انجمن کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ مشن ایک علیحدہ ٹرسٹ کی صورت میں کام کرنے لگا۔ ان حالات کا خلاصہ مولانا محمد علی صاحب کے قلم سے اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۳۱ء میں "ووکنگ مشن اور انجمن کے تعلقات" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں:-

"۲۹ء کے آخر میں ووکنگ مشن کا تعلق انجمن سے منقطع ہوا۔ خواجہ صاحب کا خیال تھا کہ مشن کا انتظام ایک ایسی کمیٹی کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے جس کو انجمن سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور انجمن کا خیال تھا کہ ایسا تعلق کسی نہ کسی رنگ میں ضرور رہنا چاہیئے۔ چونکہ انجمن نے بحیثیت جماعت مشن کے لئے ایسی قربانیاں کی ہیں جو اور کوئی جماعت نہ کر سکتی تھی۔ اور کم و بیش دس سال سے مشن کا انتظام انجمن کے ہاتھ میں تھا۔ اس عرصہ میں خواجہ صاحب اور انجمن میں بعض امور میں اختلاف رائے ہوتا رہا۔ مگر کام کو اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ آخر دسمبر ۲۸ء میں تمام اختلافات کا آخری فیصلہ کر کے خواجہ صاحب نے اپنی تحریر انجمن کو دے دی تھی کہ آئندہ انجمن کی جنرل کونسل کے تمام فیصلے ان کے لئے قطعی ہوں گے۔ تو ان امور کی بناء پر انجمن نہ چاہتی تھی کہ اس کا تعلق ووکنگ مشن سے منقطع ہو۔

گو وہ اس بات پر راضی ہو گئی تھی کہ بعض دوسرے اشاعت اسلام کے کام میں دلچسپی لینے والے بزرگ اس انتظام میں شامل ہو جائیں۔ جب مشن کا کام انجمن کے ہاتھ میں تھا تو خواجہ صاحب نے افریقہ کا دورہ کر کے کوئی ۴۰ ہزار روپیہ کی رقم جمع کی تھی۔ اس کا انہوں نے ایک علیحدہ لٹریری ٹرسٹ بنا دیا۔ ۲۹ء کے اپریل میں ان کو خیال ہوا کہ مشن اور ٹرسٹ کا الحاق کر دیا جائے۔ اس صورت سے کہ آٹھ ممبران انجمن سے ہوں اور چار غیر احمدی۔ کیونکہ ان کی رائے میں دوسرے اصحاب کے آجانے سے ریاستوں کی امداد جاری رہنے کے بہتر سامان ہوتے تھے۔ میں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن اس کی منظوری جنرل کونسل نے دینی تھی۔ اکتوبر میں جنرل کونسل نے اس تجویز کو پسند نہ کیا لیکن کچھ بحث کے بعد یہ شرط رکھی کہ جو احمدی ممبران ٹرسٹ کے ہوں وہ انجمن کے نامزد شدہ نمائندے متصور ہوں۔ باقی سب تجویز وہی رہے۔ خواجہ صاحب نے اس کو منظور نہ کیا۔ جلسہ سالانہ ۲۹ء پر یہ معاملہ پھر دو دفعہ پیش ہوا۔ پہلی دفعہ جنرل کونسل نے اصرار کیا کہ خواجہ صاحب کی دسمبر ۲۸ء والی تحریر پر ہم قائم رہیں۔ جس کی رو سے مشن کو دوبارہ انجمن کے سپرد کیا گیا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کی طرف سے مزید تحریک ہونے پر اور ان کی ایک تحریر پڑھنے پر جو انھوں نے اخبار مدینہ میں لکھی تھی یہ فیصلہ ہوا کہ خواجہ صاحب کو آزادی دے دی جائے۔ اور وہ فیصلہ حسب ذیل ہے:۔

"چونکہ خواجہ صاحب نے کونسل ہذا کے فیصلے مورخہ ۲۸،۲۷ اکتوبر ۲۹ء کو منظور نہیں کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان کی پیش کردہ تجاویز کی نامنظوری کی صورت میں وہ اپنی ذمہ داری پر مشن کے متعلق خود مناسب کارروائی کریں گے اور کونسل ان تجاویز کو منظور نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس میں مزید جھگڑے پیدا ہوں گے۔ اس لئے ان تمام جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے کونسل ہذا کو کو اجازت دیتی ہے کہ وہ جس طرح بہتر سمجھیں مشن کا انتظام کریں۔"

چنانچہ خواجہ صاحب نے اس کے بعد مشن اور ٹرسٹ کا الحاق کر کے خود کچھ ٹرسٹی مقرر کئے جس میں احمدی ممبر بھی تھے مگر وہ اس انجمن کے نمائندہ نہ تھے۔"

اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس سے ووکنگ مشن اور انجمن کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد بھی انجمن نے اپنے مبلغ اس مشن میں کام کرنے کے لئے دیئے اور انجمن کے لٹریچر کی اشاعت اس مشن سے ہوتی رہی اور اس کی مالی مشکلات کے وقت میں خاص اپیلیں کر کے انجمن کی طرف سے امداد بھی دی جاتی رہی۔ بعد میں ۱۹۳۸ء میں پھر اس مشن کا الحاق انجمن سے ہو گیا۔

خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات

۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء کو خواجہ کمال الدین صاحب وفات پا گئے۔ خواجہ صاحب ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں آپ نے وکالت کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے ۱۹۰۳ء تک پشاور میں پریکٹس کی۔ اس سے پہلے ۱۸۹۳ء میں آپ مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کر چکے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور میں آپ کی ملاقات مولانا محمد علی صاحب سے ہو چکی تھی۔ پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کس طرح حضرت مسیح موعود کے مقدمات کی پیروی کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر ایک طویل عرصہ کے لئے اپنی چلتی ہوئی پریکٹس کو اور اہل و عیال کو نہایت تنگی کی حالت میں پشاور چھوڑ کر حضرت صاحب کے قدموں میں جا بیٹھے تھے۔ حضرت صاحب کے فیض سے آپ نے یورپ میں تبلیغ اسلام کے لئے درد و تڑپ حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء سے آپ لاہور آ رہے۔ اور آپ اور مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب یہ چار خدام حضرت مسیح موعود کے لاہور میں تھے۔ جو قادیان کی صدر انجمن احمدیہ کے چودہ ممبروں میں سے تھے۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۱ء تک خواجہ صاحب نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورے کر کے لیکچر دیئے۔ جن کی دھوم سب ملک میں مچ گئی۔ حضرت مسیح موعود کے الہام کے مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کو "حسن بیان" عطا کیا تھا۔ اور آپ کے لیکچر اس قدر موثر ہوتے تھے کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم، لوگ مسحور ہو جاتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ پہلی دفعہ تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ جہاں ۱۹۱۳ء میں آپ نے ووکنگ مشن کو قائم کیا۔ بعد رسالہ اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا جاری کیا۔ اور ۲۴ء تک آپ نے افریقہ یورپ اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سفر کئے۔ دو مرتبہ حج بھی کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۱۵ء میں اور دوسری مرتبہ لارڈ ہیڈلے کے ساتھ ۲۳ء میں۔

۲۸ء سے آپ علیل ہو گئے اور چار سال کی علالت کے بعد ۳۲ء میں لاہور میں وفات پائی۔ خواجہ صاحب کی خدمات اور آپ کے کارناموں کا بیان بجائے خود اپنی جگہ ایک کتاب کو چاہتا ہے۔ عملی رنگ میں ولایت میں تبلیغ اسلام کے آپ بانی تھے۔ اور آپ کی وجہ سے انگلستان میں کئی انگریز مسلمان ہوئے۔ جن میں بعض بڑی

بڑی ہستیاں بھی تھیں۔ مثلاً لارڈ ہیڈلے۔ سر عبداللہ آرچی بالڈ ہیملٹن۔ سر عمر ہیوبرٹ رینکن۔ مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال وغیرہ۔

۳۰ دسمبر ۳۲ء کو خطبۂ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ صاحب کی عظیم الشان خدمات اور اُن کی زبردست قوتِ ایمانی کا تفصیلاً ذکر کیا۔ اور اپنے اور خواجہ صاحب کے تعلقات کے ذکر میں فرمایا:

"ایسے انسانوں کو جن کے نام آسمان پر روشن ہو جائیں مٹی کے نیچے دفن کر لے سے فرق نہیں آتا۔ میرا ذاتی تعلق ان سے ایک لمبے عرصہ سے تھا۔ ۱۸۹۴ء میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت ہم دونوں اکٹھے اسلامیہ کالج میں پڑھاتے تھے۔ ویسے انہوں نے بی۔ اے کا امتحان مجھ سے ایک سال پہلے دیا تھا۔ وہی میری بیعت کا بھی موجب ہوئے۔ گو حضرت مرزا صاحب کا علم مجھے پہلے سے ہی حاصل تھا اور اسی وقت سے محبت پیدا ہو گئی تھی۔ اور آپ کے دعوے کی تصدیق بھی کرتا تھا۔ ابتداء ہی میں میں نے جب آپ کی کتاب ازالہ اوہام دیکھی تو آپ کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہوا۔ ہم دونوں بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور میں اس کے گواہ ہیں۔ کیونکہ ہم دونوں اکٹھے پڑھتے تھے اور دونوں کی قلبی کیفیت ایک ہی تھی — تیسرے ہمارے والد بزرگوار بھی تھے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کی بیعت میں شامل ہونے کے محرک یہی میرے محترم دوست تھے جن کا ذکر میں کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے پہلے بیعت کر چکے تھے اور وہی مجھ کو ۱۸۹۷ء میں قادیان لے گئے اور وہاں پہنچ کر میں حضرت صاحب کی بیعت میں شامل ہو گیا۔ میں اس حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ بیعت سے میرے اندر ایک بڑا بھاری انقلاب پیدا ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بچپن سے نماز کی عادت تھی اور والد صاحب کی وجہ سے دینداری کا اثر غالب تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی بیعت جب میں نے کی تو پہلی حالت اور دوسری حالت میں ایک بڑا فرق پیدا ہو گیا۔ خواجہ صاحب اس بارے میں میرے رہنما ہیں۔ اگر اس پہلی حالت میں پڑا رہتا تو جو کچھ خدمات کا مجھے موقع ملا اور جو روشنی حاصل ہوئی اس سے محروم رہتا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس محترم دوست کا بڑا حصہ ہے اس نیکی میں سے جو مجھے نصیب ہوئی۔ یہ ۱۸۹۷ء کا ذکر ہے اس وقت سے ہمارے تعلقات اور بھی گہرے ہو گئے اور خدا کے فضل سے یہ تعلق آخر دم تک قائم رہا۔"

(پیغام صلح ۲۷ جنوری ۳۳ء)

مسٹر گابا کا قبول اسلام یکم مارچ ۳۳ء کو لاہور کے ایک بہت بڑے ہندو رئیس لالہ ہرکشن لال گابا کے

بڑے لڑکے نے بمعہ اپنی اہلیہ کے مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور ان کا اسلامی نام خالد لطیف گابا رکھا گیا۔ اس تقریب میں لاہور کے غیر احمدی عمائد بھی شامل ہوئے یعنی علامہ عبداللہ یوسف علی، علامہ اقبال۔ نواب ممدوٹ۔ ملک فیروز خان نون۔ مولانا سید ممتاز علی وغیرہ۔ ان دنوں بیرن عمر صاحب بھی ہندوستان کے دورے کے سلسلے میں لاہور میں تھے اور احمدیہ بلڈنگس میں اس موقع پر ان دونوں کی تصویر جماعت کے بزرگان کے ساتھ لی گئی۔ جو اس کتاب میں شامل ہے۔

فیجی مشن

اپریل ؁۳۴ء میں فیجی کے مسلمانوں کی استدعا پر انجمن نے فیجی مشن کھولا۔ جہاں مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع کو بھیجا گیا۔ ان جزائر میں آریہ سماج اور عیسائیت کا بہت زور تھا اور وہاں کی مسلمان آبادی مذہبی طور پر ایک پست اور مغلوب حالت میں تھی۔ مرزا صاحب کے فیجی پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد گویا یہ نقشہ ہی بدل گیا۔ ہر میدان میں آریہ سماج اور عیسائیت کو شکستیں ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب کی مساعی سے فیجی میں ایک نہایت باعمل اور طاقتور شاخ اس جماعت کی قائم ہو گئی اور وہاں کے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے اس تحریک کو لبیک کہا۔ اور مولانا محمد علی صاحب کا تصنیف کردہ لٹریچر کثرت سے وہاں پھیلا اور مقامی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔

مخالفت کی ہوا

یوں تو متعصب اور تنگ نظر مولویوں کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک حصّہ جماعت احمدیہ لاہور کے خلاف رہتا تھا اور خاص طور پر پنجاب کے عوام میں اس جماعت کے خلاف کافی تعصّب پایا جاتا تھا۔ مگر پنجاب اور ہندوستان بھر کے تعلیم یافتہ اور معقول طبقہ میں جماعت لاہور کو بہت اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور یہ سب ان دینی خدمات کی وجہ سے تھا جو مولانا محمد علی صاحب اور جماعتِ لاہور سرانجام دے رہی تھی۔ پنجاب کے بڑے بڑے سرکاری حکام اور عمائدین اور تعلیم یافتہ مسلمان لیڈروں سے مولانا محمد علی صاحب کے ذاتی دوستانہ تعلقات بھی تھے، اور ہمیشہ قائم رہے۔ یہ لوگ انجمن کے جلسوں اور تقریبات میں شرکت کرتے تھے اور مختلف تحریکات میں چندہ بھی دیتے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب بھی وقتاً فوقتاً انجمن حمایتِ اسلام لاہور اور انجمن اسلامیہ کے جلسوں میں شریک ہوتے اور تقاریر کرتے۔ جن میں آپ ہمیشہ اشاعتِ اسلام کے نصب العین کو مسلمان قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ مولانا صاحب کے علاوہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جیسے بزرگ بھی لاہور کے سمجھدار طبقہ میں اپنی خوبیوں اور نیکی کی وجہ سے بہت عزّت کا مقام رکھتے تھے۔

اوائل ؁۳۴ء میں بعض ملاؤں اور بعض سیاسی اور نیم مذہبی لیڈروں نے جماعتِ احمدیہ کیخلاف مخالفت کو ہوا دی اور یہ مخالفت بہت زور پکڑ گئی اور کفر کے فتووں، گالیوں اور ناپاک الزامات کا ایک طوفان اٹھایا گیا۔ احرار پارٹی کا فتنہ بھی ان دنوں شروع ہوا اور سیاسی میدان میں عوام الناس میں مقبولیت حاصل کرنیکی بنیاد جماعتِ احمدیہ کی مخالفت اور احمدیوں کو کافر کہنے پر رکھی گئی۔ لاہور کا اکثر پریس بھی اس میں

بہہ نکلا۔ اور سید حبیب صاحب مدیر سیاست نے ایک طویل سلسلہ مضامین حضرت مرزا صاحب اور احمدیت کے خلاف لکھنا شروع کیا۔[1]

اس مخالفت کی رو کے ردّ میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے بھی ۳۲ء و ۳۳ء میں لاہور اور ڈلہوزی میں متعدد ٹریکٹ تصانیف فرمائے۔ جن میں عام مسلمانوں کے لئے اپنے عقائد کو کھول کر بیان کیا ہے۔ اور اپنے کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن جہاں اصل مقصد سیاسی ہردلعزیزی حاصل کرنا ہو اور اس کی بنیاد سید ھے سادے عوام کے جذبات کو مذہبی رنگ میں بھڑکانے پر رکھی جائے وہاں دلائل کو کون سُنتا ہے اور عقل سے کون کام لیتا ہے۔ یہ مخالفت کا طوفان اسی طرح قائم رہا۔ اور خود ہی اپنے وقت پر ختم ہوگیا اور اس کے محرک جو ایک وقت میں پنجاب کے سیاسی اور مذہبی میدانوں میں دندناتے پھرتے تھے۔ خود ہی نیست و نابود ہو گئے۔ لیکن جماعت احمدیہ کو وہ کوئی زک نہ پہنچا سکے اور اس کا کام ترقی ہی کرتا رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میاں محمود احمد صاحب اور ان کی جماعت۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو اُن کے اصلی اور صحیح مقام پر رہنے دیتی اور اُن کے متعلق غالیانہ عقائد کا اظہار نہ کرتی۔ تو یہ مخالفت کبھی نہ پنپنے پاتی۔ اور احمدیت کو دن دُونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی۔ مگر یہ مقدّر تھا کہ مسیح ناصری اور مسیح موعود (محمدؐی) کی آپس میں مماثلت بھی پوری ہوتی کہ جس طرح مسیح ناصری کو اس کے غالی پیروؤں نے ایک نبی کے مقام سے اُٹھا کر خدا کا بیٹا بنا دیا۔ وہاں اس محمدؐی مسیح کے غالی مریدوں نے اس کو مجدد سے بڑھا چڑھا کر ایک حقیقی نبی کا رتبہ دیدیا۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے دونوں گروہ گمراہ ہو گئے۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی وفات

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ۱۱ر فروری ۳۶ء کو وفات پائی۔ آپ کی پیدائش ۱۸۷۲ء میں ہوئی۔ اور ۱۸۹۲ء میں جب آپ کی عمر صرف بیس سال تھی اور آپ میڈیکل کالج لاہور میں پڑھ رہے تھے تو آپ نے مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کی۔ آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی ایوب بیگ نوجوانوں میں سے سب سے پہلے بیعت کرنے والے تھے۔ اور ان دونوں بھائیوں کی نیکی اور سعادت مندی کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کو اُن کے ساتھ بے انتہا محبّت تھی۔ اور ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کے قیام پر اس کے چودہ ممبروں میں آپ بھی تھے۔ ۱۸۹۷ء کے بعد آپ پہلے لاہور میں اور پھر دیگر مقامات پر سرکاری نوکری میں رہے۔ ۱۴ یا ۱۵ء میں آپ میڈیکل کالج لاہور میں پڑھاتے تھے۔ جب لاہور سے سرکاری ملازمت کے سلسلے میں تبدیلی ہوئی تو آپ نے انجمن کی خاطر نوکری چھوڑ دی۔ اس وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اختلاف کے بعد انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بنی تھی۔ اور ڈاکٹر صاحب اس کے پہلے جنرل سیکرٹری تھے۔ اور آپ کے

[1] اس کا ایک مدلّل جواب مولانا دوست محمدؐ صاحب کی طرف سے "آئینۂ احمدیت" کے نام سے پہلے اخبار پیغام صلح میں اور اس کے بعد ۳۲ء کے آخر میں کتابی صورت میں شائع شدہ موجود ہے۔

مکانات میں انجمن کے دفتر تھے۔ سرکاری نوکری پر لات مارنے کے بعد لاہور میں رہ کر آپ پرائیویٹ پریکٹس کرتے رہے اور اپنی فنی قابلیت کے علاوہ اپنی نیکی، تقویٰ اور خلق سے ہمدردی کی وجہ سے عوام الناس میں ایک ممتاز حیثیت اور شہرت کے مالک بنے۔ غیر احمدی انجمنوں اور سوسائٹیوں میں آپ کی رکنیت باعثِ فخر سمجھی جاتی تھی۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے آپ پہلے جنرل سیکرٹری اور بعد میں وائس پریذیڈنٹ تھے۔ اور قومی کاموں میں حصہ لینے والوں میں صفِ اوّل میں ہوتے تھے۔ انجمن کے لئے آپ نے بڑی بڑی مالی قربانیاں بھی کیں اور ۱۹۲۰ء میں جب کہ مولانا محمد علی صاحب نے انجمن کے لئے ایک لاکھ روپے کی اپیل کی تو آپ نے وہ مکانات جن میں انجمن کے دفاتر تھے انجمن کو دے دیئے۔

لاہور میں علاوہ تبلیغ دین کے بزرگانِ جماعت کی خدمت بھی گویا آپ نے اپنے ذمے لی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے احمدیہ بلڈنگس میں حضرت مسیح موعود کی آخری علالت کے وقت ہمہ تن ان کے علاج اور خدمت میں رہے۔ اور آپ کے ہاتھوں میں وہ خدا کا برگزیدہ رخصت ہوا۔ مولانا نورالدین صاحب گھوڑے سے گرے اور بہت بیمار ہوئے تو اُن کے علاج اور تیمارداری کے لئے بار بار قادیان جاتے تھے۔ اُن کی آخری علالت نے جب طوالت پکڑی تو وہیں رہ پڑے اور شب و روز خدمت کی۔ اسی طرح مولوی عبدالکریم صاحب کو جب قادیان میں کاربنکل ہوا تو آپ رخصت لے کر قادیان میں رہ پڑے اور ان کا علاج اور خدمت کرتے رہے۔ جس کا اثر حضرت مسیح موعود پر بہت تھا۔ لیکن آپ کی ہمدردی اور توجہ بڑے بڑے لوگوں کے لئے محدود نہ تھی۔ بلکہ چھوٹے سے چھوٹے اور غریب لوگ اور ہر مذہب و ملت کے ساتھ تعلق رکھنے والے مریضوں سے آپ کا حسنِ سلوک زبان زدِ عام تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات سے جو نقصان جماعت کو ہوا اور جو صدمہ سب کو پہنچا وہ ظاہر ہے۔ اس موقعہ پر خطبۂ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے اوصاف اور اُن کی خدمات بیان کر کے فرمایا:۔

"ہمارا آپس کا تعلق بہت پرانا تھا۔ قادیان کی انجمن میں یہ پانچ آدمی تھے جن کا تعلق یگانگت بے نظیر تھا۔ ان میں سے تین تو چل بسے یعنی شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اور ڈاکٹر مرزا صاحب مرحوم۔ وہ اپنا عہد وفا پورا کر چکے۔ یہ دو باقی ہیں جو ابھی حالتِ انتظار میں ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ... لاہور میں جس وقت انجمن کی بنیاد رکھی تو نہ مکان، نہ دفتر، نہ مبلغ، ان ایام میں جو ڈاکٹر صاحب نے قربانیاں کیں ان کا بیان کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی ان کو جانتا ہے۔ پھر اس حالت میں لاہور سے تبدیلی ہوئی تو ملازمت سے استعفیٰ دے کر دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حق ادا کیا۔ جو اقرار مامور کے ہاتھ پر کیا تھا اُسے ضرورت کے وقت پورا کر دکھایا۔ دین کے

---

[1]: یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و مولانا محمد علی صاحب۔

لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ پھر انجمن کے دفتر کے لئے اپنا بیش قیمت مکان دے دیا اور اسی میں آج تک انجمن کے دفتر چلے آتے ہیں .... "

وصایا کی تحریک مولانا محمد علی صاحب نے جو بڑی بڑی تحریکیں جماعت کے سامنے رکھیں ان میں سے ایک وصایا کی تحریک تھی جو آپ نے جلسۂ سالانہ ۱۹۳۶ء میں شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے الوصیّت کو علمی رنگ میں لے لیا مگر عملی حصّے کی طرف توجّہ نہ کی۔ الوصیّت کا ایک یہ بھی مقصد تھا کہ ہم جس طرح اپنی زندگی میں دین کے لئے مال خرچتے ہیں اسی طرح موت کے بعد بھی ہماری جائدادوں اور مال کا کچھ حصّہ اس پر صرف ہو۔ یہ تجویز صرف قادیان کے بہشتی مقبرہ میں چار گز زمین کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو یہ لفظ پرستی ہوگی۔ خدا کا بہشت بہت وسیع ہے۔ اسی بہشت کا وارث بنانے کے لئے حضرت نے الوصیّت میں یہ ہدایت کی تھی کہ خدمتِ دین کا جہاد مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔ اس کے بعد آپ نے بتایا کہ قرآن کریم نے ہر اس شخص پر جو مال چھوڑتا ہے وصیّت فرض قرار دی۔ اس وصیّت سے مراد خیراتی اور دینی کاموں کے لئے وصیت ہے نہ کہ رشتہ داروں اور قریبیوں کے لئے۔ از روئے شریعت ایک تہائی مال کی وصیّت ہو سکتی ہے اور حضرت مسیح موعود کا الوصیت میں ارشاد ہے کہ وصیّت دسویں حصّے سے کم نہ ہو۔ ان وصیتوں سے جو روپیہ جمع ہو اس کے متعلق آپ نے اپنی یہ تمنا بیان کی:-

"اس کا روپیہ اشاعت قرآن پر صرف ہو۔ اور دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کے تراجم ہو کر پھیلا دیئے جائیں۔"

۱۹۳۶ء کے بعد وصایا کی تحریک مستقل رنگ میں سال بسال ہوتی رہی۔ اور جماعت کے افراد اس میں حصّہ لیتے رہے اور جوبلی کے موقع پر اس تحریک سے ایک بڑا حصّہ جوبلی فنڈ کا جمع ہوا۔

متفرق حالات ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء کو علماء ازہر کے ایک وفد کو جو ہندوستان کا دورہ کر رہا تھا۔ مولانا محمد علی صاحب نے احمدیہ بلڈنگس میں مدعو کیا اور ان سے حضرت صاحب کے دعاوی بمسئلۂ وفاتِ مسیح۔ کفر و اسلام۔ جہاد وغیرہ پر مفصّل گفتگو فرمائی اور ان کے اعتراضات کے جواب دیئے۔ انجمن کے کام کو تفصیلاً بیان کیا اور سلسلہ کی کتب اور لٹریچر دیئے۔ مارچ ۱۹۳۷ء میں مفتئ پولینڈ بھی مولانا کی ملاقات کے لئے آئے۔

حق تصنیف، ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ ۱۹۱۴ء میں قادیان سے آنے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے قیام کے بعد پانچ سال تک مولانا محمد علی صاحب نے نہ تو انجمن سے کوئی تنخواہ یا وظیفہ اپنے گذارے کے لئے لیا اور نہ ہی آپ کی کتب کے چھپنے اور فروخت کرنے میں کوئی حصّہ آپ کا تھا۔ بالآخر جولائی ۱۹۱۹ء میں حق تصنیف کے دیئے جانے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۳۷ء تک اس بارے میں

جو کچھ واقعات پیش آئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

مئی ۱۹۲۵ء میں خواجہ کمال الدین صاحب نے حق تصنیف کی شرح کو ناکافی سمجھ کر حسب ذیل تجویز دربارہ رائلٹی و حقوق کاپی رائٹ انجمن میں پیش کی:۔

"ر ۱۱۵ - ۵/۲۵-۱۶ حضرت خواجہ صاحب نے ذیل کی تحریر بھیجی ہے۔ جس میں بتایا ہے کہ حضرت امیر کو جو حقِ تصنیف ملتا ہے وہ بہت ناکافی ہے۔ اس میں اضافہ فرمایا جائے جو برائے غور پیشِ مجلس ہے۔

جناب سیکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

مجھے قرآن کا حساب کرتے ہوئے پتہ چلا ہے کہ قرآن کریم اور دوسری کتب مصنفۂ حضرت امیر پر ۱/۲ حصّہ فروخت پر بطورِ حقِ تصنیف مصنف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ کس اصول پر یہ رقم تجویز ہوئی ہے۔ میں تو اپنی تصنیف کے حقوق اگر دوں تو ۱/۲ پر بھی راضی نہ ہوں۔ چہ جائیکہ حضرت امیر کی قابلیت سے مجھ کو کیا نسبت۔ پھر جس صورت میں انجمن اس قدر نفع کثیر آپ کی تصانیف سے اٹھاتی ہے۔ میرے نزدیک مولوی صاحب کو ان کی تصنیف کا حق کم از کم ۱/۲ پیش کرنا چاہیئے۔ اور یہ نقصان جو ان کو مدت سے ہو رہا ہے اس کو پچھلے ۱۰ سال سے کم از کم پورا کیا جائے۔ مہربانی کر کے جس قدر جلد ممکن ہو میری اس تحریر کو ایجنڈے پر لاکر انجمن منتظمہ کے سامنے برائے منظوری پیش کیا جائے۔ میں یہ بھی تجویز کرتا ہوں کہ یہ معاملہ انتظامیہ کمیٹی میں ایسے وقت پیش کیا جائے جس میں حضرت امیر کی رائے کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اور اس کمیٹی کا پریذیڈنٹ بھی وائس پریذیڈنٹ ہونا چاہیئے۔

(دستخط) خواجہ کمال الدین مورخہ ۷ رمئی ۱۹۲۵ء

فیصلہ: یکم اکتوبر ۲۴ء سے حضرت امیر کی تمام تصانیف کی فروخت پر ۱/۴ حصّہ یعنی ۲۵٪ بطور حق تصنیف دیا جائے۔ (سیکرٹری محمد حسین شاہ)"

چنانچہ اس پر عملدرآمد رہا۔ اس کے بعد ۲۸ء میں جلسہ سالانہ کے موقع پر ۱۲/۲۸ ۲۵ کو مولانا غلام حسن خان صاحب نے انجمن کی جنرل کونسل (معتمدین) میں تجویز پیش کی کہ امیر جماعت کے لئے بالمقطع کچھ رقم مقرر کردی جائے۔ اور حقِ تصنیف نہ دیا جائے۔ اس پر متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ سابقہ انتظام حقِ تصنیف برقرار رہے پھر ۳۰ء میں مولانا غلام حسن خان صاحب نے اعتراضات سے بھرا ہوا ایک لمبا خط لکھا۔ جسے انہوں نے جنرل کونسل میں پیش کرنے پر اصرار کیا اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن پر حق تصنیف لینا خلافِ تقویٰ ہے۔ جنرل کونسل منعقدہ ۳۰ر اکتوبر ۳۰ء میں ان کی یہ تحریر پیش ہوئی:۔

"مولوی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن جو انہوں نے بطور اجیر انجمن سے اُجرت لے کر کیا ہے۔ وہ چند آدمیوں نے باضابطہ مولوی صاحب کو تملیک کر دیا ہے۔ جو کسی طرح جائز نہ تھا..... مولوی صاحب کا اس کو لے لینا تقویٰ کے خلاف تھا۔

اس پر مندرجہ ذیل فیصلہ تحریر کیا گیا۔

"جنرل کونسل کے سامنے مجلسِ منتظمہ کے سابقہ فیصلے اور جنرل کونسل ۲۸ء کا فیصلہ بروئے ریزولیوشن نمبر ۱۳۰ مورخہ $\frac{12}{28}$ ۲۵ جن میں مولانا غلام حسن صاحب بھی موجود تھے اور جس پر متفقہ طور پر فیصلہ ہوا تھا کہ حق تصنیف کا انتظام اسی طرح برقرار رہے۔ پیش ہوئے۔ ان فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن کی مجلس منتظمہ نے باقاعدہ ایجنڈے پر لا کر اپنے جائز اختیارات سے حق تصنیف کا فیصلہ کیا اور جنرل کونسل نے اس فیصلہ کو متفقہ طور پر درست تسلیم کیا۔ لہٰذا مولوی غلام حسن صاحب کا یہ اعتراض کہ چند آدمیوں نے ایسا کر دیا تھا جس کا انہیں اختیار نہ تھا، صحیح نہیں۔ قطع نظر ان فیصلوں کے جنرل کونسل کے اس اجلاس نے بھی اس پر دوبارہ غور کیا ہے اور بحث تمحیص کے بعد متفقہ طور پر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سابقہ فیصلہ جات درست ہیں۔ مولوی صاحب کا حضرت امیر کے تقوےٰ پر ناجائز حملہ کرنا قابلِ افسوس ہے۔"

اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کے ایک خط میں سے، جو انہوں نے مولانا غلام حسن خانصاحب کو ان کے اعتراضات کے جواب میں لکھا تھا، کچھ اقتباسات دیئے جائیں۔ کیونکہ اس سے ان کا اپنا نقطۂ نظر دربارہ حقِ تصنیف ظاہر ہوتا ہے (یہ خط پیغام صلح مورخہ ۱۳ اپریل ۴۸ء میں اُس وقت چھپا جبکہ مولوی غلام حسن خانصاحب قادیان جا کر بیعت کر چکے تھے اور اس پر ایک سلسلہ مضامین مولانا محمد علی صاحب لکھ رہے تھے) فرماتے ہیں:-

"مجھ پر اگر حقِ تصنیف لینے کا اعتراض ہے تو میرے لئے مقامِ فخر ہے۔ اپنی روٹی کے لئے لوگوں کی جیبوں پر نذر و نیاز کے رنگ میں ڈاکہ ڈالنے کا مرتکب نہیں ہوں۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنے بال بچّے کے مایحتاج کا انتظام کرتا ہوں۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب طبابت سے اس مایحتاج کا انتظام کر لیتے تھے۔ میں تصنیف سے کر لیتا ہوں۔ میرے مرشد و آقا حضرت مسیح موعود بھی تصنیف کرتے تھے۔ اور ایک نااہل گروہ اب تک یہ رونا رو رہا ہے کہ براہینِ احمدیہ کی قیمت کا ہزار ہا روپیہ لے کر کھا گئے۔ ایک اور ایسے ہی گروہ کی قسمت میں اگر یہ لکھا ہو کہ وہ میرے حقِ تصنیف پر روتا رہے تو میرا اس میں کیا قصور ہے۔

حق تصنیف کیا ہے۔ میری کسی محنت کا معاوضہ ہے جو میرے مابحتاج کا کام دیتا ہے جس کا انتظام قوم کسی نہ کسی رنگ میں کرتی۔ میں نے خود یہ کبھی نہیں مانگا۔ پانچ سال تک انجمن سے ایک پیسہ لئے بغیر کام کیا۔ اس وقت حق تصنیف بھی نہ تھا۔ پھر انجمن نے خود یہ تجویز کی۔ دس گیارہ سال کے بعد آپ نے یا دو ایک آدمیوں نے اعتراض کیا تو انجمن کی جنرل کونسل نے ایک دفعہ نہیں تین دفعہ، اور آخری مرتبہ آپ ہی کے اعتراض پر، اسے بالاتفاق درست قرار دیا۔ اور اعتراض کو غلط قرار دیا۔"

اس کے بعد انگریزی ترجمہ قرآن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"آپ کا یہ خیال ہے کہ میں نے یہ کام قادیان کی انجمن سے تنخواہ لے کر کیا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ:۔

اوّل:۔ میں نے اس معاملے کو اُسی وقت صاف کر لیا تھا جب قادیان سے الگ ہوا۔ اور قادیان والوں نے بھی اپنی جگہ اس پر قانونی مشورہ لے لیا تھا۔

دوسرے:۔ قادیان میں مَیں نے صرف چار سال اس پر کام کیا۔ یعنی ۱۰ء سے لے کر ۱۴ء فروری تک اور ۱۴ء سے ۱۷ء تک یعنی چار سال اس کے بعد کیا۔ اُس وقت مَیں ان سے تنخواہ نہ لیتا تھا۔

تیسرے:۔ جب ترجمہ کا کام مکمل ہوا تو چھپوائی کا کام شروع کرنے سے پہلے میں نے قادیان والوں کو رجسٹرڈ خط لکھ دیا تھا کہ وہ اگر چاہیں تو اس کی چھپوائی میں شریک ہوں اور کچھ حصّہ خرچ اپنے ذمّے لے لیں۔ اس کے ساتھ پہلے چار سال کا جو روپیہ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ بھی مجرا لے لیں۔ اور بحصّہ رسدی قرآن شریف کی جلدیں لے لیں۔ مگر مصنّف مَیں ہوں۔ مسوّدہ میں کسی تغیّر و تبدّل کے وہ مجاز نہ ہوں گے۔ انہوں نے اُسے نامنظور کیا اور جو کچھ اخلاقاً بھی ان کا حق تھا وہ خود ضائع کر دیا۔

چہارم:۔ جب ترجمہ قرآن کی پہلی ایڈیشن نکلی تو یہ چار سال میں ختم ہو گئی اور اس میں سے پہلے دو سال میں جن میں سے نصف سے بہت زیادہ جلدیں نکل گئیں تھیں۔ میں نے کوئی حق تصنیف ان کی فروخت پر نہیں لیا۔ یوں نصف حصّہ اگر قادیان کے انجمن سے تنخواہ لے کر کام کیا بھی گیا تو اس کے حق تصنیف کی رقم میری جیب میں نہیں آئی۔ بلکہ وہ رقم اور اس سے بھی بڑھ کر انجمن لاہور کے خزانے میں گئی۔ اور وہ اعتراض بھی باقی نہ رہا کہ مَیں نے کچھ مدّت ترجمہ کے کام میں حق الخدمت لے لیا تھا۔

پنجم:۔ بایں انجمن نے ۱۹ء سے ۲۵ء تک ترجمہ قرآن اور دیگر کتب کے حقِ تصنیف میں فرق رکھا۔ اور اوّل الذکر میں چھٹا حصّہ اور مؤخر الذکر میں چوتھا حصّہ دیتی رہی۔

اپنے اسی مضمون میں جو مولانا غلام حسن خانصاحب سے خطاب کر کے آپ نے لکھا تھا، آپ نے مولانا کے

ایک خط کے کچھ فقرے بھی شائع کئے جو انہوں نے آپ کو ستمبر ۳۰ء میں لکھا تھا۔ اور جس میں مندرجہ بالا باتیں سن کر مولانا غلام حسن صاحب نے لکھا تھا :۔

"میں نے مرزا صاحب سے صرف انگریزی ترجمہ قرآن کا ذکر کیا تھا۔ نہ کسی اور تصنیف کا۔ اور میں نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ مجھ کو اس پر صرف لوگوں کے اعتراض کا دفیعہ مقصود ہے۔ میں خود اس کو اعتراض کی شکل میں پیش نہیں کرتا۔ میں آپ کی مصنفہ کتب کے حق تصنیف پر کبھی معترض نہیں ہوا..... مجھے تو صرف ایک بات کے متعلق اعتراض کی صورت نظر آتی تھی اور وہ انگریزی ترجمہ ہے اب آپ نے جو اس کی توجیہہ کی ہے اور واقعات بیان کئے ہیں تو یہ بھی کسی قدر معقولیت کے اندر آگئی ہے۔ مجھے ان واقعات سے بھی آگاہی نہ تھی۔ اور غالباً اور کئی آدمیوں کو بھی اس سے آگاہی نہ ہوگی۔"

۳۰ء میں اس قسم کا خط لکھنے کے بعد پھر انہی واقعات پر اعتراض کرنا کہاں تک درست ہے۔ اس کا اندازہ ناظرین خود لگا سکتے ہیں۔

بہرحال جیسا کہ ذکر آچکا ہے مولانا غلام حسن صاحب تو جنرل کونسل کے بار بار کے متفقہ فیصلوں کے بعد خاموش ہو گئے۔ مگر اس بات کو اور چند لوگوں نے اپنا لیا۔ اور افسوس ہے کہ انجمن کے صریح فیصلہ جات کے ہوتے ہوئے بھی اس سیدھے سادے معاملے کو مولانا محمد علی صاحب کے خلاف باتیں بنانے کے لئے ایک آسان ذریعہ سمجھ لیا گیا اور در پردہ پروپاگنڈا اور مسلسل چہ مہ گوئیاں کی گئیں۔ اور اس بات کو ایک ایسا رنگ دیا جاتا رہا کہ خدا جانے مولانا محمد علی صاحب انجمن سے کیا کیا کچھ ناجائز طور پر لے کر کھا گئے۔ ورنہ یہ معاملہ بالکل صاف تھا۔ مولانا محمد علی صاحب نے انجمن سے تنخواہ یا وظیفہ لینا پسند نہیں کیا۔ مگر بطور ایک مصنف کے جو اپنی تصانیف انجمن کو چھاپنے اور فروخت کے لئے دیں۔ ان میں سے ملکی قانون کے مطابق ایک مقررہ شرح اپنے لئے لی۔ اور یہ اخلاقاً وشرعاً بھی کسی طرح قابل اعتراض بات نہ تھی۔ نہ ہی انجمن کو کبھی اس سے کچھ نقصان ہوا۔ بلکہ کثیر فائدہ ہی ہوا۔ لیکن جس نے اعتراض کرنے کی خاطر اعتراض کرنا ہو اس کا منہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ۳۹ء میں اس سوال کو ایک اور رنگ میں اٹھایا گیا کہ بکڈپو کی وجہ سے انجمن کو زبردست مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اس کا ذکر آئندہ اپنے مقام پر آئے گا۔

بعض اندرونی جھگڑے

۱۹۳۰ء تک جماعت احمدیہ لاہور میں بظاہر بڑی یکجہتی اور یگانگت کے ساتھ کام ہو رہا تھا۔ مگر اس کے بعد بعض احباب کے دلوں میں کئی چھوٹی چھوٹی وجوہات پر رنجشیں پیدا ہوئیں۔ جو وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی رنگ میں اس کے بعد ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں۔ مثلاً ۲۹ء میں اخراجات کی زیادتی اور آمدن کی

کی گئے باعث انجمن نے اشاعت اسلام کالج کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کی ذمہ داری مولانا محمد علی صاحب پر ڈال کر یہ بعض اصحاب کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہوا حتیٰ کہ ایک صاحب نے مسجد میں آنا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ انہی ایام میں جماعت لاہور کے ایک ممبر شیخ غلام محمد صاحب نے مختلف اعلانات کئے اور مولانا محمد علی صاحب و بعض دیگر احباب پر کچھ الزامات وغیرہ لگائے۔ ان باتوں کا اثر جماعت کے بعض احباب کے دلوں پر ہوا جن میں سے مولانا غلام حسن خان صاحب نے علانیہ بھی وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کی بعض تحریریں بالآخر جنرل کونسل میں پیش ہوئیں اور جنرل کونسل نے بالاتفاق مولانا غلام حسن کو غلطی پر قرار دیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ جنرل کونسل کے متفقہ فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے آئندہ ایسے امور سے اجتناب کریں۔ ان تحریرات کا ذکر حق تصنیف کے معاملے میں پہلے آچکا ہے۔ مولانا صاحب خاموش ہو گئے مگر ان کے خیالات کو بعض اور احباب نے اپنا لیا۔

جہاں تک شیخ غلام محمد صاحب کی تحریرات و اشتہارات کا معاملہ تھا۔ انجمن کی جنرل کونسل نے بذریعہ ریزولوشن نمبر ۲۲ مورخہ ۲۵ را پریل ۳۱ء یہ فیصلہ کیا :-

> "شیخ غلام محمد کی تحریرات و اشتہارات ملاحظہ میں آئے۔ ان کی بنا پر مجلس ہذا کی رائے میں شیخ غلام محمد مذکور احمدیہ انجمن کا ممبر نہیں رہا۔ لہٰذا اس کو جنرل کونسل کی ممبری سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ شیخ غلام محمد کے اشتہارات اور تحریرات میں جو الزامات انجمن یا صاحب میر مجلس یا دیگر کارکنانِ انجمن پر لگائے گئے ہیں۔ اس کے متعلق غور کرنے پر جنرل کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ان میں سے بعض الزامات میں صریح جھوٹ سے کام لیا گیا ہے اور غلط واقعات بیان کئے گئے ہیں اور بعض معاملات کو مغالطہ آمیز رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سب پراپاگنڈے کی غرض یہ ہے کہ قوم میں غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر کے جماعت کو کمزور کیا جائے۔"

اور بعض دوسرے احباب کی طرف سے جو الزامات مولانا محمد علی صاحب پر لگائے گئے تھے۔ ان کے متعلق انجمن کی مجلس منتظمہ مورخہ ۲۲ ر دسمبر ۳۳ء کی طرف سے حسب ذیل اعلان ہوا :-

> "ان لوگوں کو چھوڑ کے جو بدقسمتی سے کسی دماغی فتور کی وجہ سے معذور ہیں اور جواب کے قابل نہیں۔ بعض افراد نے بعض ذاتی اغراض کے جذبے کے ماتحت انجمن کو بدنام کرنے کے لئے بہت سے بہتان امیر جماعت کے خلاف لگا کر پروپاگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ جس کی نوعیت ان اصحاب سے پوشیدہ نہیں۔ جن کو انجمن کے کاروبار سے اور حضرت امیر ایدہ اللہ کی ذات سے عرصۂ دراز سے معاملات کا موقع حاصل رہا ہے۔ ہم اراکین انجمن اعلان کرتے ہیں کہ وہ جملہ الزامات بالکل بے بنیاد اور

سعو ہیں۔ حضرت امیر کی ذات ان سے بالکل وراء الوراء ہے۔ اور ان کی بےنفسی۔ دیانت اور ربانی کی مثال مشکل ہے۔ اس قسم کے الزامات پہلے بھی ۱۹۳۱ء میں لگائے گئے تھے اور اس وقت ان کا جواب دیا جا چکا تھا۔" (پیغام صلح مورخہ ۳ر جنوری ۱۹۴۳ء)

اسی موقع پر انجمن کی جنرل کونسل میں بھی یہ معاملہ آیا اور اس کے متعلق پیغام صلح مورخہ ۷ر جنوری میں جو اعلان شائع ہوا۔ وہ اس طرح ہے:۔

"ضروری اعلان۔ ایک غلط افواہ کی تردید'

جلسہ سالانہ پر انجمن کی جنرل کونسل کا جو اجلاس ہوا اس میں حضرت امیر نے اس بات کا اعلان فرمایا کہ چونکہ ان کے خلاف ایک قسم کا پروپاگنڈہ جاری ہے جس کا اثر ان کی ذات تک محدود نہیں بلکہ قوم کو نقصان پہنچ رہا ہے اس لئے اس وقت تک کے لئے جب تک ان کا دامن بعد تفتیش کامل پاک صاف نہ ہو جائے۔ انجمن کی صدارت سے استعفےٰ دے کر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نائب میر مجلس کو صدر منتخب فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس پر جنرل کونسل نے زیر صدارت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب معاملات کو پورے غور کے ساتھ دریافت کیا اور سب معاملات کو پورے طور پر دریافت کر لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ حضرت امیر کے خلاف جو پروپاگنڈا کیا جا رہا ہے وہ محض بےبنیاد اور جھوٹا ہے اور واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور جنرل کونسل کو بالاتفاق ان پر پورا اعتماد ہے...... بعد فیصلہ کونسل حضرت امیر نے استعفیٰ واپس لے لیا۔ یہ اعلان اس لئے کیا جا رہا ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ شرارت پھیلائی جا رہی ہے کہ حضرت امیر نے انجمن کے کاموں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ جو محض جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس جنرل کونسل میں ۴۹ ممبر تھے۔"

مگر جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے بعض لوگوں کے دل صاف نہ تھے اور کسی نہ کسی رنگ میں ذاتی رنجشیں ظاہر ہوتی رہیں۔ سب سے آسان چیز جوان لوگوں کو چہ مہ گوئیاں کرنے اور بدظنیاں پھیلانے کے لئے مل جاتی تھی وہ حق تصنیف کا معاملہ تھا۔ جس کا ذکر اور حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ یہ معاملہ بار بار انجمن کے سامنے آیا اور بار بار انجمن نے فیصلہ کیا کہ یہ طریق صحیح ہے اور اس طرح سے انجمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا۔ مگر باتیں بنانے والوں کی زبانیں بند نہ ہوئیں۔

جہاں ایک طرف تو اس مرد خدا کو یہ دھن لگی ہوئی تھی کہ اسلام کو دنیا میں کس طرح پھیلایا جائے۔ قرآن کریم کی اشاعت کس طرح ہو۔ جماعت کس طرح ترقی کرے۔ دوسری طرف مسلمانوں میں ہی اس جماعت کی مخالفت کا ایک

طوفان اٹھا ہُوا تھا۔ وہاں ان باہمی جھگڑوں اور غلط چہ مہ گوئیوں سے اس کام کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اس کا شدید صدمہ مولانا محمد علی صاحب کے دل میں تھا۔ اس کی ایک جھلک اس خط میں دیکھئے جو آپ نے ڈلہوزی سے لکھا اور ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کے پیغام صلح میں چھپا۔ یہ خط ۔ "برادرانِ جماعت کے نام خطوط" کے سلسلے میں سے ایک تھا۔ اور جن جذبات کا اس میں اظہار کیا گیا ہے وہ جماعت کے لئے آج بھی مشعلِ ہدایت ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"کامل یکجہتی سے کام کرنے کی ضرورت

"اندرونی اختلافات یا ذاتی جھگڑوں سے خدا کے دین کی نصرت اور تائید کے کام میں ہمیں سُست نہ ہو جانا چاہیئے۔ درحقیقت یہ سستی اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب انسان کے دل سے خدا کے کام کی اہمیت کا احساس اٹھ جاتا ہے۔ خواہ وہ اپنے دل کی تسلی کے لئے سو عذر بنالے وہ اپنی ذاتی جھگڑوں یا ذاتی رائے کو حد سے زیادہ وقعت دے کر انہی چیزوں کو اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ اور خدا کے دین کی تائید میں اس کی اپنی خواہشات ایک دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہیں۔

ہم قادیان سے کبھی علیحدہ نہ ہوتے اگر خاتم النّبیین کے بعد ایک نبوّت کے قائم کرنے اور ۴۰ کروڑ کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا فیصلہ نہ کر لیا جاتا۔ اس پر بھی ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ تکفیر کے مسئلہ پر ہمیں آزادیٔ رائے دی جائے تاکہ ہم ساری جماعت کے سامنے اپنے خیالات کو رکھ سکیں جسے یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ خلیفہ کی رائے کے خلاف کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر وہاں سے علیحدگی کے بعد ہمارا نصب العین وہی رہا جو حضرت مسیح موعود نے ہمارے سامنے رکھا تھا۔ بلکہ پہلے سے دوچند قوت کے ساتھ ہم نے اس کام کو لاہور میں شروع کیا۔ جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے رکھی تھی۔ اور چند بکھرے ہوئے دانوں نے ایک مسلک میں منسلک ہو کر اور سارے کام کی ازسرِنو بنیاد رکھ کر اسے اس قدر ترقی دی کہ آج اس عمارت کے بلند مینار دُور دُور کے ملکوں سے نظر آ رہے ہیں اور ہماری چھوٹی سی جماعت جو تعداد کے لحاظ سے کسی شمار میں آنے کے قابل نہیں۔ اپنے کام کے لحاظ سے ایک عظیم الشان قوم نظر آتی ہے۔ "

اس کے بعد احباب کو نصیحت کرتے ہیں :-

"ہمارے احباب میں جہاں کہیں ذاتی رنجشیں ہیں اور وہ انہیں دور نہیں کر سکتے تو کم از کم انہیں اپنے صحیح مرتبہ اور مقام پر رکھیں ...... غور کر کے دیکھئے کہ ہماری چھوٹی سی جماعت کو مٹانے کے لئے پہلے تو قادیان سے ہی کتنا زور خرچ ہوا ..... ہم نے فساد سے بچنے کے لئے

بننے بنائے سلسلہ اور اس کے تمام کاروبار کو چھوڑ کر از سر نو اس کام کی بنیاد لاہور میں رکھی،
اس کے بعد اپنے مسلمان بھائیوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو ان کی قوت عیسائیت اور آریہ سماج
کی تردید پر اس کا دسواں حصہ بھی صرف نہیں ہوتی۔ جس قدر جماعت احمدیہ کو مٹانے پر صرف ہوتی
ہے۔۔۔۔۔ اس سے اور آگے چلئے تو خود اسلام کو مٹانے کے لئے کس قدر دنیا تلی ہوئی ہے۔ تو
اتنی مٹا دینے والی طاقتوں کے بالمقابل کس قدر ضرورت ہے کہ ہم کامل یکجہتی سے کام کریں۔

دوسری طرف یہ امر سوچنے کے قابل ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام ہو چکا ہے اور کس قدر بلند عمارت بن چکی ہے۔ اور کن ہاتھوں نے اس کام کی بنیاد رکھی ہے۔ اصل کام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت اور اشاعت کا ہے۔ جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مامور کے ذریعے سے رکھی۔۔ اس عمارت پر آج تک سینکڑوں بڑے بڑے آدمیوں کی زندگیاں صرف ہوئیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ اس پر صرف ہو چکا۔ کئی بزرگ اس جماعت میں ایسے موجود ہیں جن کا لاکھ لاکھ سے زیادہ روپیہ اس تعمیر پر صرف ہوا اور ان کی کوئی گنتی ہی نہیں جنہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر یا اپنے بال بچوں کو تکلیف میں رکھ کر یا اثاثہ بیچ کر اس تعمیر پر روپیہ صرف کیا۔ وہ آہیں جو خدا کے دین کی ترقی کے لئے دلوں سے اٹھ چکی ہیں۔ اگر ان کا کوئی ریکارڈ ہو اور خدا کے ہاں یقیناً وہ ہے تو رات کی سنسان خاموشی ایک شورِ عظیم سے بھری ہوئی نظر آئے۔ وہ آنسو اس درد میں بہہ چکے ہیں اگر اکٹھے ہوں تو ایک نہر بہہ نکلے۔ کیا اس قدر محنت سے تیار کی ہوئی عمارت چند ذاتی خواہشات کی وجہ سے برباد کر دی جائیگی ؟

خدائی نور سے منوّر ہاتھ اس کی بنیاد رکھنے والے اعلیٰ درجہ کے خداداد طاقتوں والے معمار اس عمارت کو بنانیوالے رضائے الٰہی کے لئے اور پورے اخلاص سے کام کرنے والے مزدور اس میں مدد دینے والے۔ آج جب یہ مینار اس قدر بلند ہو گیا کہ ہزاروں میلوں پر اس کی روشنی پہنچنے لگی تو اس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا جو اپنے بھائی کے ساتھ ذرا سے رنج اور کدورت پر اس عمارت کو بنانے کی بجائے اس کو گرانے میں مصروف ہو جائے۔ گرانے میں اس لئے کہتا ہوں کہ گو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اس عمارت کو گرا رہا ہے۔ مگر درحقیقت اس کی سستی یا اس کی علیحدگی یا اس کا جھگڑا اس عمارت کو گرانے کے ہی مترادف ہے۔ لا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم، باہمی جھگڑوں میں مصروف ہو جانے سے کبھی قومی قوت باقی نہیں رہتی۔ آپ ہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اس عمارت کو بنایا ہے۔ جن کی قوت اور طاقت اس عمارت کو بنانے پر خرچ ہوئی ہے۔

جن کے روپے سے یہ سب کاروبار بنا ہے۔ کیا آپ ہی اپنے ہاتھوں سے اسے گرائیں گے؟ لا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔ اس پاگل عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو خود ہی کات کر پھر خود اس سُوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

"خوب یاد رکھو کہ یہ عظیم الشان عمارت جس کی بنیاد خدا کے مامور کے ہاتھوں نے رکھی اور جس کی تعمیر میں آج ۴۵ سال سے ایک قوم کی قوم اپنی جانوں اور اپنی قوتوں اور اپنے مالوں سے لگی ہوئی ہے۔ یہ کوئی معمولی سی چیز نہیں جس کو آج گرا کر کل کو پھر بنا سکو۔ اس لئے اگر کچھ کر سکتے ہو تو اپنی ہمت اور طاقت کو اس کام کو قوت دینے پر لگاؤ۔ تاکہ جب اپنے مولیٰ سے ملنے کا وقت آئے تو تم اس سے خوش ہو اور وہ تم سے خوش ہو اور جس طرح اکٹھے ہو کر محض خدا کی رضا کے لئے اس کام کو شروع کیا اسی طرح اکٹھے رہ کر اس تکمیل میں مصروف ہو اور محض اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ ہُوا تو سب کچھ اللہ کے فضل سے ہے۔ مگر آخر تمہاری ہی طاقت، تمہارا ہی مال اس پر صرف ہُوا ہے۔ اپنی چیز کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ کرو۔"

جماعت قادیان سے تعلقات ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ء تک

اس تمام دوران میں اختلافی مسائل پر بہت کچھ دونوں طرفوں سے لکھا جاتا رہا۔ اور اخبار الفضل قادیان اور پیغام صلح لاہور کا ایک بڑا حصّہ ان باتوں سے بھرا ہُوا ہوتا تھا۔ یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ دونوں جماعتوں کا اختلاف دراصل میاں محمود احمد صاحب کے عقیدۂ تکفیر کی وجہ سے ہُوا۔ پھر میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود کی طرف دعوائے نبوّت کو منسوب کیا اور اسمہ احمد والی آیتِ قرآن کو حضرت صاحب پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ ان تمام باتوں کی تردید مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے آپ کی مختلف تصنیفات کے ذریعے جن کا ذکر آچکا ہے۔ کئی بار ہو چکی تھی اور دیگر بزرگانِ جماعت بذریعہ اخبار بھی ان مسائل کو بارہا صاف کر چکے تھے۔ مگر جماعت قادیان اس وقت تک پیر پرستی کی ایک ایسی رو میں بہہ چکی تھی کہ اس کی اصلاح ناممکن ہو گئی تھی۔ مولانا محمد علی صاحب کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی تھی کہ جماعت کی توجّہ کا ایک حصّہ ان جھگڑوں میں ضائع ہو رہا ہے اور اس سے اشاعتِ اسلام کے کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے آپ نے بار بار میاں محمود احمد صاحب کو اس بارے میں مخاطب کر کے اپنے خطبات کے ذریعے اور میاں صاحب کے نام خطوط کے ذریعے، جو اخبار پیغامِ صلح میں چھپتے تھے۔ دعوت دی اور چیلنج دیئے کہ کسی طرح ان مسائل پر دونوں فریقوں کے امیروں میں ایک فیصلہ کن تحریری مباحثہ ہو جائے جس کو چھپوا کر دونوں جماعتوں میں شائع کر دیا جائے، تاکہ ہر شخص کو دوسرے کے دلائل کا پتہ چل جائے۔ پھر ہر شخص کی مرضی ہے کہ وہ اپنے لئے خود فیصلہ کرے کہ اس کو کس جماعت میں رہنا

ہے۔ پھر اس کے بعد اختلافی مسائل پر لکھنا دونوں طرفوں سے بند کر دیا جائے اور دونوں جماعتیں اپنی پوری توجہ اشاعت اسلام کے کام پر لگائیں۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب کسی نہ کسی بہانے سے ہمیشہ تحریری مباحثہ سے اجتناب کرتے رہے۔

۱۹۲۶ء میں جب مولانا محمد علی صاحب ڈلہوزی میں تھے تو میاں محمود احمد صاحب بھی وہاں تشریف لے گئے۔ اور اختلاف کے بعد پہلی بار ان دونوں کی ملاقات وہاں پر ہوئی۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۲۶ء میں آپ نے میاں صاحب اور ان کے احباب کو اور انہوں نے آپ کو اور آپ کے بعض ساتھیوں کو کھانے پر بلایا۔ اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب کی اس تجویز کو میاں صاحب نے منظور کیا کہ دونوں طرف سے جو کچھ ایک دوسرے کے خلاف لکھا جا رہا ہے اس میں ذاتیات پر بحث نہ ہو۔ اور دل آزار الفاظ کا استعمال بھی نہ ہو (اُس زمانے میں قادیان کے اخبار الفضل اور الفاروق اس قسم کی باتوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے) چنانچہ آپ نے پیغام صلح کے ایڈیٹر کو بھی لکھ کر یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی طرف سے محتاط رہیں اور کچھ عرصہ تک اس معاہدہ پر دونوں طرف سے عمل بھی ہوا۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں جماعت قادیان کی طرف سے پھر مخالفت اور ذاتی الزامات کا ایک طوفان اٹھا۔ جو کہ الفضل میں ایک مضمون سے شروع ہوا جس میں مولانا محمد علی صاحب اور مولانا یعقوب خان صاحب پر بعض الزامات لگائے گئے تھے۔ مقام تعجب یہ ہے کہ الفضل میں ان کو اس دعوے کے ساتھ چھاپا گیا کہ یہ الزامات خود اس انجمن کے ایک ممبر کی طرف سے ہیں۔ الفضل کے اس مضمون کے متعلق جماعت لاہور کی مجلس منتظمہ کے ممبران کی طرف سے جو اعلان شائع ہوا اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

> "ان اتہامات کا منشا یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی امانت و دیانت پر حملہ کیا جائے۔ اس کے متعلق ہم اس قدر اعلان کافی سمجھتے ہیں اور سالہا سال کے ذاتی تعلقات اور باہمی معاملہ کے بعد شہادت دیتے ہیں کہ اس بارے میں حضرت امیر تقوی کی جن باریک راہوں کو مدنظر رکھتے ہیں وہ اس زمانے میں عام مسلمانوں کے لئے ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ یہ کہنا کہ اس انجمن سے حضرت مولوی صاحب کسی قسم کا ناجائز مالی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک کمینہ حملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف آپ نہایت محنت اور تندہی کے ساتھ انجمن ہذا کی خدمت میں سالہا سال سے منہمک رہے ہیں اور انجمن سے کوئی حق الخدمت لینے کے روادار نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس انجمن کی مستقل آمد کا بہترین ذریعہ آپ کی وہ بیش قیمت تصانیف ہیں جنہوں نے اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں اسلام کا نام روشن کر دیا ہے۔ انجمن آپ کی ممنون احسان ہے کہ ایک واجبی حق تصنیف کے عوض آپ نے اپنی تصانیف شائع کرنے کے

لئے اس انجمن کے سپرد کیں۔ جن سے انجمن کو ہزار ہا روپیہ سالانہ کی آمد ہوتی ہے۔

تیسرا امر جس کے متعلق پبلک کو سخت دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے یہ ہے کہ حضرت مولوی صاحب نے اس انجمن کو کالعدم قرار دیا ہے۔ اور گو برائے نام انجمن موجود ہے مگر یہ محض ان کا آلۂ کار ہے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ اتہام بھی بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت مولوی صاحب اختلاف رائے کی بڑی عزت کرتے ہیں اور انجمن کے تمام کاروبار کثرت رائے سے فیصلہ پاتے ہیں اور بارہا آپ کی رائے کے خلاف فیصلہ ہوا۔۔۔۔۔" (پیغام صلح ۹/۲۸ ۸)

اس سلسلہ میں انجمن کی جنرل کونسل کے فیصلہ کے مطابق مولانا محمد علی صاحب اور مولانا یعقوب خان صاحب نے مدیر الفضل کو قانونی نوٹس دینے کے بعد مقدمے دائر کئے۔ بالآخر جولائی ۲۸ء میں سمجھوتہ کے ماتحت الفضل نے اظہار افسوس شائع کیا اور مقدمات واپس لے لئے گئے۔

اس کے بعد آپس کے اختلاف کے مختلف پہلوؤں پر اور بعض دوسرے امور پر دونوں طرف سے وقتاً فوقتاً اخبارات میں لکھا جاتا رہا۔ اور مولانا محمد علی صاحب اور جماعت لاہور نے کئی بار کوششیں کیں کہ کس طرح یہ جھگڑے ختم ہو سکیں۔ اپریل ۳۵ء میں لاہور کے سرکردہ احباب نے میاں محمود احمد صاحب کو پھر اپیل کی کہ متعین تعداد میں کچھ افراد کے سامنے دونوں جماعتوں کے امیر ایک فیصلہ کن بحث کریں۔ جس کو حاضرین کی آراء کے ساتھ شائع کر دیا جائے اور اس کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا جائے مگر جماعت قادیان نے اس کو منظور نہ کیا۔ مولانا محمد علی صاحب نے خود کئی رنگ میں ایک فیصلہ کن بحث کرنی چاہی اور کئی ایک تجویزیں پیش کیں کہ دونوں جماعتوں میں سے تین تین ثالث چن لئے جائیں یا اور کسی رنگ میں کوئی فیصلہ کی صورت کی جائے۔ یہ بھی تجویز کی کہ دونوں جماعتوں کے امیر جو تحریری بحث میں مضامین لکھیں وہ جمع ہو کر ایک جگہ شائع ہو جائیں۔ پھر دسمبر ۳۶ء میں یہ تیسری تجویز میاں صاحب کے سامنے رکھی کہ ہم دونوں ایک جگہ بھی جمع نہ ہوں۔ میاں صاحب اپنا پرچہ لکھ کر آپ کو بھیج دیں اور سات دن کے اندر آپ اتنا ہی لمبا پرچہ لکھ کر میاں صاحب کو بھیج دیں۔ یہ دونوں پرچے اکٹھے اخبارات پیغام صلح اور الفضل میں نکل جائیں۔ کل چھ چھ پرچے اس طرح ہوں اور پہلے تکفیر اور پھر مسئلۂ نبوت پر یہ تحریرات ہوں۔ میاں محمود احمد صاحب ہمیشہ یہ کہہ کر ان تجاویز کو ٹالتے رہے کہ وہ تکفیر اہل اسلام پر بحث نہیں کریں گے۔ بلکہ مسئلۂ نبوت پر صرف بحث ہو۔ آپ نے ۳۶ء میں باربار میاں صاحب کی توجہ اس طرف دلائی کہ اصل اختلاف دونوں جماعتوں کا تکفیر کے مسئلہ پر ہوا تھا۔ اور میاں محمود احمد صاحب کا وہ مشہور مضمون "مسلمان وہ ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے" اس

اختلاف کی بنیاد تھا۔ مولوی نور الدین صاحب کی بیماری میں بھی تکفیر کا مسئلہ مبحث بنا ہوا تھا اور مولوی صاحب کی وفات پر جو رسالہ آپ نے شائع کیا اس میں اختلاف کا ذکر مسئلہ کفر و اسلام کے متعلق تھا اور اس کے متعلق جس قدر ۱۹۱۳ء و ۱۹۱۴ء کی تحریرات ہیں۔ ان میں میاں صاحب کی بیعت نہ کرنے کی وجہ یہی دی گئی ہے کہ انہوں نے تکفیر اہلِ اسلام کا عقیدہ ایجاد کر لیا ہے۔ اور یہ عقیدہ ان کی کتاب "آئینہ صداقت" میں بعد میں اس طرح درج ہے:۔

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔" صفحہ ۳۵

غرض کہ تکفیر اختلاف کی اصل تھی اور تکفیر کی حمایت کے لئے نبوت بنانی پڑی۔ لیکن جماعت قادیان کے کسی فرد کو اس معاملہ میں مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

یکم جنوری ۱۹۳۷ء کے خطبہ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے اشاعت اسلام کے جہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض کام ایسے ہیں جن میں بظاہر برائی نہیں ہوتی مگر اشاعت اسلام کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے شیطان انہیں سامنے لے آتا ہے اور توجہ ان کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے جماعتِ قادیان کی توجہ سیاسی اور دنیاوی میدان میں زیادہ لگ جانے کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ "وہ علم جو حضرت مسیح موعود لائے تھے وہ معمولی نہ تھا۔ وہی ہے وہ اصلی چیز جس پر اس سلسلہ کی بنیاد قائم ہے۔ یہ علم کوئی دنیا کی چیز نہ تھا بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے تھا اور اس علم کی اشاعت اور اس کے مطابق تبلیغِ اسلام ہمارا اصلی کام ہے۔" اور آپ نے افسوس ظاہر کیا کہ جماعت قادیان کی توجہ دوسرے کاموں کی طرف زیادہ ہو گئی ہے اور جو سلسلہ کی اصل غرض تھی یعنی خدا کے کلام کو دنیا میں پہنچانا اس کی طرف سے توجہ ہٹتی جا رہی ہے۔ اس خطبہ کی اشاعت کے بعد قادیان سے جو مضامین لکھے گئے ان میں طرح طرح کے ناشائستہ خطابات سے مولانا محمد علی صاحب کو یاد کیا گیا اور منجملہ اور باتوں کے الفضل میں یہ بھی لکھا گیا:۔

"اس رنگ میں جس پر مولوی صاحب کو بڑا ناز ہے نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کا ترجمہ کیا نہ حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ نے..... وہ کس منہ سے صرف ترجمہ قرآن کریم کو شائع کر دینے کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو اشاعتِ اسلام اور حفاظت اسلام کے واحد اجارہ دار کہتے ہیں..... اگر راڈول عیسائی ہو کر قرآن کا انگریزی ترجمہ شائع

کر سکتا ہے تو مولوی صاحب نے کونسا تیر مارا۔"

(اقتباس از خطبۂ جمعہ میاں محمود احمد صاحب)

چونکہ اس سے ملتے جلتے اعتراضات۔ جماعت احمدیہ لاہور کے بعض احباب کی طرف سے بھی سننے میں آتے تھے۔ اس لئے اُس وقت میاں صاحب کے جواب میں مولانا محمد علی صاحب نے پیغام صلح مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء میں جو مضمون لکھا اس کا کچھ حصہ ذیل میں درج ہے:۔

"یاد رکھیئے کہ راڈول اس وقت بھی ترجمہ کر چکا تھا جبکہ حضرت مسیح موعود نے اپنی تڑپ کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکے گا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔" یہ مسیح موعود کی شاخ کا کام تھا کہ آپ کی اس تڑپ کو پورا کرتی۔"

اور پھر جماعت قادیان کی توجہ اور چیزوں کی طرف ہو جانے کا تفصیلاً ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

"وہ یاد رکھیں کہ اگر حضرت مسیح موعود نے ہمیں صحیح رستے پر ڈالا تھا تو وہ اس رستے سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کے سامنے اصل کام کیا تھا؟ فرماتے ہیں:۔ "اس سے زیادہ اور کونسی مصیبت ہوگی کہ ۔۔۔ اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں ۔۔۔۔۔ اس نازک وقت میں ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے لیکن قوم اس کی امداد سے دست کش ہے۔" (ازالۂ اوہام صفحہ ۷۶۹) "پھر جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعے سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں ۔۔۔۔ میری یہ صلاح ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔" (ازالۂ اوہام صفحہ ۷۷۳-۷۷۱) آخری سطر کے الفاظ اسی طرح کتاب میں جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔" (پیغام صلح ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء)

غرض کہ یہ وہ مقصد تھا جس پر ہمیشہ مولانا محمد علی صاحب نے زور دیا۔ اور یہ صرف آپ کے اس ایمان اور یقین محکم کا ہی نتیجہ تھا کہ جماعت لاہور کی تمام تر توجہ کو آپ نے ہمیشہ اس اصل مقصد کی طرف لگائے رکھا۔ جماعت قادیان تو خیر اور طرف چلی ہی گئی تھی، یہ افسوس ہے کہ خود جماعت لاہور میں سے بھی چند احباب ایسے

نکلے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر وہ درد اور تڑپ اپنے دل میں نہ لیا تھا۔ جو مولانا محمد علی صاحب نے لیا۔ اور جنہوں نے جماعتِ لاہور کی توجہ بھی ایسے کاموں کی طرف پھیرنی چاہی جو اس کے اصل مقصد کو پورا نہ کرتے تھے۔ پھر بھی یہ مولانا محمد علی صاحب کی زبردست شخصیت اور رُوحانیت کا اثر تھا کہ ان کی زندگی میں بحیثیت جماعت ہمیشہ ایک ہی مقصد قوم کے سامنے رہا۔

سنہ ۳۷ء میں جماعتِ قادیان میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ان کے ایک بزرگ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور بعض اور لوگ جماعتِ قادیان سے علیحدہ ہو گئے۔ اور میاں محمود احمد صاحب پر بعض الزامات لگانے کے سلسلے میں علیحدہ ہونے والے ایک فرد فخرالدین صاحب ملتانی پر ایک قاتلانہ حملہ بھی ہُوا۔ اس کے بعد چند خطوط مولانا محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو وصول ہوئے جن میں ان کو بھی قتل کی دھمکیاں دی گئیں تھیں۔ اس تمام عرصہ میں جون سے لے کر ستمبر سنہ ۳۷ء تک مولانا محمد علی صاحب نے جماعتِ قادیان سے مخاطب کر کے جو کچھ پیغام صلح میں لکھا اس کا ماحصل یہی تھا کہ حضرت نبی کریم صلعم پر جو حملے غیر مذاہب کے ہیں ان کی فکر کریں۔ اور اسلام پر حملوں کے لئے دل میں درد پیدا کریں۔

⑤ ایک خطرناک بیماری سے شفایابی اور انجمن کی سلور جوبلی ۱۹۳۸ء

جوبلی کی ابتدائی تحریک

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور مئی ۱۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور دسمبر ۱۴ء میں اس کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا تھا۔ ۳۸ء میں اس انجمن کو کام کرتے ہوئے پچیس سال کے قریب ہو چلے تھے۔ فروری ۳۸ء میں مولانا محمد علی صاحب نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں اس موقع پر چاہیئے کہ قرآن کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی کام کریں۔ ہماری جماعت قرآن کی عملی خدمت کرنے کی وجہ سے ممتاز ہے۔ زبانی دعویدار تو بہت ہیں۔ لیکن قرآن کی عملی محبت اس جماعت کے علاوہ کہیں اور نظر نہیں آتی۔ آپ نے فرمایا کہ سردست میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تجویز کیا ہوگی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ کام قرآن کی عظمت کو ظاہر کرنے والا نہ ہوا تو ہمارا قدم صحیح راستہ سے ہٹ جائیگا۔ آپ نے ماہ اپریل میں انجمن کی جنرل کونسل کو طلب کیا۔ اور اس سے پہلے بذریعہ اخبار اور خطبات جمعہ تمام احباب کی خدمت میں پُر درد درخواست کی کہ وہ چالیس دن تک خدا تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ وہ ہمیں اس راستہ پر چلاتے ہوئے جو مجدد زماں نے ہمیں بتایا تھا اور جس کا مقصد محض اللہ کے نام کو بلند کرنا اور اس کی کتاب کو پھیلانا ہے، ہمیں کوئی بہتر تجویز سمجھا دیوے۔

خدا کے نام کو بلند کرنے اور قرآن کو دنیا میں پھیلانے کے لئے جو درد اور تڑپ مولانا محمد علی صاحب کے دل میں تھی، وہ یوں تو آپ کی تحریرات اور خطبات میں ہر وقت نظر آتی ہے۔ لیکن اس موقع پر آپ نے متعدد مضامین میں اور قریباً ہر خطبہ میں خاص طور پر اس کا اظہار کیا۔ چنانچہ یکم اپریل ۳۸ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

> "اب تک ہمارے کاموں کا رنگ یہ ہے کہ آج ایک کام کر لیا تو کل دوسرے کے لئے توجہ دلائی گئی تو اس کے لئے قدم اٹھا لیا۔ لیکن اس موقع پر میں خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے کاموں کی بنیاد کسی مستقل اور دیرپا چیز پر قائم ہو جائے۔ جو صدقہ جاریہ کا کام دے اور وہ کام خود بخود ہوتا چلا جائے اور ایک کام کے بعد دوسرا ایک تسلسل کے رنگ میں ہو.... ہمیں کسی ایسے صدقہ جاریہ کی بنیاد رکھنی چاہیئے جس سے ہمارا اشاعت قرآن و تبلیغ اسلام کا کام خود بخود چلتا جائے اور معاون اس کو ترقی دیتے رہیں۔"

اس سے پہلے خطبہ جمعہ مورخہ ۱۸ فروری ۳۸ء میں حکم قرآنی "فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ" کی تفسیر کرتے ہوئے

آپ نے کہا کہ یہ انسان کی زندگی کا اصلی مقصد ہے کہ وہ دیوانہ وار اللہ کی طرف دوڑے اور اسی کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے اور اس کے لئے اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرے۔ اس ضمن میں فرمایا:

"ہماری جماعت کا مقصدِ عظیم خدا کے نام اور اسلام کو دنیا میں پھیلانا ہے اس لئے ہمیں سب سے بڑھ کر اس طرف توجہ دینی چاہیئے۔ ہر ایک ضرورت سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں۔ اس کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس کے درس جاری کریں۔ دوسروں کو سنائیں۔ اس کی آیات پر غور و فکر کی عادت ڈالیں۔ خود مختلف علوم پڑھیں اور ان کو قرآن کا خادم بنائیں۔

قرآن کریم کی عظمت بہت بلند ہے۔ اس طرح بلند جس طرح خود اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے۔ ہمارے وہم و گمان سے بھی بلند۔ لیکن اگر ہم اس پر غور کریں تو تھوڑا تھوڑا معلوم کر سکتے ہیں۔ ورنہ قرآن کے عجائبات اور حقائق و معارف تو اس قدر ہیں کہ قیامت تک بھی ختم نہ ہوں گے.....

.... حضرت مسیح موعود کے آنے کی اصل غرض تو یہی تھی کہ قرآن کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ اس کی اشاعت کی جائے۔ اس کے تراجم شائع کئے جائیں.....

اس وقت قرآن کریم انتہائی بے کسی کی حالت میں ہے۔ باوجود اس کے کہ ساٹھ کروڑ انسان اس کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ یہ بے کسی کی حالت میں ہے۔ کیونکہ اس کے نزول کی غرض پوری نہیں ہو رہی ساٹھ کروڑ مسلمان اس کو سر آنکھوں پر تو ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن اس کو دنیا میں پہنچانے سے قطعاً لاپرواہ ہیں۔ ہماری جماعت نے اگر اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی حالت میں اس کام کو نہ بھولیں اور ہر وقت اس کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ قرآن کو پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم لوگوں کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس کے تراجم ان کی زبانوں میں کر کے ان کو دیئے جائیں... کوئی موقعہ اور کوئی تحریک آپ کے سامنے ہو ہر وقت یہ بات آپ کے سامنے رہنی چاہیئے کہ قرآن کی عظمت کس طرح پھیلے اور سب کام جو آپ کے ذمہ ہیں وہ اس کام کے خادم کے طور پر ہیں۔ خود جماعت کی مضبوطی اور استحکام کا کام، جس کے بغیر یہ فرض انجام دینا مشکل ہے، وہ بھی اس مقصدِ عظیم کی شاخ کی حیثیت رکھتا ہے ہر کام میں غلو اور افراط ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کام میں غلو اور افراط ہرگز نہیں ہو سکتی۔ خدا کے کلام کو پھیلانا محبت الٰہی کا نشان ہے اور خدا کی محبت میں غلو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ جذبہ جس قدر بڑھے اور ترقی کرے اسی قدر بہتر ہے....

قرآن کو پھیلانے کے لئے بڑی طاقت درکار ہے اور وہ طاقت خدا کے ساتھ محبت اور تعلق کے

بغیر پیدا ہو نہیں سکتی۔ جب ایک چیز کی محبت انسان پر غالب آجائے تو وہ بے دریغ اس کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ اور اپنی ہر ایک چیز کو اس پر قربان کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر تم خدا کے ساتھ محبت پیدا کر لو تو اپنی ہر ایک چیز بے دریغ اس کی راہ پر قربان کرتے چلے جاؤ گے...... ایک حاملِ قرآن جماعت کو یہ چیز اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ اسی میں اس کی کامیابی کا راز ہے۔ قلت اور کثرت کوئی چیز نہیں... جماعت اور اس کی کثرت دراصل ایک مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس ذریعہ کو اصل مقصد قرار دے دینا یا اس پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟ شرک تو ایک ہی جگہ نہیں اور وہ ہے خدا پر بھروسہ۔ باقی تمام چیزوں پر حد سے زیادہ بھروسہ کرنا شرک ہے۔ سو تم خدا سے اس قدر محبت اور تعلق پیدا کرو کہ گویا اُسی کی طرف بھاگے جا رہے ہو۔ یہی تمہاری کامیابی اور فتح کا ذریعہ ہے۔"

غرض کہ یہ عظیم الشان مقصد تھا جس کے لئے کوئی مستقل بنیاد آپ اس سلور جوبلی کے موقع پر رکھنا چاہتے تھے۔ بہرحال ۱۵ اپریل ۳۸ء کو جو مجلس مشاورت اور جنرل کونسل کے اجلاس ہوئے ان میں فیصلہ کیا گیا کہ جوبلی کے موقع پر ایک لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ کے لئے فراہم کیا جائے۔ فراہمی روپیہ کے لئے تحریک وصایا کی تکمیل کی جائے اور خاص طور پر چندہ جمع کیا جائے۔ اور یہ کل روپیہ استحکام جماعت پر خرچ ہو۔

خرابی صحت اور بیماری

۳۱ء و ۳۲ء کے بعد سے مولانا محمد علی صاحب کی صحت اتنی اچھی نہ رہتی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ اور آپ نے اپنے باہر کی جماعتوں کے سفر جو پہلے بہت کثرت سے کیا کرتے تھے، کم کر دیئے تھے۔ ایک دو موقعوں پر آپ حالتِ سفر میں ہی بیمار بھی ہو گئے تھے۔ گرمیوں کے شروع میں آپ کو تکلیف بڑھ جاتی تھی۔ اور بخار ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کا پہاڑ پر جانا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر آپ کو زیادہ وقت آرام کے لئے کہتے تھے۔ مگر صبح سے لے کر رات تک کام کرنا اور آدھی رات کے بعد اُٹھ کر خدا تعالیٰ کے حضور گر جانے کی جو عادت آپ کو نوجوانی کے زمانے سے تھی اس میں کوئی فرق نہ آیا ڈلہوزی جا کر جہاں ذرا تنہائی میسر ہوتی تھی تو تصنیف کا کام اتنا ہی بڑھ جاتا تھا۔ ۳۷ء میں جولائی کے شروع میں اور پھر ستمبر میں آپ ڈلہوزی میں بھی صاحب فراش رہے۔ پیغام صلح مورخہ ۱۰ اکتوبر ۳۷ء میں آپ نے اپنی صحت کے متعلق مندرجہ ذیل تحریر شائع کی:-

"میری صحت کی حالت

میں اپنے احباب کو اس امر سے بے خبر نہیں رکھنا چاہتا کہ قریباً عرصہ ۱۰ ماہ سے مجھے ایک تکلیف ہو گئی ہے۔ جس کا علاج تو شاید آپریشن کے رنگ میں ہو مگر ابھی یہ یقینی نہیں ہے۔ لیکن یہ بات قریباً قریباً

یقینی ہے کہ یہ تکلیف ٹیوبرکل کی وجہ سے ہے۔ اور گذشتہ چار پانچ ماہ میں میرا وزن بھی کوئی آٹھ پونڈ کم ہوگیا ہے۔۔۔۔۔ اس حالت میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں زیادہ کام سے بچوں اور زیادہ تر آرام کروں۔ اس لئے جملہ احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری اس معذوری کو مدّنظر رکھیں۔ اس کے ساتھ ہی ان احباب سے جن کے دلوں میں میری کمزوریوں کو جانتے ہوئے بھی درد موجود ہے یہ درخواست ہے کہ وہ میرے لئے دعا بھی کریں۔ لیکن اس شرط پر کہ پہلے وہ اسلام کی قوّت اور استحکام اور اس کے غلبے کے لئے دعا کریں اور اس جماعت کے لئے دعا کریں۔ جو تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دعا ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلے اور رُوح آستانہ الٰہی پر پوری عاجزی سے گری ہوئی ہو اور اسلام اور قرآن کی بےکسی کی حالت دیکھ کر دل پانی کی طرح بہہ رہا ہو۔ اس وقت اگر میرے لئے بھی کوئی تڑپ دل میں پیدا ہو تو یہ چیز ہے جس کو میں چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے احباب کے لئے جب دعا کی ہے تو عموماً ایسی حالت میں کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے احباب بھی اگر میرے لئے دعا کریں تو اسی طرح کریں تاکہ اصل مقصد تو بہرحال حل ہو جائے۔

اللّٰھمّ انصر من نصر دین محمدٍ صلعم واجعلنا منھم

خاکسار۔ محمّد علی"

وسط اپریل ۱۹۴۳ء سے آپ کی طبیعت علیل ہوئی۔ پہلے چند روز بخار اور زکام کی شکایت ہوئی۔ اس کے بعد شام کے وقت حرارت رہنے لگی اور آخر مئی میں بیماری نے زیادہ تکلیف دہ صورت اختیار کی۔ اور بخار اور کمزوری بہت بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ فوراً ڈلہوزی چلے جائیں کیونکہ گرمی کی تیزی کا اثر بھی بخار پر ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ کو ڈلہوزی لے جایا گیا۔ ڈلہوزی پہنچ کر پہلے کچھ عارضی طور پر افاقہ ہوا۔ لیکن ۱۵ جون کو بخار یکایک بڑھ گیا اور ضعف اس قدر ہوگیا کہ بات کرنا بھی دشوار ہوگیا۔ سول سرجن ڈلہوزی کا علاج تھا اور لاہور سے ڈاکٹر غلام محمد صاحب بھی ایک روز کے لئے گئے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب تو آپ کے ساتھ ہی اپنی کوٹھی میں مقیم تھے۔ لیکن بخار کی صحیح تشخیص نہ ہو سکی۔ اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ معالج بھی مایوس ہو گئے۔ قریباً دس بارہ دن اسی طرح حالت خراب رہی۔ جون کے آخر میں آہستہ آہستہ طبیعت سنبھلنی شروع ہوئی اور شروع جولائی میں بخار کا زور ٹوٹ گیا۔ جولائی کا تمام مہینہ آپ کمزوری اور حرارت کی وجہ سے بستر پر سے ہل نہ سکے۔ جولائی کے آخر میں آپ اس قابل ہوئے کہ اپنے ہاتھ سے بستر پر سے ہی چند الفاظ لکھ سکیں۔ تو آپ نے مندرجہ ذیل تحریر اخبار پیغام صلح کو بھیجی جو ۲۷ جولائی کو چھپی:۔

شکریہ احباب

ان تمام احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا میرے لئے مشکل ہے جنہوں نے میری صحت کے لئے درد دل سے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

ہاں میرے دل میں اسکے ساتھ ہی ایک اور خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسقدر زبردست بات ثابت ہوئیں کہ ایک عاجز بیکس انسان کو جو نہ صرف خود محسوس کرتا تھا کہ اسکا قدم دوسرے عالم کی طرف اٹھ چکا ہے بلکہ اسکے معالج بھی اسکو محسوس کرتے تھے گویا دوبارہ زندگی عطا فرمائی گئی۔ اور اب مجھے ان پر درد دعاؤں کا اور ضرورت ہے کہ میں خدمت دین کا کام کرنے کی ہمت بھی پیدا ہوئی لیکن اس کے بعد شکریہ ضرورت ہے کہ ابھی سے میں پھر شکریہ پر درد دعائیں اپنے بھائیوں سے مخلصانہ درخواست ہے کہ وہ جانیں کہ اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کریں کہ وہ ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مجتمع ہو جائیں اور اپنی طاقتوں کو ایک نقطہ پر ضرورت کو مقدم کرتے ہوئے اپنی جماعت کو دنیا کی مشکلات سے بے پرواہ کر دیں۔ اپنے بھائیوں کو خدا کے دین کی سیوا نے میری زندگی دینا بھی ممکن ہے اس کا عملی ثبوت ہے اور ہمارے زبانی دعوے ہیچ ہیں جب تک یقین ہی کی راہ سے خدا جس نے میری جماعت کی دعاؤں کو سن لیا وہ جماعت کو زندگی عطا فرمانے کے لئے ہماری دعاؤں کو سنے گا ضرورت ہے کہ ہم اس در پر گرنے کو تیار ہو جائیں۔ والسلام

خاکسار
محمد علی

دارالسلام - ڈلہوزی
۲۳ جون ۴۵ء

"شکریہ احباب"

ان تمام احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا میرے لئے مشکل ہے جنہوں نے میری صحت کے لئے درد دل سے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ ہاں میرے دل میں اس کے ساتھ ایک اور خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے لئے اس قدر جاذب ثابت ہوئیں کہ ایک عاجز بیکس انسان کو جو نہ صرف خود محسوس کرتا تھا کہ اس کا قدم دوسرے عالم کی طرف اٹھ چکا ہے بلکہ اس کے معالج بھی اس کو محسوس کرتے تھے، دوبارہ زندگی عطا فرمائی گئی۔ ابھی مجھے ان پُر درد دعاؤں کی اور ضرورت ہے کہ میں خدمتِ دین کا کام کرنے کے بھی قابل ہو جاؤں لیکن اس سے بڑھ کر یہ ضرورت ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر پُر درد دعائیں اس اس چھوٹی سی جماعت کے لئے کی جائیں کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ دین کا وہ درد پیدا کرے کہ اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے مجنون ہو جائیں اور اپنی ضرورتوں پر دین کی ضرورت کو مقدم کرتے ہوئے اپنی جماعت کو مالی مشکلات سے باہر نکال دیں۔ اپنے مالوں کو خدا کے دین کے پھیلا دینے میں لگانا بھی محبتِ الٰہی کا عملی ثبوت ہے۔ ورنہ ہمارے زبانی دعوے سب ہیچ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خدا جس نے میری جماعت کی دعاؤں کو میرے لئے سُنا وہ جماعت کو زندگی عطا فرمانے کے لئے بھی ان دعاؤں کو سُنے گا۔ ضرورت اس کے در پر گرنے کی ہے۔ والسلام۔ خاکسار محمد علی

دارالسلام، ڈلہوزی۔ ۲۳ر جولائی ۳۸ء"

اس کے بعد قریباً ایک ماہ آپ کو کمزوری کی وجہ سے بعض تکالیف ہوتی رہیں۔ مگر صحت ترقی کرتی رہی ستمبر میں آپ نے چلنا پھرنا حسبِ معمول شروع کر دیا۔

تحریک سلور جوبلی

جولائی ۳۸ء کے آخر میں ہی آپ نے بستر علالت پر سے جوبلی کی تحریک کا آغاز کیا اس وقت حالات بہت ناساز گار تھے۔ انجمن کو انتہائی مالی مشکلات تھیں۔ آپ کی صحت انتہائی کمزور تھی اور اطباء کا مشورہ آپ کو کامل آرام کا تھا۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا اور خود جماعت کے اکابر اس تحریک کے لئے قطعاً پُر اُمید نہ تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ تحریک کامیاب نہ ہو گی اور جماعت کی بدنامی ہو گی۔ لیکن اس مردِ خدا نے ہمت نہ ہاری۔ اور بستر پر سے ہی لیٹے لیٹے کام شروع کیا۔ ان حالات کو بعد میں خود آپ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"اپریل ۳۸ء میں انجمن نے جوبلی کی تحریک منظور کی۔ اس کے بعد میں اتنا بیمار ہوا کہ میرے معالج بھی مایوس ہو گئے۔ اور میری اس بیماری کے دوران میں جوبلی کی تحریک بھی مر ہی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے

مجھے شفا دی تو میں نے جوبلی کی تحریک کو پھر زندہ کرنا چاہا۔ مگر تمام کے تمام دوست اس کے خلاف تھے انجمن اس وقت قریبًا ایک لاکھ کی مقروض تھی۔ اور جماعت معمولی اخراجات کو پورا نہ کر سکتی تھی۔ اور قرضہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس وقت سید تصدق حسین صاحب قادری (بغداد) نے میرے عزم کو پختہ کیا۔ جب مجھے شفا ہوئی تو بغداد سے ان کا خط پہنچ گیا کہ انہوں نے ایک معقول رقم جوبلی کے لئے جمع کر لی ہے۔ اس پر میں نے بھی بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا پڑھتے ہوئے باوجود دوستوں کی مخالفت کے تحریک کو شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی۔ اس تحریک میں میں سید تصدق حسین صاحب قادری کو بھی اصل محرک سمجھتا ہوں۔"

(پیغام صلح ۱۸/ اگست سنہ ۴۳ء)

نوٹ: سید تصدق حسین صاحب قادری نے اس سلسلہ میں حضرت مولانا کے اس خط کی عکسی نقل بھیجی ہے۔ جو آپ نے سید صاحب کو تشکریہ کے طور پر لکھا۔ اس کو بعینہٖ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

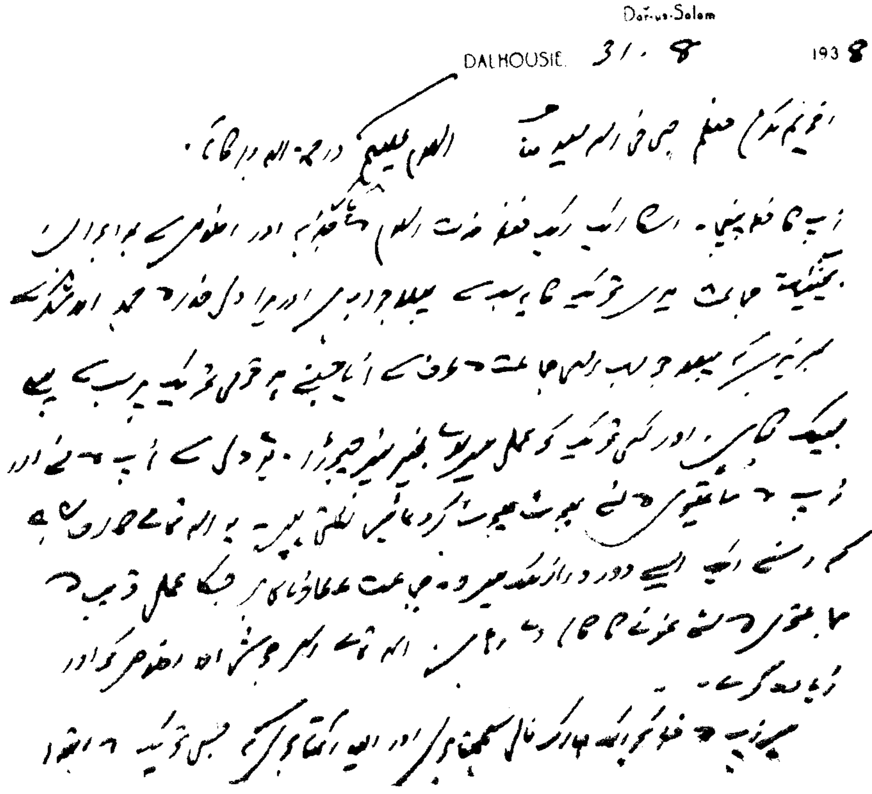

Dar-us-Salam

DALHOUSIE 31. 8 1938

[illegible] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

[illegible]

[illegible]

غرض کہ آخر جولائی میں آپ نے اس تحریک کے لئے کوشش شروع کی اور یکم اگست ۳۸ء سے لے کر آخر نومبر ۳۸ء تک کچھ پُرزور و درد سے بھری ہوئی تحریکات اخبار پیغام صلح کے ذریعے کیں۔ پہلی تحریک میں آپ نے "من انصاری الی اللہ" کے تحت جماعت سے معاونین کے نام منگوائے۔ جو کہ آپ کی مدد ہر مقام پہ اس کام میں کریں۔ دوسری تحریک (۱۷ اگست والی) میں آپ نے جماعت سے نماز تہجد یا دوسری نمازوں میں اکیلے اکیلے اور جماعتی رنگ میں دعاؤں کا ایک مجاہدہ کرنے کی درخواست کی جس میں یہ دعا بار بار پڑھی جائے۔ "اے خدا تو ہمارے دل میں اپنے دین کی وہ محبت پیدا کر کہ تیری راہ میں خرچ کرتے وقت ہمارے دلوں میں انقباض پیدا نہ ہو، بلکہ خوشی اور راحت پیدا ہو۔ تیرے دین کی خدمت کا موقعہ آئے تو ہمارا سینہ کھل جائے اور اس میں تنگی پیدا نہ ہو۔ اے خدا تو ہمارے مال دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر دے اور اپنے اور اپنے رسولؐ کی محبت کی آگ کو ہمارے دلوں میں ایسا مشتعل فرما کہ وہ دنیا کی ہوا و ہوس کی ساری خس و خاشاک کو جلا ڈالے۔ اے خدا تیرے دین کی مصیبت کے سامنے ہمیں اپنی مصیبتیں ہیچ معلوم ہوں۔ اور تیرے دین کے دکھ کو دیکھ ہمیں اپنے دکھوں میں راحت محسوس ہو۔ اے خدا ہم تیرے دین کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکے۔ جو حقیر خدمت ہم نے کی ہے تو اُسے قبول فرما۔"

تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام کو ہر چیز پر فوقیت دینے کی جو تڑپ آپ کے دل میں تھی۔ اس سلسلہ میں بعض دوستوں کی اس غلط فہمی کا کہ حضرت مرزا صاحب پہلے مجدّد تھے جنہوں نے جماعت بنائی اور گویا کہ ایک جماعت کا تیار کرنا انکا مقصد تھا۔ ذکر کرتے ہوئے۔ آپ نے اپنے خطبۂ جمعہ میں ڈلہوزی میں فرمایا:۔

"بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کیا پہلے بھی کسی مجدّد نے جماعت بنائی تھی جو آپ نے (حضرت مسیح موعود نے) بنائی ؟ یہ سوال کوتاہ اندیشی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر ایک زمانے کی ضروریات کے مطابق کام ہوتا ہے۔ آج اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ دین کی تڑپ رکھنے والوں کو یکجا کر دیا جاتا۔ کیوں کہ

مسلمانوں میں خدمتِ اسلام کا احساس ختم ہو چکا تھا۔

ہمارے ایک عزیز کو بھی غلطی لگی ہے کہ مسیح موعود کا نصب العین اشاعتِ اسلام ہے یا جماعت کو تیار کرنا۔ ان کے خیال میں حضرت صاحب کا کام جماعت کا تیار کرنا تھا۔ جو کہ تبلیغ کے کام پر مقدم تھا۔ یہ دراصل دو متضاد اور الگ الگ باتیں ہیں۔ اصل غرض تبلیغ ہے۔ مگر اس کے لئے جماعت ضروری ہے۔ ورنہ آپ کا کام آپ کی وفات کے ساتھ بند ہو جاتا۔

اس خیال کی تائید میں جو تحریر حضرت صاحب کی پیش کی جاتی ہے وہاں فرمایا ہے کہ جماعت تزکیہ نفس کے اس بلند مقام پر نہیں جس کی اشاعت کے لئے ضرورت ہے۔ چونکہ تبلیغ کا کام دوکانداری کے طور پر نہیں۔ پہلے اس کی سچائی کے متعلق زبردست ایمان ہونا ضروری ہے۔ اور پھر اس کے لئے دل کی تڑپ بکار ہے۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں۔

"میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی مومن ہو۔ اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ پر کاربند ہو... تا پھر ایسی جماعت کے ذریعے دنیا ہدایت پائے۔"

آخری الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ جماعت کے قیام کا منشاء دنیا کی ہدایت ہے اور یہی دنیا کی ہدایت اور اسلام کا پیغام دنیا میں پہنچانا حضرت مسیح موعود کا نصب العین تھا۔"

تیسری تحریک جو آپ نے ۱۲ ستمبر کو اس سلسلہ میں کی اس میں وصایا کی تکمیل کرنے پر زور دیا۔ یعنی سب احباب وصیت کر کے اس کا کم از کم پانچواں حصہ نقد یا جائدادوں کی صورت میں جوبلی تک دیں۔ اور جو وصیت نہیں کرتے یا جنکی وصیت کی رقم ایک ماہ کی آمد سے کم ہے وہ کم از کم ایک ماہ کی پوری آمد جوبلی فنڈ میں دیں خواتین اپنے زیورات کا کم از کم دسواں حصہ جوبلی فنڈ میں دیں۔

چوتھی تحریک میں ماہ اکتوبر میں آپ نے خاص طور پر مالدار طبقہ کو بڑے پُر درد الفاظ میں اپیل کی۔ اور ان کو کہا کہ وہ اس جماعت اور اس کے چوتھائی صدی کے دورِ زندگی کی اہمیت کو پہچانیں۔ اور اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جب اسلام سیاسی اور روحانی رنگ میں مغلوب اور مفتوح ہو چکا تھا تو یہ زمانہ حضرت مسیح موعود کا تھا جن کو اس تاریکی کے اندر سے یہ آواز آئی۔ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔" بلند تر مینار کے لفظ قابلِ غور ہیں۔ کہ یہ ملکی اور سیاسی غلبہ سے بلند تر فتوحاتِ روحانی کا راستہ تھا۔ پھر یہ علوم حضرت مسیح موعود پر کھلے اور آج اسی چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں ان کا

ورثہ ہے۔

پانچویں تحریک جو آپ نے اس سلسلہ میں فرمائی اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں آپ کے یہ الفاظ جوبلی کے وقت کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر وقت کے لئے اس جماعت کے لئے ایک بڑی اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ اس تعداد میں قلیل جماعت کے سامنے ایک عظیم الشان کام ہر وقت ہے۔ پیغام صلح مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں لکھتے ہیں:۔

"فستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ۔ (جو میں تمہیں کہتا ہوں کبھی یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں)

فریادِ درد

"۔۔۔۔ اے صاحبان مال میں آپ سے کن الفاظ میں اپیل کروں۔ آپ کے شرح صدر نہ ہونے کے عذر نے میرے سینے کو تنگ کر دیا۔ آپ کی خاموشی میری زبان بند کر رہی ہے۔ اس لئے پھر اے مولیٰ تیرے آگے ہی گرتا ہوں۔ رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی حضرت مسیح موعود کے الفاظ میں اپیل کروں:۔

اے مسلماناں چہ آثار مسلمانی ہمیں ست دیں چنیں ابتر شما در جیفۂ دنیا رہیں
کارِ دنیا را چہ استحکام در نظر شما ست یا مگر از دل بروں گردید موت آولیں

یا سید البشر حضرت محمد صلعم کے الفاظ میں اپیل کروں:۔

اقسم باللہ مانقص مال من صدقۃ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں دینے سے گھاٹا نہیں پڑتا۔

یا خداوندِ عالم کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچاؤں۔

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم وامو الھم بان لھم الجنۃ۔ یہ مال آپ کے نہیں۔ اگر مومن ہو تو اللہ یہ مال آپ سے خرید چکا ہے۔

انما المؤمنون الذین امنوا باللہ و رسولہ وجاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاکر اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ من ذالذی یقرض اللہ قرضاً تم مال کے مالک نہیں۔ مالک کی طرف سے نائب ہو۔ نائب کا کام نہیں کہ بادشاہ کا حکم آئے تو اسے

حسناً فیضاعفہ لہ ولہ اجر کریم۔ ...دکرے۔ خدا کے لئے اپنے مال کو کاٹ کر دیدو تو اللہ تمہیں کئی گنا کر کے دے گا۔

آپ خدا کی راہ میں دینے میں تامل کرتے ہیں۔ اس کے دو پہلو ہی ہو سکتے ہیں کہ یہ مجھ میں یا انجمن میں بعض نقصوں کی وجہ سے ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کے دلوں میں مال دنیا کی محبت کی وجہ سے ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو آپ کا مال دیدینے کی وجہ سے آپ کا ثواب کم نہیں ہو جائے گا.... اور اگر دوسری وجہ ہے تو پھر یہ بڑے خسارے کا موجب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری مشابہت ان لوگوں سے ہو جائے جن کے متعلق فرماتا ہے:۔

یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین آمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نوراً..... ینادونہم الم نکن معکم قالوا بلیٰ ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتیٰ جاء امر اللہ

منافق مرد اور منافق عورتیں قیامت کے دن نور مانگیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹو اور اس دنیا میں جا کر اپنے مال خرچ کر کے نور حاصل کرو.... پھر وہ مومنوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے. وہ کہیں گے کہ اوپر سے تو تھے لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا اور انتظار کرتے رہے کہ کل کریں گے۔ اور پرسوں کریں گے اور طرح طرح کے شکوک تمہارے دلوں میں اٹھتے رہے اور دنیا کی آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیئے رکھا ـــ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وہ حکم آگیا جس کے ذریعہ تمہیں مال سے بے دخل کر دیا گیا۔"

پھر آپ لکھتے ہیں کہ وہ تزکیہ نفس جسے ہم دل سے چاہتے ہیں اور وہ نور جسے خدا کی عبادت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ تب ہی مل سکتا ہے کہ مال کی محبت دلوں سے نکل جائے. سب سے بڑا طاغوت مال کی محبت ہے، اس سے بچو۔ خدا کے دین کو ایک بیٹے کی طرح سمجھ لو کہ دو کے ساتھ تیسرا یا تین کے ساتھ چوتھا حصہ دار اس کو بنا دو

چھٹی تحریک آپ نے ۳۰ نومبر کو فرمائی کہ غیر از جماعت حضرات سے بھی روپیہ اکٹھا کیا جائے۔ اور مال کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کی قربانی کی جائے۔

علاوہ ان تحریک کے جو آپ نے جماعت کو تحریری رنگ میں کیں آپ نے نومبر و دسمبر میں وسیع پیمانے پر صحت کی کمزوری کے باوجود بیرونی جماعتوں کے دورے کئے اور بڑے بڑے غیر از جماعت مسلمانوں کے پاس خود پہنچے۔ اور ان تمام کوششوں سے بڑھ چڑھ کر وہ دعائیں اور گریہ وزاری تھی اور نماز تہجد میں خدا تعالیٰ کے آگے گرنا اور رونا تھا۔ جماعت کے استحکام کے لئے خدا کا نام اور اس کا کلام دنیا میں پھیلنے کے لئے اور یہ کہ

جماعت کے دلوں سے مال کی محبت کم ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کے کام کے لئے وہی تڑپ اور جلن پیدا ہو جائے جو حضرت مسیح موعود سے آپ کو خود ورثہ میں ملی تھی۔

یہ کوششیں اور دعائیں خدا تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ اور پے در پے قربانی کرنے والی جماعت نے مزید قربانی اور ایثار کا ایک زبردست نمونہ دکھایا۔ جلسہ سالانہ کے ایام تک ایک لاکھ بیاسی ہزار روپیہ جوبلی فنڈ میں جمع ہوا اور بعد میں یہ رقم دو لاکھ تک پہنچی۔ جس میں سے نصف نقد اور نصف جائداد کی صورت میں تھا۔

اس چھوٹی سی جماعت کی طرف سے جو قربانی اس موقع پر کی گئی۔ وہ بے نظیر تھی مسلمانوں کی کسی انجمن یا نظام میں یہ چیز نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ لاہور کے مشہور اخبار "انقلاب" نے اپنی اشاعت مورخہ ۴ جنوری ۳۹ء میں اس طرح لکھا:-

"انجمن حمایتِ اسلام کی جوبلی پر ڈیڑھ لاکھ چندہ جمع ہوا۔ جس میں حکومتِ پنجاب کا ۲۵ ہزار بھی شامل ہے۔ مسلمان اس کامیابی پر بہت مسرور ہیں۔

لیکن عین انہی دنوں اسلامیہ کالج کے میدان کے سامنے احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں لاہوری احمدیوں کی انجمن اشاعتِ اسلام کی سلور جوبلی منائی گئی۔ جس کے جلسے میں بمشکل ایک ہزار آدمیوں کا اجتماع ہوگا۔ لیکن کیا مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں نے جن کو عام مسلمان کافر اور گمراہ اور جانے کیا کیا سمجھتے ہیں اس موقع پر اشاعتِ اسلام کے لئے ایک لاکھ ۸۲ ہزار روپیہ جمع کر دیا۔ جس میں نہ کسی حکومت کا عطیہ شامل ہے نہ کسی والئ ریاست کی امداد.... کسی جماعت کو کافر اور گمراہ کہنا بہت آسان ہے لیکن اس کے مقابلے میں عام مسلمانوں کے ایمان و اسلام کا عملی ثبوت مہیا کرنا بے حد دشوار ہے.... کیا غیر احمدی مسلمانوں نے کبھی اس مسئلہ پر غور کیا ہے کہ وہ کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے ملّی مقاصد کے لئے انتہائی کوشش سے جو سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ وہ ان مٹھی بھر جماعتوں کے چندے کے مقابلے میں ہمیشہ کم کیوں ہوتا ہے......"

سالانہ جلسہ اور انجمن کی پچیس سالہ کارگذاری

۲۵-۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۳۸ء کو انجمن کا پچیسواں سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ بھی سابق جلسوں کی طرح ہی تھا۔ کوئی ظاہری رسم نہیں منائی گئی لیکن اس تقریب میں شامل ہونیوالوں کے دل خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر سے لبریز تھے۔ کہ وہ ننھا سا پودا جو مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے چند رفقاء نے ۱۴ء میں سخت مخالف حالات میں لگایا۔ اللہ کے فضل سے ۲۵ سال کے عرصہ میں ایک تناور درخت بن گیا تھا۔ جس نے دنیا میں اشاعت اسلام کا وہ کام کر دکھایا جس کی طرف مسلمانوں میں اور کسی جماعت کی توجہ بھی نہ تھی۔ اور جو ایک کئی گنا بڑی قادیان کی جماعت سے اس کا عشر عشیر بھی نہ ہو سکا تھا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انجمن کی ۲۵ سالہ کارگذاری کا خلاصہ دے دیا جائے۔ خطبۂ صدارت میں، جو مولانا محمد علی صاحب نے اس موقع پر لکھا۔ آپ نے اُن حالات کا ذکر کیا جن کے ماتحت اس انجمن کی بنیاد ۱۴ء میں انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں رکھی گئی تھی۔ اور اس کے بعد انجمن کے پچیس سالہ کام کا خلاصہ اس طرح بیان کیا:-

"پہلے سال کے آخر پر ہماری کل آمدنی ۷۳۳۰ روپے تھی جو آج پچیس سال میں پچیس گنا ہو کر دو لاکھ کے قریب پہنچ گئی ہے اور دس لاکھ روپے کے قریب جائداد کی انجمن مالک ہو گئی ہے۔ ثم الحمد للہ رب العلمین۔ مگر کسی قوم کا اندازہ نہ تو اُس کی تعداد سے کیا جاتا ہے کہ وہ کتنی بڑی ہو گئی، نہ اس روپیہ سے جو وہ جمع کر لے اور نہ ہی اس کی آمدنی اور جائداد سے۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے خدمت کا کام کس قدر کیا ہے۔ سو الحمد للہ کہ خدمتِ اسلام کے کام کی توفیق جس قدر اس جماعت کو ملی اس کی نظیر کسی دوسری اسلامی جماعت میں نہیں ملتی۔

(الف) تعمیری کام کی پہلی شق

(۱) اشاعتِ قرآن کا کام:- مسلمانوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دولت خدا کا کلام ہے۔ مگر اس کی طرف ان کی سب سے کم توجہ ہے۔ انجمن کے تعمیری کام میں سب سے بالاتر خدمت قرآن کا کام ہے۔ انجمن کے قائم ہونے کے چار سال بعد ہی قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ شائع ہو گیا۔ اور اس کثرت سے دنیا میں پھیلا بھی کہ پہلی ایڈیشن پانچہزار کاپی دو سال میں ختم ہو گئی۔ دوسری ایڈیشن گیارہ ہزار تعداد میں ۲۰ء میں چھپی اور اب تیسری ایڈیشن چل رہی ہے۔ اسی اثنا میں ۲۳ء میں اردو ترجمہ اور تفسیر بیان القرآن تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ اور ایک بلا متن انگریزی ترجمہ کی ایڈیشن ۲۸ء میں پانچہزار اور ۳۴ء میں گیارہ ہزار طبع ہوئی۔

۳۰ء کے قریب ایک طرف مرکزی جماعت نے جرمن ترجمہ قرآن کا کام ہاتھ میں لیا اور دوسری طرف اس کی جاوا شاخ نے ڈچ ترجمہ قرآن کا کام شروع کیا۔ ڈچ ترجمہ ۳۶ء میں شائع ہو گیا اور پانچہزار کی تعداد میں چھپ کر اب قریب الاختتام ہے۔ اور جرمن ترجمہ ۳۷ء میں مطبع میں گیا۔ اس کی تین ہزار کاپی طبع ہو رہی ہے۔

(۲) سیرت نبوی کی اشاعت — قرآن کریم کے بعد انجمن کی توجہ سیرت نبوی کی طرف رہی ہے کیونکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے ہاتھ میں یہ دو زبردست ہتھیار ہیں جن سے وہ دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ اگر ایک طرف قرآن کریم اپنی محبت دلوں میں پیدا کر دیتا ہے تو دوسری طرف اخلاق نبوی کے سامنے سر جھک جاتے ہیں۔

سیرت خیر البشر سب سے پہلے ۱۹۱۸ء میں اردو میں چھپی۔ ۱۹۲۴ء میں اس کا انگریزی ترجمہ محمد دی پرافٹ شائع ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں انگریزی میں ایک مختصر سیرت جو زیادہ آسانی سے غیر مسلموں کو پہنچائی جا سکتی تھی، شائع ہوئی۔ ان دونوں کے اب تک سولہ زبانوں میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

(۳) تعلیماتِ اسلامی پر بیش قیمت لٹریچر:۔ تعلیمات اسلامی پر بھی بیش قیمت رسالے لکھے گئے جن میں سب سے زیادہ قابلِ قدر "ٹیچنگز آف اسلام" ہے۔ یہ بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ "اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی" اور دوسرے رسالجات تعلیم اسلام پر تین مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں اس موضوع پر سب سے جامع کتاب "ریلیجن آف اسلام" ہے۔ جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی اور جس کے نو سو صفحات میں جملہ امور اسلامی پر، خواہ وہ عقائد اور ایمانیات سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ اعمال سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کو بڑے بڑے مسلم رہنماؤں نے پسندیدگی سے دیکھا ہے اور مرحوم مار ماڈیوک پکھتال نے رسالہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن میں جو اس پر ریویو لکھا ہے اس کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ "کسی زندہ شخص نے اس قدر طویل عرصہ تک اور اس قدر قیمتی خدمات تجدید اسلام کے سلسلہ میں نہیں کیں جیسا کہ مولانا محمد علی نے۔"

(۴) خدمتِ حدیث:۔ حدیث کی خدمت میں بھی یہ انجمن پیچھے نہیں رہی۔ مقام حدیث پر ایک کتاب لکھی گئی ہے اور صحیح بخاری کو اردو ترجمہ اور تشریحی نوٹوں کے ساتھ دو جلدوں میں "فضل الباری" کے نام سے چھاپا گیا ہے۔

(۵) غیر مذاہب کے متعلق ریسرچ:۔ اس سلسلہ میں ویدوں کے ایک حصے کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ کتاب میثاق النبیین میں آنحضرت صلعم کے متعلق مختلف مذاہب کی کتب مقدسہ سے پیشگوئیاں اصل الفاظ میں مع ترجمہ کے دی گئی ہیں۔ عیسائیت پر متعدد کتب اور ٹریکٹ لکھے جا چکے ہیں۔ اور کثیر تعداد میں مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ بابی مذہب پر بھی ایک کتاب لکھی گئی ہے۔

(۶) تبلیغی ٹریکٹ:۔ ان علمی ذخائر کے علاوہ ٹریکٹوں کا ایک وسیع سلسلہ جاری رہا۔ جس میں اسلام پر ہر قسم کے حملوں کا جواب دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی دونوں ضروریات میں صحیح رہنمائی کی کوشش کی گئی ہے۔

(۷) اسلامی لٹریچر کی مفت تقسیم:۔ ایک وسیع ذخیرہ کتابوں کا مفت تقسیم کیا گیا ہے جو دنیا کے دور دور کناروں تک پہنچایا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ قرآن دس ہزار۔ سیرت پندرہ ہزار اور دیگر رسالجات اس سے بھی بہت زیادہ تعداد میں مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ دوسری زبانوں میں جس قدر لٹریچر کا ترجمہ ہوا ہے اس کا

ط:۔ مصنفہ مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی۔

کثیر حصہ مفت شائع ہوا ہے۔ ٹریکٹوں کی صورت میں ایک کروڑ کے قریب صفحات مفت شائع ہو چکے ہیں۔

(ب) تعمیری کام کی دوسری شِق

(۱) ووکنگ مشن :- انجمن کے قائم ہوتے ہی اس کا پہلا کام انگریزی ترجمہ کی تکمیل اور اشاعت تھا تو دوسرا کام ووکنگ مشن کا سنبھالنا تھا۔ ۱۹۳۰ء تک ووکنگ مشن اسی انجمن کے تحت کام کرتا رہا۔ اب ایک علیحدہ ٹرسٹ اس کے لئے قائم ہے۔ اور اس مشن نے جس قدر مفید کام کیا ہے۔ اس سے آج اسلامی اور عیسائی دنیا بخوبی واقف ہے۔

(۲) برلن مشن :- دوسرا مشن ۱۹۲۲ء میں برلن میں قائم کیا گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے ایک عالی شان مسجد بنوائی گئی۔ جرمن زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ اس مشن کے ذریعے سے بھی یورپ میں علماء و فضلا کا ایک گروہ اسلام میں داخل ہوا ہے۔

(۳) وی آنا مشن :- چار سال ہوئے ایک مشن بیرسٹر عمر کی زیر نگرانی وی آنا (آسٹریا) میں قائم کیا گیا۔ مگر سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے بیرسٹر صاحب کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور اس مشن کا کام ابھی معرض التوا میں پڑ گیا ہے۔

(۴) جاوا مشن :- جاوا میں ۱۹۲۴ء میں مشن قائم کیا گیا۔ یہاں آبادی زیادہ مسلمان ہے مگر عیسائیت کا بہت زور ہے۔ اس مشن نے نہایت کامیابی سے نہ صرف مسلمانوں کے اندر ایک بیداری پیدا کی ہے بلکہ ایک وسیع لٹریچر جاوی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور ڈچ ترجمہ قرآن سے اہلِ ہالینڈ کو بھی پیغام اسلام پہنچایا ہے۔

(۵) بہت سے ممالک میں مقامی جماعتوں کے ذریعے لٹریچر پہنچا کر تبلیغ اسلام کا کام جاری رہا مثلاً نائیجیریا۔ کانگو۔ جنوبی و مشرقی افریقہ۔ الجیریا۔ مصر۔ عراق۔ شمالی و جنوبی امریکہ۔ چین وغیرہ۔

(۶) تعلیمی خدمات :- پچیس سال کے عرصہ میں انجمن نے دو ہائی سکول قائم کئے۔ دونوں کی عمارتیں بنائیں اور بورڈنگ ہاؤس بھی تعمیر کئے۔ ایک عرصہ تک انجمن ایک مسلم ہوسٹل کا انتظام بھی کرتی رہی ہے جس میں کالجوں کے طلباء کو رکھا جاتا ہے ......"

اس پچیس سال کے عرصہ میں اس جماعت نے دنیا میں اپنا جو نام پیدا کیا وہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جس خصوصیت کا ان اقتباسات میں ذکر ہے یعنی یہ کہ احمدی ہی ایک قوم ہیں جس کی تمام تر توجہ صرف اشاعتِ اسلام پر ہے۔ وہ وہی تھی جس پر مولانا محمد علی صاحب ہمیشہ زور دیتے رہے۔ اور آپ نے جماعت کی توجہ کبھی اس خصوصیت سے ہٹنے نہیں دی۔ ورنہ ایسے موقعے بھی آتے رہے کہ خود جماعت کے اندر بعض لوگوں نے ایسے کاموں کی بنیاد رکھنی چاہی جو براہ راست اشاعتِ اسلام سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اب عیسائی اور یورپین مصنفین کی آرا اس جماعت کے متعلق سنیئے :-

۱ - " تحریک احمدیت حقیقتاً ایک اشاعتِ اسلام کی سوسائٹی بن گئی ہے۔ اگرچہ پرانے خیال کے علماء اب تک اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔" (دورِ اسلام۔ مصنفہ گبنس۔ صـ ۳۵۳)

۲ - "اس وقت احمدی جماعت دنیا میں سب سے زیادہ اشاعتِ اسلام کرنے والی قوم ہے۔"
(انڈین اسلام صـ ۲۱۷ مصنفہ ٹائٹس)

۳ - "احمدیت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی . . . . لاہور کی جماعت جو زیادہ کام کرنے والی ہے۔ تہیہ کر چکی ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام کو پیش کر کے کامیابی حاصل کرے . . . . ترجمہ قرآن کی انگریزی ایڈیشن جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی ایک نئی روشنی کے آدمی کی تصنیف ہے . . . . اس احمدیہ ترجمہ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ مقامات جن پر اعتراض ہوتے ہیں انہیں صاف کیا جائے . . . . دوسرے مترجم نے بڑا زور لگایا ہے کہ اسلام ایک بہت بلند مذہب ہے۔ تیسرے وہ مسیح کے مذہب کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

(انفلوئنس آف اسلام۔ صـ ۱۰۹ مصنفہ:۔ ای۔ جے۔ بوئس)

۴ - "(احمدیت میں) ہم عیسائیت کے خلاف نئے سے نیا اور نہایت جارحانہ پروپیگنڈا پاتے ہیں۔ جو پہلے کبھی دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اور یہاں سے دنیا بھر میں بیرونی مشن قائم کئے جا رہے ہیں۔"
(انڈین اسلام صـ ۲۳۹)

۵ - "لاہور کی جماعت، جو اصل قوم سے علیحدہ ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ بانیٔ سلسلہ کو مجدّد تسلیم کرتے ہیں نہ کہ نبی، وہ اسلامی رائے عامہ کے زیادہ قریب ہیں۔ ان کا اثر اس سے بہت زیادہ وسیع ہے جو اُن کی تعداد سے قیاس ہو سکتا ہے۔ ان کے دائرۂ عمل میں تمام تر اس بات پر زور ہے کہ اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو عقل اور فطرت کے عین مطابق ہے . . . . بہت سے تعلیمیافتہ مسلمان مانتے ہیں کہ اسلام کے دفاع اور اس کی حفاظت کے لئے جو اُن کا مؤقف ہے وہ اُسی کے ذریعے عملی رنگ میں اسلام کے وفادار رہ سکتے ہیں۔" (مسلم ورلڈ۔ مصنفہ پادری زویمر۔ جلد ۲۱)

۶ - "مسلمانوں میں فرقہ داری کی روح عام طور پر سرایت کر گئی ہے۔ مگر اس سے ایک دلچسپ استثناء احمدی ہیں۔ وہ صرف مذہبی اشاعت پر سارا زور صرف کرتے ہیں اور سیاست سے الگ رہتے ہیں . . . . موجودہ اسلام میں یہ ایک قابلِ ذکر گروہ ہے جس کے مقاصد صرف تبلیغی ہیں۔"
(مسلم ورلڈ جلد ۲۱)

۷ - "ایک جماعت کے لیڈر مسیح موعود کے لڑکے ہیں . . . . دوسری جماعت اصل احمدیت کہلانے

کی مستحق ہے۔۔۔۔ اس کے ممبران نے قیمتی لٹریچر پیدا کیا ہے۔ مثلاً انگریزی و ڈچ ترجمہ قرآن جن کی ہزاروں کاپیاں مفت تقسیم کی گئیں ہیں۔" (دی اوریئنٹ۔ ایڈیٹر مسٹر فلائٹس مین۔ مئی، جون ۳۷ء)

اس قسم کے اور بھی کئی ایک تحریرات ہیں جو عیسائیوں نے احمدیت کے متعلق لکھی ہیں۔ ان کی تفصیلات مولانا محمد علی صاحب کے ایک تصنیف کردہ انگریزی ٹریکٹ "تحریک احمدیت مغرب کی نظر میں۔" میں موجود ہیں۔

مسلم ٹاؤن میں رہائش اور ۳۸ء کے دیگر واقعات

۳۷ء کے آخر اور ۳۸ء کے شروع میں مولانا محمد علی صاحب نے لاہور کی شہری آبادی سے باہر مسلم ٹاؤن میں ایک قطعۂ زمین پر، جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب سے آپ نے پہلے خریدا تھا۔ اپنی کوٹھی کی تعمیر شروع کروائی اور اس کے لئے اپنی قادیان والی کل زمین اور مرار کی زمین کا کچھ حصہ فروخت کر دیا۔ مئی ۳۸ء میں آپ بیمار ہو کر ڈلہوزی چلے گئے۔ اور یہ بیماری گذارنے کے بعد جب آپ ڈلہوزی سے شروع اکتوبر میں واپس تشریف لائے تو احمدیہ بلڈنگس کے مکان کی بجائے اپنی نئی کوٹھی میں سکونت اختیار کی۔ احمدیہ بلڈنگس والے مکان میں آپ نے بائیس تیئس سال گذارے تھے۔ اور اس کو چھوڑنے پر آپ نے پیغام صلح میں احباب کے نام جو پیغام لکھا وہ حسب ذیل ہے :-

"جیسا کہ احباب کو اخبار کے ذریعے سے معلوم ہو چکا ہے میں نے اس سال ڈلہوزی سے واپس آکر مسلم ٹاؤن اچھرہ میں سکونت اختیار کی ہے۔ یہ آبادی جس کی بنیاد آج سے بہت سال پیشتر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے رکھی تھی فیروز پور روڈ پر نہر کے کنارے ہے اور احمدیہ بلڈنگس سے اس کا فاصلہ قریباً پانچ میل ہے۔

اس آبادی کا ایک حصہ احمدیہ بستی کے نام سے موسوم تھا۔ جس میں بہت سے احمدی احباب نے مکانات بنانے کے لئے زمین لی تھی۔ اور اسی کے قریب قریباً نصف میل کے فاصلے پر اب انجمن نے بھی ایک وسیع ٹکڑا زمین کا لیا ہے اور بہت سے دوسرے احباب نے بھی وہاں زمینیں لی ہیں جو مجھے یقین ہے کہ عنقریب آباد ہو کر قوم کے لئے ترقی کا ذریعہ بنیں گی۔ اس احمدیہ بستی کی آبادی کی بنیاد ڈالنے کی غرض یہ تھی کہ احمدیہ بلڈنگس میں بڑھتے ہوئے سلسلہ کی ضروریات کی توسیع کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی اور بہت سے احباب کا یہ خیال تھا کہ ایک جگہ اپنی بستی بنانے میں جماعت کے استحکام کی بھی ایک صورت ہے۔ مگر ابھی تک ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے کہ یہ غرض پوری ہو سکے۔ گو جماعت کے چند دوست یہاں جمع ہو گئے ہیں اور مسجد بھی شاہ صاحب نے بنا دی ہے۔ جہاں اب باقاعدہ جماعت ہوتی ہے ابھی وہ حالات پیدا نہ ہوئے تھے کہ میں احمدیہ بلڈنگس کو چھوڑتا اور اس نئی آبادی میں سکونت اختیار

کرنا موزوں ہوتا۔ مگر سالِ گذشتہ یعنی ۱۹۵۳ء کے شروع میں جلسہ سالانہ کے چند دن بعد ہی میرے اندر ایک مرض پیدا ہوگیا۔ جسے پہلے میں معمولی سمجھتا رہا۔ مگر جون میں جب میں ڈلہوزی چلنے کے لئے تیار تھا تو وہ بیماری ترقی کر چکی تھی اور ڈاکٹروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اس کی وجہ ٹیوبر کل ہے۔ خیال تھا کہ ڈلہوزی جاکر اس میں افاقہ کی صورت ہو جائے گی۔ مگر خلافِ توقع وہاں پہنچکر یہ بیماری اور بھی ترقی کر گئی۔ اور میں قریباً ڈیڑھ یا دو ماہ بستر پر رہا۔ اس کے بعد اس میں قدرے افاقہ ہوگیا۔ لیکن ابھی بات پر میرے سب معالجوں کا اتفاق تھا کہ بیماری کی وجہ ٹیوبر کل ہے ان حالات میں مَیں مجبور ہوگیا کہ کھلی ہوا میں سکونت کا کوئی انتظام کروں اس کے بعد گذشتہ مئی میں جو بخار شروع ہوا اور جولائی کی ابتدا تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس میں بھی ہمارے محترم دوست ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی یہی قطعی رائے تھی کہ اس کی وجہ بھی ٹیوبر کل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے عین مایوسی کے وقت میری دستگیری فرمائی اور از سرِ نو زندگی عطا فرمائی۔ لیکن ان حالات میں اسباب کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میرے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ مَیں کھلی ہوا میں سکونت اختیار کرتا۔

میرے لئے خود یہ آسان امر نہ تھا کہ جس مکان میں میری زندگی کے بیس بائیس سال گذر گئے تھے اور جس پر میں نے خود بھی اسے اپنی رہائش کے قابل بنانے کے لئے اور ضروریات کو مہیا کرنے کے لئے بہت سا خرچ کیا تھا اسے اس وقت چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا لیکن علاج اور حفظ ماتقدم کو چھوڑنا بھی قوانینِ الٰہیہ کے خلاف ہوتا۔ اس لئے میں باہر ایک مجبوری کے ماتحت آیا ہوں۔ میں ابھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس تبدیل مکان سے واقعی مجھے فائدہ ہوگا یا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مگر کوشش کرنا میرا کام تھا تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو میں کچھ دن اور خدمت کر سکوں۔ اس میں شک نہیں کہ جو خدمت میں احمدیہ بلڈنگس میں رہ کر سکتا تھا وہ یہاں میسّر نہیں۔ علاوہ اور سہولتوں کے جو دوست یا ملاقات کرنے والے باہر سے آتے تھے انہیں مَیں ہر وقت مل سکتا تھا۔ مگر یہاں یہ صورت نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کچھ ان بیماریوں کی وجہ سے جن کے حملے گذشتہ دو سال سے مجھ پر ہو رہے ہیں۔ اور کچھ بتقاضائے عمر میں اب اس قدر محنت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جس قدر پہلے کر سکتا تھا اور باہر رہ کر مجھے دفتر کے کام سے بھی نسبتاً فراغت میسّر ہوگی اور ویسے بھی زیادہ آرام کر سکوں گا۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میرے احباب اس تبدیل مکان میں مجھے معذور سمجھیں گے۔

یہ سچ ہے کہ میری سہولت میرے ان احباب کے لئے تکلیف کا موجب ہوگی جو مجھ سے ملاقات کے لئے آئیں۔ لیکن میں امید کرتا ہوں کہ وہ میری بیماری اور معذوری کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس تکلیف کو میری خاطر برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ مَیں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا دل اب بھی احمدیہ بلڈنگس

میں ہی ہوتا ہے اور میری یہ خواہش ہے کہ میری زندگی ان دوستوں کی معیت میں گزرے جن کے ساتھ میں نے بائیس سال احمدیہ بلڈنگس میں رہ کر تعلقات پیدا کئے ہیں اور میری موت بھی انہیں کے ہاتھوں میں ہو۔ بلکہ میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ جب میں مروں تو میرا جنازہ اسی احمدیہ بلڈنگس کی کی مسجد میں پڑھا جائے اور اسی مقام پر میری میّت ہو جہاں میں شب و روز کھڑا ہو کر اپنے دوستوں کو خدمتِ اسلام کے کام کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں اور جہاں قادیان کے بعد میری زندگی کی بہترین گھڑیاں گزری ہیں۔

ہاں ان حالات میں مَیں اپنے احباب سے یہ گذارش ضرور کروں گا کہ جب کبھی بھی وہ اس قدر تکلیف کریں کہ لاہور آئیں تو تھوڑی سی تکلیف اور اٹھا کر مجھے بھی اپنی ملاقات سے مشرف کیا کریں۔ کیونکہ ان مخلص احباب کی ملاقات سے جو محض رضائے الٰہی کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ میرے دل کو راحت اور قوّت پہنچتی ہے۔ میری ملاقات میں میرے دوستوں کی تکلیف اب بڑھ گئی۔ مگر اسی قدر ان کا ثواب بھی بڑھ گیا اور میری محرومی ان کے لئے ازدیادِ ثواب کا موجب ہو گئی ہے۔ شاید ان کا بھی ایک امتحان مقصود ہے کہ وہ پہلے لاہور آتے ہیں تو اکثر دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے دنیا کے کسی کام کیلئے آتے ہیں۔ مگر اب جو انہیں مزید سفر کرنا پڑے گی۔ اس میں محض رضائے الٰہی مدنظر ہو گی اور اسی قدر خلوص زیادہ ہو گا۔ میری یہ خواہش تھی کہ میں روزانہ ایک وقت مقرر کر کے احمدیہ بلڈنگس میں چلا جایا کرتا اور ڈیڑھ دو گھنٹے اپنے وقت کے وہاں صرف کرتا۔ مگر میرے احباب نے موجودہ حالت میں اسے پسند نہیں کیا....."

سید غلام مصطفٰے شاہ صاحب و بابو منظور الٰہی صاحب کی وفات

۳۸ء میں جماعت احمدیہ لاہور کی دو قیمتی ہستیاں اپنے مولیٰ سے جا ملیں۔ وسط مئی ۳۸ء میں سید غلام مصطفٰے شاہ صاحب کی وفات ہوئی۔ شاہ صاحب مسلم ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور اپنے بلند اخلاق۔ دین سے اور احمدیت سے عشق اور خدمتِ قوم کے ولولے کے باعث ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ تعلیمی معاملات سے آپ کو فطری مناسبت تھی۔ اور مسلم ہائی سکول کی اعلیٰ شہرت آپ کی مساعی کا نتیجہ تھی۔

دوسرے بزرگ بابو محمد منظور الٰہی صاحب تھے۔ جن کی وفات ۸ر اکتوبر کو ہوئی۔ بابو صاحب مرحوم یُوں تو اپنے ریلوے کی نوکری کے زمانے سے ایک پُرجوش احمدی تھے۔ مگر ریٹائر ہونے کے بعد جب انہوں نے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا اور احمدیہ بلڈنگس میں آ بیٹھے تو جس کام کو خصوصیّت سے انہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا اور بطورِ احسن نبھایا وہ تھا خط و کتابت کے ذریعے سے اسلام اور جماعتِ احمدیہ لاہور کو دنیا بھر کے ممالک میں روشناس کرانا۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس جماعت کا قیمتی لٹریچر دنیا کے مختلف ممالک میں

پھیلا۔ وہاں کی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے اور بہت سے ملکوں میں جماعت احمدیہ کی شاخیں قائم ہوئیں۔ ان کا بیش قیمت کام اور مسلسل جدوجہد اکثر اپنی جماعت کے لوگوں سے پوشیدہ تھی کیونکہ نہایت خاموشی، انکساری اور بے غرضی سے کام کرتے تھے۔ خدمت دین کے لئے جو کچھ اس ایک شخص نے کیا وہ جماعت کی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ جس کا ایک سرسری اندازہ مولانا محمد علی صاحب کے اس تعزیتی مضمون سے ہو سکتا ہے جو آپ کی وفات پر ڈلہوزی میں انہوں نے لکھا۔ فرماتے ہیں:۔

"چودھری منظور الٰہی صاحب مرحوم کی وفات کی خبر کل دس بجے کے قریب مجھے پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے یہ خبر سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ چودھری صاحب مرحوم بٹوٹ سے تندرست ہو کر واپس آ رہے ہیں۔ لاہور سے وہ مجھ سے اس وقت جدا ہوئے کہ میں بھی بیمار تھا اور وہ بھی بیمار تھے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی اور ادھر ان کی صحت کی خوشخبری پہنچی، اور دل میں خیال تھا کہ ہم دونوں کو مل کر کام کرنے کا کچھ اور موقعہ دیا گیا ہے۔ مگر آہ چودھری صاحب مرحوم کی وفات سے میرا بازو ٹوٹ گیا۔

ہماری جماعت کے لئے یہ ناقابلِ تلافی صدمہ ہے۔ ان کی جگہ لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں خدا کو سب قدرت ہے۔

جماعت کے اکثر احباب کو بھی شاید علم نہ ہو کہ چودھری صاحب مرحوم نے خدمتِ دین کا کس قدر زبردست کام کیا ہے اس لئے کہ وہ اس قدر خاموشی سے کام کرتے تھے کہ کسی دوسرے کو علم نہ ہوتا تھا اور اخلاص و دلسوزی اور محنت اس قدر تھی کہ میں نے ایسے کام کرنے والے نہیں دیکھے۔

جن دنوں میں ملازم تھے اور اپنا فرضِ منصبی نہایت قابلیت اور محنت سے ادا کرتے تھے اس کے ساتھ ہی نہ صرف اپنے دوروں میں دن رات تبلیغ کے کام میں مصروف رہتے تھے بلکہ جب سفر یا دفتر سے تھکے ماندے واپس آتے تو گھر میں آرام کرنے کے بجائے سیدھے دفتر میں پہنچتے۔ اور آدھی آدھی رات تک اپنی وسیع خط و کتابت کے سلسلہ میں مصروف رہتے۔ ممالک اسلامی کے حالات سے اس قدر باخبر رہتے کہ کوئی کام کی بات کہیں دیکھ لیتے تو وہ ان کے دماغ میں مستقل جگہ لے لیتی۔ ہر اخبار رسالے کتاب کو تلاش کرتے کہ کہاں کہاں تبلیغ کا کام ہو سکتا ہے۔ دنیا کے کس کونے میں کس کس کو یہ پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

پچھلے دو تین سال میں جب کمزوری زیادہ ہو گئی پھر بھی اس محنت کو نہ چھوڑا اور باوجود بار بار احباب کے مشورہ دینے کے کہ وہ آرام زیادہ کیا کریں اور محنت کم کر دیں۔ اپنی پہلی عادت کو نہ چھوڑا۔ اس محنت اور اس اخلاص کا اللہ تعالیٰ نے انہیں پھل بھی بڑا دیا۔ قرآن کریم اور دوسرا اسلامی لٹریچر دنیا کے ان ان کناروں

میں پہنچایا کہ جن کا علم بھی اکثر مسلمانوں کو نہ تھا۔ امریکہ کی لائبریریوں، جاپان کی لائبریریوں، جہازوں کی لائبریریوں کو۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک کو اسلام کے نور سے روشن کر دیا ان جزائر اور ممالک میں کھوج لگا کر اسلامی آبادیوں کے پتے لگائے کہ جن کا دوسروں کو کوئی علم تھا تبلیغ اسلام کا اس قدر زبردست کام کیا کہ جس کی کوئی دوسرا آدمی اس زمانہ میں نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ وہ بظاہر گھر میں بیٹھے نظر آتے تھے مگر ان کی روح تمام ممالک کی سیر کرتی تھی اور ہر جگہ پیغام اسلام کو پہنچاتی جاتی تھی۔ ہمارے لٹریچر کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کرانا اور ان ممالک میں انہیں تقسیم کرنا بھی انہی کی ہمت کا نتیجہ تھا۔

احمدیت کی توسیع میں جس قدر کام چودھری منظور الٰہی مرحوم نے کیا اس کی بھی کوئی دوسری نظیر نہیں۔ دنیا کے پچاس سے زیادہ ممالک میں احمدیہ جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ اگر احمدیہ جماعت لاکھوں روپے خرچ کر کے ملک ملک میں اپنے اپنے مبلغ بھیجتی تو شاید وہ سب مل کر اتنا کام مشکل سے کر سکتے جتنا اس مردِ خدا نے اکیلے گھر بیٹھ کر کیا۔ جماعت جماعت پکارنے والے بہت ہیں مگر جماعت سازی کا جو کام چودھری صاحب مرحوم نے کیا اس کی دوسری نظیر نہیں اور صدمہ یہ ہے کہ کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو ان کے اس عظیم الشان کام کو سنبھال سکے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ انہوں نے یہ نمونہ قائم کیا کہ اگر انسان کے اندر اخلاص اور جوش ہو تو وہ گھر بیٹھ کر بھی وہ کام کر سکتا ہے۔ جو دوسرے چل پھر کر نہیں کر سکتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خواہش کو کہ لٹریچر کے ذریعہ سے دنیا میں تبلیغ کی جائے اور مبلغ ہر جگہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ چودھری صاحب مرحوم نے پورا کر کے دکھایا۔ اور ان کا نام دنیا کے ہر ملک میں خدمتِ اسلام کے سلسلہ میں ہمیشہ کے لئے ایک روشن ستارہ کا کام دے گا۔

اے خدا! تو ان کی رُوح پر اپنی بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل فرما اور اس جماعت میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے نوجوان پیدا کر اور ایسے ہی اخلاص اور محنت اور خاموشی سے کام کرنے کی انہیں توفیق دے۔ (آمین ثم آمین) خاکسار محمد علی از ڈلہوزی ۹۔ اکتوبر ۳۸ء"

ایک فدائے اسلام کی دلی تڑپ

حضرت مولانا محمد علی صاحب کے قلب میں خدمت و اشاعتِ دین کا جو جذبہ تھا۔ اور غلبۂ اسلام کے لئے جو تڑپ تھی اس کی ایک جھلک آپ کی اس تحریر میں نظر آتی ہے۔ جو آپ نے شیخ محمد اسمٰعیل صاحب لائلپوری کو ایک دعا کی صورت میں لکھ کر دی جبکہ وہ حج بیت اللہ کے لئے جا رہے تھے۔ آپ نے ان کو لکھا: "وہ مقام جہاں آپ جا رہے ہیں اللہ تعالےٰ کے افضال اور نصرتوں کی جگہ ہے۔ وہ دن جب آپ وہاں ہوں گے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے نزول کے خاص ایام ہیں۔ وہ وقت ایسا ہو گا کہ

خدا اور انسان کے درمیان سے حجاب اُٹھ گئے ہوں گے۔ وہ وقت قبولیت دعا کا وقت ہوگا۔ دلوں پر رقت ہوگی۔ آنکھوں میں آنسو ہوں گے اور دل بے اختیار خدا کی طرف بہے جاتے ہوں گے۔ ... ان حالات میں خواہ آپ خانۂ خدا کی دیواروں کے پاس پھر رہے ہوں، خواہ عرفات کے مجمع میں کھڑے ہوں۔ خواہ رات کی تنہائیوں میں ہوں۔ ہاں۔ جب مدینہ منورّہ جائیں تو روضۂ مطہرہ پر بھی یہ دعا کریں۔ جو پیرایہ خدا سمجھائے اسی پیرایہ میں کریں۔" وہ دعا یہ تھی :-

"اے خدا تیرا دین نہایت بے کسی کی حالت میں ہے۔ دنیا تیری دی ہوئی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دنیا میں موجود ہیں۔ مگر اے مالک تیرے دین کو، ہاں اس دین کو جس کے متعلق تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ اسے سب ادیان پر غالب کرونگا۔ جس کے متعلق تیرا حکم تھا کہ اسے دنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ دنیا میں پہنچانے کے لئے سامان نہیں ملتا۔ اے خدا تثلیث اور کفارہ کے پھیلانے کے لئے دنیا کا مال پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور دنیا کی طاقت اس کی پشت پر ہے مگر تیرا دینِ حق اس بے کسی کی حالت میں ہے کہ مسلمانوں کے دل بھی اس کے لئے نرم نہیں ہوتے۔ تیرے پیغمبر کے پروانے تو بہت ہیں مگر اس کی محبت کی آگ میں اپنے آپ کو جلا دینے والے نظر نہیں آتے —

اے خدا۔ تیرے مسیح نے ایک قوم تیار کی تھی کہ وہ تیرے دین کو دنیا میں پہنچائے۔ اور تیرے وعدوں کے پورا ہونے کا نظارہ دکھائے۔ مگر آہ وہ قوم بھی سیاست میں بہہ گئی اور ایک چھوٹا سا گروہ جو دنیا کی نظروں میں حقیر ہے باقی رہ گیا ہے۔ مگر اے خدا وہ بھی کمزور ہے اور تیری امانت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اے خدا تو ان کے سینوں میں وہ درد اپنے دین کا پیدا کر دے جو تُو نے اپنے پاک رسولؐ کے سینے میں پیدا کیا تھا۔ اور اپنے دین کے غم میں ان کی وہ حالت کر دے جو تُو نے اپنے پاک رسولؐ کی کی تھی۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین اے خدا تُو ان کی دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی محبت کی ایسی آگ ان کے سینوں میں جلا کہ وہ سب خس و خاشاک کو جلا دے۔ اور اس کی حرارت سے مُردہ دلوں کے اندر زندگی پیدا ہو جائے۔ اے خدا تو اپنی نصرتوں کی ہوائیں اس گروہ پر چلا اور اپنے فضلوں کی بارش ان پر برسا اور اپنی رحمتوں کے دروازے ان پر کھول دے۔ اے خدا تو اس گروہ کو یہ توفیق دے کہ تیرے کلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے اے خدا تو ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ دکھا کہ دجّال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں۔ اور مسجدیں بن جائیں۔ اور تیرا نام فضا میں گونجنے لگ جائے۔ اے خدا ہمیں وہ نظارہ دکھا جو تو نے اپنے رسولؐ اور اس کے سچے نام لیواؤں کو دکھایا ہے کہ ان کے ہاتھوں پر فوج در فوج لوگ اسلام میں

داخل ہوئے۔ آمین۔ ثم آمین "
(مطبوعہ پیغام صلح ۲۶ جنوری ۱۹۳۸ء)

نوجوانوں سے خطاب

عید الفطر ۲۴ نومبر ۱۹۳۸ء پر نوجوانان جماعت سے آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"آخر پر میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ لوگ احمدی قوم کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے، قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحا کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ دنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں۔ لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔ سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں نے تبلیغ دین کے کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چن لیا ہے جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے کہ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا ہے۔ سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو ——— میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہونگا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو، سنو۔ اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کروگے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔ اے میرے نوجوان دوستو میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے۔"

(پیغام صلح ۳۰ نومبر ۱۹۳۸ء)

(۶) ۱۹۳۹ء تا جون ۱۹۴۷ء۔ مینول آف حدیث، لونگ تھاٹس اور نیو ورلڈ آرڈر کی تصنیف اور اشاعت قرآن کے لئے تین بڑی تحریکات

۳۹ء سے ۴۷ء تک کے آٹھ سال

۳۹ء سے لے کر ۴۷ء تک کا آٹھ سال کا وہ زمانہ ہے جب کہ مولانا محمد علی صاحب نے علاوہ اور تصانیف کے، انگریزی میں اسلامی لٹریچر پر چند نہایت بیش قیمت اضافے فرمائے۔ یعنی نیو ورلڈ آرڈر، مینوئل آف حدیث اور لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمدؐ کی تصنیف فرمائی۔ اور تین نہایت اہم تحریکات کی ابتدا کی۔ یعنی (۱) تراجم قرآن (۲) اشاعت قرآن بذریعہ تبلیغی مراکز اور (۳) ادارۂ تعلیم قرآن۔ اور ان تحریکات کے ذریعے آپ نے جماعت کو وہ راستہ دکھایا جس پر چل کر ہی وہ اپنے اصل مقصد میں کامیاب ہوسکتی تھی۔ ان تحریکات کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے نہ صرف جماعت میں بار بار اپیلیں کیں۔ اور چندہ جمع کیا۔ بلکہ دو بار حیدرآباد دکن اور ایک بار بمبئی تشریف لے گئے اور غیر احمدی مسلمانوں سے بھی ایک کثیر رقم چندہ کی حاصل کی۔ اور انہی تحریکات کے لئے مسلسل جدوجہد فرماتے رہے۔ چنانچہ اس دوران میں آپ کی تحریرات اور خطبات میں ایک خاص جذبہ نظر آتا ہے۔ اور ان کو پڑھ کر ہی کچھ اس درد اور تڑپ کا اندازہ ہوسکتا ہے جو قرآن کے لئے آپ کے دل میں تھی۔

ان آٹھ سالوں میں دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے ایک عرصہ کے لئے بعض بیرونی ممالک اور مشنوں سے انجمن کا براہ راست تعلق منقطع ہوگیا تھا۔ مگر اشاعت اسلام کے کام اسی طرح جاری رہے اور جنگ کے ختم ہوتے ہی مزید کاموں کی ابتدا کی گئی۔ اس عرصہ میں انجمن کی مالی مشکلات بھی کم ہوگئیں اور اس کا بجٹ حسب معمول ترقی کرتا رہا۔ اس عرصہ میں جماعت قادیان اور اس کے پیشرو پر بھی ہر ممکن طریقہ سے مولانا محمد علی صاحب نے اتمام حجت فرمائی۔ اور اس دوران میں جماعت کی دو اور عظیم الشان ہستیاں (یعنی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) اپنے مولیٰ سے جا ملیں۔ ان سب حالات کا تفصیلاً ذکر مندرجہ ذیل ہے:

تصانیف ۳۹ء سے ۴۷ء تک

ان آٹھ سالوں میں یعنی ۱۹۳۹ء سے ۴۷ء تک بیشتر حصہ دوسری جنگ عظیم کے زمانے کا تھا۔ اس زمانے میں مولانا محمد علی صاحب اپنے اکثر خطبات اور تحریرات میں اس ہولناک جنگ یعنی یاجوج ماجوج کی آپس میں کشمکش کو صداقت اسلام کی دلیل کے طور پر پیش کر کے جماعت کو توجہ دلاتے رہے کہ دنیا کی ان مشکلات کا حل اسلام کے سوا اور کوئی نہیں اور اس لحاظ سے ہماری جماعت کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ مغربی اقوام میں اسلام کو اور بھی وسیع پیمانے پر پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے پہلے

تو دو ٹریکٹ تصنیف فرمائے یعنی "اسلام اور موجودہ جنگ" اردو اور انگریزی۔ پھر دسمبر ۴۳ء میں ایک رسالہ "نیا نظامِ عالم" شائع کیا۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی نظامِ امن اور سلامتی کی بنیادوں کو استوار کر سکتا ہے تو وہ نظامِ اسلام ہی ہے۔ اس مضمون کا انگریزی زبان میں آنا بہت ضروری تھا چنانچہ جب آپ اس کو انگریزی میں ترجمہ کرنے لگے تو مضمون کو زیادہ وسعت اور تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ایک نئی کتاب "نیو ورلڈ آرڈر" (The New World Order) تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب فروری ۴۴ء میں شائع ہوئی۔ اس میں خاص طور پر مغربی اقوام سے خطاب ہے۔ اور اُن کے روحانی۔ معاشی۔ جنسی اور سیاسی عوارض کے علاج کے لئے اسلام کا نظامِ حیات پیش کیا گیا ہے۔ اس کے چار ابواب ہیں۔ یعنی (۱) جدید نظامِ حیات کی بنیادیں (۲) معاشی مسئلہ (۳) گھر (جنسی اور معاشرتی مسائل) اور (۴) ریاست۔ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بطور ضمیمہ کے ساتھ دیا ہے۔ یہ کتاب بھی اس قدر مقبول ہوئی کہ ۴۵ء میں اس کے لئے خاص طور پر تحریک کر کے اس کو وسیع پیمانے پر دنیا کے مختلف ممالک میں تقسیم کیا گیا۔ اور یورپ اور ایشیا کی کئی ایک زبانوں میں اس کے ترجمے بہت جلد ہو گئے۔ سب سے پہلا ترجمہ عربی میں تھا جو بغداد کے سیّد تصدق حسین صاحب قادری نے کروایا۔ اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ پہلے ایڈیشن کے پچیس ہزار نسخے ایک ماہ کے اندر اندر فروخت ہو گئے۔ اور دوسرے ایڈیشن کی فوری ضرورت پیش آئی۔ عراق۔ شام۔ فلسطین۔ مصر۔ ٹیونس۔ مراکو وغیرہ میں اس عربی ترجمہ کی کثرت سے اشاعت ہوئی۔ ان تمام ممالک کے اخبارات میں اس کتاب پر بڑے بڑے تعریفی ریویو نکلے اور یہاں تک لکھا گیا کہ عرب نوجوانوں کو اس کتاب کو درساً پڑھنا چاہیئے۔ یہ ریویو اور مختلف مشاہیر کی آراء اس کتاب کے بارے میں اخبار پیغامِ صلح میں وقتاً فوقتاً شائع ہو چکی ہیں۔ بیروت میں اس کتاب کا ایک اور ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ جرمن، ڈچ، ترکی، فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں اور ہندوستان کی مختلف زبانوں کے علاوہ سیامی۔ انڈونیشین۔ زبانوں میں بھی اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۴۱ء میں اسلام پر انگریزی لٹریچر میں ایک اور نہایت ضروری اور قیمتی اضافہ ہوا۔ یعنی مولانا محمد علی صاحب کی کتاب "مینوئل آف حدیث" (A Manual of Hadith) شائع ہوئی۔ اس کتاب میں زندگی کے ہر پہلو پر ۶۹۰ احادیث کا انتخاب کر کے (جس میں سے ۵۲۳ احادیث صحیح بخاری کی ہیں) انگریزی ترجمہ اور تشریحی نوٹوں کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ لیکن دو تین ایسی خصوصیات ہیں جس سے اس کتاب کی افادیت میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ ایک تو آپ نے ہر باب کے شروع میں قرآن کریم کی ان آیات کو بمعہ ترجمہ نقل کر دیا ہے جن کا تعلق زندگی کے اس شعبے سے ہے جس کے لئے وہ باب مخصوص ہے۔ تاکہ پڑھنے والا خود اندازہ لگائے کہ کس طرح سے دین کے سب اصول قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اور یہ کہ حدیث ان اصولوں کی وہ تفصیل ہے جو

نبوی یا عملِ نبوی سے ہم تک پہنچی ہے۔ پھر آیات قرآنی نقل کر کے ایک نوٹ کی صورت میں یہ بتا دیا ہے کہ قرآن اس شعبۂ زندگی کے متعلق ہمیں کیا کیا ہدایت دیتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ حدیث ہمیں اس شعبۂ زندگی کے متعلق کیا کیا ہدایات دیتی ہے۔ کل ۳۱ ابواب ہیں۔ مثلاً ایمان۔ وحی۔ علم۔ طہارت۔ وضو۔ نماز مسجد۔ صدقہ۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ جہاد۔ نکاح۔ طلاق۔ تجارت۔ زراعت۔ وصیّت۔ ورثہ۔ کھانے پینے کے احکامات۔ لباس وزینت۔ اخلاق و آداب وغیرہ۔ اس کتاب کو نہایت خوبصورت طرز پر چھپوایا گیا تھا۔ اور اس کا پہلا ایڈیشن دو ہزار کی تعداد میں دو سال کے اندر ختم ہو گیا۔ یہ کتاب بھی انگریزی خوان طبقہ اور ممالک غیر میں بہت مقبول ہوئی۔ اور مئی ۱۹۴۸ء میں اس کا اردو ترجمہ "احادیث العمل" کے نام سے آپ نے چھپوایا۔

۱۹۴۵ء کی گرمیوں میں جبکہ مولانا محمد علی صاحب ڈلہوزی میں تھے تو انگلستان کے ناشرین کی ایک مشہور فرم کاسل اینڈ کمپنی (Cassell & Co) کی طرف سے آپ کو بذریعہ امام مسجد ووکنگ یہ مطالبہ آیا کہ وہ "لونگ تھاٹس" یعنی "زندہ افکار" کے عنوان سے مشاہیر عالم کی مختصر سوانح حیات کا ایک سلسلہ شائع کر رہے ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ کی سوانح اور تعلیمات آپ سے لکھوانا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے ڈلہوزی میں ہی اس کتاب کو لکھنا شروع کر دیا اور مسودہ مکمل کر کے ۱۹۴۶ء کے شروع میں انگلستان بھیج دیا۔ یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں طبع ہو گئی مگر جلد بندی کی مشکلات کی وجہ سے مارچ ۱۹۴۸ء میں انگلستان میں شائع ہوئی۔ اس اثنا میں مسودہ کو دیکھ کر ناشر کمپنی نے اس قدر پسند کیا کہ کمپنی کے ڈائرکٹر سر نیومین فلور نے امام مسجد ووکنگ کو لکھا کہ میں نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے۔ سب کی سب کتاب نہایت اعلیٰ ہے مگر پہلا باب جس میں پیغمبر اسلام کی زندگی کا نچوڑ آ گیا ہے، ایک بہت ہی بلند پایہ تصنیف ہے۔ "A masterly piece of work"
اس باب میں آپ نے آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ بعض اعتراضات یعنی تعدّد ازدواج اور جنگوں وغیرہ کے متعلق جوابات بھی دیئے ہیں۔ باقی کی کتاب میں قرآنی تعلیمات کا ایک نچوڑ ہے اور ایک رنگ میں باوجود اختصار کے سیرت اور قرآن کی تعلیمات پر ایک جامع کتاب ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر قرآن کریم سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی عملی زندگی سے بھی۔

۱۹۴۶ء کی گرمیوں میں مولانا محمد علی صاحب نے خود اس کتاب کا اردو ترجمہ ڈلہوزی میں کیا۔ جو کچھ تاخیر سے یعنی ۱۹۴۸ء کے شروع میں شائع ہوا۔ اس اردو کتاب کا نام آپ نے "زندہ افکار" کی بجائے "زندہ تعلیم" رکھا۔ اور "زندہ نبی کی زندہ تعلیم" کے عنوان سے اس کتاب کے مختلف ایڈیشن اردو میں شائع ہوئے۔

انگریزی کتاب جب غیر ممالک میں پہنچی تو جگہ جگہ اس کے تراجم مقامی طور پر کیے گئے اور شائع ہوئے غیر ممالک کے اخبارات اور خاص طور پر انگریزی اخبارات میں اس کتاب پر بڑے اعلیٰ درجہ کے ریویو لکھے گئے جن میں

سے کچھ اخبار پیغام صلح مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۹ء میں چھپ چکے ہیں۔

اِن اہم تصانیف کے علاوہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان آٹھ سالوں میں آپ نے اور تصانیف بھی فرمائیں۔ ۱۹۳۹ء میں "مسلم پریئر بک" شائع ہوئی۔ ۱۹۴۴ء میں رسالہ المصلح الموعود پر آپ نے نظرثانی فرمائی۔ یہ رسالہ آپ نے ۱۹۱۴ء میں لکھا تھا۔ اس پر ۱۹۴۴ء میں نظرثانی کر کے اور ایک نئی تمہید لکھ کر آپ نے شائع کیا۔ اِن دنوں میاں محمود احمد صاحب نے ایک خواب کی بناء پر مصلح موعود ہونے کا دعوے کیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں انبیاء کی تاریخ بزبان انگریزی یعنی "ہسٹری آف دی پرافٹس" شائع ہوئی۔ اور اسی زمانے کی تصنیف شدہ ایک اور چھوٹی سی کتاب ہے جو ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی۔ یعنی "پریئرز آف دی ہولی قرآن" جس کا اردو ترجمہ "ادعیۃ القرآن" بھی بعد میں چھپا۔

ان آٹھ سالوں میں کئی ایک ٹریکٹ بھی آپ کے قلم سے نکلے۔ جن میں زیادہ تر جماعت قادیان سے متعلق تھے جیساکہ آگے ذکر آئیگا۔ اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب نے خاص طور پر جماعت قادیان کے پیشوا پر اتمامِ حجت فرمائی چنانچہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ٹریکٹ آپ کی طرف سے جماعتِ قادیان میں تقسیم کرنے کے لئے شائع ہوئے۔ "احباب قادیان سے اپیل" "مولوی غلام حسن خانصاحب سے ایک مخلصانہ گذارش"۔ "قادیانی یوم تبلیغ"۔ "قادیانی احباب کے لئے ایک قابلِ غور موازنہ"۔ "خلیفۂ قادیان کا ۱۹۱۴ء سے پہلے کا مذہب"۔ "قادیان اور لاہور کے جلسوں میں دونوں فریقوں کے راہنماؤں کی تقریروں کی ضرورت"۔ "احمدیہ جماعت لاہور اور قادیانی جماعت کا اختلاف"۔ "میاں محمود احمد صاحب کو حلف اٹھانے کے لئے مقابلے کی دعوت"۔ "میاں محمود احمد کی دعوتِ مباہلہ"۔ "میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چھٹی"۔ "حضرت نبی کریم کا مقام"۔ "فیصلہ کا صحیح طریق"۔ "سلسلۂ احمدیہ کے دو فریق۔"

ان کے علاوہ اور ٹریکٹ جو آپ نے لکھے وہ یہ تھے۔ ۱۹۴۰ء "موجودہ وقت میں ہمارا فرض"۔ ۱۹۴۴ء "تکفیر آف فیلو مسلمز" (انگریزی) ۱۹۴۷ء "وفاتِ مسیح نزولِ مسیح" اور "اسلام کی مصیبتِ عظمیٰ" اس کے وجوہ اور اس کا علاج"۔ ۱۹۴۶ء میں انگریزی ترجمہ قرآن بلا متن کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا

ہالینڈ مشن کی ابتداء

۱۹۳۹ء کے شروع میں مرزا ولی احمد بیگ صاحب نے ہالینڈ پہنچ کر ایک مشن قائم کیا۔ مولانا محمد علی صاحب نے تحریک فرمائی تھی کہ اس مشن کے اخراجات کوئی ایک صاحبِ استطاعت بزرگ اٹھالیں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے یہ اخراجات اپنے ذمے لے لئے۔ لیکن ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے نہ صرف یہ مشن بند ہوگیا۔ بلکہ مرزا صاحب جرمنوں کی قید میں آگئے اور تا اختتامِ جنگ جنگی قیدیوں کی حیثیت میں نظر بند رہے۔ ۱۹۴۸-۴۹ء میں اس مشن کے دوبارہ کھولنے کی تحریک ہوئی۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

جرمن ترجمہ قرآن و برلن مشن

جرمن ترجمہ قرآن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ جون ۳۹ء میں برلن میں اس کی طباعت مکمل ہوئی اور جلد بندی وغیرہ کے بعد اگست ۳۹ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ مگر جلد ہی یعنی ۳ ستمبر ۳۹ء کو دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی اور اس جنگ کے دوران میں برلن پر بمباری کی وجہ سے اس ترجمہ کا سٹاک چند کاپیوں کے علاوہ سب ضائع ہو گیا۔

برلن مسجد

ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب، جو برلن مشن کے انچارج تھے۔ جنگ چھڑنے سے کچھ پہلے براستہ کوپن ہیگن (ڈنمارک) واپس آ گئے تھے اور مشن کا انتظام جرمن نو مسلمین کے سپرد کر آئے تھے۔ اس کے بعد جنگ کے اختتام تک برلن سے انجمن کا تعلق منقطع رہا۔ پہلے جرمنی کا قبضہ تمام یورپ پر ہوا۔ پھر اس کو آہستہ آہستہ شکست ہونی شروع ہوئی اور انگریز اور امریکن ہوائی جہازوں کے شدت سے ہوائی حملے برلن وغیرہ پر شروع ہوئے اور برلن شہر کا بیشتر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ پھر اگست ۴۵ء میں پہلی دفعہ رائٹر کے ذریعہ اطلاع ملی کہ جرمن مسجد محفوظ ہے۔ اس پر مولانا محمد علی صاحب نے پیغام صلح میں لکھا:-

"برلن برباد ہو گیا۔ اس پر آسمان سے دن اور رات آگ برستی رہی۔ کئی لاکھ من گولے اس پر پڑے۔ بالآخر ایک انتقام سے بھری ہوئی قوم اس پر حملہ آور ہوئی اور شہر کی عمارتوں کو مسمار کیا۔ مگر اس برباد شدہ شہر میں آج رائٹر کا نامہ نگار بتاتا ہے کہ برلن مسجد زندہ موجود ہے۔

اس برلن میں ایک غریب جماعت نے خدا کا گھر بنایا تھا۔ اس جماعت کو کوئی نمود مقصود نہ تھا.... یہ اپنے مالوں کو خدا کا گھر بنانے کے لئے دیتی تھی اور عاجزی سے دعائیں کرتی تھی کہ ربنا تقبل منا.... مجھے وہ نظارہ یاد ہے کہ ہمارے سالانہ جلسہ میں ایک مٹھی بھر خواتین بھی بیٹھی تھیں۔ جب برلن سے اپیل ہمارے مبلغ کی طرف سے آئی کہ میناروں کے لئے روپیہ نہیں رہا۔ اس وقت میں نے ان مٹھی بھر خواتین سے اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اس طرح کھولا کہ کئی ہزار روپیہ چندہ ایک چھوٹی سی جماعت کی تھوڑی سی خواتین سے جمع ہو گیا۔ تو میں آج اپنی جماعت کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قربانی کو قبول فرمانے کا ایک کھلا نشان ظاہر فرمایا..... اور آج دنیا کو یہ نظارہ دکھا دیا کہ وہ جسے بچانا چاہے جلتی آگ کے اندر بھی سلامت رکھتا ہے۔"

(پیغام صلح ۲۲ / اگست ۴۵ء)

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی وفات

۲۶ / اپریل ۳۹ء کو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا انتقال ہوا۔ دو چار روز پہلے آپ کچھ بیمار ہوئے۔ ۲۶ کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا ذکر پہلے وقتاً فوقتاً آ چکا ہے۔ آپ کی وفات سے گویا جماعت احمدیہ کا ایک ستون گر گیا۔ عین اس وقت جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا تو مولانا محمد علی صاحب نے بیان کیا کہ ان کو بار بار ایسی آواز سنائی دی۔

جیسے کوئی کہہ رہا ہے۔ "کندھوں پر اُٹھا کرلے چلو اللہ کی طرف۔ کندھوں پر اُٹھا کرلے چلو اللہ کی طرف" آپ کا خیال اپنے بڑے بھائی مولانا عزیز بخش صاحب کی طرف گیا کیونکہ وہ اس وقت بیمار تھے۔ لیکن جلد ہی آپ کو شاہ صاحب کی بیماری کی اطلاع ملی۔ اس عظیم الشان صدمہ پر مولانا محمد علی صاحب نے پیغام صلح میں جماعت کے نام ایک پیغام لکھا اور اپنے خطبۂ جمعہ میں بھی شاہ صاحب مرحوم کے بے نظیر شخصیت اور خدمات دینیہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ باوجود بے شمار پہلی مالی قربانیوں کے انہوں نے ابھی جوبلی فنڈ میں ۵۲ ہزار کی جائداد انجمن کو دی۔ اور اس کے بعد ہالینڈ مشن کے لئے دوسو روپے ماہوار مستقل امداد دینی منظور کی آپ نے لکھا:۔

"کمال کا یہ بلند مقام دراصل اس امانت کی ادائیگی تھی جو حضرت مسیح موعود نے شاہ صاحب مرحوم کے سپرد کی تھی ..... اپنی وفات کی خبر جب حضرت مسیح موعود کو دی گئی تو آپ نے اپنی جانشینی کا منصب ایک انجمن کو دیا۔ اور اس کے چودہ ممبروں کو منتخب کرتے وقت لاہور کے چار ممبروں پر آپ کی نظر پڑی۔ یہ چار ممبر شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم۔ مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور شاہ صاحب مرحوم تھے۔ جس کمال خوبی اور اخلاص سے ان چاروں نے حضرت صاحب کی امانت کا حق ادا کیا اس کی طرف اس الہام الٰہی میں اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"۔ ان چاروں اصحاب کے دل میں اس قدر عشق خدا کے دین کی خدمت کا تھا کہ انجمن کے ہر اجلاس میں لاہور سے دوڑے آتے تھے۔ اور مالی نصرتوں میں جماعت میں پیش پیش تھے.... مجھے اس انجمن کے سیکرٹری کا منصب تفویض کیا گیا تھا۔ اور اگر ایک طرف ان چار بزرگوں کے مشورے میرے لئے قوت کا موجب تھے تو دوسری طرف ان کے خلوص کا گہرا اثر میرے دل پر تھا۔

اور اس طرح ۱۹۰۶ء کے ابتداء میں اس محبت کی بنیاد پڑی جو ہم پانچ میں یہاں تک ترقی کر گئی تھی کہ گویا ہم پنج قالب و یک جان کے مصداق تھے۔ آج یہ چاروں دوست یکے بعد دیگرے اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ اور میں صدق اور اخلاص اور وفاداری کے نمونے اپنی جماعت میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے ان دوستوں کے جدا ہو جانے کے بعد تنہائی سی محسوس کرتا ہوں۔ واللہ ولی فی الدنیا والآخرۃ۔

..... ان چاروں دوستوں نے جو نمونہ وفاداری اور خدمت دین میں استقلال اور اخلاص کا دکھایا ہے آج اس کی نظیریں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ خدا کے مسیح کی نظر اپنے پیچھے کام چلانے والے چند بزرگوں پر پڑی۔ جن میں یہ چار حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد نمایاں ہستیاں نظر آتی ہیں۔ اور عملی طور پر کام کا بوجھ انہی پر تھا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود کی اس امانت کا حق ایسا ادا کیا کہ خدا کی راہ میں ان کا قدم آگے ہی ترقی کرتا چلا گیا......"

۳۹ء کے دیگر حالات

۴ رجون سے یکم اکتوبر ۳۹ء تک مولانا محمد علی صاحب حسب معمول ڈلہوزی میں رہے ڈلہوزی سے جو سلسلۂ مضامین آپ احباب جماعت کے نام خطوط کی صورت میں لکھا کرتے وہ اس سال اگست سے اکتوبر تک "ہم کیا ہیں اور ہمارے فرائض کیا ہیں" کے عنوان سے شائع ہوتا رہا۔ جس میں جماعت کو اس کی صحیح پوزیشن اور اصل کام سے آپ آگاہ کرتے رہے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہمیشہ یہ احساس رہنا چاہیئے کہ ایک تو ہمیں ایک جنگ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارا جہاد 'جہاد بالقرآن' ہے۔ اور ہماری جماعت کا ایک ایک فرد اس میدان کا ایک سپاہی ہے۔ ہم اپنی دنیا کے کام تو کریں مگر ہر وقت دل و دماغ پر اس بات کا تسلط ہو کہ میں کن کن ذریعوں سے پیغامِ حق دوسروں تک پہنچا سکتا ہوں۔ اور کیا خدمتِ قرآن کر سکتا ہوں۔ اور اس کام کے کرنے کے لئے آپ نے مختلف خطوط میں جن ذرائع پر زور دیا۔ اس میں سے اوّل دعا ہے کہ دین کی نصرت کے لئے خدا کے آگے گرنا ہماری جماعت کا امتیازی نشان ہے۔ خاص طور پر نمازِ تہجد کی اہمیّت پر زور دیا۔ دوسرا ذریعہ قربانی یعنی مسلسل اجتماعی مالی جہاد۔

اکتوبر سے لے کر جلسۂ سالانہ دسمبر ۳۹ء تک مولانا محمد علی صاحب نے مسلسل دورے بیرونی جماعتوں میں کئے۔ علاوہ اور شہروں کے دہلی اور کوئٹہ بھی تشریف لے گئے۔ ان دوروں میں ایک خاص مقصد آپ کے پیشِ نظر ماہوار چندے کی تنظیم تھا۔ یعنی انجمن کی مقرر کردہ شرح کے مطابق ہر شخص چندہ دے۔ اور اس تمام عرصہ میں خطباتِ جمعہ میں بھی آپ اس امر پر خاص طور پر زور دیتے رہے

۴۰ء کے حالات

۳۸ء کی بیماری کے بعد سے مولانا محمد علی صاحب کی صحت اتنی اچھی نہ رہتی تھی چنانچہ دسمبر ۳۹ء کے جلسہ کے بعد آپ کی طبیعت پھر ناساز ہو گئی۔ جنوری ۴۰ء میں انفلوئنزا سے بیمار رہے اور جمعہ اور عید کی نمازیں بھی نہ پڑھا سکے۔ فروری کا تمام مہینہ آپ نے بستر پہ گذارا۔ لیکن تصنیف و تالیف کا کام اور جماعتی امور کا انتظام وغیرہ آپ نے ان بیماریوں میں بھی نہ چھوڑا۔ آخر مئی میں گرمی کے بڑھنے کے ساتھ آپ کو پھر بخار ہونے لگا۔ ۲ رجون کو آپ ڈلہوزی تشریف لے گئے اور ۳۰ ستمبر کو واپس لاہور تشریف لائے۔

اس تمام دوران میں جہاں متعدد مضامین وغیرہ میاں محمود احمد صاحب پر اتمامِ حجت کے لئے لکھے۔ وہاں آپ کے خطبات اور تحریرات میں وہ درد اور تڑپ جو قرآن کی خدمت کے لئے آپ کے دل میں تھی، بار بار ظاہر ہوتی رہتی تھی۔ ایک خطبۂ جمعہ (نمبر ۱۱) میں قرآن کو اپنی زندگیوں کا جزو بنانے کے سلسلے میں قرآن کریم سے عام مسلمانوں کی غفلت کا ذکر کیا کہ اس وقت ان کی دینی درس گاہوں میں فلسفہ۔ حدیث۔ منطق تو پڑھائے جاتے تھے مگر قرآن کا درس نہ ہوتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود کے اس پیدا کردہ انقلاب کا ذکر کیا کہ قرآن کے ساتھ دلوں عشق پیدا کر دیا۔ پھر جماعت میں درسِ قرآن کی خصوصیت اور اہمیّت پر زور دیا اور فرمایا:-

"خود اپنے طور پر قرآن پڑھو اور اس پر غور و فکر کرو۔ قرآن کا پڑھنا ہر ایک احمدی کی زندگی کا لازمی جزو ہو جائے۔ اپنی اولاد کو قرآن پڑھاؤ۔ معنی اور مفہوم کے ساتھ۔ زیادہ نہیں تھوڑا۔ چند آیات ہی سہی۔ لیکن اس کو اپنی زندگیوں کا ایک جزو بنا لو...... میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ میں سے کس کو خدا قرآن کریم کا ایسا مفہوم سمجھا دے جو دنیا کے لئے مفید ہو۔ اپنے دلوں کے اندر وہ تڑپ پیدا کرو جو محمد صلعم کے ساتھ تمہاری نسبت پیدا کرے۔ وہ لعلك باخع نفسك کی تڑپ ہے کہ تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم میں ہلاک کریگا۔ اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ جو بھی اس تڑپ کو پیدا کریگا۔ وہ حضرت نبی کریم سے اپنی نسبت پیدا کرلیگا۔ اس کے اپنے اندر بھی انقلاب پیدا ہوگا اور وہ دنیا کے اندر بھی ایک انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن جائیگا...... اللہ تعالیٰ قرآن کے متعلق کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ میں ایک معمولی درجہ کا انسان ہوں۔ محض ایک شخص کی قوت قدسی نے دل میں ایک تڑپ اور لگن پیدا کردی۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ خدمت قرآن کی توفیق دی جب میں اپنی طرف دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اے اللہ! میں ناکارہ اور کمزور بندہ اور مجھ سے خدمتِ قرآن کا یہ کام ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کی بدولت کس قدر نعمت عطا فرمائی۔ آج ایک وہ شخص جو وکالت پاس کرلینے کے بعد پریکٹس کرتا۔ یا مقابلہ کے امتحان میں آکر زیادہ سے زیادہ ہائی کورٹ کی ججی سے ریٹائر ہو کر گمنامی میں پڑا ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدمتِ قرآن کی بدولت عزت کا وہ مقام دیا کہ مخالف بھی ایک رنگ میں اس کے آگے جھکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

کسی زمانے میں مشہور انگریز نومسلم مسٹر پکتھال یہاں آئے ہمارے خلاف ان کے یہاں تک کان بھرے گئے کہ انہوں نے کسی مجلس میں ہمارا نام تک لینا گوارا نہ کیا۔ وہ حیدر آباد دکن میں ایک مدّت رہے۔ جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو کسی طرح میری کتاب ریلیجن آف اسلام ان کو ملی اس پر وہ اپنی وفات سے پہلے ریویو لکھتے ہیں جو ایسا اعلیٰ ہے کہ کسی کتاب کو کم نصیب ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات سرانجام نہیں دیں۔"

اس کا ذکر میں اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ میرا کارنامہ یا میری عزت افزائی ہے یہ میرے آقا کا کارنامہ ہے۔ اور اس کی خدمات اسلامی کا اعتراف ہے۔. کیونکہ ریلیجن آف اسلام میں جو کچھ ہے وہ سب آپ سے ہی اور آپ کی بدولت مجھے ملا ہے۔

ایک امریکی مصنّف ڈبلیو۔ جے ملبرآن کی ایک تحریر میری نظر سے گذری۔ انہوں نے

مذاہب پر ایک کتاب حال میں لکھی ہے۔ اسلام کے متعلق مواد فراہم کرنے کے لئے مختلف اسلامی ملکوں کے علماء سے خط و کتابت کی۔ بالآخر مجھے لکھا۔ میں نے انہیں انگریزی ترجمہ قرآن۔ ریلجن آف اسلام اور اسلام دی ریلجن آف ہیومینیٹی بھیجے۔ چنانچہ اس کتاب میں اس نے مؤخر الذکر رسالہ تو تقریباً پورا نقل کر دیا ہے۔ اور ریلجن آف اسلام سے بہت سے اقتباسات لئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں:-

"Perhaps no Muslim, living or dead has done more than Maulana Muhammad Ali to lead people to see the good side of Islam. With these books no student of world religion would find any excuse for failing to learn about Islam"

یہ سب اللہ کا فضل اور قرآن کی برکت ہے اور مامور وقت کی پھونکی ہوئی رُوح اور فیضِ صحبت ہے، ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ ؎ جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

میری راتوں میں خدا کے سامنے گرتے وقت بھی یہی دعا ہوتی ہے کہ اے خدا تو ہماری جماعت کے ایک ایک فرد کو قرآن کا عشق اور اس کی خدمت و اشاعت کا جذبہ اور اس کا فہم عطا کر۔

آجکل تنظیم کا بہت شور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ منظم و وسیع جماعت ہونی چاہیئے۔ اسی طرح احمدیت کی عزت برقرار رہ سکتی ہے۔ لیکن احمدیت کی عزت اگر برقرار رہی تو خدمت و اشاعتِ قرآن سے ہوگی۔ بے شک تنظیم بھی اچھی چیز ہے۔ لیکن یہ احمدیت کی عزت کا اصل ذریعہ نہیں۔"

جماعت کے بعض لوگ جو آپ سے یا انجمن سے کچھ مزعومہ رنجشوں کی بنا پر روٹھ بیٹھے تھے ان کو بھی آپ ہمیشہ یہی توجہ دلاتے تھے کہ قرآن اور محمد صلعم کی عزت کو قائم کرنے کے کام کی اہمیت کو سمجھیں۔ اور ذاتی خواہشات کی وجہ سے اس کی عظمت کو فراموش نہ کریں۔ فرماتے ہیں:-

"اگر کسی شخص کو مجھ میں کچھ نقص نظر آجائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ اُسے انجمن کی پرواہ نہیں۔ یہ سب باتیں کب پیدا ہوتی ہیں۔ جب اس عظیم الشان کام کی عظمت سامنے نہیں ہوتی جس کے لئے ہم باہم اکٹھے ہوئے ہیں اور اقرار کیا ہے۔ ایسے لوگ دراصل دین اور محمد صلعم کی عظمت کو اپنے نفس کی خواہش پر قربان کر دیتے

ہیں۔ کیونکہ وہ ذاتی رنجشوں اور نفس کی ادنیٰ ادنیٰ خواہشوں پر اس جماعت سے قطع تعلق کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ جس کا واحد مقصد ہی خدا اور اس کے رسول کی عظمت کو قائم کرنا ہے۔"

(خطبہ جمعہ مورخہ ۳/۴ ۸)

اسی طرح ایک اور خطبۂ جمعہ مورخہ ۳؍ مئی ۱۹۴۷ء میں فرماتے ہیں:۔

"بعض باتیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن در اصل وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایمان کے امتحان کا وہ وقت ہوتا ہے کہ تمہارے کسی بھائی کی طرف سے تمہیں تکلیف پہنچ جائے اور تمہارے ایمان میں فرق نہ آئے۔ بعض لوگ خدا اور اس کے دین سے محبت کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن ذرا کسی دوسرے بھائی کی طرف سے تکلیف پہنچی تو کام خدا کا اور اس کے دین کا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ایسے شخص کا خدا اور اس کے دین سے محبت کا دعوےٰ فضول ہے۔ کسی بھائی کو مجھ سے دکھ پہنچے یا انجمن سے دکھ پہنچے یا انجمن کے کسی مقتدر ممبر سے دکھ پہنچے تو کیا ہم اس وقت یہ کہیں کہ بھاڑ میں جائے یہ کام۔ ہم اس میں حصّہ نہیں لیتے۔ ہم فلاں شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ہم مسجد میں نہیں جاتے۔ نہیں بلکہ اس کی بجائے ہمارے اندر یہ جذبہ موجزن ہونا چاہیئے۔ جس کو حضرت مسیح موعود نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:۔ ؎

خواہی بقہرم کن جدا   خواہی بلطفم رونما
خواہی بکش یا کُن رہا   کے ترک آں داماں کنم

جس کو ہم نے مانا ہے اور جس کے ماننے کی وجہ سے خدمت اسلام کا یہ کام شروع کیا ہے جب اسی کا جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن نہ ہوگا ہم اس کام کو کس طرح کامیابی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ کہاں یہ بلند اور پاکیزہ جذبہ اور کہاں معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہو کر خدمتِ اسلام کے کام کو چھوڑ دینا۔ اس قسم کی بھی بعض مثالیں ہیں کہ کسی اپنے بھائی سے ناراضگی ہوئی تو قادیان میں جا کر بیعت کر لی۔"

(پیغام صلح ۸ مئی ۱۹۴۷ء)

ایک اور خطبہ جمعہ مورخہ ۴/۴ ۵ میں اس بات کا ذکر کیا کہ قادیانی جماعت کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی۔ کہ وہ جماعت بنانے اور اس تنظیم میں اس قدر محو ہوئے کہ اشاعتِ اسلام کے کام کو پیچھے ڈال دیا۔ اور فرمایا:۔

"مجھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جماعت چھوٹی ہے۔ آپ کے بعد یہ مر جائیگی۔ میں تو اپنے آپ کو اس قدر کمزور اور اس مقام کے ناقابل سمجھتا ہوں۔ جس کا حال خدا بہتر جانتا ہے۔ میرے دل میں بارہا یہ

خواہش پیدا ہوتی ہے کہ جماعت میں سے بہتر لوگ اُٹھیں۔ اور اس بوجھ کو اٹھائیں۔ اس کے ساتھ میں اس بات پر بھی یقین رکھتا ہوں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اگر اس جماعت کے اندر خدا سے سچی محبت رکھنے والا ایک بھی شخص موجود ہو جسے خدا کے نام کو پھیلانے کی دیوانہ وار تڑپ ہو تو یہ جماعت زندہ رہے گی۔

بے شک جماعت کی توسیع و تنظیم کرو۔ اس کو زیادہ مضبوط بناؤ۔ لیکن خدا کے لئے جماعت کی تنظیم کو بت نہ بناؤ۔ اگر تم خدا کی بجائے جماعت اور اس کی مضبوطی پر اپنا مدار رکھو گے تو تمہیں خدا کا نام پھیلانے میں کامیابی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جماعت کی کمزوریوں کی اصلاح کرو۔ لیکن اس کی وجہ سے خدا کا نام پھیلانے کے کسی کام میں رکاوٹ نہ آئے۔"

نوجوانوں سے خاص طور پر خطاب کر کے آپ وقتاً فوقتاً پیغام صلح میں خطوط لکھا کرتے تھے۔ اور علمِ قرآن، خدمتِ قرآن اور خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرنے پر زور دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ڈلہوزی سے ایک خط مورخہ ۲۶ جولائی سنہ ۴۰ء میں فرماتے ہیں:-

"علمِ قرآن مسیح موعود کا ورثہ ہے جس کے ساتھ اسلام کا دنیا میں غلبہ وابستہ ہے۔ سب علوم حاصل کرو۔ مگر انہیں قرآن کا خادم بناؤ۔ ان چیزوں کو آپ قرآن کا خادم نہیں بنا سکتے۔ جب تک کہ خود قرآن نہ سمجھیں۔ ان تین باتوں کے بغیر آپ قرآن کو دنیا میں نہیں پہنچا سکتے (۱) خود علمِ قرآن حاصل کرنا، (۲) دوسرے علوم سیکھنا اور انہیں خادمِ قرآن بنانا (۳) دوسری زبانیں سیکھنا اور ان میں تعلیمات قرآنی منتقل کر کے دنیا میں پھیلانا۔ ہر ایک نوجوان کو چاہیئے کہ وہ ان تین اغراض کو سامنے رکھے۔ ..... اس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ یہ خدا کا کام ہے۔ اور اس کے کرنے کی طاقت خدا کے آگے گرنے اور اس سے مدد طلب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پس جہاں علمِ قرآن کا حاصل کرنا، اس غرض سے کہ اسے دنیا میں پھیلایا جائے آپ کی زندگیوں کا مقصد ہے وہاں خدا کے آگے گرنا اور اس سے مدد مانگنا اور اس کام کے لئے طاقت مانگنا بھی اپنی زندگی کا مقصد سمجھنا چاہیئے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز کو ذریعہ بنایا ہے..... اسلامی کلچر کی بنیاد نماز ہے اور نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کی تربیت میں سب سے بلند مرتبہ اسے دیا ہے.... .... نماز کی عادت کو بطور ایک ڈسپلن کے پختہ کر لینا چاہیئے۔ پہلے اپنے آپ کو تکلف کے طور پر نماز کا عادی بنانا چاہیئے۔ آہستہ آہستہ اس کے اندر وہ لذت اور شوق پیدا ہوگا جس کے ساتھ یہ الٰہی طاقت کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائیگی۔"

سنہ ۴۱ء کے حالات

جلسۂ سالانہ سنہ ۴۰ء پر دو خاص تحریکیں مولانا محمد علی صاحب نے کیں۔ ایک تو ریلجن آف

اسلام کے متعلق تھی۔ جس کے لکھے جانے سے حضرت مرزا صاحب کی وہ آرزو پوری ہوئی جو آپ نے ۱۸۹۲ء میں اپنے دعوے کے ساتھ ظاہر فرمائی کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھانے کے لئے ایک جامع کتاب انگریزی زبان میں اسلام پر لکھی جائے۔ اس موقع پر مولانا محمد علی صاحب نے یہ تحریک کی کہ اس کتاب کی کاپیاں ہم خاص طور پر ان لوگوں کو بھیجیں جو اپنے خیالات کا اثر دوسروں پر ڈال سکتے ہیں۔ یعنی مصنفین وغیرہ۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں اس پر عمل ہُوا۔ دوسری تحریک مغرب میں تبلیغ اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی جو آپ چاہتے تھے وہ ایک ایسے گروہ کی تیاری تھی جو ایک طرف مختلف زبانوں میں مہارت پیدا کرے اور دوسری طرف علوم اسلامی کا بھی مطالعہ کرے۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں اور اس کے بعد بھی آپ وقتاً فوقتاً نوجوانانِ جماعت کو غیر ممالک کی زبانیں سیکھنے کے لئے تحریک کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اسی جلسہ پر مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کی مشہور کتاب "میثاق النبیین" کے انگریزی ترجمہ کو لائبریریوں میں بھجوانے کے لئے چندہ کیا گیا اور ووکنگ مشن کی امداد کے لئے بھی۔

جلسۂ سالانہ کے بعد پہلے خطبۂ جمعہ میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا:۔

"نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہو رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ اور وہ مقصد بلند ہونا چاہیئے۔ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھی اور بُری استعدادیں نشوونما پاتی ہیں.... قرآن نے وہ زندگی کا بلند مقصد ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس....

کہ جس طرح رسُول تمہارا پیشرو ہے اسی طرح تم تمام اقوامِ عالم کے پیش رو بن جاؤ.... یہی وہ مقصد ہے جس کی طرف امام وقت نے ہمیں بلایا ہے۔ کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ.....

دوسری بات یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک بلند مقصد رکھ دیا گیا ہے بلکہ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا گیا ہے۔ صرف راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی گئی ہیں......

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ اپنے آپ کو پوری طرح وابستہ اور وقف نہ کیا جائے۔ اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبت نہ ہو.....

اور چوتھی ضرورت حصُولِ مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے۔ اور محنت

بھی اس قدر زبردست کہ اس سے کبھی تھکے نہیں ۔۔۔۔۔

آپ سب فوج کے سپاہیوں کی طرح ہیں۔ کوئی رات خالی نہیں جاتی جبکہ مجھے پچھلی رات میں خدا کے آگے گرنے کا موقع نہ ملے اور میرے دل میں یہ احساس نہ ہو کہ میں اپنی جماعت کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑا ہوں۔ اس وقت میں دعا کرتا ہوں تو جماعت کا ایک ایک چہرہ میرے سامنے آجاتا ہے۔ اور میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو ان کی ہمتوں کو بلند کر۔ ان کو دین کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیوں کی توفیق عطا فرما۔

ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئندہ کے لئے یہ سارا بار آپ پر آنے والا ہے۔ میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض grace (فضل) ہے۔ میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم، یہ سب باسٹھ باسٹھ، تریسٹھ تریسٹھ سال کی عمر میں اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ میں تریسٹھ سال کی عمر میں ۳۸ء میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر تو یہ پیغام آگے جانے کے لئے ہی تھا۔ خدا نے اپنی مصلحت سے خدمتِ دین کا کچھ اور کام کرنے کا موقع دے دیا۔"

(پیغام صلح ۲۷ر جنوری ۴۱ء)

اس کے بعد نوجوانوں کو جو ضروری نصیحتیں کیں ان میں سب سے اوّل قرآن کو پڑھنے کی تھی کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا ان کی زندگی کا ایک روزانہ پروگرام ہو۔ اس کے بعد دینی لٹریچر اور حضرت صاحب کی کتب کی طرف توجہ دلائی۔ اور تیسری چیز نماز۔ اور خاص طور نمازِ تہجد۔ اور فرمایا کہ ہمیں وہ نوجوان بھی چاہئیں جو دنیا کمائیں اور خوب کمائیں مگر اپنی کمائی کا ایک حصہ خدا کی راہ میں دینے کے لئے وقف کر دیں، اور وہ بھی چاہئیں جو اپنی زندگیاں علومِ قرآن کو حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے کے لئے وقف کر دیں۔ مزید کئی ایک خطباتِ جمعہ میں بھی آپ یہی تلقین کرتے رہے کہ ہر نوجوان دنیا کی ایک ایک زبان کو اپنے لئے منتخب کر لے اور اس کو خوب سیکھے تاکہ اس قابل ہو جائے کہ قرآن کا اس میں ترجمہ کر سکے۔ اور اس کے لئے عربی زبان کو بھی ساتھ ساتھ پڑھا جائے۔

مولانا محمد علی صاحب احمدیوں کے دلوں میں دینِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کے لئے وہ درد اور تڑپ دیکھنا چاہتے تھے جو اُن کی راتوں کی نیندوں کو مشکل کر دے اور وہ اٹھ کر خدا کے آگے گر جائیں۔ یہی آپ کے اپنے دل کی کیفیت تھی۔ ۴۱ء میں کئی ایک خطبات میں آپ نے اس کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلعم نے خود اپنے نمونے سے سمجھایا ہے کہ کس طرح آپ راتوں کو اُٹھتے اور تنہائی میں لمبے عرصے تک اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ۔۔۔۔۔ وہ کیا اضطراب تھا آنحضرت کے دل میں جو آپ کو یوں

بے چین رکھتا تھا۔ وہ اضطراب دلوں میں پیدا کرو۔ اس لئے راتوں کو اٹھو اور خدا کے آگے روؤ۔ اور دلی درد کے ساتھ اس سے مدد مانگو۔ خوب یاد رکھو کہ آخر کار دینِ اسلام کامیاب ہوگا اور لڑائی رہ جائے گی کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی۔ قرآن کی۔ محمد الرسول اللہ کی غلبہ تو یقیناً دینِ اسلام کو ہوگا لیکن تمہارے دلوں میں اس کے لئے درد اور تڑپ ہونی چاہیئے.....۔"

"خوب یاد رکھو کہ بغیر رات کے اٹھنے کے کوئی نماز کا حظ نہیں پا سکتا۔ تمہارے دلوں کے اندر وہ تڑپ ہونی چاہیئے کہ تمہاری راتوں کی نیند جاتی رہے۔ تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً و طمعاً و مما رزقناھم ینفقون۔ تمہارے گرم اور نرم بستر تمہیں اس درجہ نہ سُلائیں کہ تم اُٹھ ہی نہ سکو۔ اگر اس وقت کہ دینِ اسلام تمہاری امداد کو چاہتا ہے۔ اس درد نے تمہیں بے چین نہیں کیا کہ تم اُٹھو اور خدا کے آگے روؤ۔ تو تم نے کچھ بھی نہیں پایا۔ یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو...... اٹھو اور روؤ اور خدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کے غلبہ اور کامیابی کے دن لائے۔ جس دن جماعت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ راتوں کو اُٹھ کر خدا کے آگے گریں۔ اور یہ دعا کریں کہ اے خدا تو نے اس قرآن کو دنیا کی ربوبیت اور اس کی اصلاح اور امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اے خدا یہ دنیا گمراہ ہو رہی ہے اور امن سے دُور جا رہی ہے۔ اے خدا تیرا وعدہ تھا کہ تو دینِ اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تو وہ وقت لا۔ اور اس قرآن کے ذریعے سے دنیا میں امن قائم کر۔ جس دن جماعت یہ دعا راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر گریہ و زاری سے کرے گی۔ اُس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔" (خطبۂ جمعہ ۱۶ر مئی ۱۹۸۶ء)

"تمہارے سامنے ایک بڑا بلند مقصد ہے۔ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی کوشش۔ اپنے آپ کو اس کام پر لگا دو۔ بے شک تم مالوں کی قربانی کر رہے ہو۔ لیکن ایک چیز کی ابھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے دلوں کے اندر وہ درد پیدا ہو جائے۔ جو محمدؐ صلعم کے دل میں تھا۔ فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفا کیا تو ان کے پیچھے اس رنج میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیگا اگر وہ اس پاک کتاب پر ایمان نہ لائیں۔ یہ درد تھا جو آپؐ کو راتوں کے وقت سونے نہیں دیتا تھا۔ اور آپ رات کو اُٹھ اُٹھ کر خدا کے حضور میں سربسجود ہوتے تھے خدائی طاقت کا جلوہ ایسے ہی دل سے ہوتا ہے اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے اپنے دلوں کو اس کا محل بناؤ۔ راتوں کو اُٹھ اٹھ کر دعائیں کرو۔ کہ اے خدا جس نے اپنے رسولؐ کے ساتھ اس زمانے میں غلبۂ دین کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے اس وعدے کو پورا کرنے کا موجب

بن سکیں اور ہمیں وہ نظارا دکھا کہ اسلام دنیا میں غالب ہو اور تیرے مامور اور مسیح کی آمد کی غرض پوری ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جتنا مجھے یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہلا نہیں سکی اتنا ہی مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اس جماعت کو گرا نہیں سکتا جب تک ایسے لوگ اس جماعت میں موجود ہیں جن کے آنسو رات کو بہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور میں سُنانا چاہتا ہوں ایسے (رشک کرنیوالے) لوگوں کو خواہ وہ جماعت کے اندر ہوں یا باہر کہ جب تک طائفۃ من الذین معک راتوں کو اُٹھ کر رونے والا ایک گروہ اس جماعت کے اندر موجود ہے اس وقت تک یہ جماعت اپنی روحانی قوت کے ساتھ دنیا کو فتح کرتی رہے گی ۔" (خطبۂ جمعہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء)

۱۹۴۱ء میں شروع جون سے آخر ستمبر تک آپ حسب معمول ڈلہوزی میں رہے ۔ اس دوران میں ۹ جون کو آپ سرینگر (کشمیر) بھی تشریف لے گئے ۔ جہاں جماعت سرینگر کی مسجد کا بنیادی پتھر رکھا جانا تھا ۔ آپ کا قیام وہاں دس گیارہ روز رہا ۔ اور جماعت کی تنظیم اور پبلک لیکچروں کا سلسلہ وہاں جاری رہا ۔

اگست ۱۹۴۱ء میں آپ بعارضہ نزلہ زکام وغیرہ کافی بیمار رہے ۔ اسی طرح آخر ستمبر میں لاہور آنے کے بعد بھی بخار ہونے لگا اور اکتوبر کا مہینہ علالت میں گذرا ۔

صدقہ قرضہ کی تحریک دسمبر ۱۹۴۱ء

دسمبر ۱۹۴۱ء کے سالانہ جلسہ پر مولانا محمد علی صاحب نے صدقہ قرضہ کے نام سے ایک تحریک فرمائی ۔ اُس وقت دوسری جنگِ عظیم کے حالات خطرناک تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان بھی اس کی لپیٹ میں آجائیگا ۔ ایک طرف دشمن ہندوستان کے مشرقی دروازہ پر کھڑا تھا ۔ دوسری طرف یورپ اور شمالی افریقہ پر جرمنی کا قبضہ تھا اور اس کا ہندوستان تک آجانا ممکن نظر آرہا تھا ۔ اس موقعہ پر آپ نے قومی رنگ میں ایک صدقے کی تحریک کی جس سے انجمن کا بیرونی قرضہ، جو اس وقت قریبًا پچپن ہزار روپیہ تھا، اتارا جائے ۔ آپ نے سب لوگوں سے دس دس دن کی آمد دینے کی اپیل کی ۔ اور اس کے لئے احباب کی آمدنیوں کا اندازہ کر کے آپ نے خود ایک لسٹ تیار کی ۔ جو آپ جلسہ میں پڑھتے گئے اور ہر نام کے بولنے کے ساتھ لبیک کی آوازیں آنے لگیں ۔ اس طرح چند منٹوں میں ایک مختصر سی جماعت نے ۲۵ ہزار روپیہ کا انتظام کر دیا ۔ اور بعد میں سال کے دوران میں آپ کی مزید اپیلوں پر جلسۂ سالانہ ۱۹۴۲ء تک انجمن بیرونی قرضہ سے آزاد ہوگئی ۔

حیدرآباد (دکن) کا پہلا سفر ۱۹۴۲ء

تبلیغی اغراض اور حیدرآباد دکن کے بعض معززین کی دعوت پر ۲۰ فروری ۱۹۴۲ء کو مولانا محمد علی صاحب حیدرآباد تشریف لے گئے ۔ راستہ میں دو دن دہلی میں قیام کیا اور ۲۲ کو وہاں سے

گرینڈ ٹرنک ایکسپریس پر سوار ہو کر ۲۵ کی صبح کو حیدر آباد پہنچے۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی۔ اور سید اختر حسین صاحب آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کی آمد کی خبر حیدر آباد کے علمی اور مذہبی حلقوں میں پہلے سے شہرت پا چکی تھی اور وہاں کے اخبارات میں بھی شائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ سکندر آباد کے ریلوے سٹیشن پر عبدالکریم بابو خان صاحب رئیس سکندر آباد اور ایک کثیر مجمع نے آپ کا استقبال کیا۔ نام پلی کے سٹیشن پر جہاں آپ اترے ہر طبقہ اور خیال کے مسلمانوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ آپ نے عبدالکریم بابو خاں صاحب کے گھر قیام کیا۔

حیدر آباد میں آپ کا قیام سات روز تک یعنی ۳ مارچ ۴۲ء تک رہا اور اس دوران میں تین بڑے پبلک جلسوں میں آپ کی تقاریر ہوئیں۔ پہلا جلسہ ۲۷ فروری کو سکندر آباد میں بصدارت نواب ناظر یار جنگ بہادر منعقد ہوا اور اس جلسہ میں آپ کی تقریر کا موضوع تھا۔ "نسل انسانی کا سب سے بڑا محسن" اس تقریر میں آپ نے حضرت محمد الرسول اللہ صلعم کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا اور اسی سلسلہ میں احمدیت کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور جماعت احمدیہ لاہور کے کام سے حیدر آباد کی پبلک کو روشناس کروایا۔

دوسرا جلسہ سکندر آباد میں ہی ۲۸ فروری کو منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے کی اور اسی طرح تیسرا جلسہ حیدر آباد میں ۲ مارچ کو بصدارت نواب بہادر یار جنگ منعقد ہوا۔ ان تمام تقاریر میں اشاعت اسلام کو پیش کیا گیا۔ اور قرآن کو دنیا میں پھیلانے کی طرف عام مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی۔ اور جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا۔

۲۷ فروری کو نماز جمعہ آپ نے جماعت حیدر آباد کے دارالمطالعہ میں پڑھائی اور جماعت کی باقاعدہ تشکیل فرمائی۔ اس زمانے میں شیخ محمد انعام الحق صاحب انجمن کی طرف سے حیدر آباد میں مبلغ اور مشن کے انچارج تھے۔

پبلک جلسوں میں تقاریر کے علاوہ مختلف تقریبات میں بھی مولانا محمد علی صاحب نے بہت سی تقاریر فرمائیں۔ حیدر آباد اور سکندر آباد کے متعدد معززین نے آپ کو دعوتوں پر مدعو کیا اور تمام تقریبات میں آپ تقاریر فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ صبح سے شام تک عبدالکریم بابو خاں صاحب کی قیام گاہ پر فرداً فرداً لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

آپ کے اس قیام حیدر آباد کا ایک بہت اچھا اثر پڑا اور نہ صرف انجمن کو مالی رنگ میں فائدہ ہوا اور جماعت حیدر آباد کو تقویت پہنچی، بلکہ بہت سے معززین اس انجمن کے مداح

بن گئے۔ اور اس کے بعد ان کا ہمیشہ اصرار رہا کہ حضرت مولانا پھر حیدر آباد تشریف لائیں۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں آپ نے دوسری بار وہاں کا سفر اختیار کیا۔ جس کا ذکر آئندہ آئیگا۔

۳ مارچ کی شام کو آپ براستہ بمبئی واپس روانہ ہوئے۔ ۶ مارچ تک آپ نے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے پاس تھانہ میں قیام فرمایا۔ جو بمبئی کے مضافات میں ایک مقام ہے۔ یہاں بھی بعض تقریبات میں آپ کو تقاریر کرنے اور بمبئی کے معززین سے ملاقات کرنے کے موقعے ملے۔ وہاں سے واپسی پر ایک روز کے لئے آپ نے دہلی میں قیام کیا۔ اور ۹ مارچ کی صبح کو لاہور پہنچے۔

مسٹر عثمان وُوُ کی آمد

ستمبر ۱۹۴۲ء میں چین کے ایک مسلمان لیڈر مسٹر عثمان وُوُ ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے لاہور آئے۔ اُن کو مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات کا بہت اشتیاق تھا۔ اُس وقت آپ ڈلہوزی میں تھے اور مسٹر وُوُ کے پاس وقت بہت کم تھا چنانچہ آپ کو بذریعہ تار ڈلہوزی اطلاع دی گئی تو آپ ۲۸ ستمبر کو لاہور تشریف لائے شام کو مسٹر وُوُ سے ملاقات ہوئی۔ مسٹر وُوُ نے بتایا کہ آپ کے نام سے چینی مسلمان بہت آشنا ہیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم دو "محمد علی" کو جانتے ہیں۔ ایک پولیٹیکل محمد علی[1] اور دوسرے ریلجس (مذہبی) محمد علی۔ اُنہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے اتنے بڑے مصنف اسلام کی زیارت کر لی ہے۔ ۲۹ کو صبح کو مسٹر وُوُ پھر احمدیہ بلڈنگس آئے اور آپ سے اور دیگر بزرگانِ جماعت سے دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا محمد علی صاحب کی کئی ایک تصنیفات کے چینی میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ جن میں سے خاص طور پر انہوں نے انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہولی قرآن۔ کال آف اسلام۔ محمد دی پرافٹ اور اسلام دی ریلجن آف ہیومینیٹی کے نام لئے۔ یہ لٹریچر بابو محمد منظور الٰہی صاحب کی کوششوں سے بذریعہ خط و کتابت چین میں پہنچیا تھا۔[2] مسٹر وُوُ نے کہا کہ یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ دنیا بھر میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور اگر مولانا محمد علی صاحب چین تشریف لے جائیں تو وہاں کے مسلمان آپ کے قدم چومیں۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی وفات

اپریل ۱۹۴۳ء میں مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے خاندان کو بالخصوص اور جماعت کو بالعموم ایک بھاری صدمہ پہنچا۔ یعنی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ۲۱ اپریل کو وفات پا گئے۔ اس وقت وہ بمبئی میں اپنے چھوٹے صاحبزادے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے پاس مقیم تھے۔ ۲۲ اپریل کو ان کی میت بذریعہ ریل لاہور پہنچی اور اسی دن تدفین ہوئی۔ اس سے چند ماہ پہلے یعنی جنوری ۱۹۴۳ء میں

۱؎ یعنی مولانا محمد علی مرحوم مدیر کامریڈ۔

۲؎ بعد کی خبر ہے کہ ٹیچنگز آف اسلام۔ مینوئل آف حدیث۔ ریلجن آف اسلام۔ محمد دی پرافٹ۔ ارلی خلافت، اور لونگ تھاٹس کا بھی چینی میں ترجمہ ہوا ہے۔ (منقول از سالانہ رپورٹ انجمن سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی معرکتہ الآراء تصنیف مجدّدِ اعظم کا تیسرا حصّہ مکمّل کیا تھا۔ اس کے بعد آپ بیمار رہنے لگ گئے تھے اور بمبئی تشریف لے گئے تھے۔

ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اکتوبر ۱۸۷۶ء میں دھرم سالہ میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ میں آپ نے ابتدائی تعلیم پائی اور اس کے بعد لاہور میں میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں بابو صفدر جنگ صاحب انسپکٹر پولیس کی صاحبزادی حلیمہ بیگم سے شادی ہوئی۔ ڈاکٹری پاس کر کے سب سے پہلے بسلسلۂ ملازمت افریقہ گئے اور ڈیڑھ سال کے قریب وہاں رہے۔ اس کے بعد پنجاب کے مختلف مقامات پر متعین رہے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے بیعت کی۔ اور قادیان کے ساتھ وہی تعلق پیدا ہو گیا۔ جو بعض اور اکابر کی زندگیوں میں نظر آتا ہے کہ ہر ممکن موقع پر وہاں کھچے چلے جاتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں آپ کی بڑی صاحبزادی کی شادی مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ ہوئی اور علاوہ آپ کی ان خصوصیات کے جن کا ذکر آگے آئیگا۔ یہ ایک جسمانی رشتہ بھی آپ کا مولانا محمدؐ علی صاحب کے ساتھ قائم ہو گیا اور یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء میں لدھیانہ سے ڈاکٹر صاحب اپنی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ اس وقت آپ کو ایک ریاست سے ایک نہایت معقول پیش کش ملازمت کی آئی۔ آپ نے مولانا محمدؐ علی صاحب کو اس کے متعلق لکھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے ان کو ایک شعر لکھ بھیجا۔ ؎

عمر بگذشت و نماند ست جز ایامے چند
بہ کہ در یادِ کسے صبح کنی شامے چند [1]

ڈاکٹر صاحب پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد آپ نے لاہور میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ اور پھر خدمتِ قرآن اور جماعت کی تقویت کے لئے جو کارہائے نمایاں انہوں نے کئے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کی بے نظیر شخصیت اور قرآن کے ساتھ اُن کی محبّت کی ایک جھلک مولانا محمدؐ علی صاحب کے اس خطبۂ جمعہ میں اور اس مضمون میں نظر آتی ہے جو آپ کی وفات کے بعد پیغامِ صلح میں نکلے۔ جمعہ کے روز ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تدفین ہوئی اور اس روز کے خطبۂ جمعہ میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے فرمایا کہ میرے دل کی جو حالت ہے وہ اس قابل تو نہیں کہ میں خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی سے جو سبق ہمیں ملتے ہیں وہ جماعت کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں فرمایا:۔

"ڈاکٹر بشارت احمد صاحب معمولی انسانوں میں سے نہ تھے۔ بلکہ اولیاء اللہ میں سے تھے جن کی زندگی لوگوں کے لئے ایک نمونہ تھی ...... حضرت مرزا غلام احمد صاحب تو خدا کے مامور تھے۔ آپ کو قرآن سے

---

[1] ۔ اس شعر کو ڈاکٹر صاحب نے چوکھٹے میں لگوا کر اپنے کمرے میں آویزاں کر لیا تھا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی یادگار کے طور پر یہ مولانا محمدؐ علی صاحب نے یہ چوکھٹا کر اپنے دفتر میں لگا دیا۔

جو عشق تھا اس کو کون پہنچ سکتا ہے۔ پھر آپ کے بعد حضرت مولانا نور الدین صاحب کو قرآن سے کمال عشق تھا۔ اور ان کے بعد عشقِ قرآن کا کمال ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم نے دکھایا۔ کرتے تھے ڈاکٹری اور سرکاری ملازمت لیکن جہاں کہیں گئے درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا۔ اور اس درس میں کیا کشش تھی کہ احمدی تو کیا۔ غیر احمدی بھی ایک دفعہ ان کا درس سن لیتے تو پھر بار بار جاتے۔ ...... ابھی سٹیشن پر ایک نوجوان دوست نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر صاحب عاشق قرآن تھے اور ہم نوجوان ان کے درسِ قرآن کے عاشق تھے .....

۱۹۳۶ء میں ڈاکٹر صاحب کی حالت بیماری سے نازک ہوگئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت دی کیونکہ اس نے ان سے ایک کام لینا تھا جس کا اہل دونوں جماعتوں میں اور کوئی نہ تھا۔ اس بیماری کے بعد انہوں نے "مجددِ اعظم" لکھی اور اس تصنیف کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دو جلدیں چھپ چکی تھیں اور تیسری جلد کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ غرضیکہ اس کام کی تکمیل ہوگئی تو خدا نے انہیں اپنی طرف بلا لیا .....

ساری زندگی ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ کاموں میں صرف ہوئی۔ خدمتِ خلق کے دو دریا ان کے اندر جاری تھے۔ ایک لوگوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج دوسرے روحانی بیماریوں کا علاج .... وہ یتیموں اور غریبوں کی مدد کرتے تھے اور ان کو اچھی جگہ پر پہنچاتے تھے ..... اولاد بھی انہوں نے بہت نیک چھوڑی۔ اُن کی وفات سے ہماری جماعت کا ایک ستون گر گیا ہے۔ لیکن اپنے دو بیٹوں کی شکل میں دو ستون قائم کر گیا ہے۔"

اس خطبہ کو آپ نے ان الفاظ پر ختم کیا:

"آؤ ہم بھی اپنی پوری طاقت اور قوت کو اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لئے خرچ کر دیں۔ بہت تھوڑے دن ہماری زندگی کے باقی ہیں۔ میں تو دو سال ڈاکٹر صاحب سے بڑا ہوں۔ جو دن گذرتا ہے اس کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ آؤ اپنی زندگی کو خدا کے رستے میں لگا دو۔ تم خدا کے نام کو زندہ کرو۔ خدا تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا۔"

اس کے بعد مولانا محمد علی صاحب نے جو مضمون "دوگونہ قابلِ رشک زندگی" سے پیغام صلح مورخہ ۲۴ ۱۹۴۳ء اس کے بعض حصے درج ذیل ہیں:

"حدیث میں آتا ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابلِ رشک ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور پھر اس مال کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کرے۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابلِ رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی۔ یعنی وہ اپنے

مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بڑے مالدار انسان نہ تھے۔ چاہتے تو مالدار بھی ہو سکتے تھے۔ مگر اس لیے نفس انسان کے دل میں کبھی مال جمع کرنے کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔ تصل الرحم و تحمل الکل کی صفات نبوی کا پرتو ان پر تھا۔ ابتدائے زندگی سے قریبیوں کا ایک اچھا خاصہ کنبہ جسے حوادث زمانہ نے اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا آپ کے عیال میں اس طرح شامل تھا جس طرح اپنے بچے۔

..... جب سے ڈاکٹر صاحب سلسلۂ احمدیہ میں شامل ہوئے اپنے مال کا مقررہ حصہ خدا کی راہ میں اس طرح خرچ کیا گویا وہ ان کا مال ہی نہ تھا۔ چندے کو ایک امانت سمجھ کر اپنے مال سے الگ کرتے تھے اور ہر تحریک میں سابقون میں سے ہوتے تھے۔ متوکل انتہا درجہ کے تھے۔ عشق اور فہم قرآن کے علاوہ مولوی نورالدین صاحب کی بہت سی صفات ڈاکٹر صاحب میں تھیں۔ انہیں میں سے یہ توکل تھا۔ پنشن لینے کو ان کا دل نہ چاہتا تھا کہ پنشن کی نصف رقم اکٹھی لیں۔ کہتے تھے میں اسے کیا کروں گا۔ میں نے مشورہ دیا کہ آپ ڈلہوزی میں اپنی رہائش کے لئے کوٹھی بنوالیں تاکہ گرمیاں آرام سے بسر کر سکیں اور خدا کے دین کی خدمت میں زندگی بسر کریں۔ انہوں نے کوٹھی بنانے کی بات کو کسی قدر اکراہ کے ساتھ مانا۔ یہ کوٹھی "پرویز" میں نے خود بڑی محنت سے اُن کے لئے تیار کرائی۔ سب کام میں ہی کراتا تھا۔ پھر اس مقام سے لگاتار دس سال میں نے ذکر الٰہی کی آوازیں سنیں ..... اصل میں میری خود غرضی تھی کہ میں چاہتا تھا کہ میرے پاس رہیں۔ اور میں ان کے پاس رہوں۔ کی نسبحک کثیراً و نذکرک کثیراً .....

..... اپنے ترکہ کا ایک تہائی حصہ انہوں نے انجمن کے لئے چھوڑا۔ ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی اجازت شریعت نہ دیتی تھی۔ جس نے ایک تہائی دیا۔ اُسنے سب کچھ ہی دے دیا ..... آپ کی زندگی اول سے آخر تک مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی روشن مثال نظر آتی ہے۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ دنیا کے دوزخ کے ھل من مزید کے نعرے فضائے آسمانی میں گونج رہے ہیں اور ابن آدم کا چھوٹا سا پیٹ جو ایک دن چار مٹھی مٹی سے بھر جائے گا۔ سونے اور چاندی کے انباروں سے نہیں بھرتا۔ اور ہر شخص کے دل و دماغ کو مال دنیا کی ہوس بھسم کئے جارہی ہے۔ اس قسم کا انسان جس کے قلب کے کسی گوشہ کو مال کی محبت چھو بھی نہ گئی ہو۔ یقیناً اولیاء اللہ میں سے ہے۔ بات یہ ہے کہ مال کی محبت اور خدا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں۔ جب تک کہ مال کی محبت کی نجاست سے انسان کا دل صاف نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی تطہیر بھی نہیں ہوتی۔

جب ایک خوبی کسی انسان میں کمال کو پہنچتی ہے تو پھر روشنی کی شعاع کی طرح پھوٹ کر

دوسرے دلوں پہ اثر انداز ہوتی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ جس قدر آپ سے زیادہ قریب تھے اسی قدر مال دنیا کی محبت بھی ان میں کم تھی۔ سب سے زیادہ قریب انسان سے اس کی اولاد ہوتی ہے۔ اور گو انسان اس مقام پر بہت عاجز ہے اور باوجود اپنی شدید ترین تڑپ کے اپنی اولاد کے اندر وہ خوبی پیدا نہیں کر سکتا جو اس کے اپنے اندر ہو۔ لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ساری اولاد میں کم و بیش اس خوبی کو دیکھا ہے۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ دونوں کو خدا نے بلند مقام دیا ہے۔ اور اپنے مال سے بھی اچھا حصّہ دیا ہے۔ لیکن دونوں خدمتِ دین کا جو جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور اس کے لئے جو کچھ قربانیاں کرتے ہیں وہ اس مقام پر پہنچ کر بہت کم لوگوں کو میسّر آتی ہیں۔ ان دونوں کے دلوں میں مالِ دنیا کی محبت سرد ہے۔۔۔۔ ان کی صاحبزادیوں میں بھی میں نے علیٰ حفظِ مراتب یہی خوبی دیکھی ہے کہ ان کی سب سے بڑی لڑکی میری رفیقۂ حیات ہے۔ میری زندگی میں بعض بڑی بڑی مشکلات کے زمانے آئے ہیں۔ اور ان میں ایک وہ زمانہ بھی تھا جب ساڑھے پانچ سال کے لمبے عرصے تک میرے مایحتاج کا کوئی انتظام نہ تھا۔ مگر ان ایام میں کیا اور اس کے بعد فراخی اور پھر تنگی کے زمانے میں کیا مجھ سے کبھی کوئی ایسا مطالبہ نہیں ہُوا جو میرے دل پر بوجھ ہوتا۔ حتیٰ کہ فراخی کے زمانے میں تو مختلف تحریکات پر یکے بعد دیگرے اپنا سارا زیور دے دیا۔ بغیر اس کے کہ اس کی جگہ نیا بنوایا جائے۔

ایک اور کمال ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اندر تھا جسے ہمارے سیّد ومولیٰ نے دوسری قابلِ رشک چیز بتایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاک کلام کا اعلیٰ درجہ کا علم و فہم دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ توفیق دی کہ اس علم کو آپ نے دوسروں تک پہنچایا۔ اور پھر اس خوبی سے پہنچایا کہ جو قرآن کا عشق اپنے دل میں تھا۔ اس کو اُن لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیا۔ جنہوں نے آپ کا درس قرآن سُنا یا آپ کی تفسیر قرآن پڑھی۔ آپ کے قرآن کے فہم میں جو خوبی میں نے دیکھی وہ ایک رُوحانیت کا تموّج تھا۔ جس سے اُن کی باتیں حق الیقین کی طرح دل میں گڑھ جاتی تھیں۔۔۔۔ طرزِ بیان بھی اعلیٰ درجہ کا مؤثر تھا۔ تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی۔ اور اس یقین سے جس سے اُن کا اپنا دل لبریز تھا کہ قرآنِ حکیم کی ہر ایک بات ایک روشن صداقت ہے، دوسروں کے دلوں کو بھی بھر دیتے تھے۔

مجھے ان کا درس قرآن سُننے کا بہت کم اتفاق ہُوا۔ وہ بھی دو چار دفعہ چھپ کے۔ اس لئے کہ اپنے حسنِ ظن کی بناء پر وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جس مجلس میں مَیں ہوں وہاں قرآنِ کریم مجھے ہی سُنانا چاہیئے۔ اور یہ دو چار موقعے سالانہ جلسوں کے موقع تھے۔ عموماً میں نمازِ فجر پڑھ کر مسجد سے چلا آتا تب ڈاکٹر صاحب اپنا درس شروع کرتے۔ لیکن دو چار دفعہ میں عمداً آخری صف میں رہا تاکہ انہیں علم نہ ہو کہ میں موجود

ہوں۔ ان میں سے آخری موقعہ اس جلسۂ سالانہ کا تھا جس کے آخری دن ڈاکٹر صاحب مرحوم نے السم ترکیب اور لایلاف قریش ان دونوں صورتوں کو ملا کر درس دیا جس نے سارے مجمع پر ایک وجدان کی کیفیت طاری کر دی۔ اور کلام الٰہی پر میرے اپنے ایمان میں اس قدر ازدیاد ہُوا کہ اس کا اثر مدتوں میرے دل پر رہے گا۔ چنانچہ اسی دن میں نے اپنی آخری تقریر میں کہا کہ میرا دل اُس وقت چاہتا تھا کہ کاش "بیان القرآن" کے لکھنے والے حضرت ڈاکٹر صاحب ہوتے۔

خدا اور اس کے رسول اور اس کے کلام کی محبت کے ساتھ ایک اور عشق بھی ڈاکٹر صاحب کے دل میں تھا اور وہ اس شخص کے ساتھ عشق تھا جس نے کلامِ الٰہی کا عشق ان کے دل میں پیدا کیا۔ یعنی امامِ زماں سے عشق۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر اور ساٹھ سال کی عُمر کو پہنچ کر وہ کام اُنہوں نے کیا جو نہ صرف دنیا میں ہمیشہ اُن کے نام کو زندہ رکھے گا بلکہ اس بات کا بھی گواہ رہے گا کہ عشق انسان کے دل میں کس قدر قوت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کام تھا "مجددِ اعظم" کی تصنیف۔ ۳۶ء میں جب آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی اور بیماری سے صاحبِ فراش تھے۔ رفیقۂ حیات کے داغِ مفارقت دینے کی وجہ سے دو بچیوں کا بوجھ سر پر تھا مگر آپ نے اپنی اس دل کی تڑپ کے باعث جس کا ذکر آپ نے مجددِ اعظم کے دیباچے میں کیا ہے۔ دو ہزار صفحات کی ایک عظیم الشان کتاب کی تیاری کا بیڑہ اٹھایا جس کے لئے بیس پچیس ہزار صفحات کی ورق گردانی کی ضرورت تھی۔ یہ امامِ زمان کا عشق تھا.....

.... یہ کتاب لکھ کر آپ نے حضرت مسیح موعود کے تمام سیرت نویسوں کے قلموں کو توڑ دیا ہے۔ اس کام کا اہل ایک ہی آدمی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلی بڑی بیماری کے بعد اس کو دوبارہ زندگی گویا مجددِ اعظم لکھنے کے لئے دی۔ ادھر اُس کی تیسری جلد ختم ہوئی ادھر اس کے لکھنے والے کو اللہ نے اپنے پاس بُلا لیا...

مال کی محبت دل کو تنگ کرتی ہے اور محبتِ الٰہی اس کو فراخ کرتی ہے اور اس کے لئے اخلاق کو بلند کرتی ہے۔ محبتِ الٰہی ایک نور ہے جو قلب سے پھُوٹ کر انسان کے چہرہ پر بھی آ جاتا ہے، وہ دوسروں سے ملتے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نور چہرہ پر دوڑ گیا ہے۔ پھر انسان کے اخلاق کا امتحان اس کے گھر کے اندر ہوتا ہے۔ ان کی اولاد کے دلوں میں ان کی وہ محبت تھی جو ایک موحد انسان کے دل میں دوسرے کے لئے پرستش کی حد سے ادھر ہوتی ہے۔ وہ ان کے تقرب باللہ اور استجابت دعا کے قائل تھے۔ کسی ذرا بھی مشکل پیش آئی تو آپ کی طرف دُعا کے لئے دوڑا۔ ولایت وہ ہے جسے بیوی بچے تسلیم کریں۔ باہر بیٹھ کر بہت سے ولی بن سکتے ہیں گھر کے اندر ولی بننا مشکل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم

گھر کے اندر بھی ولی تھے اور باہر بھی ۔ ...... میرے لئے ہمیشہ وہ بمنزلہ ایک ایسے دوست کے تھے کہ دل پر کوئی غم ہوتا تو وہ ان سے مل کر ہی ہلکا ہو جاتا ۔ گو میں اسے بیان کروں یا نہ کروں اور میری اکثر عادت یہی تھی کہ بیان نہ کرتا ۔ مگر غموں کو فی الحقیقت دور کرنے والا ہمیشہ باقی ہے ۔ وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۔"

خدمت قرآن کے تین راستے

۱۹۴۳ء ، ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۵ء وہ تین سال ہیں جن میں خدمت قرآن کی تین عظیم الشان تحریکات کی بنیاد مولانا محمد علی صاحب نے ڈالی ۔ اور اپنی زندگی کے بقیہ چھ سات سالوں میں ان بنیادوں پر کچھ کام کی ابتدا کی ۔ اور جماعت کے لئے ایک ایسا راستہ دکھا گئے جس پر عمل کر کے ہی وہ حضرت مسیح موعود کی جانشینی کے منصب کو نبھا سکتی تھی ۔ اور آپ کے تفویض کردہ کاموں کو سرانجام دے سکتی تھی ۔ اس کے بعد ایک اور بڑی تحریک تقسیم لٹریچر کی تھی جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں کی اور اس کے لئے خود روپیہ فراہم کر کے اپنی زندگی میں ہی ایک بڑی حد تک اس کام کو بھی کر گئے ۔ اپنی زندگی کے ان آخری چند سالوں میں آپ کی تمام تر کوشش اس بات کے لئے تھی کہ خدمت قرآن کی کوئی مستقل بنیاد قائم ہو جائے اور اسی سلسلہ میں آپ کی سب سے پہلی تجویز "اشاعت قرآن ٹرسٹ" کے لئے تھی جو بعد میں "تراجم قرآن فنڈ" کی صورت میں کی گئی ۔

اشاعت قرآن ٹرسٹ کی تجویز

ستمبر ۴۳ء میں رمضان کے آخری عشرہ سے پہلے آپ نے اخبار پیغام صلح کے ذریعے سے جماعت سے ایک دعا کی التجا ان الفاظ میں کی :-

"۱۴ یا ۱۵ ماہ شعبان کی بات تھی کہ ..... میرے معمولی طور پر اٹھنے سے کوئی آدھ گھنٹہ پیشتر مجھ پر ایک نیم خوابیدگی کی حالت وارد ہو گئی ۔ اور اس حالت میں میری زبان پر یہ فقرہ تھا اور بار بار میں یہی کہتا چلا جاتا تھا رَبِّ قَرِّبْنِیْ اِلَیْکَ قَرِّبْ نَصْرَکَ اِلَیَّ اے میرے رب تو مجھے اپنے قریب کر لے اور اپنی نصرت کو مجھ سے قریب کر دے ۔ یہانتک کہ میرے اٹھنے کا وقت ہو گیا ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا وقت قریب آ گیا ہے خواہ وہ میری زندگی میں ہو یا میرے بعد جماعت کو ملے ۔ اور ایک خاص دعا کے لئے میں آپ سے التجا کرنا چاہتا ہوں ۔

سب سے بڑی تڑپ جو حضرت مسیح موعود کے دل میں تھی وہ یہ تھی کہ قرآن کریم کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کر کے غیر مسلموں تک پہنچایا جائے ۔ اور ہماری جماعت کا سب سے بڑا نصب العین یہی رہا ہے اور خدا نے جو توفیق اس چھوٹی سی جماعت کو دی وہ کسی اسلامی حکومت یا کسی جماعت کو نہیں ملی ۔ مگر اس کام کے لئے ابھی تک ہم نے مستقل بنیاد کوئی نہیں رکھی ۔ اب ۱۳ ، ۱۴ رمضان کو ایک دور کے مقام سے ایک ایسی تحریک اٹھی ہے جس سے اس کام کے مستقل ہو جانے کی قوی امید ہے ۔ اور وہ تحریک

یہ ہے کہ اشاعت قرآن کے لئے ایک ٹرسٹ بنایا جائے۔ جس کا ایک لاکھ سرمایہ ہو اور اس سے قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کر کے انھیں غیر مسلموں تک پہنچایا جائے۔ اور خدا کے فضل سے اس تحریک میں کامیابی کے فوری آثار پیدا ہو گئے ہیں اور شاید ایک لاکھ کی بجائے دسمبر تک اس کا سرمایہ دو لاکھ روپیہ ہو جائے۔ سو میں نے سوچا کہ رمضان مبارک میں، جس کا نزولِ قرآن سے خاص تعلق ہے، ہم اس کام کی بنیاد رکھ دیں.... جہاں ایک طرف اس بنیاد کے لئے میں کچھ عملی کاروائی کر رہا ہوں دوسری طرف یہ بھی چاہتا ہوں کہ جماعت کے دوست اس آخری عشرہ کی تہیہ میں، جس میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لئے دعاؤں پر خاص زور دیں۔ ہمارا کام تو قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے اور اس کا پہنچانا صرف یوں ہی ہو سکتا ہے کہ دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہو کر اسے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ دلوں کو فتح کرنا اس کا اپنا کام ہے اور یہ ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا وعدہ ہے۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ نہ وہ ناکام ہوا جس پر قرآن اترا اور نہ وہ ناکام ہوں گے جو قرآن کو دنیا میں پہنچائیں گے۔"

(پیغام صلح ۲۲ ستمبر ۱۹۴۳ء)

اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلور جوبلی کے موقع پر بھی مولانا محمد علی صاحب نے کوشش کی تھی کہ اشاعتِ قرآن کے کام کی ایک ایسی بنیاد قائم ہو جائے جس کے بعد یہ کام ایک مستقل سرمایہ کی مدد سے خود بخود ہوتا رہے اور اس موقع پر بھی جماعت سے آپ نے چالیس دن کے لئے دعاؤں کی درخواست کی تھی۔ کیونکہ یہ کام خدا کا تھا اور اسی کے آگے گرنے سے اس کام کی مستقل بنیاد اور ترقی کے سامان مل سکتے تھے لیکن اس وقت بھی انجمن کی جنرل کونسل کو یہی منظور ہوا کہ جوبلی فنڈ کا روپیہ اشاعتِ قرآن پر صرف نہ ہو۔ بلکہ استحکامِ جماعت پر ہو۔ جماعت کا استحکام تو کوئی خاص نہ ہوا۔ ایک موقعہ کھو دیا گیا۔ اب پھر آپ نے دعا کی التجا کے ساتھ قوم کے سامنے اس تجویز کو رکھا اور دعا پر اس لئے زور دیا کہ شاید خدا کے آگے گرنے سے سب کے دلوں میں وہی درد اور تڑپ اشاعتِ قرآن کے لئے پیدا ہو جائے جو خود آپ کے دل میں تھی۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں بھی اس تجویز کو اس طرح واضح کیا:۔

"اشاعت قرآن ٹرسٹ کی تحریک بہت دُور سے ہوئی ہے۔ مگر یہ کام اسی جماعت کا ہے اور انشاء اللہ یہی جماعت اسے کرے گی۔ اشاعتِ قرآن ٹرسٹ کا کیا مطلب ہے؟ کچھ روپیہ اشاعت اسلام کے لئے انجمن وقف کر دے اور کچھ ہم اپنے دوستوں سے کہیں کہ وہ انفرادی طور پر اس کے لئے وقف کر دیں ---- اس لاکھ یا دو لاکھ روپیہ کو تجارت میں لگا کر اس کی آمدنی سے قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے جائیں۔

میں نے سب سے پہلے دن ڈلہوزی میں خطبۂ جمعہ میں اس بات کا ذکر کیا تو بعد نماز سب سے پہلے شیخ میاں محمد صاحب نے لبیک کہا اور فرمایا کہ دس ہزار روپیہ وہ دیں گے۔ دل میں آجانے کی بات ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ قرآن کے نام پر ہماری جماعت اپنے مالوں کو قربان کر دے گی اور ہر ایک دل میں یہ تڑپ پیدا ہوگی کہ اس کے بعد یہ صدقہ جاریہ اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے۔ قرآن مجید کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کرکے لوگوں کو پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ خواہ مفت ہو یا کم قیمت پر یا پوری قیمت پر۔ ہندوستان کی زبانیں ہوں یا یورپ کی۔

اس وقت کوئی جماعت نہیں جس کا مقصد یہ ہو۔ ذرا غور کیجئے۔ دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی ریاست آپ کو ایسی نظر نہیں آتی جس کا یہ مقصد ہو جو اس جماعت کا ہے اور پھر جسے اتنی کامیابی بھی حاصل ہوئی ہو جتنی کہ آپ کو حاصل ہوئی۔ اس بات کو اپنے دل اور دماغ میں جگہ دیجئے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نیکی کا کام نہیں۔ اس کو قوت دینے کی کوشش کیجئے۔ بہت جلد یہ تحریک شروع ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ پر میں یہ اعلان کرنے کے قابل ہو جاؤں کہ اس ٹرسٹ کا کام اتنے سرمایہ سے شروع ہو گیا ہے۔ پھر جس قدر لوگ اس میں شامل ہوتے جائیں گے وہ اس کو قوت دیتے جائیں گے۔"

۳۱ر اکتوبر کو جنرل کونسل منعقد کرکے اس میں آپ نے یہ تجویز پیش کی۔ لیکن یہ کونسل اس پر فیصلہ نہ کر سکی۔ پھر جلسہ سالانہ کے موقع پر جنرل کونسل نے فیصلہ کیا کہ انجمن ایک تراجم قرآن فنڈ کھولے۔ جس سے قرآنِ کریم کے تراجم کئے جائیں۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ علیحدہ ٹرسٹ کی صورت میں روپے کو محفوظ رکھنے کی تجویز زیادہ صحیح تھی۔ کیونکہ تراجم قرآن فنڈ کا روپیہ انجمن نے مالی تنگی کے وقتوں میں اور صیغوں میں بھی منتقل کیا۔ اور اگرچہ اس کام کی ابتدا نہایت صحیح طریق پر ہوئی اور چار زبانوں میں تراجم کا کام شروع بھی ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ گذر جانے پر انجمن کا قدم ڈھیلا پڑ گیا۔ اور مولانا محمد علی صاحب کی وفات کے بعد تو اس کام کی طرف دن رات توجہ دلانے والا کوئی نہ رہا اور جو کام ان کی زندگی میں شروع ہوئے تکمیل تک نہ پہنچے۔ بہرحال اس وقت جنرل کونسل کے فیصلے پر ہی عمل ہوا

پہلی تحریک۔ تراجم قرآن فنڈ چنانچہ دسمبر ۴۳ء کے جلسہ سالانہ پر مولانا محمد علی صاحب نے اس فنڈ کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے لئے اپیل کی۔ اس سے پہلے آپ نے ایک نہایت مؤثر اور جامع تقریر فرمائی۔ اور سورہ الرعد کی آیات وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ.....الخ کی تلاوت کرکے بتایا کہ اس قرآن کے اندر خود بخود ایک بہت بڑی قوت ہے

جو اس کے راستے میں سے سب روکوں کو اڑا دیتی ہے۔ اور اس آیت قرآنی کے ماتحت قرآن کے منکروں پر ان کے گھر کے اوپر مصائب نازل ہوتی رہیں گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ پھر قطعت بہ الارض کے متعلق بتایا کہ یہ قرآن زمین کی مسافتوں کو طے کر کے اس کے کناروں تک پہنچے گا۔ اور جس طرح یہ پہلے زمانے میں ہوا وہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور تیسری بات کلم بہ الموتیٰ روحانی مردوں کو زندہ کرنا بھی قرآن نے پہلے کر دکھایا اور آئندہ بھی دکھائے گا۔

پھر ساتھ ہی خدا فرماتا ہے افلم یایئس الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعًا کہیں مسلمان مایوس تو نہیں ہو گئے کہ اگر خدا چاہے تو ساری دنیا کو ہدایت دیدے۔ مگر یہ بھی اسی طرح ہو گا جس طرح پر پہلے ہوا کہ انکار کرنے والوں پر مصائب آتی رہیں گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ آپ نے اسلام کی دو تکذیبوں کا ذکر کیا۔ ایک جو اس کی پیدائش کے وقت ہوئی اور ایک جو یاجوج ماجوج کی اقوام نے کی۔ ان اقوام نے پہلے تو صلیبی جنگوں کے ذریعے اسلام کو تلوار سے مٹانے کی کوشش کی۔ مگر اس کی ناکامی کے بعد باریک ذرائع سے یہ کوشش ہوئی۔ اور اس یاجوج ماجوج کے غلبے کے بعد اسلام کے غلبہ کا وعدہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے تراجم قرآن فنڈ کی بنیاد رکھنے کی اپیل کی۔ اور اور اس اپیل پر تقریبًا ایک لاکھ روپے نقد اور وعدوں کی صورت میں جمع ہوئے۔

اس جلسۂ سالانہ ۱۹۴۳ء کے افتتاح کے موقعہ پر خطبۂ جمعہ ۲۴ دسمبر میں آپ نے جماعت کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ہمارا ہر فرد ایک روحانی سپاہی ہے۔ فرمایا:-

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ کون ہیں اور ہمارے سامنے مقاصد کیا ہیں۔ آج سے ۴۳ سال پیشتر میں دنیا کی کچھ امیدیں لئے ہوئے کچھ اپنی وکالت کا بندوبست کر کے اور کچھ آئندہ کے متعلق تیاری کر کے قادیان پہنچا۔ میرے دو تین مہینے رہنے کے بعد جب شہر گورداسپور میں مَیں نے ایک کوٹھی کرایہ پر لی ہوئی تھی اور وکالت کا سامان جمع کیا ہوا تھا۔ حضرت صاحب نے ایک دن فرمایا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ انگریزی میں ایک رسالہ عیسائیت اور دوسرے مذاہب پر اتمام حجت کے لئے نکالیں۔ آپ اس کام کو کریں۔ کالج کی تعلیم کے زمانے میں بھی میں نے انگریزی لکھنے بولنے کی مشق نہ کی تھی۔ اگر میں اپنی قابلیت کو دیکھ کر جواب عرض کرتا تو اپنی معذوری کا اظہار کرتا اور یہ عرض کرتا کہ حضور میں اس کام کے قابل نہیں ہوں۔ مگر اس ارشاد پر میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اس

رسالے کے مقاصد حضرت مسیح موعود نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر پہلے رسالے میں چھاپے اور ان میں یہ تحریر فرمایا کہ اس زمانے میں ایک عظیم الشان روحانی جنگ ہو رہی ہے۔ جب دنیا اپنی ترقی کے کمال پہ پہنچ جائے تو دینی ترقی کا بھی وہی وقت ہوتا ہے۔ میں نے یہ آپ کو اسی لئے سنایا کہ ہماری جماعت کو اس لئے بنایا گیا کہ ہم شیطانی قوتوں کے مقابلے میں روحانی جنگ کریں۔ آپ سب لوگ اس مقصد کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ کے سامنے اس شخص نے جس کا وعدہ تیرہ سو سال سے چلا آتا ہے ایک غرض رکھی ہے۔ بلکہ آپ کو اس جنگ میں مصروف کر دیا ہے۔"

تراجم قرآن فنڈ کے لئے ۱۹۴۴ء میں مولانا محمد علی صاحب بار بار اپیلیں کرتے رہے خطبات جمعہ کے علاوہ احباب جماعت کو فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر اخبار کے ذریعے خطوط بھی لکھتے رہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا "میرا اب آخری زمانہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کب تک مجھے مہلت دی جاتی ہے لیکن یہ کام آپ کا ہے اور آپ نے اسے کرنا ہے۔" ایک خطبہ میں فرمایا:

"حضرت مسیح موعود کے زمانے میں ان لوگوں کو جو وہاں رہتے تھے ایک عجیب بات یہ معلوم ہوتی تھی کہ حضرت صاحب کے پاس روزانہ لوگ ملنے آتے تھے اور حضرت صاحب وفات مسیح کے مسئلہ کو دہراتے رہتے تھے۔ جس کو سن کر وہاں کے رہنے والے تعجب کرتے تھے کہ بار بار ایک ہی مسئلہ پر زور دیا جاتا ہے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ اس ایک انسان کے اس مسئلہ پر اتنا زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج لوگ اسے عام طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔ یا جنہوں نے اسے دلوں کے اندر رکھا ہوا ہے ان میں اتنی جرأت نہیں کہ اسے کھلے طور پر زیر بحث لائیں۔

بعض باتوں کو دہرانا درحقیقت ان کی اہمیت کے لئے ہوتا ہے اور ایک خیال کو دنیا میں پختہ کر دینے کے لئے۔ وہ تو آپ کے دعوے کی بنیاد تھی۔ لیکن عملی رنگ میں جس چیز کی طرف حضرت صاحب نے توجہ دلائی وہ قرآن کریم کو مقدم کرنے اور اس کی دنیا میں اشاعت تھی۔ یہی اصلی چیز تھی اور اس کا بڑا درد آپ کے دل میں تھا کہ قرآن کی اشاعت کا فکر لوگوں کو نہیں رہا۔

میرا بھی دل چاہتا ہے کہ قرآن کریم کو مقدم کرنے اور اس کی اشاعت کے سوال کو بار بار دہرایا جائے یہاں تک کہ وہی کیفیت پیدا ہو جائے جو وفات مسیح کے مسئلہ میں ہوئی ہے اور مسلمانوں کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جائے کہ قرآن مجید کو پھیلائے بغیر اور اس کو مقدم کئے بغیر ہماری نجات نہیں۔" (پیغام صلح ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء)

خطبہ جمعہ ۱۹؍ اپریل ۱۹۴۴ء میں فرمایا:-

"اشاعت قرآن ایک ایسا عظیم الشان کام ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان کا بہت بلند جذبہ ہو اور کوئی قوم اس کو نہیں کر سکتی۔۔۔ حضرت مرزا صاحب کے دل میں قرآن کا کس قدر عشق تھا۔ ہم لوگ مرزا صاحب کی تحریروں کو پڑھتے ہیں تو اس بات کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہوتی ہے کہ وہ درد جو اس کام کے لئے آپ کے دل میں تھا ہمارے دلوں میں بھی پیدا ہو۔

حضرت صاحب نے کئی نظموں میں اپنے عشق قرآن کا ذکر کیا ہے۔ ایک مختصر سی فارسی نظم میں بالخصوص آپ نے اپنے اس درد کا اظہار کیا ہے جو اشاعتِ قرآن کے متعلق آپ کے دل میں تھا۔ اس طرح شروع کرتے ہیں ؎

دردا کہ حسن صورت فرقاں عیاں نماند
آں خود عیاں مگر اثر عارفاں نماند

اس نظم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر درد آپ کے دل میں تھا کہ کسی طرح قرآن مجید دنیا پہنچے ؎

بینم کہ ہر یکے بہ غمِ نفس مبتلا ست
کس را غمِ اشاعتِ فرقاں بجاں نماند

ہر شخص اپنے نفس کے غم میں مبتلا ہے اور کسی کی جان میں یہ غم نہیں رہا کہ قرآن کی اشاعت کی جائے۔ غمِ نفس میں سب باتیں آجاتی ہیں جن کا تعلق ہمارے دنیوی فائدہ سے ہے ؎

جانم کباب شد زغمِ ایں کتاب پاک
چنداں بسوختم کہ خود امیدِ جاں نماند
اے سیّد الوریٰ مددے وقت نصرت است
در بوستاں سرائے تو کس باغباں نماند

رسول کریم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آپ بھی مدد مانگیں۔ آپ کے اس باغیچے کے اندر کوئی باغبان نہیں رہا ؎

صد بار رقصہا کنم از خورمی اگر
بینم کہ حسنِ دلکشِ فرقاں نہاں نماند

یہ تڑپ تھی آپ کے دل میں کہ قرآن کا حسن دنیا پر ظاہر ہو جائے، اور اسی قصیدہ کا آخری شعر ہے ؎

اے بیخبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

خطبہ جمعہ ۱۲ مئی ۴۴ء میں حضرت مسیح موعود کے عشق قرآن کو دنیا میں پھیلانے کے ذکر میں فرمایا:۔

"قرآن مجید کی تعریف میں، اور ان لوگوں کے متعلق جو اسے لکھتے اور پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کلّآ انھا تذکرۃ ۔ فمن شاء ذکرہ ۔ فی صحف مکرمۃ۔ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ ۔ کرام بررۃ ۔ یعنی قرآن مجید تو بڑائی کا موجب ہے ۔ جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔ عزت والے صحیفوں میں۔ سفرہ کے ہاتھوں میں جو نیک ہیں معزز ہیں۔ "سفرہ" مسافر کی جمع ہے جو" سے مشتق ہے۔ اور سفر کے معنی دو ہیں۔ پھیلا دینا اور کھول دینا۔ اس میں دونوں مفہوم آتے ہیں۔ قرآن کے لکھنے والے اور اس کے پھیلانے والے۔ "سفرہ" کون ہیں؟ جو قرآن کو اس کے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پھیلاتے ہیں۔

قرآن مجید کے بڑے بڑے بلند پایہ کاتب تھے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کو اور ان کے ساتھ والوں کو کرام بررۃ بنا کر دکھایا کہ وہ قرآن مجید کے خدمت گذاروں کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بڑے بڑے اسلامی بادشاہ قرآن مجید لکھ کر اپنی روٹی پیدا کرتے تھے... آپ تعجب کریں گے کہ کیا یہ بھی جائز ہے کہ انسان قرآن لکھے اور اس سے روٹی کمائے بخاری کی ایک حدیث کے اندر نبی کریمؐ فرماتے ہیں احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ۔ سب سے بڑھ کر حق دار جس کے اوپر تم اُجرت لو وہ اللہ کی کتاب ہے ۔ کیا مطلب؟ کہ جب ہر ایک محنت کا اجر جائز ہے تو قرآن کی خدمت کرو ۔ قرآن پڑھاؤ اور قرآن لکھواؤ۔ اور اس کا اجر لو۔ اس کی اجرت تمہارے لئے جائز ہے ۔ بڑا پاکیزہ کام ہے اور بڑا پاکیزہ رزق ہے۔"

(پیغام صلح ۲۴ مئی ۴۴ء)

غرضیکہ اتنی شدت کے ساتھ اور اتنی تکرار کے ساتھ آپ اشاعت قرآن کو جماعت کے سامنے پیش کرتے رہے کہ ایک بزرگ نے جو ایک دفعہ پنجابی میں یہ فقرہ کہا کہ "ہمارے حضرت امیر نے تو قرآن پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں،" وہ ایک صحیح نقشہ آپ کے دل کی کیفیت کا تھا۔

دوسری تحریک۔ اشاعتِ قرآن یعنی تبلیغی مراکز کا قیام

خدمتِ قرآن کے لئے دوسری بڑی تحریک ۱۹۴۴ء کے جلسۂ سالانہ میں مولانا محمد علی صاحب نے پیش کی۔ وہ یہ کہ جنگ کے اختتام کے بعد مزید تبلیغی مراکز کھولے جائیں۔ انجمن کے کچھ بیرونی مشن قائم تھے۔ اگرچہ جنگ کی وجہ سے ان کا کام محدود ہو چکا تھا۔ کئی ایک ممالک میں انجمن کے مشنریوں کے قیام کی وجہ سے بڑی بڑی جماعتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ہم دس لاکھ روپیہ جمع کریں اور جنگ کے اختتام پر مشنوں کے سلسلہ کو زیادہ وسیع کریں۔ چنانچہ اس جلسہ سالانہ میں اس تحریک کی ابتدا کر کے روپیہ جمع کیا گیا۔

سفرِ بمبئی

عملی طور پر روپیہ جمع کرنے کے لئے آپ نے سب سے پہلے بمبئی اور دہلی کے سفر اختیار کئے تاکہ غیر از جماعت مسلمانوں کے سامنے یہ پروگرام رکھ کر ان سے امداد حاصل کی جائے۔

۲۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو آپ دو ہفتے کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔ چودھری فضل حق صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ بمبئی میں آپ نے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی، کلکٹر بمبئی، کے بنگلے واقع مالابار ہل میں قیام فرمایا اور اس قیام کے دوران میں آپ کا بیشتر وقت غیر از جماعت لوگوں سے ملنے اور چندہ کی فراہمی میں گذرا۔ سر رحمت اللہ چنائی اور دیگر بڑے بڑے مسلمان رؤساء، افسران اور تجار نے آپ کے اعزاز میں دعوتیں دیں اور ہر تقریب پر آپ نے تقاریر بھی کیں اور جماعتِ احمدیہ کے پروگرام کو ان لوگوں کے سامنے پیش کیا اور مالی امداد کی اپیلیں کیں۔ اس کے علاوہ آپ روزانہ فاروقی صاحب کے بنگلے پر درس قرآن دیتے تھے جس میں احمدی و غیر احمدی احباب کثرت سے شامل ہوتے تھے۔ قادیانیت کی غلط تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک طبقہ نے آپ کی آمد اور قیام کے دوران میں بہت مخالفت کا اظہار بھی کیا۔ اس کے متعلق بذریعہ اخبارات آپ لوگوں تک حقائق پہنچاتے رہے۔ چنانچہ بمبئی کے اردو اخبارات میں آپ کے متعدد مضامین شائع ہوئے۔ علاوہ دیگر تقریبات کے آپ کی تقاریر تاج محل ہوٹل اور ریڈیو کلب میں منعقدہ تقریبات میں بھی ہوئیں اور ایک تقریر آپ کی گورنمنٹ کالج بمبئی میں "مغرب سے طلوعِ اسلام" کے عنوان پر ہوئی۔

اس قیام بمبئی کے دوران میں مجموعی طور پر ۴۴ ہزار روپیہ چندہ اشاعتِ قرآن کے لئے جمع ہوا۔

تیسری تحریک۔ ادارۂ تعلیم القرآن

تیسرے سال یعنی ۱۹۴۵ء کے جلسۂ سالانہ پر اس سلسلہ کی تیسری بڑی تحریک آپ نے فرمائی۔ یعنی ایک ایسے ادارہ کا قیام جہاں قرآن پر ریسرچ کرنے والے ہوں اور جہاں جماعت کے نوجوانوں کے لئے قیام اور تعلیم قرآن کا انتظام ہو۔ تاکہ ایسے مبلغین پیدا ہو سکیں جو اس کام کو چلائیں۔ چنانچہ ۲۶ دسمبر ۴۵ء کو آپ نے ایک نہایت جامع اور پر اثر تقریر جلسہ سالانہ کے اجلاس

میں کی جس میں قرآن کی عظمت اور بزرگی اور اس کے علم کا قرآن کی آیات سے ہی گہرے ذکر کیا۔
حضرت مرزا صاحب کے عشق قرآن اور آپ کی دلی درد و تڑپ اور اپنی جماعت کے کاموں کو جو اس سلسلہ
میں اب تک ہو چکے تھے بیان کیا۔ اور پہلی دو تحریکات یعنی تراجم قرآن و تبلیغ قرآن کا بھی ذکر کیا۔
پھر تعلیم قرآن اور مبلغین کی تیاری کے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔

"وہ کون سے آدمی ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے جو ان تراجم قرآن کو آپ کے تبلیغی مراکز کے ذریعے دنیا میں پھیلائیں گے؟ ..... جب تک ہمارے بچے اور نوجوان قرآن کے عالم نہ ہوں گے۔ تبلیغ قرآن کا کام پوری طرح انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دیکھئے ایک ہوتے ہیں خدا کے مامور۔ ان کے لئے خدا یہ سامان پیدا کر دیتا ہے کہ کام کرنے والے ان کے قدموں میں خود بخود جا پہنچتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد جماعتوں کو یہ کام کرنے کے لئے خود تجاویز کرنی پڑتی ہیں ..... اس وقت جس مسئلہ کو حل کرنا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا انتظام ہو جائے جس سے خدمت دین و قرآن کا کام مستقل طور پر چلتا رہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کام کو کرنے والے مستقل طور پر تیار ہوتے رہیں..... اگر آپ نے اپنی نسل کی تعلیم قرآن کا کوئی ابھی سے بندوبست نہ کیا تو پھر یہ جماعت خود اپنے ہاتھوں برباد ہو جائے گی۔ اس طرح آپ اپنے بلند مقام سے گر جائیں گے ..... خدا کو کسی کی پرواہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کے دین کے کام رک نہیں سکتے۔ اگر ایک قوم خدمت دین سے غافل ہو جائیگی تو اس کی جگہ خدا دوسری قوم کھڑی کر دے گا۔" (پیغام صلح ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء)

اس کے ساتھ آپ نے ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھی جانی تجویز کی جہاں ابتدائی عمر سے نوجوانوں کے لئے اپنے دیگر تعلیمی اشتغال کے ساتھ تعلیم القرآن کا بھی انتظام ہو۔ انہیں قرآن کریم، حدیث اور تاریخ اسلام سے واقفیت کروائی جائے۔ اور ان کی تربیت ایسے کی جائے کہ ان کے دلوں میں قرآن کریم کی خدمت کی محبت پیدا ہو۔ اور وہ لوگ بھی اس ادارے میں تیار کئے جائیں جو مبلغ بن سکیں اور قرآن پر ریسرچ کرنے والے بھی اسی ذیل کے اندر آجائیں۔ تاکہ وہ نئے نئے مسائل کا حل اس کتاب پاک میں سے تلاش کر کے دنیا کی رہنمائی کرنے والے بنیں اور ایک شاخ اس ادارے کی جماعت کے غرباء کی تعلیم کے لئے ہو۔ اس نئی تحریک پر احباب جماعت نے قریباً قریباً ایک لاکھ روپے کے وعدے اسی وقت جلسہ سالانہ پر آپ کی تقریر کے بعد کئے۔ جلسہ کے بعد آپ نے ۱۶ جنوری کو ایک خط کے ذریعے بھی یہ تحریک سب جماعت کو کی۔ اس وقت ارادہ یہ تھا کہ اس ادارہ کو مسلم ٹاؤن کے باہر جو دو سو کنال کے قریب زمین انجمن کے لئے آپ نے تحریک ارشاد الہی کے روپے سے لی تھی اس پر بنایا جائے۔ کیونکہ پنجاب یونیورسٹی بھی بعد میں اسی زمین کے

منتقل ہونے والی تھی۔ لیکن اس ارادے پر آپ کی زندگی میں عمل نہ ہوسکا۔ کیونکہ امپرووومنٹ ٹرسٹ نے اس زمین کے متعلق ایک عرصہ تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بہرحال اس سلسلہ میں بعد میں پہلا قدم جو اٹھایا گیا وہ مسلم ہائی سکول نمبر ۲ کے ایک حصّہ میں ایک ہوسٹل کا قیام تھا جہاں لاہور میں تعلیم پانے والے طلباء کے قیام اور مذہبی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔

خدمتِ قرآن پر زور قرآن کی خدمت اور اس کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ان تین بنیادوں کے رکھنے کے ساتھ ساتھ مولانا محمد علی صاحب جس تکرار کے ساتھ اس چیز کو پیش کرتے تھے۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے ان تمام سالوں میں آپ کے خطبات اور تحریرات میں یہ رنگ اس قدر غالب نظر آتا ہے کہ آپ کی کوئی سوانح مکمل نہیں کہلا سکتی جب تک اس میں بھی یہی رنگ غالب نہ ہو۔ اور یہ عشقِ قرآن کئی رنگوں اور کئی طریقوں پر آپ کے خطبات میں ظاہر ہوتا ہے۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۵ء کے خطبہ میں آیاتِ قرآنی انّہ لقرآن کریمٌ۔ فی کتٰب مکنون۔ لا یمسّہٗ الّا المطھّرون پر یہ ذکر کرکے کہ ان آیات میں یہ شہادت پیش کی گئی ہے کہ یہ قرآن "کریم" ہے۔ یعنی اس کی فیض رسانی عام ہے۔ اور وہ فیوض جو اس کے اندر رکھے گئے ہیں ان تک رسائی ان لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کے دلوں کو پاک کر دیا گیا ہو۔ فرمایا:۔

"اسلام کی تاریخ میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ قرآن کے ذریعے دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جن کا خدا سے تعلق بہت بلند تھا اور جن کے دل پاک تھے ...... ہمارا کام بھی قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ اس لئے میں آپکو اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہوجائیں اور ہمارا تعلق خدا سے ہوجائے۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ انسان کا دل پاک اس وقت ہوتا ہے جب خدا کی محبت کے سوا دل سے ساری محبتیں دور ہوجائیں۔ سب سے بڑی محبت مال کی ہے اور کوئی اتنا بڑا بُت نہیں جس کے سامنے لوگ جھکتے ہیں جتنا کہ مال کی محبت کا بُت ہے۔ اس بُت کو دل سے نکال کر خدا کی محبت کو پیدا کرنا فی الحقیقت پہلی چیز ہے جو انسان کے دل کو پاک کرتی ہے۔ بڑے صاف الفاظ میں آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھّرھم وتزکیھم بھا۔ ان کے مالوں سے صدقہ لے۔ اس سے تو انھیں پاک کرے گا اور صاف کرے گا۔

یہی چیز اس زمانے کے امام سے ہم کو ملی ...... دلوں کو پاک کرنے والی یہی چیز ہے۔ سو مال کی محبت کو کم کرو تاکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تمھارا تعلق قائم ہو اور قرآن کے عجائبات دنیا میں ظاہر ہوں۔"

۲۵ اور ۳۱ جنوری ۴۶ء کے دو خطبات میں ایاک نعبد اور ایاک نستعین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ عبادت کا صحیح مفہوم ہے۔ کامل اطاعت اور فرمانبرداری تذلل کے ساتھ کرنا۔ اطاعت کا صحیح مفہوم کمال کو تب ہی پہنچتا ہے جب ایک شخص اپنے آقا کے کام کے فکر میں ہر وقت لگا ہوا ہو۔ خدا کا کام اس کے دین کا کام ہے اور جب ہم ایاک نعبد کہتے ہیں تو یہ عبادت اپنے کمال کو تبھی پہنچے گی جب ہم کامل طور پر خدا کے دین کی خدمت میں اپنے آپ کو لگا دیں۔ اور ایاک نستعین میں حضرت نبی کریم نے خدا کی مدد کو ایک زبردست حقیقت بنا کر دکھا دیا۔ کیونکہ آپ نے عبادت کو اپنے صحیح مفہوم میں کمال تک پہنچا دیا۔ آج بھی ہم اس حربہ کو استعمال کر کے اسلام کے معجزے کو دنیا میں پیدا کر کے دکھا سکتے ہیں۔ جو خدا کے دین کی مدد کرے گا خدا ضرور اس کی مدد کرے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہم اپنے کو ایاک نعبد کا مصداق بنائیں۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ۱۶ راگست ۴۶ء کے خطبۂ جمعہ میں واذا سألک عبادی عنی فانی قریب کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ اس آیت میں بتایا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے بہت قریب ہے گویا خدا تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن اکثر انسان جو اس کی ہستی کو مانتے بھی ہیں اس سے قریب نہیں ہو سکتے۔ اور عارف باللہ لوگوں نے بھی خدا تک پہنچنا بہت مشکل قرار دیا ہے۔ دراصل اس نزدیکی اور دُوری کا راز خود لفظ 'عبادی' سے کھل جاتا ہے۔ جو خدا کا 'عبد' بن جائے وہ خدا سے اور خدا اس سے قریب ہو جاتا ہے اور عبد کون ہے وہ جس کی نگاہ ہر وقت خدا کے احکام پر ہوتی ہے اور اس میں عبد ہونے کا کمال ہوتا ہے۔ خدا کی مخلوق کو خدا کے قریب لانا۔ یہی وہ عظیم الشان کام تھا جو سب سے مکمل عبد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے سپرد ہوا۔ خدا کے نام کو دنیا میں بلند کرنا خدا سے سب سے زیادہ قریب کرنے والی چیز ہے۔ صرف یہ ایک فیصلہ کر کے ہم ایک قدم میں وہ فاصلہ طے کر سکتے ہیں جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہے۔ پھر یہ ذکر کر کے کہ یہی کام حضرت مسیح موعود نے ہمارے سامنے رکھا فرمایا:۔

"آپ کے (یعنی حضرت مسیح موعود) کے زبردست اندرونی جذبات کا کوئی حصّہ کسی نے لیا کوئی کسی نے۔ میرے مُردہ دل کو آپ کا جذبۂ تبلیغ زندہ کر گیا۔ یہ وہی آپ کے انوارِ قلب کی کوئی کرن ہے جو میرے دل پر نشان ڈال گئی۔ جس نے میرے اندر یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ میرے دل کی آرزو ہے۔ نہیں ــ یہ میرا جنون ہے۔ اور گو بعض لوگ میرے اس جنون سے تنگ آئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ تو یہاں تک تنگ آئے ہوئے معلوم

ہوتے ہیں کہ میرے قریباً ہر خطبہ پر جب تک ایک گالیوں کا خط نہ لکھ لیں ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنون ابھی محدود ہے۔ میں گو اپنے ہر خطبہ میں تبلیغ قرآن یا ترجمہ یا تعلیم قرآن یا قرآن پر عمل کی طرف توجہ دلاتا ہوں مگر میں خود ایک کمزور آدمی ہوں اس لئے میری بات کا اثر بھی کم ہے۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ جس دن اس سب جماعت میں یہ جنون پیدا ہو گیا اُس دن ساری مسلمان قوم کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو جائیگی اور "غم اشاعتِ قرآن" جو مسیح موعود کے دل کو تڑپاتا تھا ساری قوم میں سرایت کر جائے گا۔ وہ دن اسلام کے غلبہ کا دن ہوگا۔"

حیدر آباد دکن کا دوسرا سفر ۱۹۴۶ء

ان تین تحریکات کی کامیابی کے لئے مولانا محمدؐ علی صاحب نے بہت سے سفر بیرونی جماعتوں میں کئے۔ اور مختلف شہروں میں پھر کر ان تحریکات کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں آپ دوسری دفعہ حیدر آباد دکن بھی تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۴ء میں جب آپ پہلی مرتبہ وہاں تشریف لے گئے تھے تو اس سفر کا بہت اچھا اثر ہوا تھا۔ اور گرانقدر تبلیغی و دینی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ دکن کے احمدی احباب و دیگر معاونین کی خواہش تھی کہ آپ ایک دفعہ پھر وہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ ۶ مارچ کو لاہور سے روانہ ہوئے۔ مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی اور مولانا صدرالدّین صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ۸ مارچ کی صبح کو دہلی پہنچے اور نماز جمعہ وہاں پڑھائی اور اسی روز گرانڈ ٹرنک ایکسپرس سے حیدر آباد روانہ ہوئے۔ ۱۰ مارچ کی صبح کو سکندر آباد کے سٹیشن پر حیدر آباد کے احمدی و غیر احمدی احباب نے آپ کا استقبال کیا۔ اور آپ نے عبدالکریم بابو خان صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا۔ ۲۰ مارچ تک آپ کے قیام کے دوران میں مختلف خیالات اور طبقات کے لوگوں اور ریاست کے اکابر و علماء سے وسیع پیمانے پر ملاقاتوں اور بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ میر لائق علی صاحب۔ خان بہادر اشفاق احمد صاحب۔ مولوی عبداللطیف صاحب۔ نواب علی نواز جنگ و دیگر معزّزین کی طرف سے آپ کو دعوتوں پر مدعو کیا گیا اور ان تقریبات میں آپ تقاریر بھی فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ ۱۲ مارچ کو سکندر آباد میں بصدارت نواب مقصود جنگ ایک پبلک جلسہ میں آپ نے "قرآن کریم ام الکتاب اور جامع ہے" پر تقریر فرمائی۔ اور ۱۴ مارچ کو حیدر آباد میں بصدارت نواب ناظر یار جنگ ایک عام جلسہ میں "قرآن کا پیدا کردہ عظیم الشان انقلاب" پر تقریر فرمائی۔ ۱۹ مارچ کو عثمانیہ یونیورسٹی تشریف لے گئے اور خاص طور پر دار الترجمہ کا ادارہ "دائرۃ المعارف" آپ نے دیکھا۔ اور اسی روز نواب بہادر یار جنگ مرحوم کے گھر پر تعزیت کے لئے گئے۔ نواب صاحب مرحوم آپ کے مداحوں میں سے تھے اور جب پہلی مرتبہ آپ حیدر آباد تشریف لائے تھے تو نواب صاحب نے نہایت خلوص اور گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا تھا۔ اور ایک پبلک جلسہ کی

صدارت بھی فرمائی تھی۔

۲۰ مارچ کو حیدر آباد سے واپسی ہوئی۔ ۲۲ مارچ کو آپ دہلی پہنچے جہاں نماز جمعہ پڑھانے کے بعد ۲۳ مارچ کو واپس لاہور پہنچ گئے۔

سنہ ۴۶ء تا جون سنہ ۴۷ء

۱۹۴۶ء کے جلسہ سالانہ پر مولانا محمد علی صاحب نے انہی تین تحریکوں کو جماعت کے سامنے رکھا جو پچھلے چند سال سے جاری تھیں۔ ۲۶ دسمبر کو آپ نے اپنی تقریر میں الحمدُ للہ رب العٰلمین کو پیش کر کے فرمایا کہ خدا تعالے تمام انسانوں کی جسمانی پرورش تو فرماتا ہے۔ مگر اس فقرے کا اشارہ خدا تعالیٰ کی روحانی ربوبیت کی طرف بھی ہے۔ دنیا میں جن لوگوں نے انسانوں کی روٹی کی فکر کی وہ عام انسانوں سے بلند ہوتے ہیں۔ مگر اس سے بھی بلند وہ طبقہ ہے جو اس کے ساتھ ہی رُوح کی بھی فکر کرتا ہے۔ حضرت نبی کریم کی زندگی کے پہلے چالیس سال انسانوں کی روٹی اور جسمانی ضروریات کے فکر میں گذرے۔ اور سب جانتے ہیں کہ آپ یتیموں اور بیواؤں کی جائے پناہ تھے۔ مگر وہ عظیم انسان انسان اپنے دل میں ایک اور تڑپ بھی رکھتا تھا۔ اور چالیس سال کے بعد آپ کو وہ بلند تر مرتبہ ملا۔ یہی اصل مقام آپ کے پیرووں کا ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد دنیا کی موجودہ حالت اور قرآن کو پھیلانے کی ضرورت کو مفصل بیان کیا اور حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ کا ذکر فرمایا۔ اور ان تین تحریکوں کو ہمیشہ سامنے رکھنے کی جماعت کو تلقین فرمائی۔

اس جلسہ میں اور اس کے بعد اپنے خطبات جمعہ میں علاوہ ان تحریکات کے برلن مسجد کی مرمت کے لئے بھی روپیہ فراہم کرنے کی آپ تحریک کرتے رہے۔ مسجد کو خدا تعالے نے جنگ میں تباہ ہونے سے بچالیا تھا مگر اس کے گنبد اور ایک مینار کو کچھ نقصان پہنچا تھا۔ چنانچہ سنہ ۴۷ء میں اس کی مرمت کا انتظام بھی ہوا ڈاکٹر شیخ محمد عبد اللہ صاحب جنگ ختم ہونے کے بعد برلن چلے گئے تھے اور یہ مشن دوبارہ کھل چکا تھا۔

۱۹۴۶ء میں انجمن کی جائداد میں ایک اور اضافہ ہوا۔ یعنی صوبہ سندھ میں گورنمنٹ سے قریباً چودہ سو ایکڑ زمین سستے داموں پر خرید لی گئی۔ حصولِ اراضی کے سلسلے میں مولانا محمد علی صاحب خود بھی کراچی تشریف لے گئے اور چند اصحاب کی مساعی سے یہ کام سرانجام دیا گیا۔

یہ زمین تراجم قرآن فنڈ اور ادارہ تعلیم قرآن فنڈ کے روپے میں سے لی گئی۔ تاکہ اس کی آمد سے ان کاموں کے جاری رہنے کے لئے ایک مستقل مدد کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح کراچی کے نزدیک

مالیر میں سوا دو سوا ایکڑ زمین سستی قیمت پر اس روپے سے لی گئی۔ جو کہ بعد میں انجمن کے لئے ایک نہایت قیمتی جائداد ثابت ہوئی اور انجمن نے اس کو لاکھوں میں فروخت کیا۔

امریکہ مشن کا قیام

اپریل ۴۶ء میں امریکہ میں تبلیغی مشن قائم ہوا اور بشیر احمد صاحب منٹو سان فرانسسکو کے لئے روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر مولانا محمد علی صاحب اور جماعت کے سب اکابرین نے ان کو الوداع کہی۔ یہ پہلا مشن تھا جو تبلیغی مراکز قائم کرنے کے سلسلے میں شروع کیا گیا۔

قرآن کا جاوی ترجمہ

اپریل ۴۶ء میں بٹاویہ (انڈونیشیا) سے خبر آئی کہ قرآن کریم کا جاوی زبان میں ترجمہ بھی مکمل ہو گیا اور یہ انڈونیشیا کی اس جماعت نے کیا جو مرزا ولی احمد بیگ صاحب وہاں قائم کر آئے تھے۔ ڈچ ترجمہ کی طرح یہ بھی مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر سے ترجمہ کیا گیا تھا۔

ڈلہوزی کا آخری سفر

آخر مئی ۴۷ء میں مولانا محمد علی صاحب کو بخار ہونے لگا تھا۔ اور اسی حالت میں آپ ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ جہاں پہنچ کر آپ کی تکلیف رفع ہو گئی۔ اس کے بعد جون ۴۷ء سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جبکہ آپ نے انگریزی ترجمہ کی نظر ثانی کے کام کو ہاتھ میں لیا۔ اس کے ساتھ ملک میں ایک انقلاب آیا اور ہولناک فرقہ وارانہ فسادات کے اندر مملکتِ پاکستان کا قیام ہوا۔ اور مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے اہل و عیال اور جماعت کے چند ایک اور احباب کو ڈلہوزی سے نہایت خطرناک حالات میں سے گذر کر پاکستان آنا پڑا۔ انکا ذکر آگے آئے گا۔

رمضان کے مجاہدات کی تلقین

ان تمام سالوں میں مولانا محمد علی صاحب کے خطبات اور تحریرات میں ایک اور خصوصیت نظر آتی ہے۔ اور وہ ہر ماہ رمضان میں جماعت کو ایک مجاہدے کی تلقین ہے جو عموماً دو رنگ میں تھا۔ ایک تو خدا کے آگے گرنا اور نماز تہجد میں اشاعتِ اسلام اور قرآن کو پھیلانے کی توفیق کے لئے رونا اور دوسرے مالی قربانی۔ اس ضمن میں آپ نے اپنے اُن خطوط میں جو پیغام صلح میں چھپتے تھے۔ بڑی پُردرد اور رقت انگیز دعائیں لکھی ہیں۔ اور جماعت کے ہر فرد سے التجائیں کی ہیں کہ وہ کم از کم ماہِ رمضان میں تہجد کو اپنے اوپر لازم کر کے خدا کے آگے گریں۔ مثلاً ستمبر ۳۹ء میں تین قسم کی دعائیں آپ نے تجویز کیں جو کہ ایک چوکھٹے کی صورت میں اخبار کے متعدد پرچوں میں شائع ہوئی رہیں۔ اور وہ دعائیں یہ تھیں :-

۱۔ ربوبیتِ الٰہی کے لئے دعا۔

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔ اے خدا کہ تیری ربوبیت کائنات کے ذرّے ذرّے پر حاوی ہے۔ تُو نے انسانوں کو اُن کی جسمانی ربوبیت کے بہتر سے بہتر سامان عطا فرمائے ہیں۔ تو اب اپنی اس مخلوق کی جو تجھ سے دُور پڑی ہے۔ اور طرح طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہو کر اپنی ہلاکت کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اپنے قرآن

کے ذریعے سے ربوبیت فرما۔ اور ان کے دلوں کو اس لذت سے آشنا کر جو تیرے در پہ گرنے سے ملتی ہے۔

اے خدا کہ جس نے محمد الرسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو وہ بے نظیر کامیابی عطا فرمائی کہ ان کے ذریعے سے ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی۔ تو آج ہماری اور ہماری جماعت کی ربوبیت فرما کر اسے قرآن کو دنیا میں پہنچانے اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے میں کامیابی کے بلند مینار پر کھڑا کر دے۔ اور ہمارے ہاتھوں سے اپنے دین کی تبلیغ کی وہ بنیاد رکھوا جس پر قیامت تک عمارت بنتی چلی جائے

۲۔ کفر پر غلبہ کی دُعا :۔ واعف عنا۔ واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین ۔ اے خدا۔ کفر دنیا پر غالب ہے۔ دنیا اور مال کی محبت انسانی دلوں کو اپنے قبضہ میں لے چکی ہے۔ جسمانی طاقت اور مادی سامانوں اور ظاہری زیب و زینت سے انسانوں کو گمراہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ مگر اے خدا تیرا وعدہ ہے کہ تو اسلام کو دنیا پر غالب کرے گا۔ تیرا وعدہ ہے کہ ایک عظیم الشان ضلالت اور گمراہی کے بعد لوگ پھر تیری طرف جھکیں گے۔ سو تو آج اپنے اس وعدے کو پورا فرما۔ اور حق کو باطل پر۔ اسلام کو کفر پر غالب فرما۔

اے خدا کفر اور ضلالت کی فوجیں بہت زور سے حملہ آور ہو رہی ہیں۔ تیری طاقت پہلے بھی کمزور انسانوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتی رہی ہے۔ آج اس چھوٹی سی جماعت کے ذریعے سے اسے ظاہر فرما۔ ہم کمزور، گنہگار اور عاجز ہیں۔ مگر دل میں یہ تڑپ ہے کہ اسلام کفر پر غالب آئے۔ تو ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ ہماری حفاظت فرما۔ ہمیں ٹھوکروں سے بچا۔ تو ہمارا مددگار بن اور اسلام کی کمزور جماعت کو کفر کی بے پناہ طاقتوں پر غالب فرما۔ اے خدا تو قرآن کو دنیا میں غالب فرما۔ محمد الرسول اللہ کو غالب فرما۔ اسلام کو غالب فرما اور کفر اور ضلالت کی فوجوں کو مٹا دے۔

۳۔ اللہ تعالےٰ کی مدد کے لئے دعا :۔ ایاک نعبد وایاک نستعین ۔ اے خدا ہم اپنی طاقت کے مطابق یہی کوشش کرتے ہیں کہ تیری ہی فرمانبرداری کریں اور تیرے نام کو اور تیرے کلام کو دنیا میں پہنچائیں۔ مگر ہم کمزور ہیں اور تیری فرمانبرداری کا حق ہم سے ادا نہیں ہوتا۔ سو تو ہماری مدد فرما اور اپنی فرمانبرداری کی زبردست قوت ہمارے اندر پیدا کر دے۔

اے خدا۔ تیرے نام کو دنیا میں پہنچانا وہ بلند کام ہے جس کے لئے تو اپنے خاص بندوں کو کھڑا کرتا رہا۔ اور تیری ہی مدد سے وہ اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ایک ایسے ہی تیرے بندے نے ہمیں بھی اس کام پر لگایا ہے۔ مگر ہم تھوڑے ہیں۔ کمزور ہیں۔ سامان پاس نہیں۔ بیگانے

تو ایک طرف اپنے بھی ہماری مخالفت کرتے ہیں اور اس رستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ تو محض اپنے کرم سے ہماری دستگیری فرما اور اپنی وہ قوت ہمارے اندر بھر دے جو تو اپنے پاک بندوں کے اندر بھرتا رہا ہے اور وہ نور ہمارے دلوں میں پیدا کر دے جس سے تو اپنے پاک بندوں کے سینوں کو منور کرتا رہا ہے

اے خدا۔ تیرے نام کو دنیا میں پہنچانا سب کاموں سے مشکل ہے اور جب بھی دنیا میں یہ انقلاب پیدا ہوا ہے کسی انسان یا کسی فوج کی قوت سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تیری نصرت اور تیری تائید سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے ہم تجھ سے اس مدد اور نصرت کے طالب ہیں جو تو اپنے پاک بندوں کو عطا فرماتا رہا ہے۔"

اسی طرح ستمبر ۱۹۴۰ء میں اپنے مکتوب "مجاہدہ کا مہینہ" میں آیتِ قرآنی والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کی تفسیر میں فرمایا کہ نتائج کا دینا یا نہ دینا خدا کا کام ہے ہمارا کام ڈھونڈنا ہے جدوجہد کرنا ہے۔ لیکن جدوجہد شرط ہے۔ موت تو ناگزیر چیز ہے۔ اگر وہ اس حالت میں ہم پر آئے کہ ہم اس کے دین کے پھیلانے کے لئے رستے ڈھونڈ رہے ہوں تو اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوشی کی موت بھی کوئی نہیں۔ ہم نہیں تو ہمارے بعد کام کو سنبھالنے والے کامیابی پالیں گے۔ دنیا میں وہ لوگ ہیں جو اپنے دنیوی مقاصد کے لئے خون اور آگ سے کھیل رہے ہیں۔ کیا ہم خدا کے دین کی توسیع کے لئے نسل انسانی کو روحانی رنگ میں مالدار کرنے کے لئے چار آنسو نہیں بہا سکتے۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"ہماری دعا صرف ایک ہی ہو۔ اور وہ غلبۂ اسلام کے لئے ہو۔ جب ہم سورۂ فاتحہ پڑھیں تو اس وقت بھی یہی مقصد ہمارے سامنے ہو۔ الحمد للہ رب العلمین۔ اے خدا تو سارے جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے۔ تو اس وقت ان لوگوں کی ربوبیت اپنے قرآن کے ساتھ فرما۔ جو تیری اس نعمت سے محروم ہیں۔ اور ہماری بھی ربوبیت فرما اور ہمیں وہ سامان عطا فرما جس کے ساتھ ہم تیرے قرآن کو اور تیرے نام کو دنیا میں پہنچا سکیں۔ ہاں۔ اس جماعت کی ربوبیت فرما جس نے تیرے اس روحانی رزق کو دنیا میں پہنچانے کا واحد مقصد اپنے سامنے رکھا ہے۔ الرحمٰن الرحیم۔ تیرا رحم اتنا بڑا ہے کہ انسانی التجا کے بغیر بھی جوش میں آتا ہے اور تیرے ہی رحم سے انسان کی کوشش بھی بارآور ہوتی ہے۔ تو اپنی رحمانیت سے ان گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو اپنے قرآن کے ذریعے ہدایت دے۔ اور ہماری ناچیز کوششوں کو بھی بارآور فرما کہ ہم تیرے اس پاک پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا سکیں۔ مالک یوم الدین۔ خدایا ہم تیرے عاجز و نالائق بندے ہیں۔ ہمارے اندر۔ میرے اندر۔ میری جماعت کے اندر کمزوریاں بھی ہیں۔ تیرے حکموں کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے۔ تو ہماری کمزوریوں

اور نافرمانیوں کو اپنے مالکانہ اختیار سے معاف فرما اور ان کو ہمارے کوششوں کے بار آور ہونے میں روک نہ ہونے دیجئیو۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یہی ہماری زندگیوں کا مقصد واحد ہے۔ مگر ہم تھوڑے اور کمزور ہیں اور کام بہت بڑا ہے۔ ہم تھکے ماندے۔ کمزور۔ عاجز۔ گنہگار تیری ہی مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی اس جماعت کو وہ نصرت عطا فرما جو اپنا نام دنیا میں پھیلانے والوں کو تو عطا فرمایا کرتا ہے۔ اھدنا الصّراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ تو اپنے بندوں پر بڑے بڑے انعام فرماتا رہا ہے۔ جنہوں نے تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنا اپنی زندگیوں کا مقصد ٹھہرایا انہیں تو نے کبھی ناکام نہیں رکھا۔ پس تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا کر وہی انعام عطا فرما جو تو پہلوں کو عطا فرماتا رہا ہے۔ اپنی نصرتوں کی ہوا ہمارے لئے اسی طرح چلا جس طرح تو نے ان کے لئے چلائی تھی اور اپنے فضلوں کے دروازے ہم پر اسی طرح کھول دے۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین۔ اے آقا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا کو غرض بنا کر دین کو پھیلانا ہی چھوڑ دیں جیسا کہ آج مسلمانوں کی حالت ہو گئی ہے۔ یا غلو کر کے ایک غلط عقیدہ کی ترویج کے لئے اپنی طاقتوں کو تباہ کر دیں جیسے آج ہمارے قادیانی دوستوں کی حالت ہو گئی ہے۔"

اسی طرح سورہ بقرہ کی آخری آیات میں جو زبردست دعا ہے۔ اس کے ہر فقرہ کے ساتھ ساتھ اپنی اسی دلی کیفیت اور تڑپ کا اظہار کیا ہے۔ اور فانصرنا علی القوم الکافرین پر اس کو یوں ختم کیا ہے۔

"اے خدا تیرا وہ پاک کلام جو تمام دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوا تھا اس کے اپنے نام لیوا بھی اسے دنیا میں پہنچانے کا نام نہیں لیتے۔ مگر تیرا وعدہ ہے کہ تو اسے دنیا میں غالب کریگا۔ ہمیں بھی تیری ہی طرف سے ایک آواز دینے والے کی آواز پہنچی اور ہمارے ناتواں ہاتھوں نے اس عظیم الشان بوجھ کو اٹھانے کے لئے قدم اٹھایا۔ ہمارے مردہ دلوں میں اسی آواز سے حرکت پیدا ہوئی۔ مگر شرک کے مقابل پر ہماری جماعت کی حالت ایسے ہے جیسے پہاڑ کے سامنے چیونٹی۔ ہاں تیرے وعدے نے ہمارے دلوں میں قوت پیدا کی ہے۔ تیری نصرت کے ہم سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم نالائق ہیں اور تیری نصرت کے اہل نہیں۔ مگر اے خدا۔ تیرا دین۔ تیرا قرآن۔ تیرا رسول تیری نصرت کے اہل ہیں۔ تو ان کی آج بھی اسی طرح نصرت ہمارے ناتواں ہاتھوں میں کام کرنے والی ہو۔ تیرا نور ہمارے تاریک دلوں میں روشنی پیدا کرنے والا ہو۔ اور ہم تیرے وعدہ کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا دیکھیں۔" (پیغام صلح ۲۶ ستمبر ۴۰ء)

ستمبر ۴۲ء میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ رمضان صرف بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے کا

ہی ایک مجاہدہ نہیں۔ بلکہ تین اور رنگوں کا مجاہدہ ہے۔ فرمایا :۔

"دنیا کے سب بڑے بڑے کام انسان اپنی خداداد طاقتوں سے کر لیتا ہے۔ ہواؤں اور پانیوں اور بجلیوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ ملکوں کو فتح کر لیتا ہے۔ مگر انسانی قلوب کی حالت کو بدلنا یہ اپنی قوت سے نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ایک اور قوت کی ضرورت ہے جو خدا کے آگے گرنے سے ملتی ہے، خدا کے حضور گر کر طاقت کا ملنا، یہ لفظ ہی نہیں۔ یہ حقیقت عظمیٰ ہے۔ سب سے بڑی سچائی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا واقعہ ہے کہ جو شخص خدا کے آگے گرا، دنیا اس کے سامنے گر جاتی ہے۔ پس جو جماعت دعوت الی اللہ کے کام میں لگی ہے اس کے لئے پہلی شرط ہے کہ خدا کے آگے گرے اور اسی سرچشمۂ قوت سے قوت حاصل کرے۔"

اس کے بعد نہایت پر درد دعائیں ہیں۔ جن کو بار بار دہرانے کی آپ نے تلقین کی۔ اور فرمایا :۔

"ہم سب کے دلوں میں ایک ہی تڑپ ہو، اور ایک ہی بات خدا کے آگے گرتے ہوئے ہمارے دلوں میں رہ جائے کہ خدا کا دین غالب ہو۔ قرآن غالب ہو۔ محمد الرسول اللہ غالب ہوں۔۔۔ اسی کو مانگو اسی کے لئے تڑپو۔ اسی کے لئے روؤ۔ اس چیز کو مانگو جو ہو کر رہنے والی ہے۔۔۔۔ یہی دعائیں تمہیں خدا کے قرب کے اس مقام پر پہنچا دینگی جہاں انسان کی ہر دعا سنی جاتی ہے۔"

پھر اس سے اگلے مکتوب میں فرمایا کہ مجاہدات رمضان میں قلب کی پاکیزگی کا چوتھا اور سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ اور یہ مال کو خدا کی راہ میں دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے کئی جگہ مال کو خدا کی راہ میں خرچنے کو انسان کی تطہیر اور تزکیہ کا موجب قرار دیا ہے۔ جس شخص نے مال کا خرچنا نہیں سیکھا۔ وہ نماز کی حقیقت سے بھی بے خبر ہے۔

اسی طرح ہر سال کے اخبارات آپ کی ایسی تحریرات سے بھرے پڑے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے ماہ رمضان کے مجاہدے کے سلسلے میں رمضان اور قرآن کی نسبت کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ قرآن کریم کے متعلق تین قسم کا جہاد ہے۔ علمی، عملی اور تبلیغی۔ سب سے پہلا درجہ قرآن کے علم حاصل کرنے کا ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے کا اور پھر اس سے بھی مشکل تبلیغی جہاد ہے۔ اور آپ نے بالتفصیل ان باتوں کا ذکر کیا ہے جن پر عمل کرنے سے یہ قرآن کی حامل جماعت ان جہادوں کو بہتر طریق سے سرانجام دے سکتی تھی۔

جماعت قادیان کے ساتھ تعلقات ۳۹ء تا ۴۷ء

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کو ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا تھا کہ جماعت کی توجہ اختلافی مسائل کی طرف لگ جانے کی وجہ سے اشاعت اسلام کے کام کو نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ مختلف موقعوں پر آپ اخبار الفضل اور جماعت قادیان کی باتوں کو نظر انداز بھی

کرتے رہے۔ لیکن بعض وقت ایسے واقعات ہوجاتے تھے کہ ایک بحث کا اٹھ کھڑا ہونا لازمی بن جاتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ میاں محمود احمد صاحب کے وہ عقائد جو حضرت مسیح موعود کے عقائد کے خلاف تھے انکی نشر و اشاعت کی وجہ سے خود حضرت مسیح موعود کی پوزیشن مشتبہ ہوجاتی تھی۔ اور اشاعت اسلام کے کام کے راستے میں قادیانی غلو اس طرح حائل ہوجاتا تھا کہ بہت سے غیر از جماعت لوگ جماعتِ احمدیہ میں شامل ہونے یا اس کی کسی رنگ میں امداد کرنے سے اس لئے ہچکچاتے تھے کہ ان کو یقین نہ ہوتا تھا کہ بانی سلسلہ کی تعلیم وہ ہے جو جماعتِ لاہور پیش کر رہی ہے۔

دسمبر ۳۹ء میں مولانا غلام حسن صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اس کے ساتھ ہی جماعتِ قادیان کی طرف سے گویا ایک جارحانہ محاذ جماعتِ احمدیہ لاہور کے خلاف کھول دیا گیا۔ اور میاں محمود صاحب نے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ "پیغامیوں" کو خاص طور پر تبلیغ کی جائے۔ اس کے ازالہ کے لئے کوئی قدم اٹھانا ضروری تھا۔ چنانچہ ۴۱ء و ۴۲ء میں مولانا محمد علی صاحب کی کافی توجہ اس طرف رہی۔ کہ کسی طرح میاں محمود احمد صاحب پر اتمامِ حجت ہوجائے اور حالات کی اصلاح ہوسکے۔

مولانا غلام حسن صاحب وہ بزرگ تھے جنہوں نے حضرت صاحب کی وفات کے بعد مولانا نورالدین صاحب کی بیعت کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت مسیح موعود کے بعد انجمن ہی آپ کی جانشین تھی۔ اور کسی شخصِ واحد کی بیعت دوبارہ کرنا غلطی تھی۔ مولانا غلام حسن صاحب صدر انجمن احمدیہ کے چودہ معتمدین میں سے ایک تھے اور اختلاف کے وقت، باوجود قادیان میں تعلقاتِ رشتہ داری کے میاں محمود احمد صاحب کی خلافت اور ان کے عملی طور پر صدر انجمن احمدیہ کو کالعدم کر دینے کے اقدام کے خلاف اعلان کرنے والے چھ بزرگوں میں سے ایک تھے۔ قریباً ۳۲ سال ایک مسلک پر سختی سے پابند رہ کر آپ نے کن حالات کی بنا پر میاں محمود احمد صاحب کی بیعت کی، اس کے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بہرحال ان کے اس اقدام کے بعد مولانا محمد علی صاحب نے بذریعہ اخبار ان کو اُن کے اپنے پچھلے مسلک اور تحریرات کی طرف توجہ دلائی اور ان سے یہ سوال بار بار دہرایا کہ انہوں نے کس تحقیقات کی بنا پر اب وہ بیعت کی ہے جس کی مخالفت وہ ۳۲ سال سے کر رہے تھے اور کس تحقیقات کی بنا پر وہ اس جماعت میں داخل ہوئے ہیں جس کو وہ اپنی تفسیر حسنِ بیان میں "غالیوں کا گروہ" اور "باطل پرست قوم" لکھ چکے ہیں۔ مگر جو کچھ جوابات مولانا کی طرف سے نکلے ان میں سے کسی ایک جواب میں بھی انہوں نے وہ دلائل نہ دیئے — جو ان کے مسلک کو بدلنے کا باعث ہوئے تھے اس سلسلے میں اخبار پیغامِ صلح کے مختلف پرچوں میں مارچ ۴۰ء سے لے کر جون ۴۱ء تک مولانا محمد علی صاحب کے مضامین مولانا غلام حسن سے خطاب کر کے شائع ہوئے۔ جن میں دونوں جماعتوں کے عقائد اور دونوں جماعتوں کے عملی کاموں کا موازنہ تھا۔ اور مسئلہ خلافت و

کفر و اسلام کو بھی صاف کیا گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی مولانا محمد علی صاحب نے متعدد بار میاں محمود احمد صاحب کو مخاطب کر کے کوشش کی کہ کسی طریق سے ان جھگڑوں کا فیصلہ ہو جائے۔ سنہ ۳۹ء کے جلسۂ سالانہ پر "احباب قادیان سے اپیل" کے عنوان سے آپ نے بذریعہ ٹریکٹ قادیان کی جماعت سے خطاب کیا۔ جس میں اختلافی مسائل پر کوئی بحث نہ تھی، جو کئی اور موقعوں پر بار بار ہو چکی تھی۔ صرف حضرت مسیح موعود کی دلی تڑپ اور اپنی جماعت کی پچیس سالہ کارگزاری کا ذکر تھا اور چند حقائق کی طرف جماعت قادیان کی توجہ دلائی تھی کہ حضرت صاحب کیا چاہتے تھے اور ہم نے خالی ہاتھوں سے شروع کر کے پچیس سال کے اندر کیا کچھ کیا۔ اور دوسری طرف سے ان کی کثیر جماعت نے قادیان کے مرکز میں بیٹھ کر کیا کیا۔ پھر اپریل سنہ ۴۰ء میں آپ نے میاں صاحب کو چیلنج دیا کہ وہ ان تین مسائل کے متعلق جس طرح چاہیں، تینوں کو ملا کر یا بغیہ تینوں کے، یہ بحث کر لیں کہ ہم دونوں میں سے کس کا مسلک حضرت مسیح موعود کے خلاف ہے۔ یعنی (۱) کفر و اسلام (۲) نبوت اور (۳) خلافت۔ لیکن بحث تحریری ہو۔ میں خود اکیلا لکھوں گا۔ میاں صاحب اپنے ساتھ جتنے آدمی رکھنا چاہیں رکھ لیں۔ مئی سنہ ۴۰ء میں پھر اس کو دہرایا اور اسی سلسلہ میں آپ نے اعلان کیا:-

"خوب یاد رکھو کہ کفر و اسلام کے مسئلہ پر ہی قادیانیوں کا کفر ٹوٹے گا۔ وہ اس مسئلہ میں اس قدر کمزور اور کچے ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل چکی ہے۔ کسی قادیانی کو معلوم نہیں کہ اس بارے میں اس کا مذہب کیا ہے۔ وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھتے ہیں لیکن عملاً اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ صاف بات ہے کہ اگر کلمہ منسوخ نہیں تو اس کے پڑھنے والے اور اس کے قائل کافر اور دائرۂ اسلام سے کس طرح خارج قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر حضرت مرزا صاحب کو نہ ماننے والے کلمہ گو کافر ہیں تو پھر یہ کلمہ خود بخود منسوخ ہو گیا۔ لیکن قادیانی ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو بھی واضح طور پر نہیں مانتے اور صفائی اور دلیری کے ساتھ اس کا اعلان نہیں کرتے۔ وجہ یہی ہے کہ ان کا کوئی مذہب نہیں۔ جس وقت جیسا کوئی آدمی ملا اس کے خیال اور مذاق کے مطابق اس سے گفتگو کر لی۔ اس مسئلہ پر اور خلافت پر بھی قادیانیوں کے پاس کھڑے ہونے کو کوئی جگہ نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ہم انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ یا تو وہ میدان میں نکلیں اور اس بات کو ثابت کریں کہ روئے زمین کے کلمہ گو کافر اور خارج از اسلام ہیں یا اپنی شکست مانیں اور اقرار کریں کہ قرآن اور حدیث اور حضرت مسیح موعود کے ارشادات کے مطابق ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اور ہم چاہتے بھی یہی ہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد اصلاح ہے۔ اصل میں اختلاف کی جڑ یہی کفر و اسلام کا مسئلہ ہے۔ اس کے طے ہو جانے کے بعد نبوت کا مسئلہ ایک منٹ میں حل ہو سکتا ہے۔"

مئی ۴۰ء میں ایک خط (مطبوعہ پیغامِ صلح ۱۲ رمئی) کے ذریعے میاں صاحب کے سامنے ایک اور تجویز رکھی کہ ایک معیّن تعداد ہم دونوں اعتراضات یا سوالات کی قائم کریں۔ اور ان کے جوابات دونوں اخباروں میں شائع ہوں۔ اس کے بعد ہر شخص کا اختیار ہے کہ وہ اپنے لئے فیصلہ کرلے اور مزید بحثوں کو بند کرکے یہی طاقت و قوّت کسی مفید کام پر خرچ کی جائے۔ پھر یہ بھی تجویز کی کہ اگر ثالثوں کے سامنے میاں صاحب تحریری بحث پر راضی ہوجائیں تو میں صرف قادیان کی جماعت میں سے ہی پانچ ثالث مقرّر کرلونگا۔ لیکن میاں صاحب اپنے مریدوں میں سے ثالث بنانے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے۔ ان تمام تجاویز اور چیلنجوں کا جواب نہ ملنے پر ۱۰ رجون ۴۰ء کے پیغامِ صلح میں ان تجاویز کو دہرا کر میاں صاحب کے نام ایک کھلی چٹھی میں لکھتے ہیں:۔

"میں آپ سے قرآن کریم کا واسطہ دے کر جس کے دنیا میں پہنچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا گیا تھا۔ محمد صلعم کا واسطہ دے کر جس رسولِ پاک کے دین کو دنیا میں غالب کرنے کے لئے ہماری جماعت بنائی گئی تھی۔ اور بالآخر حضرت مسیح موعود کا واسطہ دے کر جنہوں نے اس بلند کام پر اس زمانے میں ہم کو لگایا تھا۔ یہ درخواست کرتا ہوں کہ ان تینوں تجویزوں میں سے جس تجویز کو آپ چاہیں پسند کرکے ان جھگڑوں کو ختم کرنے کی طرف قدم اٹھائیں۔ آپ کی تھوڑی سی توجّہ سے دونوں جماعتیں بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے علومِ قرآنی کو جن کے لئے اس زمانے کے امام نے رستہ کھولا تھا حاصل کرنے اور اسے دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔"

میاں صاحب کی طرف سے ان تمام باتوں کا کوئی جواب نہ ملا۔ البتّہ جو خطبہ ان کا الفضل ۱۲ رجولائی ۴۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ پہلے مولوی محمّد علی صاحب ہمارے مقابلے پر قبولیّتِ دعا کا کوئی نشان بتائیں، خود اپنی قبولیتِ دعا کا انہوں نے ایک عجیب و غریب نشان پیش کیا۔ وہ یہ کہ اس وقت دوسری جنگِ عظیم کی وجہ سے برطانیہ پر جو ابتلاء آیا ہوا تھا وہ ان آہوں کا نتیجہ تھا جو ۳۵ء سے ۳۷ء تک جماعتِ قادیان کے دلوں سے بلند ہوئیں۔ اس زمانے میں گورداسپور کے دو مقامی انگریز حکام کی طرف سے میاں صاحب کو کچھ تکالیف یا رنجشیں پہنچی تھیں۔ اُن کے قول کے مطابق اُن کی جماعت نے توازن کو برقرار نہ رکھا بلکہ شدّت سے آہیں بلند کیں۔ "یہ نہ دیکھا کہ ظلم کتنا ہے اور آہیں کتنی بلند ہو رہی ہیں۔" نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے تمام سلطنتِ برطانیہ پر ابتلاء بھیجا۔ ان غیر متوازن آہوں کا ازالہ کرنے کے لئے جناب میاں صاحب سے اگر سلطنتِ برطانیہ باقاعدہ دعا کے لئے درخواست کرے تو ہٹلر کی فوجوں کی پسپائی شروع ہوجائے گی۔ گویا قصور تو تھا حکومتِ پنجاب کے دو مقامی افسروں کا اور تباہی آئی تو نہ صرف انگلستان پر بلکہ پولینڈ، بلجیئم، ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے اور یورپ کے اَور ممالک کے بے شمار بے قصور مردوں، عورتوں اور بچّوں پر۔ چنانچہ اس کے جواب

میں مولانا محمد علی صاحب نے لکھا کہ ہم بھی قبولیتِ دعا کے قائل ہیں۔ لیکن دعا کو میاں صاحب کی طرح بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہتے۔ ہماری قبولیتِ دعا کا سب سے بڑا نشان یہ ہے کہ ہماری جماعت جس کے لئے انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی پیشینگوئی کی تھی اور جو چند آدمیوں نے خالی ہاتھ بنائی وہ پچیس سال میں اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ ایک دنیا کو اس کا اعتراف ہے۔ اور جو خدمتِ دین خدا نے ہم سے لی ہے وہ ہماری دعاؤں کو قبول فرما کر ہی لی ہے کیونکہ ہماری تو سب سے بڑی اور سالہا سال کی مسلسل دعا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔

اصل مبحث پر جو کچھ میاں صاحب نے فرمایا وہ بموجب ان کے خطبۂ جمعہ کے (مندرجہ الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء) یہ تھا:۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے وہ (یعنی مولانا محمد علی صاحب) غالباً ۱۹۱۵ء سے یہ طریق پیش کر رہے ہیں اور اس طرح ۲۳ سال ان کی اس تجویز پر گزر چکے ہیں۔ اور میں نے اس ۲۳ سال کے عرصہ میں اسے قبول نہیں کیا۔"

اور اس پر دلیل یہ دی ہے:۔

"مذہبی عقائد کے بارے میں میں اپنی بیوی بیٹوں اور بھائیوں کا فیصلہ بھی منظور کرنے کو تیار نہیں۔۔۔۔ میرے عقیدے کا سوال میرے لئے ہے اور میں اس میں کسی دوسرے کا فیصلہ کیوں قبول کر دوں۔"

حالاں کہ خود میاں صاحب کے ذاتی طور پر ثالثوں کے فیصلے کو ماننے یا نہ ماننے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ انہوں نے جو بطور امام ایک کثیر جماعت کو گمراہ کیا تھا تو ان کے عقائد پر دلیلیں مانگی جا رہی تھیں۔ اور چند ثالثوں کے سامنے ایک تحریری بحث کا مطالبہ تھا تاکہ ثالث صرف یہ فیصلہ کر دیں کہ دلائل کس کے وزنی ہیں۔ اس کے بعد آئندہ بحث ختم کر کے دونوں جماعتیں پوری توجہ اشاعتِ اسلام کی طرف لگا سکتی تھیں۔

میاں صاحب کی طرف سے اصل مبحث پر گریز دیکھ کر مولانا محمد علی صاحب نے اگست میں ایک براہِ راست خط سے میاں صاحب کو پھر مخاطب کیا۔ اور بہت زور سے اس مطالبہ کو پیش کیا کہ آپ حضرت مسیح موعود کے عقائد اور مسئلہ کفر پر بحث سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اسی طرح اور متفرق موقعوں پر خطباتِ جمعہ میں اور بذریعہ اخبار مولانا محمد علی صاحب نے اتمامِ حجت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ۱۹۳۸ء کے سالانہ جلسہ پر آپ نے ایک ٹریکٹ "جماعت قادیان کے ایک ایک آدمی کو ثالث بننے کی دعوت" شائع کیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود کے مسلک کی وضاحت کی گئی تھی۔ ۱۹۳۹ء کے دوران میں پھر کئی موقعوں پر جماعتِ قادیان اور میاں محمود احمد صاحب سے خطاب کیا۔ اور اخبار پیغام صلح مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۳۹ء میں اس غلط فہمی کو بھی صاف کیا جو قادیان سے آپ کے متعلق پھیلائی گئی تھی۔

کہ آپ نے اپنی بعض ابتدائی تحریرات میں حضرت مسیح موعود کے لئے لفظ نبی استعمال کیا ہے۔ آپ نے اس بات کو واضح کیا کہ آپ کے وہم میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ بانی سلسلہ کا دعوی نبوّت کا ہے۔ لیکن بعض جگہ بانی سلسلہ کے اتباع میں آپ نے اُن کے لئے لفظ نبی مجازاً اور استعارہ کے رنگ میں یا اپنے لغوی معنے میں یعنی پیشگوئی کرنے والے کے معنے میں استعمال کیا ہے اور یہ رنگ نہ بانی سلسلہ سے اور نہ آپ سے خاص ہے۔ بلکہ کئی ایک اولیاء اللہ کی تحریرات میں پایا جاتا ہے۔ البتہ آپ نے اس چیلنج کو بڑے زور سے دہرایا کہ میاں صاحب کبھی آپ کی تحریروں سے ایسا حوالہ نہ پیش کر سکیں گے جس میں غیر احمدیوں کو کافر قرار دیا گیا ہو۔ اور ریویو آف ریلیجنز میں، جس سے میاں صاحب نے کچھ حوالے پیش کئے تھے، خود آپ نے اس لفظ کی کئی بار تشریح کی ہے۔ چنانچہ ریویو آف ریلیجنز ہی سے اپنے ایک مضمون میں سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا:

"لفظ نبی یہاں اصطلاح شریعت میں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ اس لحاظ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس کو یہاں خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرنے والے کے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ نعمت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں سب سچے مسلمانوں کو دیا ہے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جو ایک ممتاز رنگ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو عطا کی گئی۔"

اس کے بعد اپنے اسی اپریل ۱۹۱۴ء والے مضمون میں فرمایا۔

"یہ مفہوم کوئی میرا اپنا ایجاد کردہ نہ تھا۔ اُس وقت قادیانی علماء سب لوگوں کو یہی یقین دلاتے تھے کہ ہم لفظ نبی اصطلاح شریعت کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے صرف پیشگوئی کرنے والے کے لغوی معنے مراد لیتے ہیں۔"

چنانچہ آپ نے میاں صاحب۔ مولوی سرور شاہ صاحب مفتی محمد صادق صاحب وغیرہ کی پہلی تحریرات سے حوالجات دیئے ہیں۔ (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے)

اسی طرح بار بار مولوی محمد علی صاحب نے اور بھی کوششیں کیں۔ جن کا ذکر طوالت کے خوف سے نہیں کیا جاتا۔ اس کی مزید تفصیل جس نے دیکھنی ہو وہ ان سالوں کے اخبارات کے فائل دیکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ جلسۂ سالانہ ۱۹۱۴ء سے پہلے آپ نے میاں صاحب کو دعوت دی کہ وہ ایک دن کے لئے لاہور تشریف لاکر جماعتِ لاہور کے جلسہ میں تقریر کریں۔ اور اسی طرح قادیان کے جلسہ کے آخری دن آپ کو وہاں تقریر کی اجازت دیں تاکہ دونوں فریق کم از کم ایک دوسرے کے دلائل کو سن ہی لیں۔ پہلے تو میاں صاحب نے اتنی منظوری دی کہ ہم آپ کو جلسے کے بعد دو دن دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ ہمارے مہمانوں کا خرچ بحساب تین ہزار روپیہ یومیہ ادا کریں۔ جواباً لکھا

گویا میزبان کا مطالبہ کہ مہمان اپنے ہی نہیں بلکہ میزبان کے خرچ بھی برداشت کرے۔ اسلامی خلق کے بالکل منافی ہے۔ دوسرے جلسے کے بعد باہر کے لوگ چلے جائیں گے تو میں تقریر کس کو سناؤنگا۔ اس لئے سالانہ جلسہ کے دوران میں ہی وقت دیا جائے۔ مگر اس کو میاں صاحب نے قبول نہ کیا پھر آپ نے ان کو دعوت دی کہ اگر آپ کو یہ پسند نہیں کہ میں قادیان آکر آپ کی جماعت کو اپنے دلائل سناؤں تو میری دعوت بہرحال قائم ہے۔ آپ ہمارے جلسے کے پہلے دن لاہور آئیں۔ اور ہمارے جلسہ میں تقریر فرمائیں۔ ہم آپ کا تمام خرچ برداشت کریں گے۔ اس کا جواب کچھ نہ ملا۔

غرضکہ دو سال کی ان متواتر کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں ایک اور آسان طریقہ فیصلہ کے لئے آپ نے میاں صاحب کے سامنے رکھا۔ اور کہا کہ :۔

"وہ مانتے ہیں کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب اپنی نبوت سے انکار کرتے تھے اور مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے تھے۔ مگر ۱۹۰۱ء میں آپ نے تبدیلی کی اور اپنی نبوت کا اقرار لینے لگے اور کلمہ گووؤں کو کافر کہنے لگے۔ حضرت صاحب کے عقیدہ میں تبدیلی ہوئی یا نہ۔ اس کا ایک بات پر فیصلہ کرلیں۔ ساری قادیانی جماعت میں سے صرف ایک شخص حلف اٹھا کر کہہ دے کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب کی نبوت کے بارے میں میرا عقیدہ بدل گیا تھا۔ ہماری طرف سے ستر آدمی حلف اٹھا چکے ہیں کہ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنے دعوے میں تبدیلی کی۔ اور اگر ان کو اور کوئی آدمی نہیں ملتا تو خود میاں صاحب یہ حلف اٹھا دیں۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے آپ نے میاں صاحب کو دعوت دی کہ وہ یہ حلف اٹھائیں کہ انہوں نے آئینہ صداقت کے صفحہ ۳۵ پر جو عقائد لکھے ہیں وہ واقعی حضرت صاحب کے عقائد تھے۔ اور آپ خود یہ حلف اٹھائیں گے کہ میاں صاحب کے یہ عقائد حضرت مسیح موعود کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اگر وہ مؤکد بعذاب حلف اٹھائیں گے تو آپ بھی مؤکد بعذاب حلف اٹھائیں گے۔ وہ عقائد یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت مرزا صاحب فی الواقع نبی ہیں۔ ۲۔ آپ آیت اسمہ احمد کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔

۳۔ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

ان سب باتوں پر تو میاں صاحب کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ مولانا محمد علی صاحب کے ایک خطبہ جمعہ پر جو ۲ مئی کے اخبار میں چھپا اور جس میں آپ نے بتایا تھا کہ میاں محمود احمد صاحب نے کلمہ کو منسوخ کر دیا ہے اور یہ ایک گند اور غلاظت ہے جو انہوں نے حضرت مسیح موعود

کی تعلیم کے ساتھ ملادی ہے، میاں محمود احمد صاحب نے ۸ جولائی ۱۹۴۲ء کے الفضل میں ایک مضمون لکھا جو غیض و غضب سے بھرا ہوا تھا اور جس کا خاتمہ اس شیریں کلامی پر ہوا :-

" مولوی محمد علی صاحب بزدل بھی ہیں اور جھوٹے بھی ...... لیکن اگر وہ اتہام سے باز نہ آئیں گے... تو ایک دن آئیگا کہ خدا تعالیٰ کی پھانسی خود ان کے پاس جائے گی اور خدا تعالیٰ کی لعنت کذابوں کی طرح انکا گلا گھونٹ کر رکھ دیگی...... وہ اپنے افتراء کی لعنت کو اپنے صحنوں میں اُترتا دیکھیں گے اور کذابوں کی موت مریں گے۔"

یہ سب غیض و غضب اس عقیدہ کو ان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک کلمہ پڑھ کر اب کوئی کافر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ بات تو تیس سال سے کہی جا رہی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب نے لکھا کہ میاں صاحب تو ۱۹۱۴ء کے وقت سے ہی ہمارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی پیشینگوئیاں کر چکے ہیں۔ اور آپ نے میاں صاحب سے پوچھا کہ میں نے کیا افتراء کیا تھا جس پر یہ غیض و غضب کا اظہار ہوا۔ کیونکہ میاں محمود احمد صاحب خود آئینہ صداقت کے صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں :-

" وہ تمام مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

چنانچہ آپ نے دوبارہ ان غلط عقائد کو کھول کر لکھا جو میاں صاحب حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کرتے تھے اور پھر اس مضمون کے بعد جو پیغام صلح مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔ آپ نے ایک چوکھٹے کی صورت میں جو سر اخبار پیغام صلح میں چھپتا تھا۔ مندرجہ ذیل مطالبہ میاں صاحب سے کیا :-

" میاں محمود احمد صاحب جواب دیں !

حضرت مسیح موعود پر جو افتراء میاں محمود احمد نے کئے ہیں میں ان کو افتراء ہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ اگر وہ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ میری اس دعوت کو قبول کریں اور مؤکد بعذاب حلف اٹھائیں۔ میں بھی مؤکد بعذاب حلف اٹھاؤں گا۔ ورنہ جو الزام میں اُن پر دے رہا ہوں۔ وہ ایک ثابت شدہ حقیقت قرار پائے گا۔ دیکھئے میں پھر صاف الفاظ میں ان الزامات کو دہراتا ہوں :-

(۱) میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے دعوے میں یہ تبدیلی کی کہ انکار نبوت کرتے کرتے اور مدعی نبوت پر لعنتیں بھیجتے بھیجتے خود دعویٰ نبوت کر دیا۔ اور اپنی سابقہ سالہا سال کی انکار نبوت کی تحریروں کو منسوخ کر دیا۔

(۲) میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ آپ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ ۱۹۰۲ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔

(۳) میاں محمود احمد صاحب نے یہ جھوٹ بولا ہے اور حضرت مسیح موعود پر افتراء کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء کے قریب حضرت مسیح موعود کی مجالس میں یہ چرچا رہتا تھا کہ حضرت صاحب کا سابقہ اجتہاد در بارہ نبوت درست نہیں نکلا۔

اگر جناب میاں محمود احمد میں یہ جرأت ہے تو ان الزامات کی بنیاد پر وہ مجھ سے بحث کریں جس میں میں اُن کے اپنے مریدوں کو ثالث بناؤنگا اور چاہیں تو بحث کے بعد مباہلہ بھی کرلیں۔ یعنی وہ مؤکد بعذاب حلف اٹھائیں کہ ان کے عقائد جو آئینہ صداقت کے صفحہ ۳۵ پر درج ہیں۔ حضرت مسیح موعود کے عقائد کے مطابق ہیں۔ اور میں مؤکد بعذاب حلف اٹھاؤنگا کہ ان کے یہ عقائد حضرت مسیح موعود کے قطعی خلاف ہیں۔ مگر مباہلہ سے پہلے مباحثہ بہرحال ضروری ہوگا۔

اور اگر میاں صاحب اب بھی خاموش رہیں تو دیکھئے میں ان الزامات کو دہراتا رہوں گا یہاں تک کہ ان کے اپنے مریدوں میں بھی جوش پیدا ہو کہ وہ میاں صاحب سے ان الزامات کی بریت کے متعلق سوال کریں۔"

مندرجہ بالا مضمون ایک چوکھٹے کی صورت میں اخبار پیغام صلح میں ۲ر اگست سے لے کر آخر اکتوبر ۴۴ء تک کے ہر شیوع میں چھپتا رہا لیکن اس جواب دینے کی ہمت میاں محمود احمد صاحب کو خود کبھی نہ ہوئی۔ اس دوران میں مولانا محمد علی صاحب نے سر ظفر اللہ خان کو ثالث ٹھہرایا اور میاں صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ حوالے جن کی بناء پر انہوں نے یہ باتیں کہی ہیں سر ظفر اللہ خان کو دکھا دیں اور سر ظفر اللہ خاں چار سطریں لکھ دیں۔ کہ حضرت صاحب کے زمانے کے ریکارڈ سے یہ باتیں ثابت ہوگئی ہیں۔ تو میں اپنی غلطی تسلیم کرونگا اور اعلانیہ معافی مانگونگا۔

لیکن میاں صاحب کی زبان پر گویا مہر لگ گئی۔ اور ۲۰ر اکتوبر کے خطبہ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے جماعت کو کہا کہ یہ نشان خدا تعالےٰ نے ہماری زندگیوں میں ہمیں دکھا دیا ہے کہ وہ عقیدہ اور باطل باتیں جو حضرت صاحب کی طرف منسوب کی جاتی تھیں وہ جھوٹ ثابت ہوئیں۔ ان مطالبات کو قائم رکھیں اور ان لوگوں سے ان کا ثبوت مانگتے رہیں۔

اس کے بعد سنہ ۴۴ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان میں میاں محمود احمد صاحب نے اپنی ایک تقریر میں بحث کے لئے آمادگی ظاہر کی تو آپ نے ۵ر جنوری ۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں پھر میاں صاحب کو دعوت دی کہ وہ ثالثوں کے سامنے

یا ثالثوں کے بغیر جس طرح چاہیں آپ کے ساتھ بحث کر لیں۔ اور وہ ان تینوں مسائل پر ہو جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر قادیان پر خاموشی طاری ہو گئی۔

۹ مارچ ۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں آپ نے میاں صاحب کو ان امور پر مباہلہ کی دعوت بھی دی کہ حضرت مرزا صاحب نے کبھی یہ کہا ہو کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا۔ اور مباہلہ سے پہلے خود بخود اس پر مباحثہ بھی ہو جائیگا۔ اس دعوت پر جب چھ ماہ کے قریب گذر گئے تو ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو آپ نے پھر بذریعہ اخبار میاں صاحب کو چیلنج دیا کہ کیا وہ مباہلہ کے لئے تیار ہیں ؟ آپ نے جو ایک سال تک بار بار اعلان کئے تھے کہ میاں صاحب نے جھوٹ بولا ہے اور حضرت صاحب پر افتراء کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے میں لفظ نبی کی غلط تشریح کیا کرتا تھا ان اعلانوں پر میاں صاحب کی توجہ دلائی کہ وہ اپنے ثبوت اس بارے میں سر ظفر اللہ کو (جن کو آپ نے ثالث مقرر کیا تھا) کیوں نہیں دکھلاتے۔ اور اگر وہ سر ظفر اللہ کو بھی ثالث نہیں بناتے تو اپنی جماعت میں سے جس کو چاہیں خود ثالث بنا لیں اور یا وہ آپ کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کریں کہ آپ نے ان پر افتراء کا الزام جھوٹا لگایا ہے۔ اور ان کی ازالہ حیثیت عرفی کی ہے۔ آپ نے لکھا کہ میں قسم اٹھا کر کہہ چکا ہوں کہ میاں صاحب نے یہ افتراء کیا ہے اور آپ نے میاں صاحب کو بھی قسم اٹھانے کی دعوت ان الفاظ میں دی :-

"میں میاں صاحب کی بے عزتی کا خواہاں نہیں۔ میں قطعاً ان کی بربادی کا خواہاں نہیں۔ مگر میں دینِ اسلام کی بے عزتی اور حضرت مسیح موعود کی صحیح تعلیم کی بربادی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا مطالبہ کوئی بڑا نہیں میاں صاحب قسم کھائیں کہ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنا عقیدہ دربارہ نبوت حضرت مسیح موعود تبدیل کر لیا تھا۔ یا حضرت مسیح موعود پر اس افتراء سے باز آجائیں کہ آپ نے اپنا عقیدہ ۱۹۰۱ء میں بدل لیا تھا۔"

غرض کہ یہ حالات اسی طرح چلتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ نے ۱۲ اگست کے پیغام صلح میں جلی الفاظ میں آپ نے مطالبات مباحثہ و مباہلہ کو اس عنوان کے ساتھ پھر دہرایا :-

"میں اس بات پر جماعت قادیان کے پیشوا سے (۱) مباحثہ کے لئے بھی تیار ہوں (۲) مباہلہ کے لئے بھی تیار ہوں۔ کیا حضرت مسیح موعود نے ۱۹۰۱ء میں اپنا عقیدہ اپنی نبوت کے متعلق یا آنحضرت صلعم پر نبوت ختم ہونے کے متعلق تبدیل کر لیا تھا ؟"

اس کے ساتھ جو آپ نے اعلان شائع کیا وہ چونکہ تمام گذشتہ واقعات کا گویا ایک نچوڑ ہے اس لئے درج ذیل ہے :-

"ہم اور جماعتِ قادیان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جب حضرت صاحب نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو نبی ہونے سے انکار کیا اور اپنا دعوےٰ محدثیت قرار دیا اور نبوت کو آنحضرت صلعم پر ختم قرار

دیا اور آپ کے بعد دعویٰ نبوّت کرنے والے کو مفتری اور کذاب قرار دیا۔ اختلاف ہم میں اور جماعت قادیان کے پیشوا میں صرف یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود ۱۸۹۱ء سے لے کر اپنی وفات تک اسی عقیدہ پر قائم رہے اور جماعت قادیان کا پیشوا لکھتا ہے کہ آپ نے ۱۹۰۱ء میں اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا تھا۔ خود نبوّت کا دعویٰ کیا اور آنحضرتؐ کے بعد نبوّت کا دروازہ کھلا قرار دیا۔

۲۔ ظاہر ہے کہ ۱۹۰۱ء میں تبدیلیٔ عقیدہ کا ثبوت پیشوائے قادیان کے ذمّہ ہے۔ میں نے بارہا میاں صاحب کو اس بات پر مباحثہ کے لئے دعوت دی اور یہاں تک بھی لکھ دیا کہ میں صرف ان کی جماعت کے پانچ یا سات اصحاب کو ثالث ٹھہراؤں گا۔ مگر میاں صاحب اس کا کوئی جواب نہیں دیتے۔

۳۔ میں نے اور ہم میں سے ستّر آدمیوں نے اس بات پر حلف اٹھائی کہ ہم نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی اور جس عقیدہ پر ہم نے بیعت کی تھی، کہ نبوّت آنحضرت صلعم پر ختم ہے، اسی عقیدہ پر آپ کی وفات تک قائم رہے۔ اور ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ دربارۂ نبوّت تبدیل نہیں کیا۔

۴۔ آج تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ جماعت قادیان کے ستّر آدمی یہ حلف اٹھائیں کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی آپ کے دعویٰ محدّثیت پر ہی کی تھی مگر ۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا اور حضرت مرزا صاحب کو نبی ماننا شروع کر دیا۔ کیونکہ ۱۹۰۱ء میں انہیں علم ہو گیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہے۔ مگر ساری جماعت قادیان تیس سال سے خاموش ہے۔

۵۔ پھر میں نے آخری حجت شرعی کی طرف رجوع کیا کہ میاں صاحب اس بات پر مجھ سے مباہلہ کر لیں کہ کیا ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ اپنی نبوّت کے متعلق تبدیل کر لیا تھا۔ مگر میاں صاحب پھر بھی خاموش رہے۔

۶۔ لیکن میاں صاحب کے مرید مجھ سے یہ مطالبہ کرتے چلے جاتے ہیں کہ کیا میں میاں صاحب سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تمام شکوک کو رفع کرنے کے لئے میں پھر اسی بات کا اعلان کرتا ہوں کہ:

۷۔ اس بات پر کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعود نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا۔ میں میاں صاحب کے ساتھ مباحثہ کے لئے تیار ہوں اور اس کے لئے صرف ان کے مریدوں کو ثالث بنانے کے لئے تیار ہوں جن میں سے ایک سر ظفر اللہ خان بھی ہوں گے۔

۸۔ ثالث بنانے سے یہ لازم نہ آئیگا کہ میاں صاحب اپنے مریدوں کے فیصلے کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنے عقیدہ سے توبہ کر لیں۔ مگر مریدوں کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی۔ لیکن اگر میاں صاحب اس میں اپنی خفت سمجھتے ہیں تو

میں اس شرط کو بھی چھوڑتا ہوں - اور بلا شرط ان کے ساتھ ایک مباحثہ کے لئے تیار ہوں جو خواہ مجمع عام میں ہو۔ خواہ تحریری ہو۔ باقی شرائط وہ جو چاہیں رکھ لیں۔ میری طرف سے صرف یہی شرط ہے کہ موضوع بحث صرف اس قدر ہو گا کہ آیا ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ تبدیل کیا یا نہیں۔

۹۔ میاں صاحب چاہیں تو اسی موضوع پر میں مباہلہ کے لئے بھی تیار ہوں۔ یہ مباہلہ وہ چاہیں تو تنہا مجھ اکیلے کے ساتھ کر لیں اور چاہیں تو دونوں طرف سے ایسے لوگوں کو بھی شامل کریں جنہوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی۔

اگر میاں صاحب ۱۹۰۱ء کو تاریخ تبدیلیٔ عقیدہ نہیں مانتے تو جو تاریخ اس تبدیلی کے لئے تجویز کریں میں اس پر مباحثہ اور مباہلہ کے لئے تیار ہوں۔

میں اس تحریر کا جواب میاں صاحب کے اپنے قلم سے مانگتا ہوں۔

لیکن اس اعلان اور مطالبہ کا کوئی جواب میاں محمود احمد صاحب نے اپنے قلم سے دینے کی تکلیف نہ کی۔ البتہ ان کے ایک مرید سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب (سکندر آباد) نے جو کہ اس بارے میں پہلے بھی بڑے بڑے انعامی چیلنج دے کر غلط فہمیاں پھیلاتے رہتے تھے، یہ اعلان الفضل مورخہ ۲۷ اکتوبر میں کیا کہ :

" مولوی محمد علی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب مجدد و مسیح ہیں مگر نبی نہیں اور نہ ان کے انکار سے کوئی کافر ہو سکتا ہے اور یہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔ ہم نے ان کو یہ چیلنج دیا کہ آپ اپنا عقیدہ ایک پبلک جلسہ میں حلفاً بیان کریں تو ہم آپ کو اسی جلسہ میں نقد پانچہزار روپیہ دیں گے اور اگر آپ پر ایک سال کے اندر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی عبرت ناک عذاب جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو نہ آیا تو مزید پچاس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اگر کوئی صاحب ان کو اس بات پر آمادہ کریں گے تو ان کو بھی نقد پانچہزار دیا جائے گا۔ "

اس کے بعد سیٹھ صاحب نے شیخ انعام الحق صاحب کو لکھا کہ اگر آپ اس کا اعلان بھی اخبار پیغام صلح میں شائع کروا دیں تو ہم ساٹھ ہزار روپیہ جناب عبدالکریم بابو خان صاحب کے پاس جمع کروانے کو تیار ہیں

اس پر شیخ محمد انعام الحق صاحب کے لکھنے پر مولانا محمد علی صاحب نے اخبار پیغام صلح مورخہ ۱۱ دسمبر ۴۶ء میں اعلان کیا کہ وہ مطلوبہ حلف سالانہ جلسہ پر اٹھائیں گے اور سیٹھ اللہ دین صاحب اب وہ روپیہ عبدالکریم بابو خان صاحب کے پاس جمع کروا دیں۔ لیکن سیٹھ صاحب نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

۲۵ دسمبر ۴۶ء یعنی جلسہ کے پہلے دن آپ نے " جماعت قادیان کا مطالبۂ حلف " کے موضوع پر تقریر فرمائی - آپ نے مسئلہ نبوّت اور کفر و اسلام کی نہایت جامعیت

کے ساتھ وضاحت فرمائی (اوران تمام حالات) کا ذکر کیا جن کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ اور بتلایا کہ جب آخری مرتبہ اگست ۱۹۴۶ء میں آپ نے میاں صاحب کو مباحثہ یا مباہلہ کی دعوت دی تو اس کا براہِ راست کوئی جواب انہوں نے نہیں دیا۔ البتہ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے بعض ان کے مریدوں کو جو خط لکھے گئے اس میں یہ کہا گیا:۔

"وہ حوالہ تو پیش کریں کہ جس میں میں نے یہ لکھا ہو کہ حضرت مسیح موعود نے عقیدہ نبوّت تبدیل کیا۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ تعریف نبوّت میں تبدیلی کی۔"

اس پر میں نے فوراً میاں صاحب کے وہ حوالجات نقل کر کے اخبار میں دیئے جن میں وہ کئی بار لکھ چکے تھے کہ حضرت صاحب نے ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں اپنا عقیدہ دربارہ نبوّت بدلا (مثلاً القول الفصل صفحہ ۲۴، حقیقت نبوّت صفحہ ۱۲۱ وغیرہ) اس پر میاں صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

پھر آپ نے خلیفہ قادیان اور ان کے مرید سیٹھ عبداللہ الہ دین کے مطالبات کا مفصّل ذکر کیا اور بتلایا کہ میں پہلے ہی ۱۹۱۵ء میں جماعت لاہور کے ستر آدمیوں سمیت حلف اٹھا چکا ہوں کہ حضرت صاحب نے ۱۹۰۱ء میں اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں قادیان کی جماعت کے ایک آدمی کو بھی یہ حلف اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پھر دوسری بار ۱۹۴۴ء میں داتہ کی جماعتوں کے مطالبہ پر میں نے وہی حلف اٹھایا۔ جو دونوں جماعتوں نے لکھ کر بھیجا تھا۔ مگر میاں محمود احمد صاحب نے خاموشی اختیار کی۔ پھر ان کے مرید سیٹھ عبداللہ الٰہ دین نے بار بار حلف اٹھانے کے مطالبے اور انعامی چیلنج چھاپنے شروع کئے۔ اور اب جبکہ میں نے اس حلف کو اٹھانے پر آمادگی لکھ کر شائع کر دی تو سیٹھ صاحب خاموش ہیں اور انعامی رقم جو وہ جمع کروانے کا وعدہ کر چکے تھے وہ بھی انہوں نے جمع نہیں کروائی۔ غرضیکہ میاں محمود احمد صاحب نہ مباحثہ۔ نہ مباہلہ کسی طرف بھی نہیں آتے۔ اور اب سب کو سمجھ آجانی چاہیئے کہ حضرت صاحب کی طرف اس عقیدہ کو منسوب کرنے والوں نے ان پر افتراء کیا ہے۔

ان واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس لئے درج کیا گیا ہے کہ سب پڑھنے والوں پر واضح ہو جائے کہ کس طرح مولانا محمد علی صاحب نے اپنی زندگی میں جماعت قادیان کے پیشوا پر ان کے غلط عقائد کے سلسلے میں اتمامِ حجت کیا اور ان لوگوں کو کبھی کھلے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس ذکر کو ختم کرنے کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کے اس پیشگوئی نما بیان کا ذکر کر دیا جائے جو کہ پہلے بھی متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

"یا تو قادیانیوں کو ایک علیحدہ دین اور کلمہ بنانا ہوگا اور کٹ کر مسلمانوں سے علیحدہ ہو جانا ہوگا۔ یا پھر اپنے عقیدہ میں تبدیلی کرنا پڑے گی۔"

جس طریق پر یہ اعلان ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید پر کامل بھروسہ اور اپنے عقائد پر یقین ہونے کی وجہ سے مولانا نے کیا تھا، آپ کی وفات کے بعد پورا ہوا۔ وہ اب تاریخ کا ایک حصّہ ہے۔ مارچ، اپریل ۵۳ء میں جماعتِ احمدیہ کی مخالفت سخت زور پکڑ گئی اور سخت فسادات شروع ہوگئے وسط اپریل ۱۹۵۳ء تک حالات اس قدر خطرناک ہوگئے کہ مرکزی حکومت نے لاہور میں مارشل لاء نافذ کردیا۔ اس کے بعد نہ صرف صوبائی حکومت ہی بدلی بلکہ مولویوں کا ایک گروہ گرفتار ہو کر جیل خانوں میں گیا۔ ان فسادات کی تحقیقات کے لئے چیف جسٹس محمد منیر صاحب کو ایک کورٹ آف انکوائری پر متعین کیا گیا اور ان کی رپورٹ چھپی ہوئی موجود ہے۔ عدالت میں تبدیلی عقیدہ بہت بڑی ذلت ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق "تریاق القلوب" میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ میاں محمود احمد صاحب کے غالیانہ عقائد کی قلعی بھی عدالت میں ہی کھلے کہاں ان کا یہ دعوےٰ کہ "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو۔ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں" (آئینۂ صداقت صفحہ ۳۵) اور کہاں ان کا تحقیقاتی عدالت میں بیان دینا کہ "کوئی شخص جو مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا" (رپورٹ صفحہ ۲۸) چنانچہ تحقیقاتی کمیشن جس نتیجہ پر پہنچا وہ اس کی رپورٹ کے صفحہ ۱۹۹ پر اس طرح درج ہے:-

"لہٰذا یہ مسئلہ صرف ایک سوال پر محدود ہو جاتا ہے کہ آیا مرزا غلام احمد نے کبھی ایسی وحی کے مورد ہونے کا دعوےٰ کیا ہے جو وحیٔ نبوت کہلا سکتی ہو احمدیوں نے اور اُن کے موجودہ امام نے بڑے غور و خوض کے بعد ہمارے سامنے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی وحی کو وحیٔ نبوت کے برابر قرار نہیں دیا اور مرزا صاحب کی وحی پر ایمان نہ لانے سے کوئی شخص خارج از اسلام قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

اسی طرح غیر احمدیوں کی نمازِ جنازہ کے متعلق رپورٹ کے صفحہ ۲۱۲ پر درج ہے:-

"نمازِ جنازہ کے متعلق احمدیوں نے ہمارے سامنے بالآخر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کا ایک فتویٰ حال ہی میں دستیاب ہوا ہے جس میں اُنہوں نے احمدیوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ان مسلمانوں کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں جو مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب نہ ہوں۔"

واضح ہو کہ یہ فتویٰ اور اس کے علاوہ اور کئی ایک فتوے مولانا محمد علی صاحب نے سالہا سال پہلے میاں صاحب کے سامنے بار بار پیش کئے تھے مگر اُن کی طرف سے کبھی اُن کا خاطر خواہ جواب نہیں دیا گیا

اسی طرح پہلے احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اختلاف بنیادی قرار دیئے جاتے تھے (ملاحظہ ہو اخبار الفضل

۲۱ اگست ۱۹۵۱ء) مگر جب عدالت میں یہی سوال کیا گیا تو میاں صاحب نے جواب دیا کہ "اختلافات بنیادی نہیں بلکہ فروعی ہیں۔" (صفحہ ۱۶)

غرضکہ مولانا محمد علی صاحب کا یہ اعلان کہ یا تو قادیانیوں کو مسلمانوں سے کٹ کر علیحدہ دین بنانا پڑیگا اور اور یا پھر اپنے عقائد میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ ان کی وفات کے بعد حرف بحرف پورا ہوا۔

حق تصنیف کا معاملہ اس بارے میں پہلے ذکر آچکا ہے کہ کس طرح انجمن کے فیصلوں کے مطابق حق تصنیف کا انتظام شروع ہوا اور اس پر عملدرآمد رہا۔ مگر جماعت کے چند لوگوں نے اپنی بڑائی کی خاطر اور مولانا محمد علی صاحب میں کوئی نہ کوئی نقص نکالنے کی خاطر اس ایک چیز کو موردِ الزام بنانا چاہا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک جمہوری نظام میں ہر شخص کو اعتراض کرنے کا حق ہے۔ اور قوم کے لیڈر کی شخصیت کو سب الزامات سے پاک ہونا ضروری ہے مگر جمہوری نظام کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ کثرت رائے کے سامنے اپنی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جتنی کثرت سے یہ معاملہ انجمن کے سامنے آیا۔ اور جس قدر صریح فیصلے اس پر ہوئے وہ اور کسی معاملے پر کم ہوئے ہوں گے۔ مگر چند لوگ (جو جنرل کونسل میں فیصلے کے وقت تو برملا اپنا اختلاف رائے لکھوانے کی اخلاقی جرأت نہ رکھتے تھے) ہمیشہ پیٹھ کے پیچھے اس معاملے میں چہ میگوئیوں سے باز نہ آتے تھے۔ اور سالہا سال ان کی کوشش یہی رہی کہ جماعت کے دلوں میں شبہات ڈالے جائیں کہ گویا اس طریقے سے انجمن کو نقصان ہو رہا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے۔ کہ اس طریق سے نہ صرف انجمن پر مولانا محمد علی صاحب کا کچھ بوجھ نہ تھا بلکہ اس طریق سے انجمن کو کثیر مالی فائدہ بھی تھا۔

۱۹۳۸ء تک کے واقعات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس سال مولانا محمد علی صاحب کی بیماری کے بعد ۱۹۳۹ء میں پھر یہ سوال اس رنگ میں اٹھایا گیا کہ انجمن کو بکڈپو میں سراسر نقصان ہو رہا ہے۔ چنانچہ ۳۹ء کے آخر میں ایک سب کمیٹی اس بات کے لئے مقرر ہوئی۔ اس کے ممبران مولانا صدرالدین صاحب۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب شیخ محمد دین جان صاحب اور ماسٹر فقیر اللہ صاحب تھے (ریزولیوشن نمبر ۱۱ معتمدین ۲۹/۱/۳۹)

اس کمیٹی نے جو کچھ رپورٹ تیار کر کے انجمن میں پیش کی اس کے متعلق مولانا محمد علی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔[1]

"بہت سی فرضی اور غلط باتوں کو بنیاد ٹھہرا کر اور غلط اعداد و شمار کی بناء پر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ بک ڈپو سخت نقصان پر چل رہا ہے۔ اور گذشتہ بیس سال میں ۳۳ ہزار روپے کا نقصان ہو چکا ہے اس

---

[1] یہ اقتباس مولانا محمد علی صاحب کی اس آخری تحریر سے لیا گیا ہے جس پر آپ کے دستخط اپنی وفات سے دو ماہ قبل یعنی مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء کے ثبت ہیں۔ ویسے اس وقت ہی یعنی ۱۹۳۹ء میں مولانا محمد علی صاحب نے اس کمیٹی کی رپورٹ پر ایک مفصل بیان انجمن میں لکھ کر دیا تھا جو انجمن کے ریکارڈ میں موجود ہے اور اس میں مصدقہ اعداد و شمار سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ تمام کی تمام غلط ہے۔

رپورٹ میں کمال یہ کیا گیا کہ بکڈپو جب انگریزی ترجمہ قرآن سے شروع ہوئی تو اس پر انجمن کا سرمایہ ۵۴ ہزار دکھایا گیا حالانکہ اصل خرچ ۳۴ ہزار روپیہ تھا۔ اور پھر اس پر ۷۴ ہزار روپیہ سود لگایا گیا۔ حالانکہ اگر خرچ ۱۹۱۷ء میں شروع ہوا تو ایک سال بعد اس کی فروخت شروع ہو کر نہ صرف ۳۴ ہزار روپیہ وصول ہو چکا تھا بلکہ سنہ ۲۱ء کے آخر تک ۹۱½ ہزار روپیہ فروخت قرآنِ کریم کا انجمن کے خزانے میں واپس ہو چکا تھا اتنا سخت سود شاید کسی بنیئے یا یہودی کو لگانے کی بھی جرأت نہ ہوتی۔

مگر معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے علاوہ اس سب کمیٹی نے ایک فرضی سرمایہ مفت اشاعت کا ۴۰ ہزار روپیہ کا قرار دیا۔ اور اس پر ۲۰ ہزار سود لگایا۔ حالانکہ مفت اشاعت اس روپے سے ہوتی تھی جو باہر سے احباب چندہ دیتے تھے۔ اس میں ایک ہی رقم ۷½ ہزار کی سیٹھ محمد علی حبیب کی تھی اور اسی طرح وقتاً فوقتاً دوسرے دوست گرانقدر رقمیں مفت اشاعت کے لئے دیتے تھے۔ جو اگر بیس سال کے عرصہ میں ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی ہوں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ مگر اس پر ۲۰ ہزار سود وہ امر ہے جو ایک اشاعتِ اسلام کرنے والی کمیٹی کے ذہن میں کیسے آیا۔ سمجھ سے باہر ہے۔ یوں ایک جنبشِ قلم اس کمیٹی نے ۳۴ ہزار کے خرچ کو ۵۴ ہزار بنایا۔ اس میں ۷۴ ہزار سود ملایا۔ مفت اشاعت ۴۰ ہزار کا فرضی سرمایہ اس میں ۲۰ ہزار سود بڑھایا۔ یعنی ۳۴ ہزار کو ۱۶۸ ہزار بنا دیا۔ گویا ۳۴ ہزار پر فرضی ۱۳۴ ہزار بڑھا دیا۔ اسی کو کرشمہ کہتے ہیں۔ دوسری طرف آمدنی میں کمی دکھانے پر جو یہ کمیٹی اتری تو بعض کتابوں کے نام تک دکھائے جن کی قیمت فروخت ۲۰ ہزار بنتی ہے۔ بعض کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن دکھائے۔ جن کی قیمت ۲۶۸ ہزار بنتی ہے۔ بعض کتابوں کی فروخت اصل سے کم دکھائی۔ گویا ایک طرف اپنا سرمایہ ۳۴ ہزار کی بجائے ۱۶۸ ہزار بنا کر خرچ ۱۳۴ ہزار زیادہ دکھلایا اور دوسری طرف آمد فروخت کتب ۸۰٪ ر ۳۷ را کم دکھائی اور یوں بک ڈپو کو نقصان میں چلتا دکھایا۔

یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ جب کمیٹی موجودہ سٹاک کا حساب لگانے بیٹھی تو میری کل کتب کا سٹاک ۲۵ ہزار کا بتایا اور لکھا کہ کہیں کہیں دس بیس سال میں جا کر اس سے ۲۰ ہزار روپے وصول ہوں گے تو میں نے اسی وقت اس کی قیمت ۲۰ ہزار روپے آفر کی۔ جو دس سال میں ۲ ہزار سالانہ کی قسط سے ادا کروں گا۔ مگر یہ تو سب فرضی حساب اور افسانے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ملک شیر محمد صاحب مرحوم نے اس سٹاک کا حساب لگایا تو یہ ڈیڑھ لاکھ سے اوپر تھا اور اس وقت[1] خدا کے فضل سے شاید چھ لاکھ سے بھی اوپر ہوگا۔ یہ محض خدا کا فضل ہے کہ ۳۴ ہزار کے قلیل سرمایہ کو اس قدر برکت دی کہ آج چھ لاکھ کا سامان بھی موجود ہے اور ایک دنیا اس علم کی نہروں سے سیراب ہو چکی ہے ...... "

---

[1] یعنی سنہ ۵۱ء میں آپ کی وفات کے قریب۔

اس سب کمیٹی کی رپورٹ پر انجمن نے مولانا محمد علی صاحب سے بھی تفصیلات طلب کیں۔ چنانچہ آپ نے کئی صفحات پر مشتمل مصدقہ اعداد و شمار سے (جو مطالعہ کے لائق ہیں) تفصیلات پیش کیں۔ انجمن نے سب کمیٹی سے تو کوئی باز پرس نہ کی مگر مندرجہ ذیل فیصلہ دیا:۔

"۱۹ مورخہ ۲۸/۴/۴۷ معتمدین۔ رپورٹ سب کمیٹی پیش ہوئی۔ اور حضرت امیر کی بیان کردہ تفصیلات بھی پیش ہوئیں۔ انجمن کی رائے میں سب کمیٹی کے اعداد و شمار صحیح نہیں۔ انجمن کی رائے میں حضرت امیر کی تصنیفات سے انجمن کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ فائدہ ہوا ہے۔ (۲) شرح حق تصنیف یکم نومبر ۳۹ء سے ۳۳ ۱/۲ فیصد منظور ہے اور حسب سابق رقم ماہانہ ساڑھے تین صد روپے ہی پوری کی جائے۔ لیکن زائد رقم بطور آنریریم متصور ہو۔۔۔۔ "

لیکن انجمن نے اس سب کمیٹی سے کبھی باز پرس نہ کی۔ اگر مولانا محمد علی صاحب صحیح واقعات کو پیش نہ کرتے تو غالباً یہ رپورٹ خاموشی سے تسلیم کر لی جاتی۔

۱۹۳۸ء میں کتب کی فروخت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کے لئے ملک شیر محمد صاحب کی تجویز کے مطابق ایک سول ایجنسی بنائی گئی۔ ۴۱ء سے ۴۵ء تک اس کا معاملہ تختۂ مشق بنا رہا۔ اس سلسلہ میں مئی ۴۵ء میں اس معاملہ کو مولانا محمد علی صاحب کی غیر موجودگی میں ایک افسوسناک طریق سے اُٹھایا گیا۔ اور کچھ باتوں کی بغیر کسی تحقیقات کروانے کے اور بغیر انجمن کے فیصلے کے انتظار کے تشہیر کی گئی۔ حتیٰ کہ قادیان کے اخبار الفضل میں بھی وہی باتیں من و عن شائع ہوئیں۔ یہ سب باتیں آخر کار غلط ثابت ہوئیں۔ لیکن سول ایجنسی کے خلاف جو مہم تھی وہ جاری رہی اور آخر ۴۶ء میں یہ ایجنسی بند کر دی گئی۔ اس کے بعد جو صورت حالات ہوئی وہ میاں غلام رسول صاحب کی اس تحریر سے عیاں ہے جو مورخہ ۱۹/۳/۴۸ کو بذریعہ ریزولیوشن ۲۲۴ منتظمہ میں پیش ہوئی۔ جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ صرف "چند بھائیوں کے جذبات" کی وجہ سے ہوا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق تصنیف کے متعلق آخری فیصلہ جو ۴۸ء میں ہوا۔ وہ بھی یہاں ہی درج کر دیا جائے۔ بذریعہ ریزولیوشن ۵ معتمدین مورخہ ۲۷/۲۸-۵-۴۸ اور خواجہ نذیر احمد صاحب کی تجویز پر انجمن نے فیصلہ کیا کہ حق تصنیف ۳۳ ۱/۲ فی صد کے حساب سے ہی دیا جائے۔ لیکن یہ کم از کم آٹھ سو روپے ماہوار ہو۔ مولانا محمد علی صاحب کی وفات تک اسی پر عملدرآمد رہا۔

ترجمۃ القرآن پر نظر ثانی

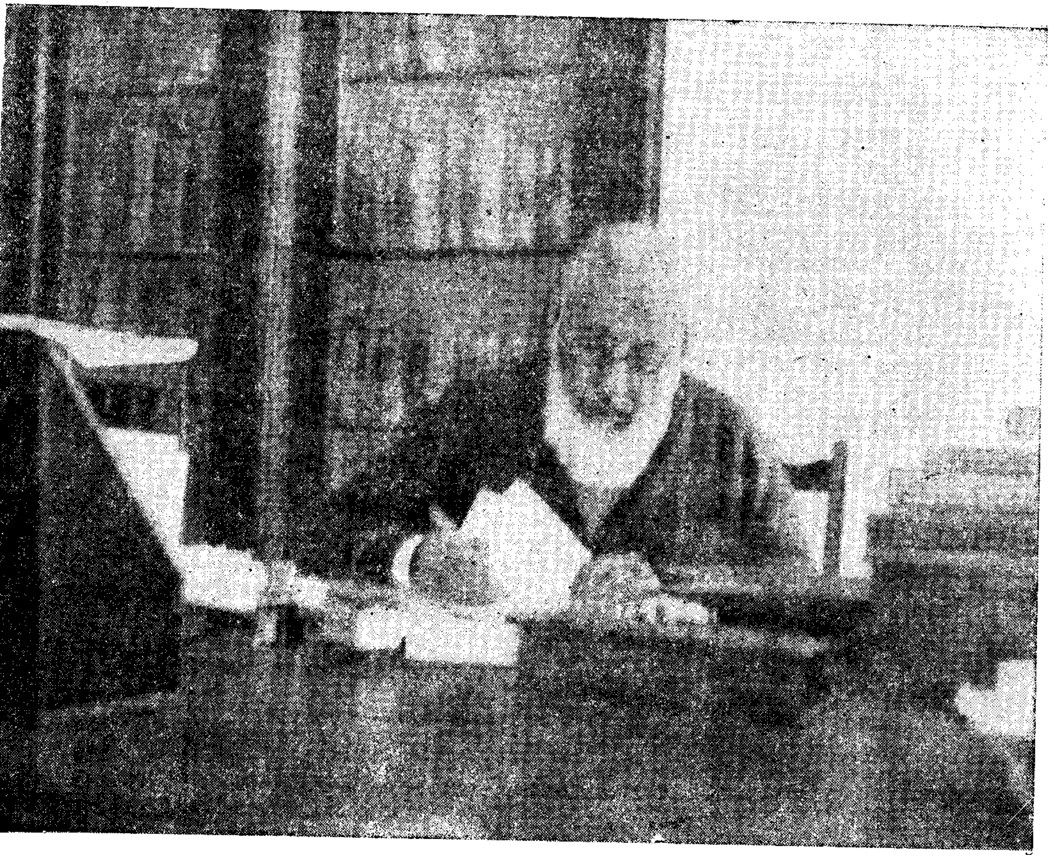

⑦ جون ۱۹۴۷ء تا وفات - انگریزی ترجمہ قرآن پر نظر ثانی اور تحریک تقسیم لٹریچر

انگریزی ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کی ابتداء

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے۔ مئی ۱۹۴۷ء کے آخر میں مولانا محمد علی صاحب بمعہ اہل و عیال حسب معمول ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ ماہ مئی میں لاہور میں گرمی کی وجہ سے آپ کو بخار اور دیگر کچھ تکالیف شروع ہو جاتی تھیں۔ اس سال بھی مئی میں آپ کی صحت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ ڈلہوزی پہنچنے کے بعد بخار ہونا بند ہو گیا۔ اور ۲۵ جون ۱۹۴۷ء کو آپ نے اپنے سب سے اہم آخری تصنیفی کام کو ہاتھ میں لیا۔ یعنی انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کی نظر ثانی۔ پہلے انگریزی ترجمہ و تفسیر کو شائع ہوئے تیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا اور اس تیس سال میں بیان القرآن (اردو) سے شروع کر کے بڑی بڑی اہم تصانیف قرآن، حدیث، سیرت نبوی اور دین اسلام پر اردو اور انگریزی میں آپ کے قلم سے نکل چکی تھیں۔ چنانچہ آپ محسوس کرتے تھے کہ انگریزی ترجمہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ان حالات میں ۷۲ سال کی عمر میں اس مرد خدا نے اس کام کو ہاتھ میں لیا۔ اور یہ ایک معمولی نظر ثانی نہ تھی جس کا بیڑا آپ نے اٹھایا ترجمہ میں بہت سی تبدیلیاں کیں اور اکثر تفسیری نوٹ تو قریب قریب دوبارہ لکھ ڈالے اور بہت سی کمی بیشی ان میں کی۔ مگر اس کام کی ابتداء کئے ابھی دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ملک میں تقسیم کی وجہ سے ایک خطرناک انقلاب آیا اور آپ کو اپنی کتابوں اور سامان کو اپنی کوٹھی میں ہی چھوڑ کر نہایت خطرناک حالات سے گذر کر لاہور آنا پڑا۔

تقسیم ہند اور ڈلہوزی سے لاہور کا سفر

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے حالات بہت مخدوش تھے۔ حکومت برطانیہ ملک کو چھوڑنے والی تھی مگر اس کے بعد آنے والی حکومت کیا ہوگی جس کو اختیارات دیئے جائیں یہ کسی کو علم نہ تھا۔ ملک بھر میں خطرناک ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ خود لاہور میں مارچ و اپریل میں سخت فسادات ہوئے۔ یہاں تک کہ دو جمعوں پر مولانا محمد علی صاحب کا مسلم ٹاؤن سے احمدیہ بلڈنگس جانا ناممکن ہو گیا تھا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند نے اصولی طور پر تقسیم ملک اور پاکستان کے قیام کی تجویز کو ماننے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ۱۴ اگست کو ایک عارضی تقسیم کے بعد مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ ڈلہوزی ضلع گورداسپور میں تھا اور اس عارضی تقسیم میں اس ضلع کا اور دیگر چند اضلاع کا فیصلہ ابھی نہ ہوا تھا۔ مگر مسلمان اکثریت ہونے کی وجہ سے خیال تھا کہ یہ پاکستان میں شامل ہوگا۔ چنانچہ ۱۴ اگست کو ڈلہوزی کے

ڈاکخانے پر مسلمان پوسٹ ماسٹر نے پاکستان کا جھنڈا لہرایا۔ اس وقت حالات یہ تھے کہ میدانی علاقوں میں سخت فسادات اور کشت و خون کی وجہ سے ڈاک و تار کا سلسلہ ڈلہوزی سے منقطع ہو چکا تھا۔ اور صرف ریڈیو سے خبریں ملتی تھیں۔ دو تین روز کے بعد ہی جب ان اضلاع کے متعلق پکّی تقسیم کا اعلان ہوا تو تمام کا تمام ضلع گورداسپور ہندوستان کو دے دیا گیا۔

ڈلہوزی کی شہری آبادی میں زیادہ تر لوگ میدانوں سے آتے تھے اور ان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ پہاڑ کی مقامی آبادی ہندو پہاڑیوں کی تھی جو کہ مزدوری اور اسی قسم کے کام کرتے تھے۔ اور یہی لوگ پہاڑ پر آنے جانے والوں کا سامان موٹروں کے اڈّے سے لایا لے جایا کرتے تھے۔ جب ڈلہوزی ہندوستان میں چلا گیا۔ تو ہندوؤں نے وہاں بھی فسادات شروع کر دیئے اور مسلمانوں کی دکانوں اور گھروں کو لوٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔ بکروٹہ جہاں مولانا محمد علی صاحب کی کوٹھی تھی۔ شہر سے دُور اونچائی پر ایک الگ تھلگ جگہ تھی۔ لیکن ہندوؤں کی ٹولیاں اس علاقے میں بھی پھرنی شروع ہو گئیں۔ اگرچہ ابھی تک تشدّد کرنے کی ان کو ہمت نہ تھی۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ لاکھوں مسلمان مرد عورتیں اور بچّے اپنے گھروں سے پاکستان کی طرف بھاگے اور ہزارہا کو بیدردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ ریل اور سڑک کوئی ذریعہ آمدورفت کا محفوظ نہ رہا۔ مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ اس وقت ڈلہوزی میں میاں غلام رسول صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور شیخ میاں محمد صاحب لائلپوری بھی وہیں تھے۔ ۲۱ یا ۲۲ اگست کو ان لوگوں کو اطلاع ملی کہ ان کے لئے ایک Convoy (موٹر ٹرکوں کے ساتھ فوجی دستہ) آیا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب بمعہ اہل و عیال جلدی میں گھروں سے چلے لیکن فاصلہ دور ہونے کی وجہ سے آدھے رستے میں پتہ چلا کہ کانوائے چلا گیا۔ اس کے بعد تین چار روز سخت بارش ہوتی رہی جس نے ان سب لوگوں کی جانوں کو بچا لیا کہ ہندو کوٹھیوں کو آگ نہ لگا سکے۔ ۲۶ اگست کو لاہور سے ایک اور فوجی کانوائے ان لوگوں کو لانے کے لئے بھیجا گیا۔ اور ۲۷ کو علی الصبح یہ لوگ گھروں سے نکلے۔ سامان اٹھانے کو کوئی مزدور نہ ملتا تھا۔ بمشکل چند آدمی ملے۔ جن کو صرف ضروری سامان دیا گیا۔ اور مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے اہل و عیال۔ میاں غلام رسول صاحب۔ شیخ میاں محمد صاحب۔ میاں افضل حسین صاحب موٹروں کے اڈّے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر کچھ انتظار کے بعد پتہ چلا کہ جو کچھ سامان مزدوروں سے اٹھوایا تھا وہ لے کر مزدور بھاگ گئے ہیں۔ چنانچہ خالی ہاتھ یہ لوگ پاکستان کو روانہ ہوئے۔ ایک ٹرک میں مرد اور دوسرے میں عورتیں تھیں۔ اور فوج کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن حالات کا کچھ علم نہ تھا کہ فوج کے ہوتے ہوئے بھی گاڑیوں اور ٹرکوں کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ تمام راستہ مصیبت زدہ مسلمانوں کے ہجوم ملتے تھے جو پاکستان

کی طرف جارہے تھے لیکن راستے میں ہی بے دردی سے ختم کئے جارہے تھے۔ ان میں سے جس قدر آدمی ان ٹرکوں میں آسکتے تھے وہ بھر لئے گئے۔ آخر ۲۰ اگست کو مغرب کے قریب یہ قافلہ پاکستان میں داخل ہؤا۔

ڈلہوزی میں آپ کی بیش قیمت کتب و دیگر سامان معہ کوٹھی دارالسلام کے جلادی گئیں۔ آپ صرف اپنی تصنیف کے مسودہ کا بیگ وہاں سے لاسکے جو کہ خود ہاتھ میں اٹھایا ہؤا تھا۔ اسی طرح آپ کے بھائی اور خاندان کے دیگر افراد جو موضع مرآر میں تھے بمشکل اپنی جانوں کو لے کر پاکستان پہنچے

مہاجرین ریلیف فنڈ

ان مسلمان مہاجرین کی امداد کے لئے جو اپنا سب کچھ لٹا کر پاکستان میں پہنچے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب نے مہاجرین ریلیف فنڈ کا آغاز کیا جس میں جماعت کے افراد سے آپ نے ایک ایک ماہ کی تنخواہ دینے کی اپیل کی۔ چنانچہ چالیس ہزار کے قریب رقم اس فنڈ میں جمع ہوئی جس سے جماعت کے دیگر مہاجرین کی امداد کی گئی۔

جلسہ سالانہ ۱۹۴۷ء

۱۹۴۷ء کے ہولناک فرقہ وارانہ فسادات اور اس کے ساتھ تقسیم ملک اور لاکھوں مہاجرین کی پاکستان میں آمد کی وجہ سے جلسہ سالانہ دسمبر میں حسب معمول منعقد نہ ہو سکا۔ اس کی بجائے ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو یہ جلسہ ہؤا جس کا افتتاح مولانا محمد علی صاحب کے خطبۂ جمعہ سے ہؤا جس میں آپ نے ایمان اور علم، ان دو خزانوں کا ذکر کیا۔ جن کی بدولت قرونِ اُولیٰ میں مسلمانوں کو ترقیات نصیب ہوئیں اور جہالت کے زمانے میں دنیا میں علم کی روشنی پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام کی رُوح نکل چکی تھی۔ حضرت مرزا صاحب نے پھر اس کو زندہ کر دیا۔ آج علم ہی ایک چیز ہے جو مملکتِ پاکستان کو بنا سکتی ہے اور یہ چیز حضرت صاحب نے ہمارے حوالے کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عیاش بیٹے کی طرح جو اپنے باپ کی دولت کو برباد کر دیتا ہے۔ ہم بھی حضرت صاحب کے دیئے ہوئے ورثہ کو برباد کر دیں۔ اُٹھو اور ایمان اور علم کی رُوح سے اس مرتی ہوئی دنیا کو زندہ کر دو۔ تمہارا نام اس سے ہو گا یا نہیں۔ اس کی کیا پرواہ ہے۔ دنیا اس سے زندہ ہو جائے گی۔ یہ مملکتِ پاکستان طاقتور ہو جائے گی۔

دوسرے روز آپ نے ایک نہایت مؤثر اور حقائق اور معارف سے پر تقریر اس موضوع پر کی۔ ”اللہ کے دین پر کوئی غالب نہیں آئے گا۔ اور اللہ کا دین سب پر غالب آئے گا۔“ آپ نے فرمایا کہ یہ لفظ میرے نہیں۔ ان کی بنیاد قرآن کریم کے دعاوی پر ہے۔ اور آپ نے تاریخی واقعات کی شہادتوں قرآن کریم کے ارشادات اور آنحضرت صلعم کے مکاشفات سے یہ ثابت کیا کہ اسلام جس طرح پہلے مغلوبیت سے نکل کر غالب ہؤا تھا اب پھر اس مغلوبیت سے جو ارشاد الٰہی کے مطابق دوبارہ اس پر آئی

ٹمی جل رہا ہے اور دُنیا پر اس کا غلبہ شروع ہو چکا ہے۔ اور انشاء اللہ یہ پورے طور پر غالب ہو کر رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات پلّے باندھ کر لے جائیے۔ اس کو دل کے اندر رکھ لیجئے۔ یہ اسلام کی تاریخ ہے۔ یہ خدا کا وعدہ ہے۔ اسلام مغلوب تھا۔ پھر غالب آیا، پھر مغلوب ہُوا۔ اور پھر اس کے غالب آنے کا وقت آرہا ہے۔ دنیا کو حق کی طرف بلانا اب ہمارا کام ہے اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا۔

"دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تمہارے دلوں میں وہ ایمان ہونا چاہیئے جو ہمارے رسول اللہ صلعم کے دل میں تھا کہ اسلام ضرور غالب آئیگا۔ اگر ہم نے رسول اللہ صلعم سے وہ ایمان نہیں لیا تو کیا لیا؟ پھر ہم نے مجدّد کے ہاتھ پر یہ اقرار کیا کہ ہم خدا کے نام کو بلند کریں گے۔ اگر اس کے بعد بھی ہم نے کچھ نہ کیا تو ہم نے اس مجدّد سے کیا لیا؟ یہ ظاہری نسبتیں پیدا کرنے سے کیا بنتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یا احمدی ہیں۔ حقیقی نسبتیں پیدا کرو۔ اور وہ پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک کہ وہ تڑپ ہمارے دلوں میں نہ ہو۔ اور خدا وہ وعدے بھی پورے نہ کریگا۔ جب تک یہ تڑپ نہ پیدا ہو جائے۔"

اس کے بعد آپ نے ووکنگ مشن کے لئے پچاس ہزار اور امریکہ میں (سان فرانسسکو) مکان کے لئے پچاس ہزار روپیہ کی اپیلیں کیں۔ اور آخر میں فرمایا:۔

"اپنے دلوں کو تیار کرو۔ خدا کے آگے ہاتھ پھیلاؤ۔ خدا کے آگے بیکسی میں گر جاؤ۔ مجھے جس دن یہ معلوم ہُوا کہ میری کوٹھی ڈلہوزی میں جل گئی۔ میں نے دعا کی کہ اے خدا اب تک میں تیرے دین کے لئے اُس مکان میں دعائیں کرتا تھا۔ اب وہ مکان خود تیرے آگے دست بدُعا ہے۔ سو اپنے اندر یہ حالت پیدا کرو کہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، راحت میں اور دُکھ میں، تمہارے دلوں سے خدا کے دین کے غلبہ کے لئے دعائیں نکلیں۔"

ووکنگ مشن کا الحاق پہلے ذکر آچکا ہے کہ ابتداء میں ووکنگ مشن انجمن کے ساتھ ہی ملحق تھا۔ لیکن ۱۹۲۵ء سے یہ علیحدہ ٹرسٹ کی صورت میں کام کرنے لگا۔ یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو اس مشن کا دوبارہ انجمن سے الحاق عمل میں آیا۔ کیونکہ اس پر بہت مالی تنگی کے وقت گذر چکے تھے۔ اس کے بعد سے انجمن نے اس مشن کا اور اس کے رسالہ اسلامک ریویو کا مالی اور انتظامی بوجھ اٹھا لیا۔

قیام کوئٹہ ڈلہوزی کے ہندوستان میں آجانے کے بعد اب وہ حالات نہ رہے تھے کہ مولانا محمد علیؒ صاحب موسم گرما میں وہاں تشریف لے جا سکتے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کا موسم گرما آپ نے کوئٹہ میں گذارنے کا فیصلہ کیا۔ جہاں آپ کے بڑے صاحبزادے محمد احمد صاحب اپنی ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ ۸ رجون ۱۹۴۸ء کو آپ بمعہ اہل و عیال کوئٹہ تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے سامنے سب سے بڑا کام انگریزی ترجمہ قرآن

کی نظر ثانی کا تھا اور اسی کام میں آپ شب و روز مصروف رہتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کی قیام گاہ پر کوئٹہ کی جماعت کے باقاعدہ اجتماعات ہونے لگے اور شام کو درس قرآن بھی آپ نے دینا شروع کر دیا۔ اُس وقت بہتر ۷۲، تہتر ۷۳ سال کی عمر میں انگریزی ترجمہ قرآن پر محنت کرنے کا یہ عالم تھا کہ نماز فجر کے بعد سیر کرنے تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس کے فوراً بعد ناشتہ کر کے جو کام میں مشغول ہوتے تھے تو ظہر کی نماز کے وقت اُٹھتے ــــ دوپہر کو صرف گھنٹہ بھر آرام کرتے اور پھر رات تک اسی کام میں مصروف رہتے سوائے اس وقت کے جو شام کو ملنے جلنے والوں میں یا درس قرآن میں صرف ہوتا تھا اور گو کوئٹہ کا موسم خوشگوار تھا لیکن اس مسلسل دماغی محنت کا اثر آپ کی صحت پر پڑا۔ جس کا ذکر آگے آئیگا۔

مجاہدۂ رمضان کی تلقین کوئٹہ میں آپ کے تمام تر خطبات جمعہ کا موضوع خدمت اور اشاعت قرآن اور خدا تعالیٰ کے آگے گرنا، ہوا کرتا تھا۔ اسی سال ماہ رمضان میں ان باتوں کی طرف آپ خصوصیت سے اپنے خطبات اور تحریرات میں زور دیتے رہے۔ اور مندرجہ ذیل اعلان بھی آپ نے اخبار پیغام صلح کے متعدد پرچوں میں جلی حروف میں شائع فرمایا۔ جس کے ایک ایک لفظ سے آپ کے دردِ دل کا اظہار ہوتا ہے:۔

"رمضان اور اس کی برکات کے ذکر میں"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

اِنّی قریب (میرے بندو میں تم سے بہت قریب ہوں) اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (کوئی مجھے پکارے، میں دعا کو قبول کرتا ہوں)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

رمضان آتا ہے تو خدا کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں

یہ ایک حقیقت تھی جس پر ہمارے ہادیؐ اور آپ کے صحابہؓ اور سچے پیروؤں کی زندگیاں گواہ ہیں۔ اور آج یہ ایک قصّہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے دلوں میں خدا کے لئے تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے جسم خدا کے آگے گرتے ہیں مگر دل نہیں گرتے۔ اور دعا دل میں تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے۔

آیئے اس رمضان میں ہم لوگوں کے ظلموں پر نہیں اپنے ظلم پر آنسو بہائیں کہ اے خدا ہم نے تیری قدر نہیں کی، تیرے کلام کی قدر نہیں کی۔ ہم نے تیرے پیغام کو چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری زندگیاں تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وقف ہوں، نہیں چاہتے کہ ہمارے مال تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے پر صرف ہوں۔ کام وہ کرتے ہیں جن پر تیری طرف سے لعنت کا کھلا وعید ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البیّنات والھدیٰ۔ جس پر وعید یہ

ہے۔ اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون...اولئك عليهم لعنة الله والملئكة والناس اجمعين ۔

اور آس یہ لگائے بیٹھے ہیں۔ تیری رحمت کے دروازے ہم پر کھل جائیں۔ مُنہ سے کہتے ہیں کہ تُو ہم سے قریب ہے۔ مگر دل تجھ سے اتنی دُور ہیں کہ اس سے دُور تر کوئی چیز نہیں۔

ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر ہوتے ہیں جہاں جنّت ملنی چاہیئے اور دل جمع مالاً وّعدده لایحسب انّ ماله اخلده کا ورد کر رہے ہوتے ہیں۔ زبان پر یہ ہوتا ہے۔

ہم تیرے غلام ہیں (انا عبدك) اور جو ہمارا مال ہے وہ ہمارا مال نہیں تیرا مال ہے۔ اور دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں خرچ کرنی پڑیں تو وہ ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اور ہم جھوٹے بہانے بنا کر ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا مال ہم سے جُدا نہ ہو۔ اے خدا تو اس جھُوٹی زندگی سے ہمیں باہر نکال ہم زمین پر رات کی خاموشی میں ماتھا رکھتے ہیں تو وہاں سے یہ آواز آتی ہے کہ ؏

مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

تُو نے اپنے ریاکاری کے سجدوں سے مجھے ناپاک کر دیا۔ اے خدا تو ہمیں اپنی جناب میں سجدہ کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں اپنا غلام بنا لے کہ ہمیں تیرا نام دنیا میں بلند کرنے کے سوائے اور کوئی فکر نہ ہو۔ اور تو ہمارا رب بن جا۔ کہ تیری توجہ امّتِ محمّدیہ کو دنیا میں سر بلند کرنے کی طرف ہو جائے۔

خاکسار محمّد علی

ایک نصیحت آموز خط جب مولانا محمّد علی صاحب کوئٹہ میں مقیم تھے تو وہاں سے آپ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے حامد فاروق کو ولایت میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے رخصت کیا۔ کوئٹہ سٹیشن پر جب کراچی کی گاڑی چلنے لگی تو آپ نے حامد فاروق کو ایک بند لفافہ دیا اور فرمایا کہ اس کو ولائیت پہنچ کر پڑھنا۔ اس لفافے میں یہ خط بند تھا:۔

" کالون روڈ۔ کوئٹہ۔ یکم اگست ۱۹۴۸ء ۔ ۲۴ رمضان "

عزیزی حامد سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'! میں اس عمر کو پہنچا ہوُا ہُوں کہ میں نہیں جانتا آپ سے پھر اس زندگی میں ملاقات ہو گی یا نہیں[1]۔ یہ چند نصائح لکھتا ہُوں کہ اس لمبے سفر میں آپ کے ساتھ رہیں:۔

(۱) اس بات کو کبھی نہ بھُولنا کہ ہمارا ایک طاقتور خدا ہے جو انسان کے دکھ اور مصیبت کے وقت

[1]: حامد فاروق آپ کی وفات کے بعد اپنے وطن میں واپس آئے۔

اس کے کام آتا ہے۔ اور اس کے لئے ایسی راہیں کھول دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

(۲) یہ بھی نہ بھولنا کہ ہمارا ہر عمل خدا کے ہاں لکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اچھا ہے تو اپنا اچھا اثر اور اگر بُرا ہے تو بُرا اثر ہم پر چھوڑ جاتا ہے۔ انسانوں سے ہم چاہے کتنا بھی چھپ جائیں مگر خدا سے نہیں چھُپ سکتے۔

(۳) شراب سب پلیدیوں کی جڑ ہے۔ اس کے نزدیک کبھی نہ جانا۔ کبھی نہ جانا۔ کبھی نہ جانا۔ اس مجلس میں شامل نہ ہونا جس میں شراب پی جاتی ہو۔

(۴) نماز کی پابندی کرنا۔ روزانہ صبح اُٹھ کر نماز ضرور پڑھ لینا۔ اور دو چار آیات قرآن کی ضرور تلاوت کر لینا اس عادت پر ایسی پختگی سے قائم ہونا کہ اور کوئی کام رہ جائے مگر یہ نہ رہے۔

(۵) محنت اور سادگی۔ اگر یہ دو عادات قائم رہیں تو یہ ساری عمر کے لئے ایک راحت کا سامان ہوگا۔

(۶) اپنی پڑھائی پر خوب محنت کرنا۔ لیکن دین کی خدمت اور بنی نوع انسان کی بھلائی کا کوئی کام بھی ضرور مدِّنظر رکھنا۔ اس کے بغیر زندگی میں راحت پیدا نہیں ہوتی

(۷) اس بات کو کبھی نہ چھپانا کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں اور اس صدی کے مجدّد کو ہم اپنا امام مانتے ہیں۔ احمدی ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے اور کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔

اگر ان باتوں پر عمل کی آپ کوشش کریں گے تو خدا بھی آپ سے راضی ہوگا۔ آپ کے ماں باپ بھی راضی ہوں گے۔ اور خود آپ کا اپنا نفس بھی راضی ہوگا۔ میرے بعد اپنی ماں کی بہت خدمت کرنا۔" والسلام

"محمدؐ علی۔"

ایک اور خطرناک علالت

شروع ستمبر ۴۸ء سے آپ کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی۔ پہلے تو گلے کی خرابی، زکام اور بخار کی تکلیف رہی۔ اس کے بعد بخار لمبا چل پڑا جو ہلکا ہلکا تو ہر وقت رہنے لگا اور کبھی زیادہ ہو جاتا تھا۔ آخر ستمبر میں بخار بہت بڑھ گیا اور جسم پر جگہ جگہ سوج اور ورم ہو گئے جو کہ غالباً گلے کی خرابی سے فاسد مادہ کے پھیل جانے کی وجہ سے تھے۔ کمزوری یہاں تک بڑھ گئی کہ حالت انتہائی تشویشناک ہوگئی۔ چنانچہ ۵ اکتوبر کو لاہور کے مشہور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش صاحب کو کوئٹہ بھیجا گیا۔ ان کے ہمراہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب تھے اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب بھی ڈاڈر سے تشریف لے آئے۔ کرنل الٰہی بخش صاحب نے مفصّل معائنہ کے بعد بتایا کہ پیپ کے زہر کا اثر تمام جسم میں سرایت کر چکا ہے۔ دونوں پھیپھڑوں کے زیریں حصّے ماؤف اور قلب کی جھلّی اور سینے کا اگلا حصّہ بھی متورم ہے۔ اس کے علاوہ گردوں کے فعل میں بھی نقص پایا گیا۔ گویا کہ زہر تمام اعضائے رئیسہ پر اثر کر رہا تھا

انہوں نے جو علاج شروع کیا اس سے خدا کے فضل سے دو روز میں نمایاں فرق پڑ گیا۔ اور خدا تعالیٰ کے تصرف کا ایک کھلا ہاتھ دکھائی دیا کہ وقت پر صحیح طبی امداد میسر آگئی۔ ورنہ اس سے پہلے جو علاج کوئٹہ کے ڈاکٹر کر رہے تھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ بیماری دُور ہو گئی۔ اگرچہ کمزوری اور ضعف ایک عرصہ تک رہا۔ چونکہ اکتوبر کا مہینہ قریب الاختتام تھا اس لئے آپ ۲۳ اکتوبر کو کوئٹہ سے روانہ ہو کر ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو لاہور پہنچ گئے۔ روانہ ہونے سے پہلے آپ جماعتِ کوئٹہ کو جمع کر کے بستر پر لیٹے لیٹے ہی دیر تک نصائح کرتے رہے۔ اور اس کے بعد آپ کے ارشاد پر ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ آپ کے سامنے حلف اُٹھایا کہ وہ جہاں تک اس کے بس میں ہوگا نماز جمعہ باجماعت ادا کریگا۔ اس سے آپ کا مقصد یہی تھا کہ اگر سب احمدی ہفتہ میں ایک بار بھی مل کر پابندی کے ساتھ جمعہ ادا کیا کریں تو جماعت خود بخود منظم ہوتی جائے گی۔

لاہور سٹیشن پر ۲۴ اکتوبر کو ایک کثیر تعداد میں احباب نے آپ کا استقبال کیا۔ اس وقت بھی آپ اتنے کمزور تھے کہ آپ کو کرسی پر بٹھا کر سٹیشن سے باہر لے جایا گیا۔ مسلم ٹاؤن تشریف لے آنے کے بعد آپ کی صحت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ اگرچہ طبی ہدایت کے مطابق آپ کو قریباً ایک ماہ اور بستر پر ہی زیادہ وقت گذارنا پڑا۔ مگر آپ نے اپنے کام اور تصانیف کے شغل کو اس دوران میں بھی جاری رکھا۔ اور بدستور انگریزی ترجمہ کی نظر ثانی میں مصروف رہے۔

جماعت کو نصائح جماعت میں جو بعض اشخاص کو ایک دوسرے کی تخریب اور دوسروں پر نکتہ چینی کرنے کی عادت پڑ چکی تھی وہ آپ کے لئے ایک مسلسل صدمہ کا باعث رہتی تھی۔ کیونکہ اشاعتِ اسلام کے کام کو اس سے نقصان پہنچتا تھا۔ اس عادت کی اصلاح کے لئے آپ وقتاً فوقتاً اپنے خطبات میں جماعت کو خطاب کرتے تھے۔ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں آپ نے یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم کی تلاوت فرما کر کہا کہ اس آیت کے معنے تو یہی ہیں کہ تم کو اپنی جانوں کی طرف توجہ کرنا لازم ہے اور اپنی اصلاح کی پہلے فکر کرو۔ مگر فی الحقیقت یہ الفاظ علیکم انفسکم قوم کی تعمیر کا بنیادی پتھر ہیں۔

"یہ الفاظ صرف اس طرف توجہ دلانے کے لئے ہیں کہ کوئی انسان دوسرے کو نیچا دکھا کر یا دوسرے کو گرا کر نہیں بنتا۔ نہ کوئی قوم اس طرح بنتی ہے۔ بلکہ ہر فرد کو سب سے پہلی فکر اپنی اصلاح کی یا اپنی تعمیر کی ہونی چاہیئے۔ ...... تعمیر ذرا مشکل کام ہے اور مشکل کام کی طرف انسان کا قدم جلدی نہیں اُٹھتا۔ تخریب یا دوسرے کو گرانا نسبتاً بہت آسان ہے۔ کسی کی بربادی اور ویرانی بہت آسان ہے۔ مگر اپنے آپ کو بنانا بہت مشکل ہے ......

آپ آج ایک مصلح کے جانشین بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے دنیا میں خدا کے نام کو پھیلانا اپنے

ذمہ لیا ہے۔ کیا ہم سب نے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچایا ہے جو علیکم انفسکم کا تقاضا ہے۔ کیا ہم نے دوسروں کی عیب چینی اور دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ کر اپنی ساری توجہ کو اپنے آپ کو زیادہ مفید بنانے پر لگا دیا ہے اور اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ دوسرے ہمارے نمونے سے اچھا سبق لیں۔ افسوس کہ یہاں بھی بہت لوگوں میں تعمیری کاموں کی طرف توجہ کم ہے۔ اپنی اصلاح کا خیال اتنا نہیں جتنا دوسروں کو نیچا دکھانے کا خیال ہے۔ میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ جماعت بنانے کا یہ طریق نہیں۔ جماعت بنانے کے لئے ایک دوسرے کے نقائص اور عیوب مدنظر رکھنے کی بجائے اپنے نقائص اور عیوب کی اصلاح کی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔"

(پیغام صلح ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء)

ایک اور خطبۂ جمعہ (مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۴۸ء) اس مضمون پر دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے گناہوں کو معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور سے درگذر کرو۔ فرمایا:-

"جو شخص مغفرت کا خواہاں ہے اس کی مغفرت کی خواہش باطل ہے اگر وہ خدا کے بندوں کی مغفرت نہیں کرتا..... یہی تخلق باخلاق اللہ کا سبق ہے جو سکھایا ہے... خدا غافر ہے مگر اس کے لئے جو اس کے بندوں کا غافر ہے۔ وہ بغیر توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس مقام پر کھڑے ہو جاؤ..... امامِ وقت نے بھی اسی بات پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ تم سچے ہو کر بھی جھوٹے بن جاؤ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو جھوٹے کہنے لگ جاؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم سچے تو ہو لیکن اپنی معافی کی طاقت سے کام لو۔ اور یہ توقع نہ رکھو کہ دوسرا شخص آئے اور تم سے معافی مانگے..... بعض لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جب تک دوسرا شخص معافی نہ مانگے اس سے تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ صحیح طریق نہیں، قرآن نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس سے روکا ہے۔ اور فرمایا کہ بھائیوں کو معاف کرنے میں ہی نظامِ جماعت چل سکتا ہے۔ مقابلہ کی طاقت دشمن کے لئے رکھو اور جھکنے کی طاقت اپنے بھائیوں کے لئے۔ کام کرنے والوں کی نیکی کو اوپر رکھنا چاہیئے اور کمزوریوں سے چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ لیکن .. میں دیکھتا ہوں کہ ہم لوگ خود بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے مگر جو بڑے بڑے عظیم الشان کام کرنے والے ہیں ان سے اگر ذرا سی لغزش بھی دیکھتے ہیں تو ان کے خلاف زبانیں کھل جاتی ہیں۔"

پریس کانفرنس ۲۳ دسمبر ۱۹۴۸ء کو جلسۂ سالانہ سے پہلے آپ نے ہوٹل سٹیفلز میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور اخبارات کے نمائندوں کے سامنے آپ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں آپ نے بتایا کہ پاکستان کی تعمیر کے لئے جہاں اور بہت سے سوال درپیش ہیں وہاں ایک نہایت ضروری اور اہم سوال یہ بھی ہے کہ اسلام

اور مسلمانوں کی تصویر دنیا کی مختلف قوموں کی نظروں میں اچھی نہیں۔ اور اس وجہ سے عام طور پر اسلامی حکومتوں کے متعلق ان کا رویہ معاندانہ ہے۔ عام طور پر یورپ و امریکہ کے اخبار کانگرس یا ہندوستان کی باتوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ہماری عزت ان کے دلوں میں اتنی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام اور رسولِ خدا کی صحیح تصویر دنیا میں پھیلائی جائے۔ اور مسلمانوں کو تحریک کی جائے کہ وہ اس کام کو کریں۔ خیالات بدلے جاسکتے ہیں۔ اور ہم نے خود دیکھا ہے کہ ہماری کوششوں کے نتیجے کے طور پر خیالات میں ایک حد تک تبدیلی بھی آئی ہے۔

یہ کام پاکستان کے اخبارات کا ہے کہ وہ جہاں اور باتوں پر زور دیتے ہیں اور رائے عامہ پر اثر ڈالتے ہیں۔ وہاں وہ مسلمانوں کے اندر یہ جوش پیدا کریں کہ وہ اسلام کا اصل نمونہ اور صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اس موقعہ پر آپ نے تراجم قرآن اور دیگر کتب بھی حاضرین کو دکھائیں اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اسلام کی وہ تصویر جو اس لٹریچر میں دکھائی گئی ہے اگر مغربی اقوام کے سامنے پیش کی جائے تو وہ یقیناً متاثر ہوں گی۔ آپ نے بتایا کہ اس لٹریچر نے اب تک ایک عالمگیر مقبولیت حاصل کی ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کتابوں کے تراجم خود غیر ملکوں کے لوگوں نے کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پاکستان کی عزت اسلام کے ساتھ وابستہ ہے اور اخبارات یہ سپرٹ عوام میں پیدا کردیں تو یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ایک مسلمان کو پیدائشی مشنری ہونا چاہیئے۔ وہ اگر اس کو سمجھ لے اور اسلام کو دنیا میں لے جانے کا عزم کرلے تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے۔

جلسہ سالانہ ۱۹۴۸ء اور تقسیم لٹریچر کی تحریک

جلسۂ سالانہ ۱۹۴۸ء حسب معمول ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر کو ہوا۔ اس جلسہ میں آپ نے تینوں دن تقاریر فرمائیں۔ ایک تقریر تو "نماز اور ترقی کی تین راہیں" کے عنوان سے تھی۔ جس میں آپ نے بتایا کہ کس طرح نماز نسلِ انسانی کی تین قسم کی ترقیات کا ذریعہ ہے۔ یہ تقریر بعد میں ایک رسالے کی صورت میں شائع ہوئی۔ اس کا عربی ترجمہ بغداد میں سید تصدق حسین صاحب قادری نے "الصلوٰۃ و الطرق التقدم الثلاثۃ" کے نام سے شائع کروایا جو کہ عرب ممالک میں بے حد مقبول ہوا۔ اور جلد ہی اس رسالہ کے تراجم اور کئی زبانوں میں مختلف ممالک میں ہوئے۔

دوسری دو تقاریر اشاعتِ اسلام کے متعلق تھیں۔ ان میں جو خاص پروگرام آپ نے جماعت کے سامنے رکھا وہ یہ تھا کہ انجمن اب تک مفت تقسیم لٹریچر پر ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ خرچ کر چکی تھی۔ اب آپ نے تحریک کی کہ اس کام کو زیادہ وسیع پیمانے پر شروع کیا جائے اور ۱۹۴۹ء میں ایک لاکھ روپیہ اس غرض کے لئے خرچ کیا جائے۔ تراجم قرآن۔ تبلیغی مشنوں کا قیام اور ادارہ تعلیم القرآن کی تین تحریکوں کے بعد یہ چوتھی بڑی تحریک تھی جو آپ نے کی اور یہی آپ کی آخری تحریک بھی تھی کیونکہ اس کے بعد جو کتابوں کے سیٹ کی

تقسیم کا سلسلہ شروع کیا گیا وہ بھی اسی تحریک کے ذیل میں تھا۔

آپ کا اپنا خیال یہ تھا کہ پچاس ہزار کا لٹریچر غیر مسلموں میں زیادہ تر یورپ اور امریکہ میں اور پچاس ہزار کا لٹریچر مسلمانوں میں زیادہ تر ایشیائی ممالک میں پہنچایا جائے۔ اور لائبریریوں کے ذریعے سے لٹریچر پھیلانے پر خاص طور پر توجہ دی جائے۔ اور اس پر آپ نے احباب جماعت سے مشورہ طلب کیا اور چندے کی اپیل کی۔ جو کہ جلسہ کے بعد بذریعہ اخبار اور خطبات جمعہ بھی وقتاً فوقتاً دہرائی جاتی رہی۔ جلسہ سالانہ پر آپ نے ۵۰ ہزار کی تحریک کی تھی جس میں سے ۳۵ ہزار نقد اور وعدوں کی صورتوں میں پورا ہوا۔

پروگرام کا دوسرا حصہ چندہ ماہوار کی تنظیم تھی۔ جس کے متعلق جماعت میں کچھ سستی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ نے جلسہ کے بعد ۳۱ر دسمبر ۴۸ء کے خطبہ جمعہ میں مولانا صدرالدین صاحب سے یہ درخواست کی کہ وہ اس اہم کام کی تنظیم کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میری اپنی حالت صحت کی یہ ہے کہ ایک خطبہ دینے کے بعد اس قابل نہیں رہتا کہ کچھ کر سکوں۔ ابھی جلسہ کے بعد جب دوبارہ آپ کا طبی معائنہ اور ایکس رے ڈاکٹر سید احمد صاحب نے کی تو آپ کو دو تین ماہ اور مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی اور سیر کرنے سے بھی روک دیا اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اب سفر کرنے کے قابل نہیں اس لئے مولانا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اس کام کو ہاتھ میں لیں۔

اشاعت لٹریچر پر زور

تقسیم لٹریچر کے سلسلہ میں آپ نے کئی رنگوں میں اس سال تحریکات کیں۔ ۲۱ر جنوری ۴۹ء کے خطبۂ جمعہ میں خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر کر کے کہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ فرمایا۔

> "ہم بھی ایک امانت کے ذمہ دار ہیں بحیثیت جماعت ہمارے سپرد وہ امانت ہے جو اس جماعت کے مجدد نے ہمیں دی۔ وہ کیا ہے؟ حضرت صاحب کے دعولے کے بعد سب سے پہلی کتاب فتح اسلام ہے۔ اس میں آپ نے بتایا ہے کہ اس زمانے میں مجھے کیوں کھڑا کیا گیا۔ اعلائے کلمۃ اللہ، رسول اللہ صلعم کے نور کو دنیا میں پھیلانے کے لئے۔ مسلمانوں کی تائید کے لئے یہ بیان کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ اس غرض کے لئے پانچ قسم کا کام میں نے کرنا ہے۔ یہ پانچ شاخیں جو آپ نے بتائی ہیں ان میں اہم کام پہلا اور آخری ہے۔ پہلی شاخ تصنیف و تالیف ہے اور آخری کام جماعت کا بنانا ہے۔ درمیان میں جو کام ہیں وہ انہی دونوں شاخوں میں آ جاتے ہیں۔ ٹریکٹوں اور اشتہارات کی شاخ تصنیف و تالیف میں آ جاتی ہے اور مہمان خانہ جماعت کے بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔
>
> تو فی الحقیقت دو بڑے کام آپ نے رکھے ہیں ایک تصنیف و تالیف کے ذریعے خدا کے دین کو پھیلانا اور ایک جماعت کو بنانا۔ جماعت بمنزلہ فوج کے ہے اور تصنیف و تالیف بمنزلہ ہتھیار کے

یہ دو ذرائع دراصل دین کو زندہ رکھنے کے لئے ہیں۔"

پھر آپ نے ان اثرات کا ذکر کیا جو اس لٹریچر سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور فرمایا کہ ہماری جماعت کے اندر وہ لوگ پیدا ہونے چاہئیں جو اس ورثہ کو جو ہمیں حضرت صاحب سے ملا ہے قائم رکھیں اور جو کام انہوں نے ہمارے سپرد کیا ہے اس پر اپنے آپ کو لگائیں۔

تبلیغ اسلام کے کام پر آپ بار بار زور اس لئے دیتے تھے کہ بعض احباب کے نزدیک اس کی وہ اہمیت نہ تھی جو اس کا حق ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک پبلک سکول اور کالج بنانا جماعت کے لئے زیادہ ضروری تھا۔ چنانچہ ایک بزرگ نے انجمن کے فیصلے کے بغیر ایک خطبہ جمعہ میں کالج بنانے کی تحریک پیش کر دی۔ اسی سلسلے میں ۲۸ جنوری ۱۹۴۲ء کے خطبۂ جمعہ میں مولانا محمد علی صاحب نے آیاتِ قرآنی ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر (الخ) اور ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ (الخ) کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ پہلی آیت میں اسلام کی ترقی اور توسیع کے لئے جو انتظام ضروری تھا اس کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں یہ ذکر ہے کہ بہترین کام جو انسان کر سکتا ہے وہ دعوت الی اللہ کا ہے۔ حضرت صاحب نے جماعت بھی اسی غرض کے لئے بنائی۔ یہ کام ایک ولولہ اور جوش کو چاہتا ہے اور اس کے لئے ایک طرف تو بے نفسی کی ضرورت ہے اور اس بات کی کہ اس کو سب چیزوں پر مقدم کیا جائے۔ دوسری طرف یہ کہ دعوت الی اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینے کے بعد پھر اس میں تفرقہ نہ پیدا کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی ملونی نہ ہو۔ فرمایا:-

"اتحاد و اتفاق بڑی چیز ہے۔ جدھر چلو اکٹھے ہو کر چلو۔ اگر سمجھتے ہو کہ دعوت الی اللہ کا کام اچھا نہیں یا کوئی اور کام اس سے زیادہ اچھا ہے تو سب اکٹھے ہو کر اس کام پر لگ جاؤ۔ اچھا کام تو ایک ہی ہے۔ دعوت الی اللہ۔ ہمارے ہاں خدا کے فضل سے ایک نظام موجود ہے۔ جس کا انحصار قوم کے مشورہ پر ہے۔ اور یہ نظام امامِ وقت نے قائم کیا ہے۔ اس لئے جو بھی اور کام کرنا ہو اس نظام کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ جب تمام جماعت کی رائے ایک طرف ہو جائے تو اس پر اکٹھے ہو جاؤ۔ اُس وقت میرے جیسے تنگ خیال آدمی کو چھوڑ دو۔ کہ وہ کسی کونے میں بیٹھ جائے۔

دیکھئے۔ میں بات کو صاف کر دوں۔ اس وقت ایک تحریک آپ کے سامنے آچکی ہے (یعنی اشاعت لٹریچر) پچھلے جمعہ میں ایک کالج کی تحریک آپ کے سامنے رکھی گئی تھی۔ میں اس کو صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ آپ کی جماعت کا فیصلہ نہیں۔ ابھی تک اس کام کو آپ کی قوم نے فیصلہ نہیں کیا۔ پچھلی مجلس معتمدین نے ایک کمیٹی بنا دی تھی کہ وہ اس کے متعلق تفصیلی تجاویز انجمن کے سامنے لائے گی انجمن نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ جب کوالف سامنے آئیں گے اس وقت انجمن کا اختیار ہو گا۔ کہ

اس تجویز کو منظور کرے یا رد کر دے ۔ میری اپنی ایک ذاتی رائے ہے ۔ فیصلہ کرنے والی کثرت رائے ہو گی ۔ مجھے کہا گیا ہے کہ تم اس کام کو (یعنی کالج بنانے کو) روکنا چاہتے ہو ۔ میں نہیں روکتا لیکن یہ کہتا ہوں کہ اس سے تشتت اور پراگندگی پیدا ہوتی ہے ۔ اس کو مت پیدا ہونے دو یہ کالج کی تحریک آج نہیں ہوئی ۔ اس سے پہلے بھی یہ انجمن کے سامنے آتی رہی ہے اور انجمن نے اسے منظور نہیں کیا اور جب تک انجمن اسے منظور نہ کرے اس وقت تک اپنی توجہ کو صرف ایک کام کی طرف رکھیں ۔ جو اعلائے کلمۃ اللہ کا کام ہے ۔

ہمارے حضرت نے کیا اچھا کہا ہے کہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اس کام میں ہم کامیاب ہوں یا ناکام ۔ ہم نے تو اس کو کرنا ہے ۔ ؎

خواہی بقہرم کن جدا خواہی بلطفم رو نما
خواہی بکش یا کن رہا کے ترک آں داماں کنم

اے خدا میں نے تو تیرا دامن پکڑ لیا ہے ۔ اب تو چاہے تو اپنے قہر سے مجھے جدا کر دے اور چاہے تو اپنے لطف سے اپنا چہرہ مجھے دکھا دے ۔ چاہے تو مجھے ہلاک کر دے اور چاہے تو رہائی دیدے ۔ میں اس دامن کو اب نہیں چھوڑوں گا ..... " (پیغام صلح ۹ رفروری ۱۹۵۹ء)

لیکن اس کے ساتھ ہی جماعت کے یتامیٰ اور مساکین کو اوپر اُٹھانے کے لئے آپ کے دل میں بہت درد تھا ۔ اس جملہ کے بعد جس کے خطبہ کا اقتباس اوپر آچکا ہے ۔ آپ نے اگلے جمعہ میں ہی غربا، یتامیٰ اور مساکین کی خبرگیری کی ضرورت پر زور دیا ۔ کہ جماعت کی ترقی کے لئے آپ اس کو بہت ضروری سمجھتے تھے ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ادارۂ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھنے میں بھی یہ خیال آپ کے دل میں تھا کہ اس کے اندر یتیم بھی ہوں اور امراء کے لڑکے بھی ۔ سب اکٹھے اس حالت میں رہیں کہ یہ فرق نہ ہو کہ امیر کون ہے اور یتیم کون ۔ یہ انگلش پبلک سکول بنا کہ کتنے لوگ ہیں جو اس میں اپنے بچوں کو رکھنے کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں ۔ ایسا ادارہ ہمارے لئے ہونا چاہیئے جس میں سب اکٹھے بھی رہیں اور قرآن کی تعلیم بھی حاصل کر سکیں ۔ اور آپ نے فرمایا کہ مجھے خاص طور پر صدمہ ہوا کہ جب مجلس معتمدین کے اراکین جمع ہوئے ۔ اور کالج اور پبلک سکول بنانے کی تجویزوں پر بحث ہو رہی تھی تو یہ بات ان کو بھول گئی کہ یتامیٰ اور مساکین کو اٹھانا بھی ہماری قوم کی ضروریات میں سے ہے ۔

ان خیالات کی وجہ سے جو بعض احباب کی طرف سے جماعت میں پھیلائے گئے تھے تحریک تقسیم لٹریچر کی رفتار تسلی بخش نہ تھی ۔ اور آپ کو اس کے لئے بار بار اپیلیں کرنی پڑیں ۔ چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۵۹ء کے خطبہ جمعہ

میں فرمایا:۔

"یہ آپ کا لٹریچر جس کو اپنوں اور غیروں نے اسلام کی بہترین تصویر مانا ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جب میں نے اس کے لئے تحریک کی تو بہت کم توجہ اس کے لئے کی گئی۔ میرے دل پر ایک صدمہ ہے۔ مجھے آپ پر حق تو نہیں کہ کہوں کہ اگر ممکن ہو تو مجھے صدمہ نہ پہنچائیں۔ لیکن عمر کے لحاظ سے ہی خیال کریں ..... تم اس تصویر کو جس کو لوگ مانتے ہیں کہ اسلام کی بہترین تصویر ہے ان لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ جنہوں نے اس کو ابھی نہیں دیکھا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے اندر کمزوریاں اور عیوب ہیں۔ لیکن دوستوں سے اپیل کرتا ہوں کہ میری کمزوریوں اور عیوب کی سزا اس رنگ میں دینے سے نقصان تو محمد الرّسول اللہ صلعم کے دین کو پہنچتا ہے۔

یہ بھی مَیں کہتا ہُوں کہ یہ جو خدمت میرے نام منسوب کی جاتی ہے۔ یہ اتفاقی بات ہے۔ ورنہ اصل خدمت جماعت کی ہے۔ جس کی مالی قربانیوں سے یہ چیز دنیا میں پہنچی۔ آپ ہی نے اس تمام لٹریچر کو شائع کیا۔ اور اب اس کو دنیا میں پھیلانا بھی آپ ہی کے ذمّے ہے۔ میں پھر منّت کرتا ہوں۔ دیکھئے۔ خدا کے دین کی خدمت ایک امانت ہے جو امام وقت نے آپ کے سپرد کی ہے۔ آپ نے اس امانت کی بڑی قدر کی اور اس کا حق ادا کیا۔ اُٹھو اور آج بھی اس کا حق ادا کرو۔"

ادارۂ تعلیم القرآن

اپریل ۱۹۴۹ء میں آپ نے ادارۂ تعلیم قرآن کے کام کو پھر اس رنگ میں پیش کیا کہ اپنی وہ تقریر جو دسمبر ۱۹۴۵ء کے سالانہ جلسہ پر آپ نے اس ادارہ کے قیام کے لئے کی تھی وہ دوبارہ پیغام صلح ۶ اپریل ۱۹۴۹ء میں چھپوائی اور احباب کو دعوت دی کہ اس کے متعلق جو تجاویز ان کے ذہن میں آئیں۔ وہ آپ کو بھیجیں۔ اور خود آپ نے اس کے متعلق یہ تجویز کی کہ جب تک مسلم ٹاؤن کی زمین پر باقاعدہ ادارہ کی عمارت تعمیر ہو ہم ایک چھوٹے پیمانے پر اس کام کی ابتداء اس طرح کریں کہ:۔

"پانچ دس طالب علموں کو جو قرآن سمجھنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں منتخب کر کے ان کو اپنے پاس رکھیں اور کالجوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کا علم بھی حاصل کریں۔ یہاں ان کو اکٹھا رکھا جائے اور ان کے اخراجات کا بھی ذمّہ لیا جائے .... تب ان میں سے ایسے لوگ مل سکیں گے جو اپنی زندگیوں کو اس کام کے لئے وقف کر دیں اور ان سے ہمارے مبلغین بن سکیں گے۔"

(پیغام صلح ۱۱ مئی ۱۹۴۹ء)

کچھ عرصہ بعد ایک محدود رنگ میں اس ادارہ کی بنیاد اس طرح رکھی گئی کہ مسلم ہائی سکول نمبر ۲ کی عمارت میں ایک ہوسٹل قائم کیا گیا۔ جہاں احمدی طلباء جو کالجوں میں پڑھتے تھے ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ نماز

اور درسِ قرآن کا انتظام اور ہفتہ وار جلسوں کا بھی انتظام کیا گیا۔ اس کے بعد ۵۰ء میں آپ کی تجویز تھی کہ اس ادارہ کو کسی بہتر مقام پر کوٹھی لے کر منتقل کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی آپ کراچی میں دردِ دل کی خطرناک تکلیف کی وجہ سے صاحبِ فراش ہو گئے اور یہ تجویز عمل میں نہ آسکی

اشاعت قرآن کے لئے تڑپ

اس تمام زمانے میں آپ کے ہر خطبۂ جمعہ میں روحانیت کا ایک خاص رنگ نظر آتا ہے۔ اور قرآن کو پڑھنے اور اس کو دنیا میں پہنچانے اور نماز اور تہجّد میں خدا کے آگے گرنے کی تلقین مختلف پیرایوں میں اور بار بار بیان فرماتے ہیں طوالت کے خوف سے ان خطبات کے اقتباسات نہیں دیئے جا سکتے۔ آپ بار بار یہ فرماتے تھے کہ قرآن میں خود دنیا کو فتح کرنے کی قوّت موجود ہے۔ ضرورت صرف اس کو دنیا میں پھیلانے کی ہے۔ اور سب چیزیں آپ کے نزدیک ثانوی حیثیّت رکھتی تھیں اور آپ نے کبھی کسی ایسی تجویز کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھا کہ اس جماعت کی محدود آمدنی کو کسی اور مصرف پر لگایا جائے۔

آل پاکستان اقتصادی کانفرنس

اپریل ۴۹ء میں لاہور میں پاکستان اقتصادی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور یونیورسٹی ہال میں تین دن اس کے اجلاس رہے۔ ۲۸ اپریل کو اس کانفرنس کے مندوبین کو جو پاکستان کے مختلف حصوں سے جمع ہوئے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب نے دعوتِ عصرانہ دی۔ اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا تعارف کروایا اور اس کے پچھلے کارناموں کا ذکر کیا اور آئندہ کے لئے جو پروگرام آپ نے بنایا تھا اس کو بھی تفصیلاً بیان فرمایا۔ جواباً مسٹر زاہد حسین نے جو اس وقت سٹیٹ بینک آف پاکستان کے گورنر تھے آپ کا شکریہ ادا کیا اور جماعت کے کاموں کی بہت تعریف کی۔ اُنہی روز رات کو یونیورسٹی ہال میں آپ کا ایک انگریزی لکچر مندوبین کے سامنے مرزا مسعود بیگ صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔

قیام کراچی ۴۹ء

آپ کی عمر اور صحت کی کمزوری کے پیشِ نظر اور طبّی مشورہ کے ماتحت آپ نے اس سال موسمِ گرما میں کسی پہاڑ پر جانے کے بجائے کراچی جانے کا ارادہ کیا۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ وہاں کے قیام کے دوران میں تحریک اشاعتِ لٹریچر کے لئے چندہ جمع کیا جائے۔ چنانچہ ۲۳ مئی ۴۹ء کو آپ کراچی تشریف لے گئے اور میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے گھر پر ساڑھے چار ماہ کے قریب قیام فرمایا۔ اس قیام کے بہت سے فائدے ہوئے۔ ایک تو آپ کی صحت میں خدا کے فضل سے بہت ترقی ہوئی۔ باوجود اس کے کہ ترجمہ قرآن پر نظرِ ثانی کا کام ابھی محنت طلب تھا اور کراچی میں دیگر مصروفیات زیادہ ہوتی تھیں۔ مگر سب سے بڑھ کر آپ کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس قیام سے آپ کو وہ کام کرنے کی توفیق ملی جو کسی پہاڑ پر نہ مل سکتی تھی۔ اور کئی رنگوں میں خدا تعالیٰ نے اُن تحریکات کے لئے جو آپ کے سامنے تھیں ایسے رستے

کھول دیئے جن کا خیال بھی نہ تھا۔ گرمیوں میں پہاڑ پر جو کام آپ یکسوئی سے کرتے تھے وہ تصنیف کا تھا۔ مگر کراچی کے اس قیام میں، اور اس سے آئندہ سال میں بھی، ایسے مواقع میسّر آئے کہ اس کے علاوہ تبلیغ اسلام کے کام کا بھی بہت سا سامان ہوگیا۔ اور کتابوں کے سیٹوں کی مفت تقسیم کے کام کی بھی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے علاوہ ایک بہت وسیع پیمانے پر غیراز جماعت معزّزین اور اکابر سے اور حکومت کے افسروں اور اسلامی ممالک کے سفراء سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور مختلف تقریبات پر آپ کو جماعتِ احمدیہ کی صحیح پوزیشن اور اس کے کام کی وضاحت کرنے کا موقع ملتا رہا۔ ایک تقریر آپ کی سندھ مدرسہ کالج کے طلباء کے سامنے بھی ہوئی۔

احبابِ جماعت کے نام چند خطوط۔

کراچی سے مولانا محمدؐ علی صاحب نے بذریعہ اخبار پیغامِ صلح، احبابِ جماعت کے نام چند خطوط لکھے۔ سب سے پہلا خط "بزرگانِ جماعت سے ایک اپیل" کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں آپ نے لکھا کہ یُوں تو جماعت کا ایک بڑا حصّہ اُن لوگوں کا ہے جو اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم ہونے کے لحاظ سے فی الحقیقت بزرگ کہلانے کے مستحق ہیں اور خاموشی سے اس جہاد میں مصروف ہیں جس میں امامِ وقت نے ان کو لگایا ہے اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس جماعت نے اتنا بڑا کام کر دکھایا۔ مگر اس وقت میرا خطاب خاص طور پر ان لوگوں سے ہے جن کو جماعت نے اپنا نظم و نسق چلانے کے لئے چُنا ہے۔ جیسے مجلسِ منتظمہ یا معتمدین کے ممبران اور جماعتوں کے عہدیدار صاحبان۔ ان لوگوں کو آپ نے توجّہ دلائی کہ دین کا کام عاجزی اور فروتنی اختیار کئے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ہمارا کام بڑا بننا نہیں۔ اور فرمایا:۔

> "میں نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے بزرگوں سے دردِ دل سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جماعت کی رہنمائی میں ایک صحیح نمونہ پیش کریں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ خواہش نہ ہونی چاہیئے کہ فلاں عہدہ مجھے دیا جائے یا فلاں کام میرے سپرد کیا جائے۔ ان باتوں کو لوگ آسان سمجھ کر یا اپنی بڑائی کا ایک ذریعہ سمجھ کر چاہتے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ وہ کتنی بڑی ذمّہ داری کو اپنے سر لیتے ہیں۔ . . . دین کے کاموں میں جہاں معاملہ صرف خدا سے ہے یہ ذمّہ داری جس شخص پر ڈالی جائے اُسے کانپ اُٹھنا چاہیئے کہ اتنا بڑا بوجھ اس پر ڈالا گیا ہے جس سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے . . . . اور ہمارے نبی کریم صلعم نے تو ایک زرّین اصول ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ ہم اپنے کاموں پر ایسے لوگوں کو متعیّن نہ کریں جن کے دل میں یہ خواہش ہو کہ انہیں کوئی کام دے دیا جائے۔"

اس کے بعد آپ نے ان بزرگان سے اپیل کی کہ انتخاب کے وقت اگر ان کی جگہ کوئی عہدہ کسی دوسرے کو دے دیا جائے تو انہیں اسے بُرا محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس بے نفسی کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ اختلاف رائے پر جو بزرگ استعفےٰ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں یہ بھی درست نہیں، ہمارا اصول قیام فی ما اقام اللہ ہونا چاہیئے۔ اگر ایک کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے تو اسے لینے سے انکار نہ ہو اور نہ ہی استعفےٰ کا خیال دل میں ہو۔ اور اگر کوئی کام ہم سے لے لیا گیا ہے تو اسے خوش دلی سے چھوڑ دیں۔ یہ خدا کی رضا کا بڑا بلند مقام ہے۔ پھر آپ نے انتخاب کے متعلق بعض چیزیں لکھیں۔ کہ صرف وہ لوگ انتخاب کئے جائیں جو نیکی اور تقویٰ میں جماعت کے لئے نمونہ ہوں اور جو اپنی رائے کو ایک امانت سمجھ کر استعمال کریں اور چونکہ ہماری جماعت ایک جہاد کے لئے کھڑی ہوئی ہے اس لئے ہمارے سرکردہ لوگ وہ ہوں جو خود مجاہد ہوں۔ ہمارا یہ جہاد، جہاد بالنفس بھی ہے اور جہاد بالمال بھی ــــ جو شخص حسب استطاعت چندہ نہیں دیتا وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے مطابق جماعت میں نہیں رہ سکتا کجا یہ کہ ایسے آدمیوں کو رہنما منتخب کیا جائے۔ اور آخر پر آپ نے بزرگانِ جماعت کو یہ توجہ دلائی کہ ایک دوسرے کے کام پر یا انجمن کے کام پر عام مجالس میں نکتہ چینی سے احتراز کریں۔ اس سے کام کو نقصان پہنچتا ہے۔ نقصوں اور کمزوریوں کو صحیح طریقہ سے دُور کرنے کی کوشش کریں اور ان کی اصلاح کریں۔ نہ کہ یہ کہ ان کو مشتہر کرتے پھریں۔

اس کے علاوہ آپ نے جو اور خطوط احباب جماعت کو لکھے وہ رمضان کے موقع پر ایک جہاد یعنی اسلامک ریویو کے لئے خریدار مہیا کرنے اور ہالینڈ میں مشن قائم کرنے کے متعلق تھے۔ مؤخر الذکر مشن کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ صاحب امام مسجد ووکنگ نے دوبارہ تحریک کی تھی کیونکہ ڈچ زبان میں ہمارا کثیر لٹریچر موجود تھا۔ کراچی میں جب آپ کو یہ خط ملا تو شیخ میاں محمد صاحب نے جو لائلپور سے کراچی کسی کام پر آئے ہوئے تھے۔ فوراً اس مشن کے کل اخراجات کی ذمہ داری لے لی۔ بعد میں یہ مشن انہوں نے بطور ایک ٹرسٹ کے قائم کیا۔

انگریزی ترجمۃ القرآن کی نظرثانی کی تکمیل

جمعہ اگست ۴۹ء کو دو سال سے زائد محنت کے بعد آپ نے کراچی میں انگریزی ترجمہ قرآن کی نظرثانی کی تکمیل کی اور جو خطبۂ جمعہ اس روز آپ نے دیا اس کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں۔ یہ خطبہ مندرجہ ذیل عنوانات سے شائع ہوا:۔

"میری زندگی میں خوشی کا دوسرا اہم موقع ــــ انگریزی ترجمہ قرآن کی نظرثانی کی تکمیل۔"

قرآن کا علم ہم نے حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں میں بیٹھ کر حاصل کیا۔ اس علمی ورثہ سے فائدہ اُٹھاؤ اور

قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی کوشش کرو۔"

فرمایا:۔

"یہ جو آج میں نے الفاظ پڑھے ہیں الحمد للہ رب العلمین، تو ایک خاص خوشی کے موقع پر پڑھے ہیں۔ میری زندگی میں اور بھی بہتیرے موقعے خوشی کے آتے رہے ہیں۔ مگر یہ دوسرا موقع خاص خوشی کا ہے۔ پہلا موقع وہ تھا جب میں نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کو ختم کیا۔ اور آج یہ دوسرا موقع ہے جب میں نے اس کی نظر ثانی کو ختم کیا ..... اتنا بڑا کام شروع کر کے اسے خاتمہ تک پہنچانا خدا کے فضل وکرم پر ہی موقوف تھا۔ اس نظر ثانی کے لئے کئی دوست کئی سالوں سے کہہ رہے تھے۔ لیکن اس کے لئے جو محنتِ شاقہ درکار ہے اس کی اس عمر میں ہمّت پیدا نہ ہوتی تھی۔ بہت بڑا مرحلہ تھا اور بہت مشکل بھی۔ میرا پہلا تجربہ موجود تھا۔ سات سال شب و روز میں نے کام کیا۔ مگر وہ ایّام اور تھے اور اس وقت مجھ میں جسمانی طاقت آج سے بہت زیادہ تھی۔ بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے روزانہ کام کیا، جب بیٹھ کر کام کرتے کرتے تھک جاتا تھا تو کھڑا ہو کر کام کرتا تھا۔ اب بتقاضائے عمر اس کام کو ہاتھ میں لینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بھی کوئی حد نہیں کہ آج اس کی مدد اور توفیق سے یہ کام بھی ہو گیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ جب میں نے کتاب لونگ تھاٹس لکھی تو اس کتاب میں قرآن کی تعلیم کا نچوڑ ہر مضمون پر آگیا۔ اور اس میں بہت سی باتیں آگئیں جو قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر لکھتے وقت میرے ذہن میں نہ تھیں۔ تو اس روشنی نے جو اس طرح میرے قلب میں پیدا ہوئی مجھ میں ایک نئی ہمّت پیدا کر دی ...... کس قدر تغیّر و تبدّل اس نظر ثانی میں ہوا ہے اس کے متعلق میرے وہ تین دوست جو اس وقت ٹائپ کرنے کا کام محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر آنریری طور پر کر رہے ہیں یعنی چودھری خوشی محمد صاحب۔ محمد حسن خانصاحب اور چوہدری غلام رسول صاحب بتلا سکیں گے یا جب ترجمہ چھپ جائے گا تو احباب کو پتہ چلے گا۔

۲۵ ؍جون ۱۹۴۷ء کو میں نے اس کام کو ڈلہوزی میں شروع کیا۔ مشکل سے ڈیڑھ ماہ کام کیا ہو گا کہ ایک بلا نازل ہوئی ہم صرف تین چار آدمی ڈلہوزی کی آبادی سے تین میل کے فاصلے پر پڑے تھے۔ ہمارا بچ کر نکل آنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا ...... ہم پر حاسدینِ اسلام کی نظریں اس قدر تھیں کہ انہوں نے ہمارے آنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ میری ۔ میاں محمد صاحب کی اور میاں مولا بخش صاحب مرحوم کی کوٹھیاں جلا دیں۔ غرضکہ یہ کام بہت دنوں تک ملتوی ہو گیا۔

پھر میں نے اس کام کو شروع کیا اور پچھلے سال کوئٹہ میں کرتا رہا۔ وہاں ایک دوسرے مرحلہ سے گذرنا پڑا اور محض خدا کے فضل سے زندگی ملی۔ ان دونوں مرحلوں سے گذر کر ترجمہ قرآن کی نظرِ ثانی کا ختم ہو جانا میرے لئے ایک بڑی خوشی کا موجب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قرآن کے پڑھنے سے انسان کے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے مگر اس کا انحصار اس توجہ پر ہے جس سے انسان اس خدا کے کلام کو پڑھتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ قرآن کریم کے بے بہا علوم کے خزانے قیامت تک جاری رہیں گے۔ یہ ایسا سمندر ہے جس کا دروازہ کسی انسان کے لئے بند نہیں۔ مگر اس کے اندر سے قیمتی اشیاء کو حاصل کرنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم کس قدر جد وجہد ان کے حصول کے لئے کرتے ہیں۔

میں اپنے احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا کی مشکلات کا حل قرآن کریم سے کرنے کی کوشش کریں۔ ان مشکلات پر غور کرو اور پھر قرآن کریم پر غور کرو۔ بطور اصول اس بات کو مدنظر رکھو کہ دنیا کی مشکلات کا حل خدا پر ایمان میں ہے۔ اور خدا پر ایمان جس قدر قرآن کریم سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قرآن کا صحیح علم اس وقت خصوصیت سے آپ کی جماعت پر کھولا گیا ہے — اور یہ برکت درحقیقت اس وجود کی ہے جس کے قدموں میں بیٹھ کر یہ قرآن کا علم ہمیں حاصل ہوا۔ اس نے ہمیں صحیح راستے پر ڈالا۔ صحیح علم کے لئے دماغی توازن ضروری ہے۔ اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس جماعت کا دماغی توازن قائم ہے۔ اور اسی لئے حضرت صاحب کا علمی ورثہ اس چھوٹی سی جماعت میں ہے اور ایک بڑی جماعت نے ایک طرف تو غلو کیا اور دوسری طرف پیری مریدی کے باعث اس کا دماغی توازن قائم نہ رہا اور یہ شکایت خود ان کے قائد کو ہے کہ ان کی جماعت کا دماغی توازن درست نہیں ۔ ۔ ۔ ۔

آپ لوگ قرآن کو پڑھیں۔ سوچ کر اور غور سے پڑھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کسی کو وہ علم دیدے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرا کام قرآن کریم کو پہنچانا ہے۔ جس میں تم میں سے ہر ایک چھوٹا ہو یا بڑا شامل ہو سکتا ہے۔ کام جو چاہو کرو۔ مگر زندگی کی غرض یہی ٹھہراؤ۔"

اسلامی ممالک کے سفیروں سے ملاقاتیں

علاوہ ان ملاقاتوں اور بات چیت کے جو مولانا محمد علی صاحب کراچی میں غیر از جماعت اکابر کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ آپ نے خاص طور پر اس قیام میں اسلامی ممالک

کے سفراء سے جو کراچی میں قیام پذیر تھے، تعلقات قائم کئے۔ اور انہیں احمدیت کے عقائد اور کارناموں کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔ جب مصر۔ عرب۔ عراق۔ ترکی کے سفیروں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہونے لگا تو پتہ چلا کہ یہ سب صرف آپ کے نام سے ہی واقف نہ تھے بلکہ آپ کی خدمات کا تہہ دل سے احترام کرتے تھے۔ اور خود آپ سے ملاقات کرنے کے لئے آنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ صرف سفیر سعودی عرب نے ذرا پس و پیش کیا اور دو دفعہ آنے کا وعدہ کر کے اسے منسوخ کر دیا۔ اس پر مولانا محمد علی صاحب نے خود ان سے ملنے کے لئے وقت لیا اور میاں نصیر احمد صاحب فاروقی اور شیخ محمد طفیل صاحب کے ساتھ سعودی عرب کے سفارتخانے تشریف لے گئے اور سید عبدالحمید الخطیب سے وہاں دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آپ نے تحریکِ احمدیت، حضرت مرزا صاحب کے دعاوی اور ان پر دعویٰ نبوت کے غلط الزام پر روشنی ڈالی۔ سفیر موصوف نے بتلایا۔ کہ انہیں پہلے ان باتوں کا علم نہ تھا کہ حضرت صاحب کے پیروؤں کی یہ جماعت ان کو مجدد مانتی ہے۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسی مسیح ناصری کے متعلق پیش آئی تھی۔ اب میری آنکھوں پر سے پردہ ہٹ گیا ہے۔ مولانا نے انہیں کچھ اپنی کتب پیش کیں اور ایک نسخہ حضرت صاحب کی کتاب "حمامۃ البشریٰ" کا دیا۔ جس کو انہوں نے بخوشی قبول کیا اور مولانا سے اٹھ کر بغلگیر ہوئے اور کہا کہ میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔ آپ اپنی تحریک کے متعلق ان غلط فہمیوں کو عرب ممالک سے دور کروائیں۔ اور عربی زبان میں اپنا لٹریچر وہاں بھیجیں۔ اس کے بعد سفیر موصوف اپنے صاحبزادے کے ساتھ مولانا سے ملنے ان کی قیام گاہ پر آئے اور دعوتِ طعام دے گئے۔ پھر حج پر جانے سے پہلے آپ کو ایک اور دعوت پر مدعو کیا۔ مولانا محمد علی صاحب کی خواہش تھی کہ "تحریکِ احمدیت" کا عربی ترجمہ کروایا جائے اور حضرت صاحب کی کتب اور یہ ترجمہ عرب ممالک میں بھیجا جائے۔ لیکن اس کے بعد آپ کی بیماری اور بعض دیگر حالات کی وجہ سے یہ کام آپ شروع نہ کروا سکے۔

سیٹوں کی مفت تقسیم کی تحریک کا آغاز

اس سے پہلے جلسہ سالانہ ۱۹۴۸ء میں تحریک تقسیم لٹریچر کا آغاز ہو چکا تھا اور اس کے لئے کچھ روپیہ جمع ہو کر یہ کام شروع بھی ہو چکا تھا۔ اور کراچی میں بھی مولانا محمد علی صاحب اس کام کی طرف خاص توجہ دے رہے تھے۔ اگست ۱۹۴۹ء میں آپ نے اس تقسیم لٹریچر کو باقاعدہ سیٹ بنا کر دنیا کے مختلف ممالک میں بھیجنے کی تحریک کی تشکیل فرمائی۔ اور کراچی میں خطبۂ جمعہ مورخہ ۵ اگست ۱۹۴۹ء میں فرمایا کہ آج کسی نے اسلام کی مکمل تصویر دیکھنی ہو تو وہ صرف مجددِ وقت کے پیروؤں سے ملے گی۔ اور خدا کے فضل سے اس کے سارے پہلو مندرجہ ذیل کتب سے مکمل ہو چکے ہیں۔

یعنی (۱) ترجمہ و تفسیر قرآن۔ (۲) سیرت حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلعم (۳) تاریخ خلافت راشدہ (۴) بخاری و احادیث صحیحہ۔ (۵) ریلیجن آف اسلام (۶) زندہ نبی کی زندہ تعلیم۔ (۷) نیا نظام عالم۔ یہ سب کتب انگریزی میں موجود ہیں۔ اور اِن کے تراجم دنیا کی اور مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ہم اگر ان کتابوں کے سیٹ بنا کر دنیا میں پھیلا دیں تو خدمت و اشاعتِ اسلام کا ایک عظیم الشان کام ہمارے ذریعے سے سرانجام پا سکتا ہے۔ اس کے بعد اور کئی ایک خطبات میں آپ اس چیز کو پیش کرتے رہے کہ اسلام میں خود ایک صداقت قوت اور حُسن موجود ہے۔ اور اگر اس کی صحیح اور مکمل تصویر دنیا میں پہنچا دی جائے تو لوگوں کی گردنیں خود بخود اس کے سامنے جھک جائیں گی۔ اور فرمایا:۔

"وہ سامان کیا ہوں گے جن سے بالآخر وہ کیفیت دنیا میں کام کرتی ہوئی نظر آ جائے گی۔ جس کو ہم دل کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سامان کیا ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن میرے دل میں جو خیال جاگزین ہے۔ اور جسے میں نے اس مقدس انسان سے لیا ہے جس کی صحبت میں ایک مدت بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ وہ یہ خیال ہے کہ ہم صداقتِ اسلام کی محمد الرسول اللہ صلعم کی قرآن کی صحیح تصویر دنیا میں پہنچا دیں۔ تو یقیناً دنیا کے سر اسلام کے سامنے جھک جائیں گے۔ آج ہمارے سامنے وہ چیز موجود ہے۔ صرف اس کو پہنچانے کا سوال ہے۔"

کراچی سے آنے سے پہلے مورخہ ۲۳ ستمبر ۴۹ء کے خطبۂ جمعہ میں آپ نے لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین کی تلاوت کے بعد حضرت نبی کریم کی مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے تڑپ کا ذکر کیا اور پھر اس تڑپ سے جو انقلابِ عظیم رونما ہوُا اس کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ اس درد اور تڑپ سے حصہ لینے والوں کے لئے ویسے ہی نتائج اس کی استعداد کے مطابق ملتے ہیں پھر صحابہؓ اور بزرگانِ دین کی تڑپ اور اصلاحِ عالم کا ذکر کیا اور اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے دل کی تڑپ کا تفصیلاً ذکر کیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر ایک طرف تو یہ عملی کام شروع ہوُا۔ اور دوسری طرف دنیا میں اسلام کی مانگ پیدا ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"ہر انسان کے لئے ایک کام ہوتا ہے۔ اب میں اپنا کام ایک حد تک پُورا کر چکا ہوں۔ انسان کی بساط ہی کیا ہوتی ہے۔ مگر خدا کے فضل سے اسلام پر ایک ایسا لٹریچر پیدا ہو چکا ہے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلموں کو بھی۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں ڈال کر مجھے خدمتِ اسلام کی یہ توفیق عطا فرمائی۔ اب اس

تیار شدہ لٹریچر کو ہم گھروں میں بند کر کے رکھیں تو ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں کیا فرق ہوگا۔ اصل کام تو دنیا میں اس لٹریچر کا پہنچانا ہے۔ انگریزی دان دنیا کی بڑی اکثریت ہے اور دوسری زبانوں کا سوال بھی مدّنظر ہے۔

ہم نے ابھی تک عزم نہیں کیا کہ اس لٹریچر کو دنیا میں پہنچا کر رہنا ہے۔ ایک آدمی کا عزم بھی بڑی طاقت رکھتا ہے۔ ساری جماعت کا عزم ہو جائے تو کوئی روک کس طرح رہ سکتی ہے۔ مگر ہم نے ابھی پورا عزم نہیں کیا۔ یہ لٹریچر درحقیقت وہ ہتھیار ہیں جو خدا تعالیٰ نے ہمیں عطا کئے ہیں۔ انگریزی میں جو لٹریچر پیدا ہوگیا ہے وہ ایک دن کا کام نہیں۔ چالیس سال اس کام میں لگ گئے ہیں اس سے دوسری زبانوں میں لٹریچر پیدا کرنا آسان ہوگیا ہے۔ سینکڑوں زبانوں میں لٹریچر ہو پھر بھی تھوڑا ہے۔ مگر یہ بہت جدوجہد اور محنت کو چاہتا ہے ......"

پانچ ہزار لائبریریوں میں سیٹوں کی مفت تقسیم کی تجویز۔

۱۰ اکتوبر ۴۹ء کو آپ کراچی سے واپس لاہور تشریف لائے اور ۱۴ اکتوبر ۴۹ء کے خطبۂ جمعہ میں اپنے قیام کراچی کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے سیٹوں کی مفت تقسیم کی تحریک کی۔ یعنی مندرجہ ذیل آٹھ کتب کا ایک ایک سیٹ دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں پہنچایا جائے (۱) قرآن کریم انگریزی ترجمہ۔ (۲) محمد دی پرافٹ۔ یعنی سیرت خیر البشر کا انگریزی ترجمہ۔ (۳) ارلی کیلیفیٹ یا تاریخ خلافت راشدہ کا ترجمہ۔ (۴) ریلیجن آف اسلام۔ جس میں تمام عقائد اور اعمال اسلامی پر ہر پہلو سے کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۵) مینوئل آف حدیث۔ انگریزی ترجمہ ہے ان احادیث کا جو انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں (۶) لونگ تھاٹس آف دی پرافٹ محمدؐ۔ جس میں نبی کریم کی مختصر سوانح کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا نچوڑ انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق جمع کر دیا گیا ہے (۷) نیو ورلڈ آرڈر۔ جس میں دکھایا گیا ہے کہ دنیا کے لئے وہی نظام زندگی قابل قبول ہو سکتا ہے جس کی بنیاد اصول اسلامی پر ہو۔ (۸) ٹیچنگز آف اسلام۔ جو حضرت صاحب کے جلسہ مہوتسو کے مضمون کا انگریزی ترجمہ ہے اور جس میں اسلام کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا نچوڑ آگیا ہے۔ اور اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے خود یہ قدم اٹھایا کہ ۶ نومبر کے جنرل کونسل کے اجلاس کے بعد آپ ۸ نومبر کو دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔ اور ایک ماہ سے زائد وہاں پھر قیام فرمایا۔ جس دوران میں چیدہ چیدہ غیر از جماعت مسلمانوں کے سامنے آپ نے اس کام کی ضرورت اور اہمیت کو پیش کر کے مالی معاونت طلب کی۔ اس عملی قدم کو اٹھانے سے پیشتر آپ نے جماعت کو خاص طور پر اس کی کامیابی کے لئے دعائیں کرنے کی التجا اور تلقین کی۔ اور ۴ نومبر کے خطبۂ جمعہ میں دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی۔ پہلی بات یہ کہ ہم

اپنی نمازوں کو خصوصیت سے درست کرلیں کیونکہ یہ ایک جماعت کا خدا کے حضور عاجزی سے گرنا تھا جس نے پہلے بھی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کیا۔ اور دوسری درخواست آپ کی یہ تھی کہ جلسہ سالانہ ۱۹۴۹ء تک کے چالیس یا پچاس دن کے لئے سب جماعت نماز تہجد کو التزام سے پڑھے۔ ۵ نومبر کو آپ نے ایک مضمون "دعا۔ دعا۔ دعا۔" بھی لکھا (۱۶ نومبر کے پیغام صلح میں شائع ہوئا) اور جماعت کو اپنی حالت میں تبدیلی اور خدا کی نصرت کے لئے دعا مانگنے کی نہایت دردمندانہ اور پُرزور الفاظ میں تلقین کی۔ اور یہ بھی کہ آپ اب جس کام کے لئے دوبارہ کراچی جا رہے تھے خدا تعالیٰ اس میں آپ کی امداد فرمائے۔ اور ان لوگوں سے بھی درخواست کی جن کے دلوں میں آپ کے خلاف کچھ اعتراض تھے اور جو اس تحریک تقسیم لٹریچر کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے کہ کمزوریوں سے خالی کون انسان ہوگا جس کی باتوں پر آپ کان دھرینگے لیکن دعاؤں کے اس مجاہدے سے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بلکہ آپ کا خدا سے تعلق کچھ بڑھ ہی جائیگا پھر اسی مضمون میں آپ نے الحمد اور رکوع اور سجدے کی تسبیح اور التحیات کے ہر فقرے کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ ان کو پڑھتے وقت ہمارے دلوں میں خدا کے نام کو دنیا میں پہنچانے کی تڑپ پیدا ہو اور اس کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ غرضکہ سارا کا سارا مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور دل پر ایک خاص اثر رکھتا ہے۔

اس درد اور تڑپ کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کے حضور گرنے کے ساتھ آپ نے کراچی کے اس دوسرے مختصر قیام میں حکومت کے افسروں، تاجروں اور کارخانہ داروں اور دیگر غیر از جماعت صاحب مال لوگوں کے سامنے اس پانچ ہزار سیٹ کے پھیلانے کی تحریک کو رکھا۔ اور خدا تعالےٰ نے آپ کی اور جماعت کے ایک بڑے حصے کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوئا کہ اس قیام کے دوران میں ساڑھے تین ہزار سیٹ بھیجنے کا انتظام ہو گیا جن کی مجموعی قیمت اڑھائی لاکھ روپیہ تھی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ایک طرف تو یہ درد اور تڑپ اور کوششیں اور دعائیں تھیں جن کی وجہ سے اسلام کی صحیح تصویر مزید قوت کے ساتھ دنیا میں پھیلانے کے انتظام ہو رہے تھے۔ دوسری طرف چند لوگ جن کے دلوں میں آپ کے متعلق بعض جذبات کے ماتحت کچھ اعتراضات تھے ان کاموں کی اہمیت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ پہلے مسلمان علماء اور ائمہ بڑی بڑی شاندار کتابیں ضخیم اور تفاسیر لکھ گئے ہیں۔ مثلاً امام غزالیؒ۔ امام ابن تیمیہؒ۔ امام رازیؒ مصنف تفسیر کبیر۔ امام ابن جریرؒ وغیرہم۔ ایسی کتابیں قطعاً کوئی شخص نہیں لکھ سکتا۔ اس کے مقابل پر ہم نے کیا لکھا ہے اور کس چیز پر ہم کو فخر ہے۔ اُن کے نزدیک اس موجودہ لٹریچر پر روپیہ لگانا اتنا مفید نہ تھا۔ جتنا کسی کالج یا یتیم خا

کا قائم کرنا۔ اور ان کا کہنا تھا کہ عام مسلمانوں نے ہر زمانے میں لوگوں کو اپنی قیمتی تصانیف سے مالا مال کر دیا۔ لیکن ہم نے کیا کر دکھایا ہے، جس پر فخر کیا جاسکے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی باتوں کے متعلق صحیح پوزیشن بیان کی جائے۔ اس سے کبھی کسی کو انکار ہی نہیں ہوا کہ متقدمین نے بڑی بڑی عظیم الشان کتب اور تفاسیر قرآن لکھیں۔ اور ان سے آج تک ہر ایک نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

"مفسرین میں سے جن سے سب سے زیادہ فائدہ جن تفاسیر سے اٹھایا ہے وہ یہ ہیں۔ امام فخر الدین رازی کی ضخیم "تفسیر کبیر" اور امام ابوحیان کی بحر المحیط۔ امام ابن جریر طبری کی تفسیر زمخشری کی کشاف۔ بیضاوی اور جامع البیان۔ لغات میں سے تاج العروس اور لسان العرب کا آزادی سے استعمال کیا ہے۔ اور ان سے کچھ چھوٹی لغت امام راغب کی بھی جو مفردات کے نام سے مشہور ہے۔ بلاشبہ لغت قرآن میں اول درجہ پر ہے۔ حدیث کی لغت یعنی ابن اثیر کی النہایۃ بھی بہت سی باتوں کے حل کرنے میں کام آئی ہے — تفاسیر اور لغات کے علاوہ اور تاریخی اور دوسری کتب سے بھی فائدہ اُٹھایا گیا ہے....."

(اس کے بعد حضرت مرزا صاحب اور مولانا نور الدین صاحب کا ذکر ہے)

لیکن سوال تو یہ ہے کہ آیا اس زمانے کے مجدد نے کوئی علم کلام پیدا کیا۔ اور اس نے جس کام پر ہمیں لگایا کیا وہ اس طرح پورا ہو سکتا تھا کہ امام غزالی اور ابن جریر وغیرہ کی تفاسیر اور لغاتِ قرآن اور حدیث کی اشاعت کی جائے۔ یا کچھ اور؟[1] لیجئے اس کا جواب بھی مولانا محمد علی صاحب کی زبانی سُنیئے۔ کراچی سے دسمبر میں واپس تشریف لانے کے بعد ان باتوں کے ازالہ کے طور پر فرمایا:۔

"میں نے جو بات کہی تھی وہ یہ نہ تھی کہ ہم نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ وہ یہ تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آرزوؤں اور حضور کے کام کو اگر کسی نے پورا کیا ہے تو وہ جماعت لاہور ہے۔ ان آرزوؤں میں سے جو تبلیغ اسلام کے ذیل میں حضور کے دل میں تھیں۔ حضرت کی پہلی آرزو یہ تھی اور وہ ازالۂ اوہام میں مندرج ہے:۔

اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کے ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔

---

[1] عجیب بات یہ ہے کہ بعینہٖ یہی اعتراض جماعتِ قادیان نے بھی کیا کہ تم نے کیا کارنامہ کیا ہے۔ قرآن کی تو تفاسیر اور بہت موجود ہیں۔۔

جیسا کہ یا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔

(ازالۂ اوہام صـــ۴۴۳)

...... یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ اپنی آرزو تھی کہ میں خود یہ کام کروں، مگر ہوتا کیا ہے کہ حضرت صاحب وفات پا گئے اور یہ کام ابھی باقی تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی یہ آرزو خدا کے ہاں پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے خدا نے آپ کے بعد وہ کام نہایت کمزور ہاتھوں سے کروا دیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری آرزو کا ذکر کرتا ہوں۔ اور یہ ملفوظات میں کہیں مذکور ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔" (منظور الٰہی۔ صـــ۱۸۸)

اس پر بھی غور فرمائیں کہ کس طرح وہ کتاب جو میں نے ریلیجن آف اسلام لکھی ہے اور جو مقبولِ عام ہے حضرت کی اس آرزو کو پورا کر رہی ہے۔ اس کتاب میں فقاہت کی بنیاد قائم کر دی گئی جو اسلام کی نئی فقاہت کی بنیاد کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے اور جس میں جملہ مسائل پر جن کی دنیا کو آج ضرورت ہے اس قدر مفصل بحث کی گئی ہے کہ بہت بڑے بڑے آدمیوں نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گویا اسلامی مسائل کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ایک چیف کورٹ کے جج سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کی کتاب اپنی لائبریری میں رکھی ہوئی ہے۔ جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں اس سے دیکھ لیتا ہوں۔ قرآن کی تفسیر کے متعلق ایک نہیں بیسیوں آدمیوں نے کہا۔ میرے اکیلے کے سامنے نہیں بلکہ مجمع کے اندر کہا کہ اس ترجمہ کو پڑھ کر ہمارا ایمان قرآن کریم کی صداقت پر پختہ ہو گیا ہے۔ ہم اس ترجمہ کے بہت ہی مرہونِ منت ہیں۔ یہ باتیں کوئی میں فخر یہ بیان نہیں کرتا، یہ خدا کی داد ہے۔

حضرت صاحب کی ایک تیسری آرزو بھی ہے۔۔۔۔ ازالۂ اوہام میں لکھتے ہیں :۔

"میری صلاح ہے کہ بجائے واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں کر کے تمام دنیا میں پھیلائی جائیں۔"

..... غور فرمائیے کہ امام زمان نے کیوں اس کا اظہار کیا کہ واعظوں کی بجائے میں چاہتا ہوں کہ عمدہ عمدہ تالیفیں دنیا کے اطراف تک پہنچائی جائیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ واعظوں سے اصلاح کی بجائے لوگوں پر ابتلا آجاتا ہے۔ اور آیا بھی ہے۔

..... غور کر لیجئے کہ اس قلیل جماعت کے ہاتھوں امام زمان کی آرزو بھی کس طرح پوری ہوئی۔ کہ عمدہ تالیفیں کر کے دنیا کے ممالک میں بھیجی جائیں۔ اسلام کی حقانیت اور حضرت نبی کریمؐ کی صداقت اور آپ کی روشن زندگی کے واقعات پر مشتمل ایک عظیم الشان لٹریچر اس جماعت نے پیدا کیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی نصرت تھی جس نے اس جماعت کے شامل حال ہو کر اتنا بلند کام کروایا۔ مگر اس سے بھی بلند تر وہ کام ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی ایام میں سامان پیدا کر دیئے.....“

(خطبۂ جمعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۹ء۔ پیغام صلح ۲۱ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مندرجہ بالا وضاحت آپ کے اس خطبۂ جمعہ میں ہے جو آپ نے کراچی سے واپس تشریف لا کر دیا۔ اور اسی میں آپ نے پانچ ہزار سیٹوں کی مفت تقسیم کی تحریک اور اپنی قیام کراچی کی کوششوں کا ذکر فرما کر بتایا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس کے لئے سامان پیدا کر دیئے۔ اور عمدہ عمدہ تالیفات کر کے ان کو دنیا میں پہنچانے کی آرزو بھی حضرت صاحب کی اس جماعت کے ذریعے سے پوری ہو رہی ہے۔

جماعتِ قادیان سے آخری خطاب

ستمبر ۱۹۴۹ء میں مولانا محمد علی صاحب نے کراچی میں ایک ٹریکٹ تصنیف فرمایا جو ”جماعت قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحۂ فکریہ“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ جماعتِ قادیان کو خصوصیت سے اس میں مخاطب کیا گیا ہے اور یہ آپ کا آخری خطاب اس جماعت سے تھا۔ اس میں عقائد کی بحث نہیں ہے۔ صرف حضرت صاحب کی دلی آرزوؤں کا ذکر ہے اور جماعت لاہور کے کام اور آپ کی تصنیفات کے ذریعہ ان کے پورے ہونے کی تفصیل ہے۔ اور حضرت صاحب کے مختلف رؤیا۔ کشوف اور تحریرات کی طرف جو آپ نے مولانا محمد علی صاحب کے بارے میں لکھیں۔ توجہ دلائی ہے اور آپ کے وجود میں ان کے پورا ہونے کو ثابت کیا ہے۔ اور اس جماعت کو دعوت دی ہے کہ وہ ان باتوں پر غور کریں اور اس طرف آئیں جہاں انہیں حضرت مسیح موعودؑ کے علوم کا ورثہ ملتا ہے اور جہاں وہ کام ہوا ہے جو حضرت صاحب کی آرزوؤں کو پورا کرتا ہے۔ پھر عام مسلمانوں سے بھی خطاب کیا ہے کہ جس مجدد نے جو بھی اس کے پاس گیا اس کے دل میں خدا کی محبت کی ایک چنگاری اور اشاعتِ اسلام کے لئے درد ڈال دیا اور جس نے وہ جماعت پیدا کی جنہوں نے اپنی جانیں اور مال خدا کے دین کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وقف کر دیئے وہ شخص کس طرح ایک مفتری ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا

میں کوئی بھی ایسا مفتری ہُوا ہے جس نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں تبلیغ اسلام کا یہ جوش بھر دیا ہو؟

میاں غلام رسُول صاحب کا انتقال

۲۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو مولانا محمد علی صاحب کو اور تمام جماعت کو ایک بڑا صدمہ پہنچا یعنی میاں غلام رسول صاحب تمیم کا انتقال ہوگیا۔ اسی روز خطبہ جمعہ میں آپ نے میاں صاحب مرحوم کا ہی ذکر کیا کہ گو وہ ایک پولیس افسر تھے لیکن حضرت مرزا صاحب کی صحبت نے ان کے قلب میں ایک خدا کا نور روشن کیا' اور انہوں نے ایک ایسی پاکیزہ زندگی بسر کی جو کہ ہر ایک کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھی۔ جہاں کہیں وہ رہے ان کے پاکیزہ اخلاق نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ ان کے دل میں مخلوقِ خُدا کی ہمدردی کا جذبہ موجزن تھا۔ اور ایک کثیر مخلوق کے لئے وہ نفع کا موجب ہوئے۔ پھر اس جماعت کے لئے وہ بمنزلہ ایک ستون کے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو مال کثرت سے دیا اور اُسے انہوں نے خدا کی راہ میں بڑھ چڑھ کر خرچ کیا۔ سلسلہ کی تبلیغ اور توسیع میں شاید ہی کوئی ان سے بڑھ سکا ہو۔ اور ان کی اصابت رائے، تجربہ اور صاف گوئی قومی معاملات میں ایک خاص مقام رکھتی تھی۔

میاں صاحب کے انتقال سے تمام جماعت کو بہت صدمہ پہنچا۔ ۲۴ر دسمبر کو جلسہ سالانہ شروع ہوتے ہی اس کی پہلی نشست مرحوم کے احترام میں ملتوی کر دی گئی اور نماز ظہر کے بعد ان کا جنازہ غائبانہ سب جماعت نے پڑھا۔

میاں صاحب مرحوم مولانا محمد علی صاحب کے دیرینہ رفیقوں میں سے تھے۔ اور اُن کی ان خصوصیات کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے مولانا محمد علی صاحب کے دل میں ان کے لئے انتہائی محبت اور عزت تھی۔ علاوہ لاہور میں انجمن کے معاملات میں ساتھ ہونے کے میاں صاحب اکثر ڈلہوزی بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور گہرا تعلق ان بزرگوں کے درمیان تھا۔

جلسہ سالانہ ۱۹۴۹ء

۱۹۴۹ء کے جلسۂ سالانہ کے دوسرے دن مولانا محمد علی صاحب نے "ذکرِ الٰہی — اطمینان قلب کا واحد ذریعہ" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ اللہ کی حکومت کو دوبارہ قائم کرنے میں ہی نسلِ انسانی کے لئے نجات اور امن ہے۔ اور مسیح موعودؑ نے ہمیں اس کام پر لگا دیا اور ہمارے ذریعے سے اُن کی آرزوؤں کو پورا کیا۔ انگریزی تفسیر کی عالمگیر مقبولیت کا ذکر کیا۔ اور اس کی چالیس ہزار کاپیاں دنیا میں پھیل چکیں اور کئی لوگوں نے اعتراف کیا ہے کہ ہم نے اسلام اس ترجمہ اور تفسیر سے سیکھا اور ان مختلف ممالک کا ذکر کیا جہاں تھوڑا سا لٹریچر پہنچنے سے ہماری جماعتیں پیدا ہوگئیں اور لوگوں کے خیالات بدل گئے۔ اس کے بعد آپ نے پانچ ہزار لائبریریوں میں سیٹ بھیجنے کی تحریک کی اور فرمایا کہ قریباً چار ہزار سیٹوں کا انتظام آپ اب تک کر چکے ہیں۔ اور اب چاہتے ہیں کہ جماعت ایک ہزار سیٹ

کے بھیجنے کا انتظام کرے۔ اس پر جماعت کے احباب نے تحریک پر لبّیک کہنا شروع کیا۔ اور ایک عجیب جذبہ قربانی کا اظہار کیا۔ بعض نے سو سو سیٹ اور بعض نے پچاس پچاس، پچیس پچیس اور ایک ایک، دو دو سیٹ اپنے تمام حسب استطاعت لکھوائے اور آپ کی اس تحریک اور خواہش کو پورا کر دکھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اسلام کی نشاۃ ثانیہ شروع ہو چکی ہے اور اس کا اقرار اب غیر بھی کر رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں جس کو حضرت مرزا صاحب نے آپ کے سپرد کیا ہے۔ اس کی اہمیت کو ہر وقت سامنے رکھیئے اور اس کے کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف ہو جایئے۔"

۱۹۵۱ء کے حالات جلسۂ سالانہ کی کوفت، اپنی صحت کی کمزوری اور اپنے ایک عزیز دوست اور ساتھی (میاں غلام رسول صاحب) کی جدائی کے صدمہ کے سبب جلسہ کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ اور کئی دن تک صاحب فراش رہے۔ وسط جنوری میں آپ کی حالت نسبتاً بہتر ہو گئی اور اٹھنے بیٹھنے لگے۔ اور چند دنوں تک پھر کچھ صحت حاصل ہو گئی۔ اور آپ حسب معمول اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے لیکن شروع مئی میں گرمی کے بڑھنے کے ساتھ ہی آپ کو دوپہر کے بعد بخار ہو جانا شروع ہو گیا۔ قریباً ہر سال آپ کو یہی تکلیف کمزوریٔ صحت اور دیگر عوارض کی وجہ سے ہو جاتی تھی۔ ۳۰ مئی کو آپ گرمیاں گذارنے کے لئے دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔ اس تمام عرصہ میں آپ نے ترجمہ قرآن انگریزی کے دیباچہ کو نئے سرے سے لکھا اور ترجمہ کے مسودات پر نظر ثانی فرماتے رہے۔ آخر جولائی میں جب ترجمہ کے پروف آنے شروع ہو گئے تو آپ نے خود ان پر نظر ثانی کرنی شروع کی۔ اور یہ کام آپ نے دل کی تکلیف کے سخت حملوں کے بعد بھی، جن کا ذکر آگے آئیگا، جاری رکھا اور اپنی وفات تک اس کو مکمل کر دیا۔

۱۹۵۱ء کے خطبات مولانا محمد علی صاحب کی تمام عمر کے خطبات اور تحریرات میں جو ایک خاص رنگ نظر آتا ہے وہ دعا اور نماز تہجد کی تلقین پر زور۔ قرآن کا علم خود حاصل کرنا اور قرآن اور اسلامی لٹریچر کو دنیا میں پھیلانے کی ضرورت اور اہمیت اور اس کے لئے مالی قربانیوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس آخر عمر میں آکر جو روحانیت اور جو درد اور تڑپ آپ کی تحریرات اور خطبات میں ملتا ہے۔ وہ پہلے سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر ہے اور ان میں جماعت کے لئے ایک ایسی مشعل ہدایت ہے جو ہمیشہ اس کی رہنمائی کے لئے روشن رہے گی۔ چونکہ جماعت کی توجہ بعض وقت اس کے اصل مقصد سے ہٹ جاتی ہے اور بعض احباب ثانوی اہمیت کے کاموں پر زیادہ زور دیتے ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے

کہ آپ کے خطبات اور تحریرات میں سے کچھ اقتباسات دیئے جائیں تاکہ جماعت پر یہ واضح ہو جائے کہ جس شخص نے اپنی نوجوانی میں دنیا پر لات مار کر حضرت مجدّد وقت کی صحبت اختیار کی اور اپنے دل کو اُن سے نور حاصل کر کے روشن کیا اور پھر پچاس سال تک شب و روز خدمتِ دین کی اور مجدّدِ وقت کی آرزوؤں کو پُورا کیا اور قرآن کی تفاسیر اور اسلام پر ایک بے نظیر لٹریچر پیدا کیا۔ اس کی تمام زندگی کا حاصل اور نچوڑ کیا مقصد تھا اور وہ جماعت کو کس راہ پر چلاتا رہا اور چلانا چاہتا تھا۔ اور اپنی آخری عمر میں اس کے دل میں کیا درد اور تڑپ تھی۔ فروری ۵۰ء سے اپریل ۵۰ء تک آپ نے ایک خطبات کا سلسلہ اسی رنگ میں دیا۔ پہلے تو آیتِ قرآنی واذا سألك عبادی عنّی فانّی قریب... (الخ) پر متواتر کئی ایک خطبات دیئے کہ یہ قربِ الٰہی جس کا ذکر ہے یہ کب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے دو ذریعے ہیں۔ خدا کے نام کو پھیلانے کی بلند آرزو کو دل میں پیدا کرنا اور اس کے لئے خدا کے آگے ہی گرنا اور دعائیں کرنا۔ پہلے خطبہ میں بتایا کہ دعا خدا کے قرب کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ فرمایا:

"میں احباب کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کام بہت عظیم الشان کام ہے۔ اسلام کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ قرآن اور نبی کریم صلعم کے نور سے دنیا کی ظلمتوں کو دُور کرنا ہے۔ ہمارا یہ عظیم الشان کام ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اموال کو اس کے حصول کے لئے خرچ کریں ..... لیکن ایک اور چیز کی ضرورت ہے جس کے بغیر ہمارے اموال اور کوششیں بھی بارآور نہیں ہو سکتیں ..... وہ ہے خدا کے آگے گرنا اور اس کے حضور دعائیں کرنا اور اس کے قرب کو حاصل کرنا ..... لوگوں کو یہ راہ مشکل نظر آتی ہے۔ لیکن یاد رکھیئے۔ دعا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان یقینی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ دعا کا بہترین وقت سارے قرآن کو پڑھ کر دیکھ لو۔ نبی کریم صلعم کے تمام حالات کو دیکھ لو۔ ایک ہی نظر آئے گا۔ وہ ہے پچھلی رات کا وقت۔ ..... ابتدائی زمانہ میں تو بہر حال قرآن کریم ابھی تھوڑا ہی نازل ہُوا ہو گا۔ لیکن سورہ مزمّل کو پڑھ کر دیکھ لو کہ کس طرح نبی کریمؐ اور صحابہؓ کی پاک جماعت راتوں کو اُٹھ کر خدا کے ہاں سربسجود رہتے تھے ..... خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا انسان کے دل میں ایک زبردست قوّت و طاقت پیدا کر دیتا ہے ..... رات کا اٹھنا اور خدا کے حضور قیام کرنا یہ زیادہ کام کرنے کا نسخہ ہے، جسے ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے۔ ہم نے امامِ زمان حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ تہجد کی نماز میں گذارتے تھے۔ ان کے کام کو بھی دیکھ لیجئے کہ کس قدر عظیم الشان کام ہے۔ عمر کے آخری لمحوں تک کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے گئے ہیں۔ وہ صرف کتابیں لکھنے والے

نہ تھے، بلکہ خدا سے تعلق پیدا کر کے اس سے روشنی حاصل کر کے لکھتے تھے..... بڑے بڑے اولیاء اور برگزیدہ لوگوں نے اس راہ کو آزمایا اور صحیح پایا اور ان کی زندگی میں دو چیزیں بیّن طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک عبادت کی زیادتی اور دوسرے کام کی زیادتی.... راتوں کو اُٹھئے اور دعائیں کیجئے۔ قرآن کی خدمت کی توفیق کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہے۔ خدا کے آگے گڑگڑایئے۔ تمہیں وہ روحانی طاقت نصیب ہو جس سے تم اس قرآن کے نور کو دوسروں تک پہنچا سکو۔ میں تمام احباب جماعت سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عظیم الشان نصب العین میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ دعا۔ جس قدر ہو سکے خدا کے حضور میں گریہ وزاری اور دعا پر زور دیں۔ یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے دعا کا پہلو ان پر غالب ہو.... جماعت کی نمازوں سے ایک بلند مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مگر تنہائی میں بھی کچھ حصہ نماز کا ضرور ادا کرو۔ گھر کے کسی کونے کے اندر جہاں سوائے خدا کے اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس نماز کی عادت ڈالو کہ جب تم خدا کے آگے سجدہ میں گرو اور پھر اپنے سر کو اٹھانا چاہو تو اُٹھا نہ سکو۔"

(خطبۂ جمعہ ۲/۳ ۵)

اس سے اگلے خطبے میں مورخہ ۲/۱۰ ۵ کو اس بات کی تشریح فرمائی کہ وہ کونسی دعا ہے جو فی الحقیقت انسان کو خدا کے نزدیک کر سکتی ہے۔ بعض آرزوئیں ایسی ہوتی ہیں کہ ارادۂ الٰہی بھی ان کے ساتھ مل جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے اگر ایک سخت کام پر ہم کو لگایا ہے تو ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ اس کے لئے ارادۂ الٰہی ہو چکا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی دعاؤں سے اس خدائی ارادہ کو اپنے اندر جذب کر سکیں۔ وہ خدائی ارادہ وہی ہے جو امامِ زماں کی بعثت کے ساتھ مقدّر تھا یعنی اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنا اور قرآن کا نور تمام دنیا میں پھیلنا۔ تو یہی ہماری دعا ہونی چاہیئے کہ اسلام دنیا میں غالب ہو اور قرآن کا نور تمام دنیا میں پھیل جائے۔ اور یہی وہ دعا ہے جس کی قبولیّت میں شبہ نہیں۔ فرمایا:-

"میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں۔ وہ ہے دلوں کی تڑپ۔ اشاعتِ قرآن کے لئے ایک تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کیجئے۔ خدا کے آگے گر پڑیئے اور گڑگڑا بیٹھئے کہ اے خدا یہ تیرا پاک کلام جس میں ایک بیش قیمت خزانہ ہے یہ کیوں آج بیکسی کی حالت میں پڑا ہُوا ہے۔ تو اپنے فضل سے اس کی اشاعت کے لئے کوئی اسباب پیدا کر دے۔ اور ہمارے قلوب میں اس کی خدمت کے لئے ایک تڑپ پیدا کر دے۔

ایک ایک آدمی آپ میں سے اٹھے اور خدا کے آگے روئے۔ اگر رات کو گرم بستر چھوڑ نہیں سکتے تو دن کو ہی کسی وقت خدا کے حضور تنہائی میں گر جایئے اور دعائیں کیجئے کہ آخر ہم قرآن کریم کو دنیا میں پہنچانے سے کیوں عاجز آگئے ہیں۔ ہم نے امام زماں سے ایک عہد اور اقرار کیا تھا پھر کیوں ہم میں اس کے پورا کرنے کے لئے طاقت و قوت نہیں رہی۔

اس سلسلہ کے تیسرے خطبے میں مورخہ ۱۷/۲ کو فرمایا کہ میں نے پہلے دو خطبات میں دُعا کی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ ایک حامل قرآن جماعت کے اندر سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ املاک اور روپیہ کی کثرت نہیں بلکہ روحانیت کی قوت ہے۔ اب دوسری اصولی بات جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ہے قرآن کا پڑھنا اور اس کی تعلیم و تدریس۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کے فضائل کو تفصیلاً بیان کیا اور بتلایا کہ تلاوتِ قرآن کریم کے وقت مومن کی کیا حالت ہونی چاہئے تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم یعنی الٰہی عظمت کا اثر انسان کے جسم پر بھی ہو اور ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ یعنی جسم اور قلوب کلامِ الٰہی کا اثر قبول کرنے کے لئے نرم ہو جائیں۔ اور اس وقت سے جو دل میں پیدا ہوا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ اس رونے سے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے متأثر ہو کر ہو یا دوسرے انسان کے لئے درد سے ہو، رونے والے کے قلب میں ایک قوت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت نبی کریم صلعم کے قرآن پڑھنے۔ پڑھوا کر سُننے اور رونے کا ذکر کیا اور حضرت مسیح موعودؑ کے عشق قرآن کا تفصیلاً ذکر کیا اور فرمایا :-

> "سو میں احباب سے درخواست کرونگا کہ وہ قرآن شریف سے ایک دلی عشق اور محبت پیدا کریں اور اسے بار بار پڑھیں .... کیا عشق ہے اور کیا محبت ہے جس کا اظہار آج امام وقت نے قرآن مجید سے کیا۔ اگر آپ واقعی اس امام کی جماعت ہیں تو پھر اس عشق کو اپنے قلوب میں پیدا کیجئے جس کا نمونہ امامِ زمان نے اپنی زندگی میں ہمارے سامنے رکھا۔"

اس کے بعد جو تلقین آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ایک تو ہر مرد و عورت قرآن کریم کا کچھ حصہ بلا ناغہ روزانہ پڑھے۔ اور اس کے لئے بہترین وقت فجر کا ہے۔ پھر دوسروں سے قرآن کریم پڑھوا کر سُننا بھی سنّت ہے۔ تیسرے جو لوگ قرآن کریم نہیں جانتے ان کو قرآن پڑھایا جائے۔ چوتھے قرآن کا کوئی نہ کوئی حصہ حفظ بھی کیا جائے۔ اور پانچویں قرآنی علوم کی تحقیق کے لئے کوئی ادارہ ہو

اس سلسلے کے چوتھے خطبے (مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۵۰ء) میں فرمایا۔ جو عظیم الشان کام ہمارے

سامنے ہے۔ اس کے لئے دو اصولی باتوں کی طرف توجہ دلا چکا ہوں۔ یعنی ایک دعا اور دوسرے قرآن کریم کی تلاوت۔ اس پر عمل اور اس کی تعلیم و تدریس۔ آج میں ایک تیسری اصولی بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ احمدیت قربانی کو چاہتی ہے۔ قربانی بھی وہ جس کا ذکر لعلک باخع نفسک الایکونوا مؤمنین میں ہے۔ اس حکم کے مخاطب اولاً حضرت نبی کریم صلعم ہی ہیں۔ لیکن اس میں ہر اُس شخص کے لئے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے اس سے بھی خطاب ہے۔ دین اسلام قربانیوں سے قائم ہوا اور پھیلا اور آئندہ بھی صرف قربانیوں سے ہی پھیلے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اوّل درجہ کی قربانی تو یہ ہے کہ خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا۔ لیکن دنیوی کاروبار کو انجام دیتے ہوئے بھی ایک شخص قربانی دے سکتا ہے اور ضرورت ان دونوں امور کی ہے۔ قوم زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اُن میں دونوں قسم کے لوگ نہ ہوں۔ اس کے بعد مالی قربانی کا ذکر کیا اور چندہ ماہوار کی اہمیت اور ضرورت بیان کی اور فرمایا کہ جو چندہ نہیں دیتے وہ خدا کے کام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

پانچویں خطبے میں (۲۴ مارچ ۵۰ءؔ) انفاق فی سبیل اللہ پر بیان فرمایا۔ قرآن نے مال کے متعلق ابتدائی زمانے کی وحی سے لے کر آخر زمانے کی وحی تک جو نظریہ پیش کیا ہے وہ یہ کہ اسے خدا اور بندے کے درمیان ایک سودا قرار دیا ہے۔ اور اور جگہ اس کو تجارۃ کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جگہ جگہ یہ بات صاف کر دی ہے کہ مال کی محبّت دوزخ ہے۔ یا دوزخ کو لانے والی ہے اور مال کا اللہ کے راستے میں خرچ کرنا جنّت ہے۔ اور یہ جنّت آخرت میں ہی نہیں ملتی بلکہ اسی زندگی میں شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد پانچ خطبوں میں آپ نے نماز پڑھنے کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا ہے کہ کس طرح یہ ظاہری اور باطنی خوبیوں کو پیدا کرتی ہے اور اس کے ذریعہ سے روحانی اور جسمانی تربیّت اور ظاہری تنظیم پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر نماز میں خشوع پیدا کرتا ہو تو اعلائے کلمتہ اللہ کو اپنا نصب العین قرار دو۔ اپنی نماز کو کلیتہً دعا بنا دو اور صورتِ سوال بن کر خدا کے حضور کھڑے ہو جاؤ۔ اور خطبات کے اس سلسلے کو آپ نے پھر ۲۸ اپریل ۵۰ءؔ کو اُس پہلی بات پر ختم کیا کہ اعلائے کلمتہ اللہ کے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو خدا کے حضور روؤ اور گڑگڑاؤ۔ اور محض اللہ اس فریضہ کو ادا کرو۔

کراچی کا قیام ۵۰ءؔ اور بیماری

مولانا محمد علی صاحب کی صحت اب کافی کمزور ہو چکی تھی اور گرمیوں کے شروع ہوتے ہی یعنی ابتدا مئی سے آپ کو بخار وغیرہ ہونا شروع ہو گیا۔ جو دوپہر کے بعد ہو جاتا تھا۔ وسط مئی تک طبیعت پھر کچھ بہتر ہو گئی۔ ۲۰ مئی کو آپ گرمیاں گزارنے کے

لئے حسبِ سابق کراچی تشریف لے گئے۔

کراچی میں میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے گھر پر مولانا محمد علی صاحب کی مصروفیات سالِ گذشتہ کی طرح رہیں۔ اور کتابوں کے سیٹوں کی تقسیم کا کام بھی آپ کی ذاتی ہدایات کے مطابق ہوتا رہا۔ اگست سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی چوتھی ایڈیشن کے پروف بھی آہستہ آہستہ پڑھے جا رہے تھے کہ ستمبر میں آپ دل کے دَورے کے شدید حملوں سے خطرناک طور پر صاحبِ فراش ہو گئے۔ پندرہ بیس دن پہلے آپ کے دل میں ہلکا ہلکا درد ہوتا تھا۔ ڈاکٹر اس وقت بھی آرام کرنے کو کہتے تھے مگر آپ آرام کرنا جانتے نہ تھے۔ اور حسبِ عادت رات کے دو بجے سے لے کر جب آپ تہجد کے لئے اُٹھتے تھے مغرب کے وقت تک عبادت اور کام کاج میں لگے رہتے تھے۔ اور صرف تیسرے پہر ڈیڑھ دو گھنٹے کے لئے آرام کرتے تھے ۱۷ اور ۱۸ ستمبر ۵۰ء کی درمیانی شب کو ۱۲ بجے رات سے تین بجے رات تک آپ کو دردِ دل یعنی (Coronory Thrombosis) کا سخت حملہ ہُوا۔ مگر حوصلہ اور صبر کی یہ حالت تھی کہ گھر میں کسی کو اٹھایا تک نہیں کہ بے آرام ہوں گے۔ ۳ بجے درد بند ہُوا۔ تو آنکھ لگ گئی۔ ۴ بجے پھر اُٹھ کر تہجد پڑھنے لگ گئے اور صبح ناشتہ پر اپنی تکلیف کا بیان کیا۔ پھر ڈاکٹر جو آیا تو اُس نے فوراً بستر پر لٹا دیا۔ مگر آپ لیٹے لیٹے ہی مولوی عبدالوہاب صاحب کو بلوا کر ڈاک اور کاغذات دیکھتے رہے۔

دوپہر کے بعد ایک اور بہت خطرناک حملہ ہُوا۔ اس وقت سے مارفیا کے ٹیکے لگنے شروع ہو گئے۔ مگر اوپر تلے کوئی چار دفعہ حملے ہوئے اور آکسیجن بھی لگنی شروع ہو گئی۔ اس وقت آپ کی حالت یہ تھی۔ کہ کروٹ تک بدل نہ سکتے تھے اور انتہائی خطرہ کے اندر تھے۔ درد تو ۱۹ ستمبر کو بند ہو گیا۔ لیکن اور عوارض اس کے ساتھ شروع ہو گئے۔ بہر حال کچھ قوت آہستہ آہستہ واپس آئی تھی کہ ۲۸ ستمبر کی رات کو ایک حملہ دل کے مرض کا پھر ہُوا اور اگلے دن جمعہ کو حالت بالکل مایوسی کی ہو گئی۔ اُس دن کا واقعہ فاروقی صاحب نے اس طرح لکھا ہے:-

> "جمعہ کا وقت آ گیا۔ میرے لئے تو مکان چھوڑنا ناممکن تھا۔ مگر مستورات نے اصرار کیا کہ جا کر جماعت کے ساتھ مل کر دعا کرو۔ چنانچہ میں گیا اور جماعت کو اطلاع دی۔ خطبہ ایسے حالات میں کسی نے کیا پڑھنا یا سُننا تھا۔ میں نے جماعت سے کہا کہ باتوں کا وقت گیا اب صرف دعا کا وقت ہے۔ چنانچہ خطبہ میں پندرہ بیس منٹ سوائے دردِ دل سے دعا کے اور کچھ نہ کہا گیا۔ اس کے بعد نماز بھی صرف حضور کے لئے دعا کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ جماعت نے جس دردِ دل اور گریہ و زاری سے دُعا کی

شاید جناب باری میں وہ سُنی گئی اور تیسرے پہر کو ۱/۲ ۵ بجے کے بعد طبیعت نے پلٹا کھانا شروع کیا..... آگے کیا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ دل کا مرض ہے۔ سالہا سال کی بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہو عمر ۷۵ اور ۸۰ کے درمیان ہو۔ ان حالات میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ مگر جو حالات ہیں ان میں اللہ کے فضل سے امید دوبارہ بندھ گئی ہے۔ جس عاجزی اور گریہ وزاری سے کل یہاں جماعت نے دعا کی ہے کاش لاہور کی جماعت اس طرح کرے تو شاید اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرے۔ میں تو جناب باری میں یہی کہتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ کسی کو ہمیشہ زندہ نہیں رہنا اور یہ انسان تجھے اس قدر محبوب ہے کہ تو اسے اپنے پاس بلانے کو پسند کرے مگر اپنے قرآن کی خاطر اسے ابھی اور زندگی دے ابھی قرآن کا نیا انگریزی ترجمہ مکمل نہیں ہوا۔ ابھی پانچ ہزار لائبریریوں کی سکیم نامکمل ہے۔ اس لئے میں تجھے تیرے قرآن، تیرے مسیح موعودؑ، تیرے رسولؐ، تیرے دین کا واسطہ دیتا ہوں کہ ابھی اور مہلت عطا فرما۔"

اس کے بعد آپ کی حالت روبصحت ہونی شروع ہوئی۔ طبی مشورہ کے مطابق چھ ہفتہ تو آپ کو بالکل بستر پر لیٹنا پڑا۔ اور اس کے بھی کئی ماہ کا مکمل آرام درکار تھا۔ اس دوران میں بعض اور بھی تکالیف وغیرہ آپ کو ہوئیں۔ مگر عام طور پر حالت بہتر ہوتی گئی۔ ۳۰ر اکتوبر کو آپ کی حالت اس قابل ہوئی کہ آپ کو بستر پر بیٹھنے کی اجازت ملی۔ اور آپ نے ایک پیغام جماعت کے نام لکھوایا۔ جو پیغام صلح مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۵۰ء میں اس عنوان سے شائع ہوا۔ "جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔ قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانا۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی اس کام میں حصہ نہیں لے رہے۔" پیغام یہ تھا:۔

"برادران محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کسی کی صحت یا بیماری یا جب وقت مقرر آجائے موت کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے جو دنیا میں جاری ہے۔ میں ۱۷ر ستمبر کو بیمار ہوا۔ ۱۸ر ستمبر کو معلوم ہوا کہ میں خطرناک طور پر بیمار ہو چکا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں بستر پر لیٹ گیا۔ اور آج خدا کے فضل سے مجھے بیٹھنے کی اجازت ملی ہے۔ ان ایام میں چالیس دن ایسے گذرے کہ میں روز محسوس کرتا تھا کہ میرا وقت مقرر آچکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کچھ اور مہلت دی گئی ہے۔ وہ کب تک ہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر ان اوقات میں جب میں موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا تھا۔ ایک ہی خواہش دل میں تھی۔ اور یہی دعا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کا اور کام مجھ سے لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے

مجھے مہلت عطا فرمائے اور سامان بھی عطا فرمائے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا' قرآن کو دنیا میں پہنچانا۔ وہ گو ہم کر رہے ہیں۔ مگر ہمارا قدم بہت ہی سست ہے۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تک اس کام میں حصہ نہیں لے رہے۔ حالانکہ کوئی کام بھی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے لئے ایک جماعت کے دلوں میں دیوانگی پیدا نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ کو اٹھا کر پڑھ لیجئے۔ یہی دیوانگی تھی جس نے ایک سو سال سے بھی کم عرصہ میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس وقت کوئی سامان سہولت کے اس قدر موجود نہ تھے۔ مگر آج ہمارے لئے اس قدر سامان سہولت کے موجود ہیں۔ مگر ہمارے دلوں میں اس کام کے لئے دیوانگی اور تڑپ نہیں۔ جس کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔

اس لئے میں اس حالت میں کہ ابھی بستر پر ایک مشت استخواں کی طرح پڑا ہُوا ہُوں اور ابھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور کس قدر مہلت دیگا۔ میں آپ لوگوں سے' اپنی جماعت کے عزیزوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں میں دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آ جائے۔ دنیا سے کسی عزت اور جاہ کے طالب مت بنو۔ خدا کے ہاں اپنے مرتبے کو بلند کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے لئے نہ صرف یہ کہ نمازوں میں اپنی دعاؤں کے اندر خدا سے یہ مانگو کہ اے خدا ہمارے دل میں اپنے دین کو پھیلانے کے لئے اور اپنے قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وہ محبت پیدا کر دے جو تو اپنے نیک بندوں میں پیدا کرتا رہا ہے۔ تیرا دین اور تیرا قرآن ایک حُسن ہے اور ایک نُور ہے جو ابھی دنیا پر اپنی پوری روشنی سے ظاہر نہیں ہُوا اور دنیا کی آنکھوں پر اس طرف سے پردے پڑے ہُوئے ہیں۔ کثیر حصّہ دنیا کا وہ ہے جس کو ابھی یہ نور پہنچایا ہی نہیں گیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں یہ نور ہے مگر ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اے خدا تو میری آنکھوں پر سے اس پردہ کو ہٹا دے اور اپنے نور کے اس جلوے سے میرے دل کو روشن کر دے کہ مَیں تیری دنیا کو اس نور سے روشن کر دوں۔ یہ دعا بھی کریں۔ مگر اس کے ساتھ ہی جدوجہد میں بھی اپنا قدم آگے بڑھائیں' میرے پیارو! یاد رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی جس کی کشش نے آپ کو خدا کے اس نور سے غافل کر رکھا ہے محض ایک خواب ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا وعدہ ہے پورا ہو کر رہے گا۔ مَیں نے چالیس دن بڑی شدّت کے گذارے ہیں جو عمر بھر نہیں گذارے۔ مگر اس تمام عرصہ میں یہ بھی دعا کرتا رہا ہوں کہ اگر اے خدا تیرے علم میں میرا وقت آ چکا ہے تو میری جماعت کے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر دے اور اپنے دین کے لئے اور اپنے قرآن کے لئے کوئی جنون پیدا کر دے تا کہ میرے بعد تیرے

اس کام کو نقصان نہ پہنچے ــــــــــــــ والسلام محمد علی۔"

اس خطرناک بیماری کے دوران میں تمام جماعت نے نہایت دردِ دل سے آپ کے لئے دعائیں کیں اور چند بزرگان نے جو خطوط آپ کی بیگم صاحبہ کو لکھے ان میں سے دو کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) "حضرت مولانا صاحب کی بیماری کی خبر سن کر اس قدر صدمہ ہوا کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ رات بھر اس قدر بے قراری رہی کہ کروٹیں لیتے گذری۔ دعا تو ہم لوگوں کا ہتھیار ہے۔ اور پھر ایسے مبارک وجود کے لئے دعا کیا ہی عجیب دعا ہے جس مبارک وجود کے لئے خدا کے رسول خدا کا مسیح اور خدا کے فرشتے دعا کرتے ہوں۔ اس میں ایک عامی گنہگار بھی شامل ہو تو دعا منظور ہوتی ہے۔ میں نے آج دو ہفتے کے بعد یہ پہلی چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔ اپنے غم کا اظہار کرنا تھا جو مولانا کی بیماری سے مجھے ہوا ہے اور ایک مقدس وجود کی خاطر غم و فکر کرنا عین ثواب ہے۔ مفت کا ثواب لینے کی خاطر عریضہ لکھ رہا ہوں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے ایک بڑی مہلک بیماری سے نجات پاکر سلسلہ کی ایک بڑی خدمت انجام دی۔ جو کام انہوں نے بیماری سے اٹھ کر مجددِ اعظم کی تصنیف کا کیا، رہتی دنیا تک ان کا نام روشن رہے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے لئے کوئی بڑا کام حضرت امیر سے لینے والا ہے۔

پچاس سال مسلسل شب و روز اس پاکیزہ انسان کی قلم دینِ اسلام کی حمایت کے لئے چلی ہے۔ یہ کوئی تھوڑا کام نہیں بلکہ امرِ واقع ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا تجدیدِ دین کا کام حضرت مولانا نے مکمل کیا ہے۔ دنیا کی پیاس ان کے پیدا کئے ہوئے لٹریچر سے بجھ رہی ہے اور بجھتی رہے گی اور ایک وقت آئیگا کہ افواج کی افواج اس دین میں لوگ داخل ہونگے۔ جو تڑپ اور عشق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی ترقی کے لئے حضرت مولانا کو دیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ہم نے ان کی قدر نہیں کی جو کرنے کا حق ہے۔ کوئی زمانہ آئیگا کہ ان کی قدر کا اندازہ دنیا کو ہوگا۔

فاروقی صاحب پہ اللہ کا کوئی خاص فضل ہے کہ حضرت امیر کا مقدس وجود ان کے گھر ہے جس قدر چاہیں خدا کو خوش کریں۔ جو مرحلے صدہا سالوں میں طے نہیں ہو سکتے وہ دنوں میں طے ہوتے ہیں۔ یہ نعمت انہی کے حصے میں آئی ہے اور یہ سب کچھ اُن کی سعادت مندی۔ خدا پرستی اور قرآن کے عشق کی وجہ سے ہے۔"

(۲) "دُعا تو ہم آپ ثواب لُوٹنے کی خاطر کرتے ہیں۔ یہ پاک ہستیاں ہمیشہ دنیا میں نہیں آتیں۔ جنہوں

نے ساری عمر دنیا کی ترقی کا کچھ نہ کیا، کیونکہ اس کو بقا نہیں اور صرف یہی کام کیا جس کی خدا بھی قرآن شریف میں مدح کرتا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے زمانہ طالبعلمی سے خدا کا عشق پایا اور آدھی صدی کے قریب اپنی وکالت کے پیشہ پر جو اُن دنوں بڑی ترقی پر تھا، لات مار کر درویشی پسند کی۔ خدا جن لوگوں سے کام لینا چاہتا ہے ان کی خلقت میں بڑے جوہر رکھے جاتے ہیں ․ ․ ․ ․ ڈاکٹر کہتا ہے کہ دماغی کام منع ہے۔ احباب بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن یہی مشکل ہے کہ ایسے مقدس لوگوں کا جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں ․ ․ ․ ․ اہل اللہ آرام نہیں کر سکتے۔ کبھی خدا ان پر کوئی محنت ڈال دیتا ہے اور کبھی وہ آپ کوئی ایسا کام چھیڑ بیٹھتے ہیں۔ جس سے ان پر محنت نازل ہو۔ نہایت درجہ برکت کی بات یہ ہے کہ انسان خدا کے واسطے دین کی خدمت میں لگا ہو۔ اس سے زیادہ دنیا میں کچھ نہیں کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے اور خدا اس کے واسطے راستے کھول دے۔ اور اسے مدد عطا فرمائے۔

قرآن پہنچانے کا عشق مولوی صاحب کی اصل غذا ہے۔ وہ کس طرح چھوٹ سکتی ہے اور سچ تو یہ ہے۔ کہ ایسے کاموں سے صحت پر کیا اثر پڑیگا۔ دنیا مردار کے کام تو ضرور انسان کے دل و دماغ پر برا اثر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام جو حضرت مولانا نے اٹھایا ہوا ہے۔ اس سے اچھا اثر ہی پڑیگا جماعت کا ایک ایک فرد پریشان ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب مولوی صاحب کو صحت کاملہ اپنی جناب سے عطا فرمائے۔

بیماری کے بعد جماعت سے خطاب — تین خطوط

۱۵ر نومبر کو ڈاکٹری معائنہ کے بعد آپ کی صحت کی رفتار تسلی بخش پائی گئی اور دو چار قدم چلنے کی اجازت بھی ملی۔ ابھی تک کمزوری کی وجہ سے آپ کچھ لکھ نہ سکتے تھے۔ لیکن بستر پر سے ہی آپ نے تین خط جماعت کے احباب کے نام لکھے۔ پہلے خط میں آپ نے تمام احباب کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے درد دل سے آپ کے لئے دعائیں کیں اور فرمایا:-

"میں بھی اپنی سخت ترین حالت میں جماعت کے لئے دعا کرتا رہا ہوں۔ اور ایک طرف اگر شدت تکلیف اگر ایک کراہ پیدا کرتی تھی تو اس کے ساتھ ہی خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے لئے اور ان احباب کے لئے جو اس کتاب کو دنیا میں پہنچانے کے کام میں مصروف ہیں بے اختیار ایک آہ اُٹھتی تھی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے میری جماعت کی دعاؤں کو میرے حق میں قبول فرمایا وہ میری دعاؤں کو بھی قبول فرمائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے ذکر فرمایا کہ کئی احباب نے آپکو اس وقت اطلاع دی جبکہ آپ کی حالت خطرناک تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی قبولیت کی بشارت دی ہے۔ سید اسد اللہ شاہ صاحب

کو بھی بیماری کے پہلے ایک دو دنوں میں خدا تعالیٰ نے آپ کی صحت کی بشارت دی۔ اور ایک خواب خود آپ نے اپنی بیماری کے پہلے دن سخت تکلیف کی حالت میں دیکھا وہ یہ تھا کہ آپ کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اپنے مکان کی اوپر کی منزل میں ایک مصلّیٰ پر بیٹھے ہیں۔ سر ننگا ہے اور دونوں ہاتھ خدا کے سامنے اُٹھائے ہوئے ہیں۔ منہ مشرق کی طرف ہے۔ اور آپ کے لئے درد بھری دعائیں کر رہے ہیں اس کی تعبیر آپ کو یہ سمجھ آئی کہ بڑے بھائی سے مراد جماعت ہے۔ خواب میں مشرق کی طرف مُنہ کر کے دعا کرنا اس کی قبولیت کی نشانی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"سو میں پھر خدا کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے میری جماعت کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف بخشا عطا کر کے مجھے ایک مہلک بیماری سے نجات دی۔ اور اب احباب سے میں ایک اور دعا کی درخواست کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ جس خدا نے ایک ناکارہ انسان کے حق میں جماعت کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ وہ یقیناً ایک اہم مقصد کے لئے ان کی دعائیں بھی قبول فرمائیگا۔"

یہ اہم مقصد اسلام کے غلبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آپ نے درخواست کی کہ کم از کم سو آدمی پختہ عزم کو دل میں لے کر عہد کر لیں کہ وہ اپنی دعاؤں کو اس مقصد کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ اور اپنے ناموں سے بھی آپ کو اطلاع دیں۔ اور ایسا عزم کریں کہ اگر آپ کی موت کی خبر بھی کل ان کو پہنچ جائے تو وہ اس عزم کو نہ چھوڑیں بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کو زندہ رکھے وہ برابر دعاؤں میں لگے رہیں۔

دوسرے خط مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۵۰ء میں آپ نے اس بات کا ذکر کیا کہ تراجم قرآن کا کام سُست پڑ گیا ہے۔ تامل میں ترجمہ چھپنے میں نہیں آتا۔ سندھی و گورمکھی تراجم بھی نہیں چھپ رہے اور فرمایا:۔

"کیا کہیں ہم میں جمود تو نہیں آ رہا؟ کیا جماعت کے بزرگوں کی توجہ اس طرف سے کم تو نہیں ہو رہی؟ کیا ہمیں ایک توفیق ملی کہ پھر وہ ہمارے ہاتھوں سے چھن تو نہیں رہی؟ ..... آج یہ حالت ہے کہ ہماری زبانوں پر، ہمارے بڑے بڑے آدمیوں کی زبانوں پر یہ لفظ آ رہے ہیں کہ فلاں فلاں مشن کو بند کر دو۔ قرآن کریم کے ترجموں کے کام کو ملتوی کر دو۔ جس دن یہ ہوا اس دن یہ جماعت مر جائیگی[1]۔

مجاہدہ دعا کی تمہید کے رنگ میں میں تین باتوں کا بیان کرونگا۔ مگر ابھی میں بہت کمزور ہوں تحریر میں ہاتھ کانپتا ہے۔ بول کر لکھوانے سے ڈاکٹر منع کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ملاقات کے لئے جو احباب آتے ہیں ان سے بھی زیادہ گفتگو کرنا میرے لئے منع ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اور اپنی کوششوں کو کمزور پا کر آپ

---

[1] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی شدید بیماری کے دوران میں جب انجمن کا بجٹ پیش تھا اور اس میں خسارہ تھا تو لاہور میں انجمن کے اکابرین نے امریکہ مشن کو بند کرنے اور تراجم قرآن کے کام کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اس فیصلہ کو آپ نے نا۔ رد کر دیا اور خسارہ بجٹ کے لئے اور تجاویز پیش کیں۔

سے امداد کا طالب ہُوا ہُوں ۔"

اس ضمن میں پہلی بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ قرآن کے وعدوں پر جب تک ہمارے دلوں میں کامل ایمان پیدا نہ ہو اس وقت تک دعاؤں کے لئے سچی تڑپ پیدا نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے قرآن کو بہت کثرت سے پڑھیں ۔ اس کے الفاظ کی قوّت و شوکت ان کے دلوں میں قوّت پیدا کرے گی ۔ فرمایا ۔ اپنے گھروں کے اندر کسی کونے میں ایک چھوٹی سی غار بنالو جہاں بیٹھ کر دنیا وما فیہا سے الگ ہو جاؤ ۔ اور جو وقت میسّر آئے وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھو اور پڑھتے وقت دعائیں مانگو ۔ فرمایا :-

"نبی کریم صلعم کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ قرآن کی تلاوت فرماتے وقت آیت رحمت پر خدا کی رحمت مانگتے تھے ۔ عذاب کی آیت پر عذاب سے پناہ مانگتے تھے ۔ آپ بھی تلاوت کریں تو جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو (اور اس سے قرآن بھرا پڑا ہے) تو یہ دعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اپنی جماعت پر رحمت کی دعا مانگو کہ اس وقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے ۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے تو وہ سب انعام اپنے لئے مانگو جو پہلے راستبازوں پر خدا نے کئے ۔ ہاں وہ انعام مانگو وہ کامیابیاں مانگو جو حضرت محمّد مصطفیٰ صلعم کو اللہ تعالیٰ نے دیں ۔ اللہ تعالیٰ کی اس زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آیا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اُٹھے ، دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے ۔ تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا...... قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ قرآن کو ہم نے شفاء اور رحمت بنا کر بھیجا ہے ۔ یا یہ کہ یہ قرآن مُردوں کو زندہ کرے گا ۔ مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دیگا ۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائیگا تو تم وہاں ٹھہر جاؤ اور تمہارے دل سے یہ دعا اُٹھے کہ اے خدا آج بھی اس قرآن کے ذریعے مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے اور وہ سامان ہمیں عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں خدا کی بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کر دینے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دعا نکلے کہ اے خُدا یہ زمین جو روحانی طور پر مر چکی ہے تو اس پر روحانی بارش برسا اور اس کو رُوحانی طور پر زندہ کر دے اور انسانوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منوّر کر دے ۔ انبیاء اور مومنین کی نصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو کیونکہ مقصود تمہارا بھی وہی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو ۔ پچھلی ہلاک شدہ قوموں اور اُن کی نافرمانیوں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اُٹھیں کہ تیری یہ قوم جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اٹھی تھی ۔ اس اپنے رسولؐ کی امّت کو اپنے رسُول کی نافرمانی سے بچا اور ان کو قرآن کے حامل بنا ۔ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو دنیا میں غالب کریگا ، اور یاد رکھو کہ کیا دوسرے انبیأ

کے تذکروں میں اور کیا دوسرے پیرایوں میں قرآن کریم اس ذکر سے بھرا پڑا ہے تو تمہارے دل سے یہ تڑپ اُٹھے کہ اے خدا تُو اس زمانے میں بھی حق کو غالب فرما۔ یہ آواز بھی یلے کسی میں تمہارے دل سے اُٹھے کہ اے خدا یہ میری آرزو ہی نہیں۔ یہ تیرا وعدہ ہے۔ تو اپنے وعدے کو پُورا فرما.... تُو نے اپنے رسولؐ کو رحمتہ للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا۔ مگر دنیا میں بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں۔ تُو نے اپنے قرآن کو ذکر للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا۔ مگر ابھی بے شمار قومیں ہیں جن تک یہ پیغام نہیں پہنچا۔ تو ہماری وہ مدد فرما کہ ہم اس قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اَے خُدا تیری نصرت یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی۔ تیرے افضال نازل ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے مگر ان کو جذب کرنے والے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اور دنیاوی نمائش اور بڑائی کے طالب ہو کر سُست ہو گئے ہیں۔ تو اپنی جناب سے ان میں قوت پیدا کر دے۔

قرآن کریم ایسے موقعوں سے بھرا پڑا ہے جہاں دل میں اس قسم کی دعائیں اُٹھیں۔ میری غرض یہ ہے کہ قرآن پڑھو مگر اس طرح نہ پڑھو کہ اس کے لفظ تمہاری زبان پر تو ہوں مگر تمہارے دلوں میں نہ اتریں۔ قرآن کا صحیح مقام انسانوں کی زبانیں نہیں، انسانوں کے دل ہیں۔ قرآن کو پڑھو۔ مفہوم سمجھ کر پڑھو۔ مگر اس کا مقام اس سے بھی بلند تر ہے۔ اس کو اپنے قلوب پر وارد کرو۔ یہ قلب نبویؐ پر اُترا۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ اور قلب ہی اس کا مقام ہے۔ اس کو اس طرح پڑھو گویا یہ تمہارے قلب پر اتر رہا ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ مگر تم ان سے قوت اس وقت حاصل کر سکتے ہو، جب یہ تمہارے قلب سے نکلیں۔" (پیغام صلح مورخہ ۱۲/۵ ۶)

تیسرے خط مورخہ ۱۲/۵ ۸ میں آپ نے پھر احباب کو دعاؤں کے مجاہدے کے لئے تلقین کی۔ ان احباب کو بھی جو تہجد کے لئے نہیں اُٹھ سکتے آپ نے اپنی عام نمازوں میں دعائیں کرنے اور دنیا سے منقطع ہو کر تلاوت قرآن کریم کرنے اور اس کے الفاظ کو اپنے دل پر وارد کرنے کی درخواست کی اور جماعت کے ہر فرد کو خطاب کر کے قرآن کی تلاوت کے علاوہ اس کے بعض حصّوں کے حفظ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ خاص طور پر وہ حصّے جہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات۔ اس کی قوت اور شوکت کا ذکر ہے اور جہاں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انبیاء کی انتہا درجہ کی بیکسی کی حالت میں ان سے غلبہ کے وعدے فرمائے۔ اور فرمایا:۔

"کبھی تنہائی میں موقع مل جائے اور دل میں انشراح ہو تو ذکر الٰہی کو لمبا کر دیں.... صرف ایک بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ یہ لفظ صرف زبان سے ادا نہ ہوں بلکہ دل کی گہرائیوں میں پہنچ جائیں۔ اس کے لئے ابتداء میں بڑی جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ یُوں بھی قرآن کریم کو آہستگی اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم ہے ——

و رتل القرآن ترتیلا کیونکہ ٹھہر کر پڑھنے سے یہ لفظ زبان سے اتر کر دل میں پہنچ جاتے ہیں اور جب انسان ٹھہر کر پڑھے اور اس کے مفہوم کو دل تک پہنچانے کی کوشش کرے تو آہستہ آہستہ وہ وقت بھی اس پر آجاتا ہے کہ وہی لفظ پہلے دل سے نکلتے ہیں اور پھر زبان پر آتے ہیں۔ اور یہی خدا کے قرب اور اس کی قبولیت کا مقام ہے کہ انسان کے منہ سے وہ بات نکلے جو پہلے اس کے دل سے اُٹھے۔"

شکرانہ فنڈ مولانا محمد علی صاحب کی صحت یابی کی خوشی میں پشاور اور کراچی کے دو بزرگوں کی تحریک پر میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے یہ تجویز فرمائی کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم ہماری نعمت کا شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمت بڑھائیں گے مولانا کی صحتیابی خدا تعالیٰ کی طرف سے جماعت کے لئے ایک نعمت ہے زبانی شکر بہت گھٹیا چیز ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس موقع پر اپنے دلوں کو کھولیں۔ اور اپنی محبوب ترین چیز یعنی مال کی خدا کی راہ میں قربانی کریں۔ اس فنڈ کو مولانا محمد علی صاحب کی منشاء کے مطابق اشاعت اسلام کے کام پر لگایا جائے۔ جماعت کے ایک کثیر حصہ نے اس تجویز پر لبیک کہا۔ مولانا محمد علی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس فنڈ سے قرآن کریم اور سیرت نبوی مفت یا کم قیمت پر ایسے لوگوں کو بھیجی گئیں جو کم استطاعت رکھتے تھے۔ اور قریباً دو ہزار کاپی قرآن کریم کی اس طرح تقسیم ہوئی

لاہور کو واپسی نومبر ۱۹۵۰ء کے آخر تک مولانا محمد علی صاحب کی صحت اس قابل ہوگئی کہ آپ لاہور کا سفر اختیار کر سکیں۔ چنانچہ ۱۰ دسمبر کو آپ کراچی سے لاہور تشریف لائے۔ اس وقت تک آپ کو طبی مشورہ کے ماتحت زیادہ چلنا پھرنا یا بات چیت کرنی بھی منع تھی۔ لیکن بستر پر سے ہی آپ ضروری انتظامی کاموں کی نگرانی فرمایا کرتے تھے اور انگریزی ترجمہ کے پروف بھی پڑھا کرتے تھے۔

جلسۂ سالانہ ۱۹۵۰ء دسمبر ۱۹۵۰ء کا جلسۂ سالانہ جو انجمن کا سینتیسواں جلسہ تھا، وہ آخری جلسہ تھا جو مولانا محمد علی صاحب کی زندگی میں ہوا۔ ابھی تک آپ کو زیادہ تر آرام کرنے کی ڈاکٹری ہدایت تھی۔ اور تقریر کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ جلسہ گاہ میں آپ ۲۵ دسمبر کی صبح کو تشریف لائے اور سٹیج پر ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئے اور جلسہ کا افتتاح آپ کی ایک لکھی ہوئی تقریر سے ہوا جس کو مولوی دوست محمد صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس تقریر کی ابتدا ایک درد بھری دعا تھی۔ آپ کے ارشاد پر سب حاضرین جلسہ کھڑے ہو گئے۔ اور دعا کے دوران میں ہاتھ اٹھائے ہوئے آمین کہتے رہے۔ وہ کیا دعا تھی؛ صرف یہ کہ کسی طرح تمام دنیا اسلام کے خوبصورت چہرے کو دیکھ لے۔ اور خدا تعالیٰ کا آخری پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ اور تمام نسلِ انسانی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی غلامی میں آجائے۔ سورۂ فاتحہ کی ایک ایک آیت کے ساتھ آپ نے یہ درد بھری دعائیں پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا:۔

"مجھے اور آپ کو مل کر کام کرتے ہوئے ۴۳ سال گذر گئے ہیں۔ لیکن ہمارے امام نے جس دن مجھے دنیوی اشغال سے الگ کر کے دینی خدمات پر لگایا اس پر آج ۵۰ سال گذر گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک جس نے نصف صدی تک مجھے یہ کام کرنے کی توفیق دی اور موقع بھی دیا۔ میں اگر دنیا میں بلند سے بلند مقام پر بھی پہنچ گیا ہوتا تو مجھے اس خوشی کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہوتا جو آج مجھے حاصل ہے۔"

اس کے بعد آپ نے مسیح موعود کی دلی تڑپ کا ذکر کیا کہ کس طرح یہ اس لٹریچر سے پوری ہوئی جو ہم نے شائع کیا ہے۔ پھر فرمایا:۔

"آج پچاس سال سے اوپر ہو گئے جب مجھ عاجز اور میرے مرحوم رفیق خواجہ کمال الدین پر امام وقت کی نظرِ انتخاب پڑی۔ وہ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند کی مصداق تھی اور آپ کے الہامی فیض سے جہاں اور لوگ مستفیض ہوئے ہم دونوں بھی ہوئے۔ میرا دوست اپنے مالک سے ۳۲ء میں جا ملا۔ مگر میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گذاری کس طرح پر کروں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ اب تک اپنے دین کی خدمت کا کام لے رہا ہے۔

مجھ پر بھی ۳۶ء سے مہلک بیماریوں کے حملے شروع ہوئے۔ جو یکے بعد دیگرے سخت سے سخت تر ہوتے چلے گئے۔ سب سے پہلے ۳۴ء میں ڈاکٹروں نے میری ایک بیماری کو مہلک ٹھہرایا جس کی وجہ سے میں نے کتاب ریلجن آف اسلام کو طبع کرانے میں جلدی کی۔ پھر ۳۸ء میں میرے متعلق ڈاکٹری فتویٰ جب میں ڈلہوزی میں تھا، یہ تھا کہ ان کی موت کی خبر نہیں معلوم کس وقت آ جائے۔ پھر ۴۸ء میں کوئٹہ کی خطرناک بیماری مجھ پر آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میری دستگیری فرمائی۔ اور اب ۵۰ء میں زندگی کی پھر کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ مگر میرا خدا ہر دفعہ جب اس نے مجھے مہلت دی تو مزید کام کرنے کی توفیق بھی دیتا رہا۔ نہ صرف تصنیف کا کام میں نے کیا بلکہ تراجم قرآن جیسے عظیم الشان کام کی۔ امریکہ مشن قائم کرنے کی۔ ادارہ تعلیم قرآن کی بنیاد انہی بیماریوں کے اندر رکھی گئی۔ اور میں اس کے دروازے سے امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے کسی کام کرنے کی اس نے مہلت دی ہے وہ کام کوئی علمی رنگ کا ہو تو اس کا علم خدا کو ہی ہے۔ مگر جب میں بیمار ہوا تو اس وقت اس علمی ذخیرہ کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیار کرنے کی توفیق دی، دنیا میں پھیلانے کا کام میرے مدنظر تھا۔"

اس کے بعد آپ نے بتایا کہ ہمارے امام کی پہلی خواہش اگر یہ تھی کہ اسلام پر عمدہ عمدہ تالیفات مغربی ممالک کی اقوام کے لئے لکھی جائیں تو دوسری خواہش یہ تھی کہ ان تالیفات اور قرآن کریم کو یورپ امریکہ اور ایشیا کے ملکوں میں پھیلایا جائے۔ ہماری جماعت نے اب تک وسیع پیمانے پر مفت ٹریکٹ

اور لٹریچر پھیلایا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑھ کر وہ تجویز ہے جو اب آپ نے شروع کی ہے یعنی آٹھ کتابوں کا ایک سیٹ (SET) دنیا کی پانچ ہزار لائبریریوں میں مفت پہنچانا۔ یہ کام ساڑھے تین لاکھ روپے کے خرچ کو چاہتا تھا۔ جس میں سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب جمع ہو چکا تھا (یہ روپیہ آپ کی اپنی کوششوں سے کراچی کے قیام میں جمع ہوا تھا) جس میں بیشتر حصّہ غیر احمدیوں کی طرف سے تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ قرآن کے جو مکمل تراجم ابھی تک طبع نہ ہو سکے تھے ان کو بھی جلد طبع کروایا جائے۔

دوسرے روز پھر دوپہر کے اجلاس میں آپ تشریف لائے اور آپ کی لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سُنائی گئی۔ جس کے دوران میں آپ نے خود بھی کھڑے ہو کر چند منٹوں کے لئے حاضرین سے خطاب کیا۔ اس تقریر میں آپ نے ان مشکلات کا ذکر کیا جن سے گذرتے ہوئے اب تک اشاعتِ اسلام کا یہ کام ہُوا تھا۔ اور اس دینی جہاد کے لئے دیوانہ وار قربانیوں کی اپیل کی۔ صحابہ کرام کا ذکر کیا کہ وہ عموماً مالدار لوگ نہ تھے لیکن جب خدا کی محبّت ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو ان کی حالت یہ تھی کہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور جن کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا ان کے متعلق خدا نے گواہی دی ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے کہ خدا کے رستے میں خرچ کرنے کو کچھ نہیں ملتا۔ ان کی قربانیوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ دنیا کے بادشاہ اور رہنما بن گئے۔ اور فرمایا:۔

"کیا اس محبّت الٰہی کا کوئی کرشمہ ہمارے دلوں میں بھی ہے۔ اگر ہے تو اپنی آنکھوں سے کسی وقت اس کے لئے بھی آنسو بہاؤ کہ خدایا، تیرا دین مصیبت میں ہے۔ تو نے جس قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانے کے لئے ذکری للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا وہ ہمارے گھروں میں بند پڑا ہے۔ اور دوسروں کو پہنچانا تو ایک طرف ہمارے دلوں میں بھی نہیں اترتا۔ تو ہمارے دلوں میں وہ قوّت پیدا کر دے کہ خود بھی اس کے احکام پر چلیں اور ساری دنیا میں بھی اسے پہنچا دیں۔ تُو نے جس رسولؐ کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا۔ اس کے نقش قدم پر نہ ہم خود چل رہے ہیں۔ نہ اس کی صحیح تصویر دنیا کو دکھانے کے لئے ہاتھ ہلاتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رسولِ پاک صلعم کی وہ محبّت پیدا کر دے کہ ہم خود بھی دیوانہ وار اس کے پیچھے چلنے والوں میں ہوں اور دیوانہ وار اس کا حُسن دنیا کو دکھانے والے بن جائیں۔"

اس کے بعد چند ایک تحریکات کرنے سے پہلے اپنے متعلق فرمایا:۔

"میں حضرت مسیح موعود کی صداقت کا قائل ۱۸۹۱ء سے تھا جب آپ کا دعوےٰ میرے کانوں تک پہنچا۔ میں نے بیعت ۱۸۹۷ء میں کی۔ مگر یہ وہ بیعت تھی کہ میں ہر ہفتہ نہیں تو پندرہ روز کے بعد

قادیان پہنچ جاتا تھا۔ موسم گرما کی تعطیلات آپ کی صحبت میں گذارتا تھا۔ ۱۹۱۰ء سے آپ کی وفات تک آپ کی صحبت میں رہا۔ آپ نے سارا انتظامی کاروبار میرے سپرد کر رکھا تھا۔ آپ کے مکان کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جنہیں امام زماں کی وہ صحبت اور معیت میسّر آئی ہو جو مجھے میسّر آئی۔ ۱۹۱۴ء سے مجھے آپ لوگوں نے اپنا امیر منتخب کیا۔ اس وقت سے لے کر اچھا یا بُرا جو کام میں نے کیا ہے آپ جانتے ہیں۔ آج میں اس قابل نہیں کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو کر تقریر کر سکوں۔ یہ جو کچھ لکھا ہے کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھا ہے۔ یہ طاقت نہیں کہ آپ پر اثر ڈال سکوں۔ لیکن ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ "

اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح آپ لوگوں نے میرے لئے دیوانہ وار دعائیں کی ہیں۔ مجھے آپ کی دیوانہ وار قربانیوں کی ضرورت ہے۔ پھر نہایت موثر الفاظ میں دو چار باتوں کے لئے اپیل کی۔ ایک نودسواں حصہ آمد کا چندہ ماہوار دینے کے لئے۔ دوسرے خسارہ بجٹ کے لئے دس یوم کی آمد اور تیسرے کچھ مزید مشنوں کے لئے خرچ۔

آپ کی یہ دونوں آخری تقاریر ایک ٹریکٹ کی صورت میں بعنوان "اس زمانہ کا اور ہر زمانہ کا سب سے بڑا اسلامی جہاد" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں۔

احباب جماعت کے نام آخری خطوط

جلسۂ سالانہ کے معاً بعد ہی ایک ہلکا سا حملہ دل کی تکلیف کا مولانا محمد علی صاحب کو پھر ہو گیا اور چند دن آپ کو پھر بستر پر گذارنے پڑے۔ جب طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو آپ نے پیغامِ صلح کے ذریعے جماعت سے پھر کچھ خطاب کئے۔ آپ نے پہلے خط میں جو "بلند غرض اور بلند مقام" کے عنوان سے ۲۴ فروری ۱۹۵۱ء کو شائع ہوا۔ فرمایا:-

"جلسۂ سالانہ کے بعد ایک چھوٹا سا حملہ بیماری کا پھر مجھ پر ہو گیا جس کی وجہ سے کچھ دن اور ڈاکٹر نے مجھے بستر پر رہنے کی ہدایت کی۔ اب اپنے آپ کو خدا کے فضل سے بہتر پاتا ہوں اور آپ کو ایک خوشخبری بھی سناتا ہوں انگریزی ترجمہ قرآن کی ایک ہزار کاپی اور مخلوقِ خدا تک پہنچانے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اور یہ کام انشاء اللہ شکرانہ فنڈ سے صرف تین ہزار روپے کے خرچ سے ہو جائیگا جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ نے ایک اور خوشخبری بھی سنی ہوگی۔ اس چھوٹی سی جماعت کا سالانہ بجٹ اب دس لاکھ روپے تک پہنچ گیا ہے مگر ایک فکر کی بات بھی ہے کہ آپ کی آمدنی خرچ سے ۶۶ ہزار روپے کم رہی۔ "

اس کے بعد مزید مالی قربانیوں اور تبلیغی جد و جہد کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا:

" مگر میرا اصل مقصد اس بات کی طرف توجہ دلانے کا یہ ہے کہ آپ دعا کی طرف توجہ کریں۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے راستبازوں نے اصلاحِ قلوب کی۔ مگر یاد رکھو کہ جس دعا کے ساتھ جدوجہد نہ ہو وہ قبولیت کے مقام پر نہیں پہنچتی۔ جدوجہد کے ساتھ دعا اور دعا کے ساتھ جدوجہد یہ لازم و ملزوم ہیں۔ خدا کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ یہ دروازہ کبھی کسی نے نہیں کھٹکھٹایا کہ اس کے لئے کھولا نہ گیا ہو۔ مگر یہ زبان کے لفظوں سے نہیں کھٹکھٹایا جاتا۔ یہ دل کی تڑپ سے کھٹکھٹایا جاتا ہے ان آہوں سے کھٹکھٹایا جاتا ہے جو دل سے اٹھتی ہیں۔ رات کو اٹھیں یا دن کو۔ جو رات کو نہیں اٹھ سکتے وہ دن کی نمازوں کو درست کریں......

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہم احکم الحاکمین کے دروازے پر کیا مانگنے جائیں۔ نماز تو ہمارے رسولؐ نے ہمیں سکھائی۔ اس لئے ہمیں وہی چیز مانگنی چاہیئے جس کے لئے ہمارے نبی کریم صلعم بار بار خدا کی بارگاہ کی طرف رجوع فرماتے تھے...... آپ کے دل میں نہ بادشاہت کی خواہش تھی، نہ مال کی آپ کے دل میں تڑپ تھی تو اصلاحِ نفوسِ انسانی کی۔ اس حکمت کی بات کو کوئی مسلمان آج سمجھ لے یا کل سمجھ لے۔ اس سے اس کا قدم اس بلند مقام کی طرف اٹھے گا جس بلند مقام پر ہمارے پیغمبر صلعم تھے۔ اسی میں اسلام کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اور وہ بات صرف اس قدر ہے کہ۔

نماز ایک دعا ہے۔

بارگاہ ربّ العالمین پر ایک سوال ہے۔

اور وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں کی اصلاح فرمائے اور اپنے قرآن اور محمدؐ کے ذریعے بندوں کی ربوبیت فرمائے۔

یہ درست ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح بھی نماز کی غرض ہے۔ یہ درست ہے کہ دعا اور چیزوں کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ مگر جس نے نماز اور دعا کو اس حد تک محدود کر دیا اور اس بلند غرض کو سامنے نہیں رکھا جو رسول اللہ صلعم کے سامنے تھی اس نے رسول صلعم کے مقام کو نہیں پہچانا اور وہ ایک ادنیٰ مقام پر راضی ہو گیا۔ اتنی بڑی بارگاہ سے کچھ مانگنے جاؤ تو سوال بھی بہت بڑا لے کر جاؤ...... کیونکہ وہ اس قدرت کا مالک ہے کہ وہ چیز بھی نہیں دے سکتا ہے جو تمہارے خیال میں ناممکن ہے.... یہ خدا کا وعدہ ہے کہ نسل انسانی کو بچایا جائیگا۔ یہ خدا کا وعدہ ہے کہ قرآن اور محمدؐ کے نور سے ساری دنیا روشن ہو جائیگی اور اسلام دنیا پر غالب آ جائیگا۔ تم جس کو ناممکن سمجھتے ہو، تمہارا خدا کہتا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا...... ہاں جب تک ہمارے دلوں میں ویسی تڑپ پیدا نہیں ہوتی

جو رسولؐ کے دل میں تھی ..... ہم وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کا مصداق نہیں بن سکتے اور نہ اس کامیابی کا منہ دیکھ سکتے ہیں جو اسلام ایک دفعہ پہلے حاصل کر چکا ہے۔

یہ وہ احسانِ عظیم ہے جو اس صدی کے مجدّد اور اس زمانے کے امام نے ہم پر کیا کہ اس بلند غرض کی طرف توجہ دلا کر ایک بلند مقام کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ......

اپنی نمازوں کو رسول اللہ صلعم کی نماز بنانے کی کوشش کرو ... مسجدوں میں نمازوں کے لئے جاؤ اور باجماعت نمازیں پڑھو۔ مگر ہمارے رسول کا حکم ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ ایک حصّہ نمازوں کا گھر میں بھی ادا کرو۔ اور جہاں مسجد میں امام کی آواز پر تم سجدے میں گرے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہو۔ گھر کی نماز میں اس کے در پر اس طرح گرو کہ تمہارا سر اٹھ نہ سکے۔"

یہی رنگ آپ کے باقی کے مکتوبات میں نظر آتا ہے۔ اپنے چوتھے خط میں جو ۲۸؍ مارچ ۱۹۵۱ء کے پیغامِ صلح میں چھپا آپ لکھتے ہیں کہ شکرانہ فنڈ میں جو رقم اکٹھی ہوئی اس سے دو ہزار کاپی قرآن کریم (انگریزی) کی لوگوں تک پہنچانے کا انتظام ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہماری قلت میں بھی ایک ارادۂ الٰہی تھا تاکہ اس زمانے میں بھی خدا تعالیٰ کی نصرت کا ایک نظارا دکھایا جائے۔ چنانچہ اسی قلت کے اندر خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے کام کرنے والے کھڑے کر دیئے۔ فرمایا میں ان بزرگوں کا ذکر نہیں کر رہا جو حضرت صاحب کے وقت سے ہمارے ساتھ چلے آتے ہیں۔ بلکہ ان احباب کا ذکر کرونگا جو بعد میں ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ اور غرباء میں شامل ہیں۔ مگر ایک ایک آدمی ایک ایک جماعت کا کام کر رہا ہے اور یہ چند مثالیں آپ نے جماعت کے سامنے پیش کیں :-

"آسام میں ہمارے دوست ڈاکٹر خادم رحمانی ہیں۔ جنہوں نے اس قدر کام کیا ہے گویا ہمارا ایک مشن وہاں قائم ہے جس پر ہم ہزاروں روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ حالاں کہ خدا کی نصرت کو ساتھ لئے ایک ہی آدمی اکیلا کام کر رہا ہے۔ کھاسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور بہت سی کتب اور رسائل کے ترجمے کئے۔ ...... عراق میں سیّد تصدق حسین صاحب قادری نے وہ کام کیا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ صرف ان کی وجہ سے سارے عربی ممالک میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام اور اس کے کارناموں کا چرچا ہے اور ہماری کتب کے عربی تراجم پھیل چکے ہیں ..... ملک سیام میں ابراہیم صاحب قریشی اس عزم کو لے کر اٹھے اور ان کے کام کو دیکھ کر میں حیرت میں رہ گیا ..... برما میں ڈاکٹر اکبر خاں اسی غرباء کے طبقہ سے تعلق رکھنے والا مل گیا، جنہوں نے بہت سے لٹریچر کا برمی ترجمہ کر دیا اور اب قرآن کریم کے ترجمے میں مصروف ہیں ..... خدا کے فضل سے استنبول میں ایک ایسا ہی آدمی مل گیا ہے .....

اسی طرح برٹش گائنا - ڈچ گائنا - فلپائن - ٹرینیڈاڈ میں اللہ تعالیٰ نے آدمی کھڑے کر دیئے....
.... ان چند کام کرنے والوں کی بدولت خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے قرآن کا نام دنیا میں روشن ہو رہا ہے۔

میں اس وقت انجمن کے کاموں کا ذکر نہیں کر رہا۔ صرف یہ بتا رہا ہوں کہ کس طرح چند افراد نے اس رُوح کی بدولت جو حضرت امام کے تعلق نے ان کے اندر نفخ کر دی ہے بڑی بڑی آبادیوں میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔"

غرضکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے ساتھ آپ کو دلی نسبت اور محبت تھی اور یہ وہ نمونے تھے جو آپ نے اپنے ان آخری مکتوبات میں جماعت کے سامنے رکھے یہ سب کے سب خاموشی سے انتہائی ٹھوس کام کرنے والے تھے۔ جو نہ انجمن سے کوئی مالی امداد لیتے تھے اور نہ اور کسی دنیا کی چیز کی ان کو خواہش تھی۔ اور آپ نے ان کا ذکر کر کے ہی جماعت کے افراد سے اپیل کی کہ وہ بھی دیوانہ وار جد وجہد اور قربانیوں میں لگ جائیں۔ اور اس کے بعد فرمایا:۔

"میں اس وقت اس طرح اس کام میں مصروف ہوں جیسے وہ مسافر جس نے کل سفر کرنا ہے۔ اور تھوڑا سا وقت سفر کے سامان کی تیاری کے لئے اسے ملا ہے۔ میرے دوست اور میرے خیر خواہ روکتے ہیں کہ زیادہ کام نہ کرو۔ مگر میرے لئے وہ موت آسان ہے جو کام کی حالت میں آجائے۔ اس لئے میں اپنے احباب سے ملتجی ہوں کہ وہ اب میرے پیغام کو وہ وقعت دیں جو دوسرے عالم سے آئے ہوئے آدمی کے پیغام کو دینی چاہیئے۔ کوئی غریب ہے تو اعلائے کلمۃ اللہ کے کام کو سامنے رکھ کر اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ خدا کے عرش کو ہلا دے۔ کسی کو خدا نے مال دیا ہے تو اسے خدا کی راہ میں اس طرح بہا دے کہ ایک دنیا اس سے سیراب ہو جائے کسی کو خدا نے مرتبہ دیا ہے تو اس بارگاہِ عالی میں مرتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائے جس کا دیا ہوا مرتبہ ہمیشہ رہتا ہے۔ میرے دوستو یہ کرنے کے کام ہیں۔ وہ کرنے کے کام نہیں جن کی طرف کئی دوستوں کا قدم اُٹھتا دیکھ رہا ہوں .... یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے۔ آپ لوگ مجھے ناکام بنانے کی کوشش نہ کریں۔ ہر وہ شخص جو اس وقت مسیح موعودؑ کے فرمودہ کے مطابق اس کام میں حصّہ نہیں لے رہا وہ مجھے ناکام بنانے کے لئے قدم اُٹھا رہا ہے۔ خواہ وہ اس کے لئے ننانوے عذر رکھتا

ہو۔ وہ سب میرے اس ایک عذر کے سامنے ہیچ ہیں کہ یہ کام خدا اور اس کے رسول کا ہے اس کے دین کا ہے۔ اگر وہ میری مدد کرے گا تو میری نہیں خدا کے دین کی مدد کریگا۔ ۔ ۔ ۔ مجھ میں ننانوے عیب ہوں گے مگر آپ نے ان کو ڈھانک دیا اور ان سے چشم پوشی کی جب آپ نے مجھے اپنا امیر بنا لیا۔ اس لئے اب اپنے اقراروں کے بعد میرا ساتھ نہ چھوڑو۔ ورنہ آپ کی مثال اس عورت کی ہو گی جس نے کات کر پھر اپنا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ التی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا ۔ ۔ ۔ ۔ ایک دوسرے سے نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ غفلت اور لاپرواہی اور نکتہ چینی میں سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو۔"

جہاں جماعت کا بیشتر حصہ آپ پر فدا اور آپ کے حکم پر قربانیاں کرنے والا تھا وہاں کسی مصلحت الٰہی کے مطابق وہ لوگ بھی تھے جن کے لئے اس کام کی وہ اہمیت نہ تھی جو ہونی چاہیئے۔ اور جو جماعت کو ثانوی حیثیت رکھنے والے کاموں کی طرف لگانا چاہتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں آپ پر اعتراضات اور نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ اور کئی ایک معاملات میں اور انجمن کی میٹنگوں میں ان کا رویہ آپ کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ جہاں ایک طرف ایک وسیع دنیا آپ کی شخصیت کی معترف اور آپ کے کام کی مداح تھی۔ وہاں کچھ صدمات پہنچانے والے بھی گھر میں ساتھ تھے۔ ان سب باتوں کو آپ نے بیس بائیس سال سہا۔ مگر اس عمر اور کمزوری میں ان چیزوں کا اپنا اثر کرنا لازم تھا۔

۵ اپریل ۱۹۵۱ء کو اپنا پانچواں مکتوب آپ جماعت کے نام لکھ رہے تھے کہ اس کے لکھتے لکھتے آپ کو دل کی تکلیف شروع ہو گئی۔ اور یہ مکتوب نا تمام رہ گیا اسکو آپ نے حضرت موسیٰ کی اس قرآنی دعا سے شروع کیا رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کر اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ میری بات سمجھ لیں۔ اور فرمایا کہ میں جو کچھ اس خط میں لکھنا چاہتا تھا۔ دو صفحہ لکھ کر اسے پھاڑ دیا کہ میری رام کہانی کون سنتا ہے:

"جماعت کے اندر وہ لوگ بھی ہیں کہ جس طرح عام مسلمانوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ اعلائے کلمتہ اللہ بھی کوئی کام ہے جس کے لئے انسان اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالے، ان کو بھی یہ سمجھ نہیں آتی۔"

ایسے لوگ جب کھلم کھلا جماعت کو دوسرے کاموں کی طرف چلنے کی دعوت دیں تو پھر نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

"پھر یہ خیالات بھی پیدا ہوتے ہوں گے کہ ہر شخص اپنا ڈھنڈورہ پیٹتا ہے۔ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔"

اس خط میں بھی آپ یہی زور دینا چاہتے تھے کہ اعلائے کلمتہ اللہ کے کام کی طرف جماعت کی توجہ خالصتہً ہو اور اس کے لئے مالی قربانیاں بھی ہوں اور نیم شب کی دعائیں بھی۔ اور اس کام کو بعض بھائیوں کے جذبات کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔

غرضیکہ یہ وہ چار یا پانچ آخری خط تھے جو آپ نے جلسۂ سالانہ ۵۰ء کے بعد اور مئی ۵۱ء میں کراچی تشریف لے جانے سے پہلے جماعت کے نام لکھے۔ اور ان سے اس وقت کے جماعت کے حالات اور آپ کے اپنے دل کی تڑپ بخوبی عیاں ہے۔

مؤتمر عالم اسلامی کے مندوبین سے ملاقاتیں اور غیر ممالک میں آپ کی شہرت

کراچی میں ایک عالمی مسلم کانفرنس فروری ۵۱ء میں منعقد ہوئی۔ اس میں شرکت کے بعد شروع مارچ میں بہت سے مندوبین لاہور آئے۔ اور قریباً ایک ہفتہ یہ لوگ مولانا محمد علی صاحب کے گھر پہاں سے ملاقات کے لئے آتے رہے۔ ان دنوں میں آپ خود اپنی بیماری کی وجہ سے بہت کمزور تھے اور باہر آ جا نہیں سکتے تھے۔ ترکی کے وفد کے رئیس مسٹر عمر رضا دوغرل، جو کہ ایک مشہور ادیب اور پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ اپنی ملاقات کے تاثرات اسلامک ریویو ماہ مئی ۵۲ء میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

"..... ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور میں آپ نے ہماری رہنمائی کی۔ اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارف اسلام کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے خوب واقف تھے اور دوسروں تک اس نور کا پہنچانا آپ کی زندگی کا مقصد تھا.....

.... مولانا کے مکان پر پہنچ کر میں نے خواہش ظاہر کی کہ ان کو کسی طرح کی بے آرامی نہ ہو۔ میں خود ان کے کمرے میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دونگا۔ میں ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہا تھا کہ ایک دو منٹ بعد مجھے کھلے دروازے میں سے ایک نور چمکتا نظر آیا۔ میں بے ساختہ اس کی طرف کھچا چلا گیا اور مولانا سے بغلگیر ہو گیا۔ آپ کے جسم میں ایک نورانیت تھی جو زمینی نہیں بلکہ آسمانی تھی۔ آپ کے سر اور داڑھی کے بال غیر معمولی طور پر سفید تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک کے گرد ایک نورانی ہالہ بنایا ہوا تھا۔ آپ اچھے قدو قامت کے مالک تھے۔ آنکھیں زردی مائل اور مدّھم تھیں۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے خیالات اس زمین سے نکل کر عالم بالا میں محو پرواز ہیں۔ آپ کو بولنے کی زحمت سے بچانے کے لئے میں نے سلسلۂ گفتگو خود شروع کیا...... پھر میں نے دریافت کیا۔ آجکل آپ کے اشغال کیا ہیں۔ ایک گہری آواز میں آپ نے جواب دیا۔ "میں نے عہد کیا ہے کہ اسلام پر تصانیف کا ایک مکمل سیٹ دنیا کی

ہر ایک لائبریری میں پہنچا دوں۔ میں نے پانچ ہزار سیٹ تیار کروا ئے ہیں۔"

پھر رخصت ہوتے وقت کا حال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے مجھے روک کر فرمایا:-

"میری آپ سے درخواست ہے کہ اسلام کی روشنی کو جس قدر ہو سکے پھیلائیں۔"

مسٹر دوغرل نے آپ کو بتایا کہ اگر مسلمانوں کو کوئی چیز زندہ رکھ سکتی ہے تو وہ اسلام کی وہ تعبیر ہے جو اس جماعت کے ذریعے دنیا میں پھیلی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی بہت سی کتب کے ترکی ترجمے ہو چکے ہیں اور وہ کوشش میں ہیں کہ باقی کتب کے بھی ترجمے جلد ہو جائیں۔

اسی طرح اور ممالک کے مندوبین سے بھی آپ بھی آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ سیلون کے وفد کے لیڈر خود کوشش کر کے اور مسلم ٹاؤن ڈھونڈ کر آپ سے ملنے آئے اور اس جماعت کی اور آپ کی خدمات کا ذکر کرتے رہے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ تامل ترجمہ قرآن جلد چھپے کیونکہ سیلون کے مسلمانوں اور دیگر آبادی کے ایک بڑے حصے کی زبان تامل ہے۔ تھائی لینڈ کے مندوب مسٹر ابراہیم قریشی آپ سے دو دفعہ ملنے آئے اور آپ کو تھائی زبان میں خوبصورتی سے طبع شدہ کتب دکھلائیں جو آپ کی کتب کے تراجم تھے۔ انہوں نے بتلایا کہ وہ تھائی زبان میں قرآن کا ترجمہ آپ کے ترجموں سے اس طرح کر رہے ہیں کہ لغت کا حصہ بیان القرآن سے لیا ہے اور حواشی و تفسیری نوٹوں کا حصہ انگریزی ترجمہ سے۔ اسی طرح چین کے ڈیلیگیٹ نے بتایا کہ آپ کی کتب کے چینی تراجم نکل چکے ہیں۔

انہی دنوں میں مولانا محمد علی صاحب کو ایک معزز عہدیدار عرب کا خط مصر سے آیا۔ ان کا نام محمد سعید احمد تھا اور وہ مصر کی وزارت ریلوے۔ تار اور ٹیلیفون کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ریلیجن آف اسلام کا عربی ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی۔ جو آپ نے خوشی سے دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۲۷ اپریل ۱۹۵۱ء کو مصر کے سفیر متعینہ پاکستان مسٹر عبدالوہاب عزام (جو کہ بعد میں عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل بھی رہے) آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ پر ۵ اپریل کو ایک اور حملہ بیماری کا ہو چکا تھا اور بستر سے اٹھنے کے ناقابل تھے۔ چنانچہ عبدالوہاب عزام سے آپ نے بستر پر سے ہی ملاقات کی اور کافی عرصہ گفتگو ہوتی رہی۔ ریلیجن آف اسلام کے عربی ترجمہ کے متعلق انہوں نے مزید کوائف آپ کو دیں۔ اور آپ کی مختلف تصانیف کی ایک ایک کاپی مسٹر عزام کو دی گئی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ کچھ عرصہ پہلے جب کہ جناب لیاقت علی خان۔ وزیر اعظم پاکستان امریکہ کا دورہ کر رہے تھے۔ تو انہیں مسٹر ولیم آہربرگ کی طرف سے، جو اقوام متحدہ کے نیویارک ہیڈکوارٹر میں مذہبی برانچ کے سیکرٹری تھے، ایک تار ملا۔ یہ تار حسب ذیل تھا:-

"میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس احسن کام کو عزت و قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو آپ کے وطن کے مولوی محمد علی اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کتب کی اشاعت سے کر رہے ہیں۔ پاکستان اور یو۔ایس۔اے کے درمیان بہتر افہام و تفہیم کے لئے..... آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ ایک شاخ نیویارک شہر میں مرکز اقوام متحدہ میں کھولیں۔ یہ شاخ آپ کے (یعنی پاکستان کے) وفد اقوام متحدہ کا ایک حصّہ ہو یا خودمختار ہو۔ اس سے انہیں بین الاقوامی پریس، ریڈیو وغیرہ اور سہولتیں میسّر آسکتی ہیں۔" (پیغام صلح ۱۴/۲/۵۱)

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ۱۹۵۰ء میں ایک ترک جرنلسٹ خاتون مس کترمان جو کہ مشہور ترکی اخبار الوس کی نامہ نگار تھیں پاکستان میں آئیں۔ لاہور پہنچ کر انہوں نے اخبار نویسوں کی ایک مجلس میں دریافت کرنا شروع کیا کہ مولانا محمد علی کہاں رہتے ہیں۔ اتفاق سے مولانا محمد یعقوب خان صاحب، جو اُس وقت سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر تھے وہاں موجود تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے مولانا سے ان کی ملاقات کا وقت مقرر کروا دیا۔ مولانا نے ان کو شام کو چائے کے لئے دعوت دی۔ اس خاتون نے کہا کہ میری والدہ ایک مذہبی خاتون تھیں اور انہوں نے مجھے قرآن کریم پڑھایا تھا مگر قرآن میرے لئے ہمیشہ ایک بند کتاب رہی اور میں مذہب سے متنفر اور بیگانہ رہی۔ کچھ عرصہ بعد میرے اخبار نے مجھے اپنے لنڈن کے دفتر میں چیف رپورٹر بنا کر بھیجا۔ وہاں اتفاق سے مجھے آپ کا انگریزی ترجمہ قرآن ملا۔ جب میں نے اُسے پڑھا تو میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد اور کتب پڑھیں اور دل میں مصمّم ارادہ کر لیا کہ — میں پاکستان جا کر اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دوں گی۔ جس نے قرآن اور مذہب سے دلچسپی کا دروازہ میرے لئے کھول دیا۔ سو خدا کا شکر ہے کہ آج مجھے یہ فخر نصیب ہُوا ہے۔ یہ کہہ کر اس خاتون نے مولانا کے ہاتھ کو چوما۔ پھر انہوں نے چلتے وقت آپ سے بہ زور درخواست کی آپ پاکستان سے باہر ممالک میں تشریف لے جائیں اور ٹرکی میں ضرور آئیں۔ وہاں کے مسلمان آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔

اسی طرح لبنان کی ایک ادیبہ خاتون اور مجلس خواتین لبنان کی صدر محترمہ حبیبہ شعبان بکن لکھتی ہیں کہ آپ کی کتاب محمدؐ اینڈ کرائسٹ پڑھنے کے بعد میں نے اس کتاب کو چوما اور بار بار سینے سے لگایا کہ اس نے مجھے بہت سی ذہنی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات بخشی۔ اس خاتون نے آپ کی متعدد کتب کے ترجمے عربی زبان میں کر کے بیروت سے خود چھپوائے ہیں۔

لاہور کی ایک معزز خاتون نے امریکہ کے سفر کے بعد واپسی پر سُنایا کہ انہیں مولانا محمد علی صاحب

کی قدر اور عزت کا پاکستان سے باہر جا کر صحیح طور سے پتہ چلا۔ امریکہ میں ایک جگہ کچھ نومسلم مرد اور عورتوں سے ان کی ملاقات ہوئی اور جب انہیں پتہ چلا کہ یہ خاتون پاکستان سے آئی ہیں تو انہوں نے نہایت شوق سے پوچھا کہ آپ کس شہر سے آئی ہیں اور جب لاہور کا نام سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہمیں مولانا محمد علی صاحب کے حالات بتائیں۔ وہ کیسے رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم انہیں کا انگریزی ترجمہ قرآن اور دوسری کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور حبشی مسلمانوں کا مجمع تھا۔ انہوں نے بھی ان سے مولانا محمد علی صاحب کے حالات پوچھے اور کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ ایسے شہر میں رہتی ہیں جہاں ایک ایسا عالم بزرگ رہائش رکھتا ہے۔

اس قسم کے کئی اور واقعات ہیں جن کا ذکر طوالت کے خوف سے نہیں کیا جا سکتا۔ مختصراً یہ کہ آپ کے کام کی عظمت کا صحیح اندازہ باہر کے ملکوں میں جا کر ہوتا ہے۔ اور دنیا کے بیشتر ممالک میں لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس سرچشمہ سے فیض حاصل کیا جس کا منبع محمد علی تھا۔ آپ کی کتب کے تراجم اتنی غیر زبانوں میں ہو چکے ہیں کہ ان کا مکمل ریکارڈ مہیا کرنا مشکل ہے۔ حتیٰ کہ عربی میں بھی ریلیجن آف اسلام۔ محمد دی پرافٹ۔ تاریخ خلافت راشدہ۔ نیو ورلڈ آرڈر اور دیگر کتب کے تراجم ہوئے اور بے حد مقبول ہوئے۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ قرآن، احادیث، کتب سیرت، فقہ وغیرہ عربی میں موجود ہوں۔ پھر ایک ایسے شخص کی کتابوں کا ترجمہ اس زبان میں کیا جائے جو عجمی ہو۔ جس نے علم دین بھی ایسے شخص سے سیکھا ہو جس کا تعلق عرب سے نہ ہو۔ اور جو ایک ایسی تحریک سے تعلق رکھتا ہو۔ جس پر کفر کے فتووں کی بارش ہو چکی ہو۔ یہ اس شخص کی ذاتی عظمت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اس شخص کی عظمت پر دلیل ہے جس نے اسے اس راہ پر لگایا اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ خدمت اسلام کا یہ زبردست کام کر سکے۔

اوائل ۵۱ء کی دیگر مصروفیات اور بیماری کا ایک اور حملہ

ان امور کے علاوہ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، ۵۱ء کے ان پہلے چار پانچ ماہ میں آپ کی دیگر مصروفیات میں سے دو بڑے کام اور تھے۔ ایک تو سیٹوں کی تقسیم کے کام کی ذاتی نگرانی۔ دنیا کے مختلف ممالک سے آپ کی خط و کتابت جاری تھی اور لائبریریوں اور اس قسم کے دیگر اداروں کے پتے منگوائے جا رہے تھے۔ جہاں ان سیٹوں کو بھیجنا تھا۔ یہ کام آپ نے ۵۰ء کے شروع میں ہاتھ میں لیا تھا اور آپ کی وفات تک یعنی قریباً ڈیڑھ سال کے عرصے میں آٹھ سو سیٹ غیر ممالک میں جا چکے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ کی کتب ریلیجن آف اسلام۔ مینوئل آف حدیث۔ محمد دی پرافٹ اور ارلی کیلیفیٹ کے نئے ایڈیشن بھی طبع ہو چکے تھے۔

دوسرا کام انگریزی ترجمہ قرآن کی چوتھی ایڈیشن کے پروف دیکھنے کا تھا۔ علاوہ ان کارکنوں کے جو

پروف پڑھنے پر متعین تھے۔ آپ تمام کے تمام پروف ایک دفعہ خود پڑھتے تھے اور جگہ جگہ ان پر تصحیح فرماتے تھے۔ پہلے تین ماہ میں جب کہ آپ کی صحت نسبتاً بہتر تھی تو باقاعدہ اپنے دفتر میں بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے اگرچہ صبح کی سیر چھوٹ چکی تھی۔ لیکن گھر میں کچھ چہل قدمی فرما لیتے تھے اور پانچوں وقت نماز کے لئے مسلم ٹاؤن کی مسجد میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر ۵ر اپریل کی شام کو آپ کی طبیعت یکایک خراب ہو گئی۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ اور بخار اور دل کی تکلیف کے ساتھ ساتھ پھیپھڑوں پر بھی اثر ہو گیا۔ لاہور کے دو مشہور معالج کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر محمد یوسف آپ کا علاج کرتے رہے۔ دو روز تو گھر پر ہی آپ کو آکسیجن دی گئی۔ کچھ روز بخار بڑھتا رہا اور انفلوئنزا کا حملہ بھی ساتھ ہی ہو گیا۔ مگر قریباً دس روز کے بعد بخار اتر گیا اور صحت بہتر ہو گئی۔ ڈاکٹری ہدایات کے مطابق ایک ماہ تک آپ بستر پر ہی لیٹے رہے مگر اس حالت میں بھی انگریزی ترجمہ کے پروف پڑھا کرتے تھے۔ اور سیٹوں کی تقسیم کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہے۔

کراچی کا آخری سفر ۱۹۵۱ء

مئی ۱۹۵۱ء کے آخر میں لاہور میں گرمی بڑھ رہی تھی اور آپ کی صحت بھی اب پہلے کی نسبت بہت بہتر تھی۔ چنانچہ ۳۱ر مئی ۱۹۵۱ء کو صبح پاکستان میل سے آپ کراچی تشریف لے گئے اس موقعہ پر لاہور سٹیشن پر جو تصاویر اتاری گئیں وہ اس کتاب میں شامل ہیں۔ کراچی پہنچ کر آپ کی صحت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ آپ کے معالج ڈاکٹر پراچہ نے معائنہ کے بعد دل کی حالت مکمل طور پر تسلی بخش بتائی اور رفتہ رفتہ کمزوری بھی دور ہونے لگی۔ کراچی میں آپ کے مشاغل حسب سابق رہے۔ ایک طرف تو سیٹوں کی تقسیم کے سلسلہ میں آپ کی نگرانی میں غیر ممالک سے خط وکتابت اور ترسیل کتب جاری رہی۔ دوسرے قرآن کریم انگریزی کی چوتھی ایڈیشن کے پروف آپ دیکھتے رہے اور تیسرے کراچی کے مسلمان اکابر اور اسلامی ممالک کے سفراء وغیرہ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ تاکہ سیٹوں کی تقسیم کا کام اور بڑے پیمانے پر اور بہتر طریق سے ہو سکے۔ ۶ر جولائی ۱۹۵۱ء کو عید الفطر کی نماز جماعت کراچی نے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے گھر پر ادا فرمائی۔ خطبہ فاروقی صاحب نے دیا اور مولانا محمد علی صاحب نے بھی کچھ دیر کے لئے تقریر فرمائی۔ مگر اس سنبھلتی ہوئی حالت کو دفعتہً بعض ناخوشگوار حالات کی وجہ سے دھکا لگا۔ پیشتر اس کے کہ ان حالات کا ذکر کیا جائے بعض اور واقعات کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

حج کا ارادہ اور بلادِ غربیہ و مشرق وسطیٰ کے دورے کا پروگرام

آخری تین چار سال میں مولانا محمد علی صاحب کی بڑی آرزو تھی کہ حج کو جا سکیں اور انہوں نے اس کے لئے انتظامات بھی مکمل کر لئے تھے۔ لیکن قرآن مجید انگریزی کی نظر ثانی چل رہی تھی اور پھر اس کے پروف آنے شروع ہو گئے تھے۔ اگر آپ حج پر چلے

جاتے تو یہ کام نامکمل رہ جاتا۔ حج کے علاوہ آپ کا ارادہ انگلستان اور مشرق وسطیٰ کے دورے کا بھی تھا اور یہ ارادہ آپ نے اسلامی ممالک کے سفراء سے ملاقاتوں کے بعد کیا تھا۔ اس تمام سفر میں کوئی چھ سات ماہ کا عرصہ لگتا تھا اور آپ کی یہی کوشش تھی کہ جس قدر جلدی ہو سکے قرآن چھپ جائے تاکہ آپ اطمینان سے ان ممالک کا دورہ کر سکیں۔ آپ کا ارادہ شیخ محمد طفیل صاحب کو اپنے ساتھ لے جانے کا تھا۔ اور پہلا پروگرام یہ تھا کہ اپریل ۱۹۵۰ء میں جائیں۔ چند ماہ ووکنگ میں بسر کریں اور جرمنی بھی جائیں اور پھر ترکی اور مشرق وسطیٰ کے ممالک سے ہوتے ہوئے اور حج کرنے کے بعد واپس تشریف لائیں۔ مگر اس وقت تک قرآن کریم کی چوتھی ایڈیشن کے مسودے میں ابھی کچھ کام باقی تھا اور اس کے شروع کے حصوں کے پروف بھی آنے شروع ہو گئے تھے اس لئے اپریل ۱۹۵۱ء کے لئے آپ نے پروگرام بنایا۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۵۰ء میں کراچی میں آپ پر دل کی بیماری کا حملہ ہوا مگر دسمبر میں لاہور پہنچ کر باوجود کمزوری طبع کے آپ نے اپنا ارادہ قائم رکھا اور اپریل کے لئے جہاز میں سیٹیں بھی بک کر دی گئیں۔ لیکن دسمبر ۱۹۵۰ء میں جلسہ سالانہ کے معاً بعد جو ایک بیماری کا ہلکا حملہ دوبارہ ہوا تو ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد آپ کو کسی طویل سفر کی قطعی ممانعت کر دی۔ اور یہ انتظامات منسوخ کرنے پڑے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی تصنیف میں شمولیت کی دعوت

وسط اگست ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد علی صاحب کو حکومت پاکستان کی طرف سے خط ملا کہ ہالینڈ میں ایک مشہور مستشرق پروفیسر کریمر نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو چھاپنے کے لئے ایک بورڈ بنایا ہے۔ اور خود ہالینڈ سے آپ کا نام تجویز کیا گیا ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کے مضامین لکھنے میں آپ بھی حصہ لیں۔ اور یہ امید ظاہر کی گئی کہ خرابی صحت کے باوجود آپ اس کام میں حصہ لے سکیں گے کیونکہ اس کی اہمیت مسلمانان عالم کے لئے بالخصوص اور تمام لوگوں کے لئے بالعموم بہت زیادہ ہے۔ اس خط کا جواب جو آپ نے دیا اس میں اس کام کے کرنے کا بخوشی ذمہ لیا۔ اور لکھا کہ گو میں خرابی صحت کی وجہ سے بستر پر ہی زیادہ وقت گذارتا ہوں۔ لیکن میں نے اسی حالت میں اپنی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا ہے اور حال ہی میں قرآن کریم انگریزی کے نئے ایڈیشن کے چودہ سو صفحات کے پروف بھی اسی حالت میں دیکھے ہیں اور اس کا دیباچہ بھی لکھا ہے۔ اور میں اس مزید کام کو کرنے کو تیار ہوں۔ اس امر کی اطلاع آپ نے انجمن کو بھی دی۔

ہولی قرآن ٹرسٹ

مولانا محمد علی صاحب کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ قرآن کریم کی اشاعت کی کوئی مستقل بنیاد ایسی پڑ جانی چاہئے کہ یہ کام آئندہ خود بخود ہوتا رہے۔ جو درد اور تڑپ آپ کے دل میں اشاعت قرآن کے لئے تھی وہ آپ کی سوانح حیات اور آپ کے خطبات اور تحریرات پڑھنے والے پر بخوبی عیاں

ہو چکی ہو گی۔ آپ کے ساتھ کام کرنے والے اور تمام جماعت کے افراد اس بات کے گواہ ہیں کہ ایک ہی دھن آپ کے دل میں تھی کہ قرآن کریم اور اسلامی لٹریچر زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیل جائے تاکہ اسلام کے غلبے کا وعدہ پورا ہو۔ آپ نے ۱۹۱۲ء کے بعد جو بھی تحریکات جماعت کے سامنے رکھیں وہ تراجم قرآن۔ اشاعتِ قرآن اور تعلیم قرآن سے متعلق تھیں اور آخری تحریک سیٹوں کے ذریعے اشاعت لٹریچر کی تھی۔ دوسری طرف مشکل یہ تھی کہ انجمن کے ذرائع آمد محدود تھے۔ ایک چھوٹی سی جماعت اس کی پشت پر تھی۔ جس نے بے نظیر مالی قربانیاں کیں۔ لیکن جس کام کا بیڑہ اٹھایا گیا تھا وہ روپیہ کو چاہتا تھا اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ انجمن کو شدید مالی مشکلات کے اندر ایک مد سے دوسری مد میں روپیہ منتقل کرنا پڑا۔ اور وہ روپیہ کلی طور پر اس مقصد پر خرچ نہ ہو سکا جس کے لئے جمع کیا گیا تھا۔ مولانا محمد علی صاحب کے نزدیک قرآن کو دنیا میں پھیلانا جماعت کا اوّلین مقصد تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی دفعہ کوشش کی۔ کہ ایک معقول رقم جمع کر کے اس کو کسی ایسے مصرف پر لگا دیا جائے جس سے ایک مستقل آمد کی صورت بن جائے جو کہ خالصتاً اشاعتِ قرآن پر صرف کی جائے، سب سے پہلے آپ نے جوبلی کے موقع پر یہ کوشش کی اور جوبلی کی ابتدائی تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر یہ کام قرآن کی عظمت کو ظاہر کرنے والا نہ ہوا تو ہمارا قدم صحیح راستے سے ہٹ جائیگا۔ لیکن بعد میں جنرل کونسل نے یہی منظور کیا کہ اس روپیہ کو جماعت کے استحکام پر خرچ کیا جائے۔ پھر اکتوبر ۱۹۴۳ء میں آپ نے ایک "اشاعتِ قرآن ٹرسٹ" کی تجویز کو قوم کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ "کچھ روپیہ اشاعتِ اسلام کے لئے انجمن وقف کر دے۔ کچھ ہم اپنے دوستوں سے کہیں کہ وہ انفرادی طور پر اس کے لئے وقف کر دیں۔ اور اس لاکھ یا دو لاکھ روپیہ کو تجارت میں لگا کر اس کی آمدنی سے قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں کر کے ان کی اشاعت کی جائے۔" اس موقع پر بھی یہ تجویز دو دفعہ انجمن کی جنرل کونسل میں پیش ہوئی، خدا جانے کیوں ؟ مگر انجمن کے بزرگان ٹرسٹ کے نام سے گھبراتے رہے۔ حالانکہ ٹرسٹ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ روپیہ اس طرح ایک کام کے لئے وقف ہو جائے کہ اور کسی کام پر خرچ نہ ہو سکے اور ایک مستقل ذریعہ آمد کا ایک خاص کام کے لئے ہی قائم ہو جائے۔ یہی روپیہ انجمن کے تصرف میں بطور ایک صیغے کے جمع ہو تو اس کا اور موقعوں پر خرچ ہو جانے کا امکان ہوتا ہے اور ایسا ہوتا رہا ۔ انجمن کے ماتحت ہی ایک ٹرسٹ بن جانے سے یہ صورت نہ رہتی۔ مگر اس موقعہ پر بھی انجمن کی جنرل کونسل نے یہی منظور کیا کہ تراجم قرآن فنڈ کھولا جائے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں یہ فنڈ قائم ہوا اور اس میں ایک معقول رقم جمع ہوئی، چار تراجم قرآن پر آپ کی زندگی میں ہی کام بھی شروع ہوا مگر وہ اب تک چھپ نہ سکے۔ اور ۱۹۵۱ء میں جب مولانا محمد علی صاحب پہلی دفعہ

دل کی شدید تکلیف سے کراچی میں صاحبِ فراش تھے تو انجمن کے بجٹ میں خسارہ پورا کرنے کے لئے لاہور میں اکابرین انجمن نے یہ فیصلے کئے کہ تراجم قرآن کا کام روک دیا جائے اور امریکہ مشن بند کر دیا جائے۔

ہولی قرآن ٹرسٹ کے قیام کے پس منظر ایک اور بات بھی تھی۔ اگرچہ یہ بات ہر غیر جانبدار مطالعہ کرنے والے پر واضح ہو چکی ہوگی کہ حضرت مسیح موعودؑ کی خواہشات در بارۂ تبلیغ اسلام اس لٹریچر سے ہی پوری ہوئیں جو چالیس پچاس سال کے عرصہ میں مولانا محمدؐ علی صاحب نے پیدا کیا۔ لیکن بعض سرکردہ لوگ ہمیشہ اس اعتراض کو پھیلاتے رہے کہ مولانا محمدؐ علی صاحب زیادہ تر اپنی کتب کی اشاعت پر زور کیوں دیتے ہیں۔ اور چونکہ آپ کو اپنی کتب کی فروخت پر حق تصنیف ملتا تھا اس لئے بدگمانیاں پھیلانے کی گنجائش نہایت آسانی سے موجود تھی۔ حالانکہ یہ بات واضح تھی کہ غیر ممالک کے لوگوں کو اور خصوصًا مغربی اقوام کو اسلام سے روشناس کروانے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ زیادہ تر مولانا محمدؐ علی صاحب کی ہی ترجمہ وتفسیر قرآن اور احادیث اور سیرت اور اسلامی مسائل پر وہ بیش بہا تصانیف ہیں جو آپ نے خاص اس مقصد کے لئے اور حضرت مسیح موعودؑ کی خواہشات اور منشاء کے مطابق کیں۔ حضرت صاحب کی خواہشات انہی کتب سے پوری ہوئیں اور اسی کام کے لئے انہوں نے مولانا محمدؐ علی صاحب کو منتخب کیا تھا اور اسی طرح مولانا نور الدین صاحب نے آپ کو انگریزی واردو ترجمہ وتفسیر قرآن وحدیث پر لگایا کہ انہی سے آئندہ اشاعتِ اسلام ہو۔ اور پھر سب سے بڑھ کر زمانے کی گواہی ہے کہ یہی لٹریچر تمام دنیا میں کس قدر کامیاب اور مقبول ہوا اور ہزارہا لوگوں کو راہِ راست پر لانے کا موجب ہوا اور کس قدر شوق سے لوگوں نے غیر ممالک میں اس کے تراجم اپنی زبانوں میں خود کئے حتیٰ کہ عربی ممالک میں اس کے عربی تراجم ہوئے۔ ان عظیم الشان اور کھلی باتوں کے ہوتے ہوئے بھی اس لٹریچر کی اشاعت بعض دلوں میں کھٹکتی تھی۔ اور ان لوگوں کے عملی طور پر اس کام میں حصّہ نہ لینے کی باعث تھی۔ جس کے متعلق مولانا محمدؐ علی صاحب کے خطبات اور تحریرات میں سے کئی ایک اقتباسات دیئے جا چکے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ چند ایک سرکردہ صاحبان کی طرف سے اس بیش بہا خزانے کی قدر گھٹانے کی کوششیں کھلے طور پر ظاہر ہوئیں، جیساکہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ تو لازم تھا کہ آپ کوئی ایسی صورت پیدا کر جاتے۔ کہ آپ کے بعد خواہ جماعت کا کچھ بھی رنگ ہو مگر یہ کام مستقل صورت میں جاری رہے۔ یہ اس انجمن کی تاریخ کا ایک تاریک ورق ہے۔ مگر ایک سوانح نگار اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

غرضکہ یہ تھا "ہولی قرآن ٹرسٹ" کے قیام کا پس منظر۔ اس وقت یعنی ۱۹۵۱ء میں جو کچھ ہوا وہ یہ تھا۔ کہ جب مولانا محمدؐ علی صاحب نے کتابوں کے سیٹوں کی تقسیم کی تحریک شروع کی تو صرف اپنی مساعی سے

اس کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کے قریب جمع کیا۔ جس میں بیشتر حصہ غیر از جماعت لوگوں کی طرف سے تھا۔ چونکہ جن آٹھ کتب کے سیٹ باہر بھیجے جانے والے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر مولانا کی اپنی تصانیف تھیں جن پر آپ کو حق تصنیف ملتا تھا۔ اس لئے آپ نے فیصلہ کیا کہ اس فنڈ سے جو کچھ کتب خرید کر باہر بھیجی جائیں گی ان کی رائلٹی کو آپ اپنی ذات پر خرچ نہ کریں گے۔ ان کتب پر آپ کو ۳۳ ۱/۳ فی صد حق تصنیف ملتا تھا۔ اس حق تصنیف کو آپ نے انجمن میں بطور امانت ایک علیحدہ فنڈ کی حیثیت سے جمع کروایا جو کہ "رائلٹی للٰہی فنڈ" کہلایا۔ آپ نے انجمن کو لکھا کہ یہ صرف آپ کی ذاتی ہدایات کے مطابق دینی اغراض پر خرچ ہوگا۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً آپ نے اس روپیہ کو صرف اپنی رائے کے مطابق اور بغیر انجمن کی منظوری کے ایسی اغراض پر خرچ کیا اور اس سے بعض مستحق احمدی احباب کی امداد بھی کی۔ لیکن سب سے بڑا مصرف اس روپے کا یہ تھا کہ اس سے آپ نے انگریزی ترجمہ قرآن کی چوتھی ایڈیشن کی، جو ولایت میں چھپ رہی تھی۔ دس ہزار مزید کاپیاں طبع کروائیں۔ اور یہ یوں ہوا کہ اس سے پہلے ترجمہ قرآن کے مختلف ایڈیشن ۱۰ ہزار کی تعداد میں نکل چکے تھے اور اس چوتھی ایڈیشن کو ۲۰ ہزار چھپوانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ اب وہ وقت تھا کہ قرآن کریم اور انگریزی لٹریچر کو اور بھی سرعت کے ساتھ پھیلایا جانا تھا۔ چنانچہ اس کو ۲۰ ہزار کی تعداد میں چھپوانے کے سب انتظامات ڈاکٹر عبداللہ صاحب (امام مسجد ووکنگ) نے کر لئے تھے اور کاغذ بھی خریدا جا چکا تھا۔ لیکن انجمن نے اپنے فیصلہ کو بدل کر اس کو دس ہزار کی تعداد میں چھپوانا چاہا۔ اس پر مولانا محمدؐ علی صاحب نے تجویز لکھ کر دی کہ انجمن مزید دس ہزار کاپی ان کو اپنے خرچ پر چھپوانے کی اجازت دے۔ جس کو وہ رائلٹی للٰہی فنڈ سے ادا کریں گے اور اس کی تقسیم وہ خود مستحقین کو رعائتی قیمت پر یا مفت کرینگے اور اس کی جو آمد از فروخت ہوگی وہ واپس رائلٹی للٰہی فنڈ میں جائیگی۔ اس بات کی انجمن نے منظوری دے دی۔ اور اس طرح دس ہزار کاپی اس ترجمہ کی مزید اس روپے سے چھپی۔

۵۰ء کے آخر اور ۵۱ء کی ابتدا میں جب مولانا محمدؐ علی صاحب کو بعض خاص طور پر تکلیف دہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ آپ کو دل کی تکلیف کے متعدد دورے پڑ چکے تھے اور آپ کی صحت نہایت کمزور تھی۔ تو اس سب پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے مناسب سمجھا کہ اسی رائلٹی للٰہی فنڈ کے بقایا روپے سے آپ وہ ٹرسٹ بنائیں جس کا مقصد اشاعت قرآن ہو۔ اس کا نام بھی "ہولی قرآن ٹرسٹ" ہی رکھا۔ اور اس کے ٹرسٹیوں میں اپنے علاوہ ان عزیزوں[1] کے پانچ نام لکھے جن کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ وہ ہر حالت میں اس ٹرسٹ کو ان مقاصد کے ماتحت چلائیں گے جو آپ چاہتے

---

[1] : آپ کے یہ سب عزیز خدا کے فضل سے پکے احمدی اور جماعت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے اور مالی قربانیاں کرنے والے تھے۔ ہاں ان کا ایک قصور تھا کہ وہ آپ کے عزیز تھے۔ چنانچہ اسی کو مورد الزام بنایا گیا۔

تھے۔ اس ٹرسٹ کے قیام کی اغراض جو آپ نے لکھی ہیں وہ تھیں۔ ۱؎ مستحقین اور متلاشیانِ حق اور طلباء کو قرآن کریم کم قیمت پر یا مفت دینا اور ۲؎ قرآن پر ریسرچ کرنے والوں اور دیگر طلباء اور مستحقین کو وظائف دینے۔ مگر شرط یہ تھی کہ غرض ۱؎ پر کم از کم ۷۵ فیصدی روپیہ خرچ ہو۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ یہ ٹرسٹ انجمن کے ساتھ پورے تعاون سے کام کرے گا اور اس کے فیصلوں کا احترام کریگا جب تک کہ انجمن حق تصنیف کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں پر قائم رہے۔

یہ بات صاف کر دینی ضروری ہے کہ یہ جو ایک پروپاگنڈا کا طوفان کھڑا کیا گیا کہ قوم کے روپے سے انجمن کی منظوری کے بغیر آپ نے ٹرسٹ بنا لیا ہے یہ بالکل غلط تھا۔ جو روپیہ اس ٹرسٹ کے نام منتقل کیا گیا وہ رائلٹی کا تھا جو کہ انجمن کے فیصلوں کے اور عمل کے مطابق اور قانون کے مطابق آپ کا حق تھا۔ آپ نے خود اس کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے اس کو دینی اغراض کے لئے وقف کیا۔ شریعت نے مال کے بارے میں انسان کو چار حق دیئے ہیں۔ اس کا ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا، اس کا کسی غرض کے لئے وقف کرنا اور اس کو ورثاء کے لئے چھوڑنا۔ وقف کا نام انگریزی میں ٹرسٹ ہے اور یہ خواہ مخواہ ایک ہوّا بنا دیا گیا ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک کثیر رقم چندہ کی جمع کر کے اس کا ٹرسٹ بنایا۔ اور جماعت کے ایک دو بزرگان نے اپنے ذاتی روپے سے ٹرسٹ بنائے یا اپنے روپے کو ایک خاص مقصد کے لئے وقف کیا اور انجمن کی اجازت کی کوئی ضرورت نہ پیش آئی۔ اسی طرح یہ ٹرسٹ بھی ذاتی روپے سے بنا۔ اور اگر اس میں کچھ شبہ ہو تو مولانا محمد علی صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر سے دُور ہو سکتا ہے جو انجمن نے بروئے ریزولوشن ۳۹۵ منتظمہ مورخہ ۱۲/۵/۴۸ منظور کی:-

"مجھے اجازت دی جائے کہ انجمن کی دس ہزار کاپی کے بعد میں دس ہزار کاپی اپنے خرچ پر نکلواؤں۔ انجمن صرف پہلے دس ہزار کا خرچ ادا کرے۔ مزید دس ہزار کا جو خرچ ہوگا وہ سب کا سب رائلٹی للّٰھی فنڈ سے ادا کرونگا۔"

اس وقت تک یہ اعتراض کسی کو نہ ہوا تھا کہ یہ تو انجمن کے کسی فنڈ کا روپیہ ہے۔ آپ کا اپنا روپیہ نہیں۔ لیکن جب اس روپے کو وقف کر دیا گیا تو یہ اعتراض بھی اُچھالا گیا۔

باقی رہا یہ سوال جو اٹھایا گیا کہ یہ روپیہ اس غرض کے لئے انجمن کے حوالے کیوں نہ کر دیا گیا۔ کیا آپ کو انجمن پر اعتبار نہ تھا؟ اس کا جواب مولانا کی حسب ذیل تحریر میں ہے:-

"میں نے اس کام کو انجمن کے ہی سپرد کیوں نہ کر دیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انجمن بعض وقت اپنی ضروریات کی وجہ سے ایک مد کا روپیہ دوسری مد میں خرچ کر لیتی ہے اور پھر اس کی واپسی نہیں

ہوتی۔ چنانچہ سالِ گذشتہ میری سخت ترین بیماری کے ایّام میں انجمن نے جو روپیہ بعض مدّات کا دوسری جگہ خرچ کیا ہُوا تھا۔ اس کی واپسی کی فکر کی بجائے ان مدّات کے کام کو ہی بند کر دیا۔ اور یہ فیصلہ کر دیا کہ امریکہ مشن کو بند کر دیا جائے اور تراجم قرآن کو بند کر دیا جائے۔ جس کا مجھے اس قدر صدمہ پہنچا، جو بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی خطرناک بیماری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خطوط لکھے اور تاریں دیں کہ یہ قدم نہ اٹھایا جائے ۔۔۔۔ اور انجمن میں اور جلسہ سالانہ میں یہ تجویز پیش کی کہ مالی مشکلات کے لئے نہ صرف خاص چندہ کیا جائے بلکہ اس قدر زمینیں جو ہم نے محض انجمن کے استحکام کے لئے خریدی ہیں ان کا کچھ حصّہ فروخت کر کے بنیادی کام یعنی قرآن کو دنیا میں پہنچانا، زندہ رکھا جائے۔"

اس ٹرسٹ کے قیام کے جلد بعد ہی مولانا محمّد علی صاحب اسی صحت کی کمزوری کی حالت میں کراچی تشریف لے گئے:۔

اس ٹرسٹ کا قیام ان لوگوں کو ناگوار گذرا جن کا رویہ خود اس ٹرسٹ کو قائم کرنے کا محرّک تھا چنانچہ جماعت کے ایک بڑے حصّے کو فرضی خطرات سے اور ان باتوں سے جن کا ذکر آچکا ہے بدظن کیا گیا جب مجلس منتظمہ کے نوٹس میں یہ معاملہ آیا تو اس کو جنرل کونسل میں پیش کئے جانے کا فیصلہ ہُوا۔ مگر فوراً ہی اس پر بعض اصحاب نے مناسب سمجھا کہ جماعت کے لوگوں کو لاہور میں اکٹھا کیا جائے اور بہت سی سرکلر چٹھیاں فرداً فرداً اور مل کر جاری کی گئیں۔ اور بھی کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ ان باتوں کا ایک نہایت ناخوشگوار اثر مولانا محمّد علی صاحب کی صحت پر کراچی مین پڑا۔ جماعت میں جو سرکلر اور چٹھیاں پھیلائی جا رہی تھیں۔ ان کا کچھ جواب آپ کو مجبوراً اسی حالت میں دینا پڑا اور بقیہ جواب آپ نے جنرل کونسل میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان ہی دنوں میں آپ کو تنفّس کی تکلیف شروع ہوگئی۔ نیند کم آنے لگی اور صحت گرنے لگی۔ ان ظاہری تکالیف کے لئے مناسب علاج کئے گئے لیکن ان واقعات کے بعد پھر آپ کی صحت نہ سنبھل سکی۔

ستمبر ۱۹۵۰ء کے آخر میں کراچی میں ہی شیخ میاں محمّد صاحب کی آپ سے ملاقاتوں کے بعد آپ نے فیصلہ کیا۔ چونکہ جماعت میں ایک غلط پروپاگنڈا کا طوفان کھڑا کر دیا گیا ہے۔ عام لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال ڈال کر انتشار پیدا کیا جا رہا ہے اور یہ کہ آپ چاہے کتنی بھی وضاحت کریں یہ سلسلہ جاری رکھا جائیگا اس لئے اس ٹرسٹ کو آپ نہ چلائیں گے۔ اس کے نام جو روپیہ منتقل کیا گیا تھا وہ رائلٹی لاٹھی فنڈ میں واپس کر دیا گیا۔

صرف اعتراض کرنے کی خاطر سیدھی بات کو بھی ٹیڑھا بنا لینے کی ایک بدترین مثال یہ ہے کہ اس موقعے پر یہ اعتراض اٹھا کہ ٹرسٹ ڈیڈ میں مولانا نے اپنے آپ کو حنفی المذہب لکھا ہے اور احمدیت کو چھپایا ہے۔ ٹرسٹ ڈیڈ تو ایک قابل وکیل نے بنایا تھا۔ اور اس کی رائے کے مطابق یہ لکھا جانا ضروری تھا کہ یہ حنفی فقہ کے ماتحت وقف

ہوا ہے۔ اور یہ تو سب جانتے ہی ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو حنفی فقہ کا پیرو لکھا ہے۔ اور جماعت احمدیہ کا مسلک حنفی فقہ کے تابع ہے۔ لیکن اس بے ضرر قانونی ضرورت سے جس میں کوئی غلط بیانی نہ تھی۔ اس رنگ میں فائدہ اٹھانا حد درجہ قابل افسوس تھا۔ اور یہ بات اُس شخص کے متعلق کہی گئی جو مسیح موعودؑ کا "منصور" جرنیل تھا اور جس نے ۵۰ سال تک اپنے ہر کام کو حضرت مرزا صاحب سے منسوب کیا اور ہر بڑی تصنیف کے دیباچے میں اُنہیں کا ذکر کیا۔ اور ۱۹۴۹ء میں اپنے رسالہ "جماعتِ قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحۂ فکریہ" میں یہ ثابت کیا کہ ان کی زندگی حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا ہی ایک حصّہ تھی۔

اس ڈرامے کا اختتام انجمن کی جنرل کونسل کے اس ریزولوشن سے ہوتا ہے جو مولانا محمدؐ علی صاحب کی وفات کے بعد جلسۂ سالانہ کے موقع پر پاس کیا گیا اور وہ حسب ذیل ہے:-

"ریزولوشن ۱۵ معتمدین مورخہ ۱۲/۵۱ ، ۲۷ ، ۲۶

مجلس معتمدین کا یہ اجلاس نہایت واضح الفاظ میں متفقہ طور پر اعلان کرتا ہے کہ حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ کے بلند سے بلند مقام پر قائم تھے اور ان کی ذات میں دیانت و امانت اکمل رنگ میں جلوہ گر تھی۔ وہ اس زمانہ میں احمدیت کے زبردست ستون تھے۔

حضرت مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایّام میں جو بعض ناخوشگوار امور معرض وجود میں آئے اس پر یہ اجلاس اظہار افسوس کرتا ہے۔"

مولانا محمدؐ علی صاحب کی وفات

ان ناخوشگوار حالات کا مولانا محمدؐ علی صاحب کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑا۔ کہاں تو آپ کی صحت اس قدر سنبھل چکی تھی کہ آپ کے معالج اور تیمار دار مطمئن ہو گئے تھے۔ گھر میں معمول کے مطابق چلتے پھرتے تھے اور اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ عید کے موقع پر جماعت کراچی کے سامنے آپ نے ایک مختصر سی تقریر بھی کی۔ لیکن ان حالات کے بعد آپ بہت پژمردہ اور نڈھال رہنے لگے دل تو پہلے ہی کمزور ہو چکا تھا اب تنفّس کی تکلیف بھی شروع ہو گئی اور نیند جو پہلے ہی عادتاً بہت کم آتی تھی اب بالکل غائب ہی ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ نے دو سرکلر چٹھیوں کا مفصّل جواب بھی تحریر فرمایا۔ مگر چونکہ دوسری طرف سے اعلان ہو چکا تھا کہ ہم دس سرکلر شائع کریں گے اور چھ سات سرکلر باقاعدہ نمبر دے کر نکل بھی چکے تھے۔ اس لئے اپنے جواب کے آخر پر آپ نے یہی تحریر فرمایا کہ اب میں انجمن کی جنرل کونسل میں ہی سب معاملہ کا جواب دونگا۔ لاہور کے ان احباب کا جو یہ سرکلر جاری کر رہے تھے مطالبہ تھا کہ جنرل کونسل وسط اگست میں بلائی جائے۔ مگر آپ کی صحت اور شدید گرمی کے موسم کی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ آپ اگست میں کراچی سے لاہور تک کا سفر اس غرض کے لئے اختیار کریں۔ اس لئے آپ جنرل کونسل کو حسب معمول اکتوبر میں

بلانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور اس مقصد کے لئے ایک مفصل تحریر بھی لکھی جو ۸ ر اکتوبر کو ختم کی اور اسی حالت میں انگریزی ترجمہ قرآن کی چوتھی ایڈیشن کے پروف پڑھنے بھی مکمل کر لئے۔

آپ کو جو تنفس کی تیزی اور دیگر تکالیف اب شروع ہو چکی تھیں ان کا علاج فاروقی صاحب کراچی کے ماہر ڈاکٹروں سے کروا رہے تھے۔ مگر آپ کے دل کے صدمے کا کوئی علاج نہ تھا۔ آخری چار پانچ دن میں درد شکم بھی ہونے لگی۔ جس سے کمزوری اور بڑھ گئی۔

اپنی اس گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر اور کچھ اطلاعات آسمانی سے بھی آپ کو علم ہو چکا تھا کہ آپ کی وفات نزدیک ہے۔ مگر کسی نے آپ کے چہرے پر کبھی کوئی مایوسی یا حزن یا جزع و فزع نہ دیکھی۔ اگر کبھی کسی فکر کا اظہار کیا تو وہ جماعت کے متعلق تھا اور اس کا اظہار آپ نے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی اور ایک دو بزرگان سے کیا۔ آخری دنوں میں جب کہ جماعت کے حالات کی وجہ سے آپ کے دل پر بہت صدمہ تھا تو ایک دفعہ میاں نصیر احمد صاحب فاروقی سے ذکر کیا کہ مجھے الہام ہوا ہے "یاعظیم المرتبۃ" (اے عظیم الشان مرتبہ والے) اس حالت میں آپ کو یہ خیال ہوا، اور یہ کسر نفسی کی وجہ سے تھا۔ کہ یہ الفاظ شاید خدا تعالے کی نسبت ہیں تو فوراً ہی دوسرا الہام ہوا "ویا ضعیف الجثۃ" (اور اے کمزور جسم والے) گویا دوسرے الہام نے بتا دیا۔ کہ پہلا الہام خود آپ کے متعلق تھا۔ اس کا یہ مفہوم آپ کے دل میں تھا کہ یہ جسم اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اسے چھوڑنا پڑے گا۔ آپ کا پہلا پروگرام لاہور ۱۵ ر اکتوبر کو جانے کا تھا۔ اس کا ذکر ہوا تو فرمانے لگے۔ "مگر میں نے تو یہ نظارہ دیکھا ہے کہ میں ایک ہوائی جہاز میں آسمانوں میں اڑتا چلا جا رہا ہوں۔"

۱۳ ر اکتوبر کو صبح طبیعت نسبتاً بہتر معلوم ہوتی تھی۔ آپ نے صبح کی نماز کے بعد ہلکا سا ناشتہ کیا۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا۔ گویا آپکا مکمل انقطاع الی اللہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنے بچوں اور عزیزوں سے جو تیمارداری کے لئے موجود تھے۔ اپنی توجہ پھیر لی۔ نو بجے کے قریب آپ کے ایک معالج کرنل خان صاحب تشریف لائے تو ان کی طرف بھی توجہ نہ کی۔ حالانکہ ہمیشہ اپنے ڈاکٹروں سے بات چیت کیا کرتے تھے اور اکثر لطیف مزاح بھی کیا کرتے تھے۔ چونکہ آپ کو رات کو بے خوابی زیادہ رہتی تھی اس لئے سمجھا گیا کہ آپ شاید سونا چاہتے ہیں۔ اور ایک ٹیکا لگا دیا گیا۔ تاکہ آپ کو نیند آ جائے۔ آپ کو کچھ غنودگی سی ہو گئی اور اسی حالت میں دن کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۵۱ء بمطابق ۱۰ ر محرم الحرام ۱۳۷۱ھ آپ کی روح اپنے مولیٰ سے جا ملی ——— وہ دن دسویں محرم الحرام کا دن تھا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کا مفصل ذکر فاروقی صاحب کے اس مضمون میں ہے جو اس کتاب کے آخر پر درج ہے۔ مختصراً یہ کہ شام تک تجہیز و تکفین کے بعد جماعت کراچی نے فاروقی صاحب کی کوٹھی پر نماز جنازہ ادا کی۔ اور ۷ بجے شام کو جنازہ بذریعہ پاکستان میل لاہور

لے جایا گیا۔

آپ کی وفات کی خبر ۱۳ اکتوبر کی شام کو اور رات کو ریڈیو پاکستان کی خبروں میں نشر کی گئی۔ اور اسی دن آل انڈیا ریڈیو اور وائس آف امریکہ کے مشرقی پروگراموں میں بھی نشر ہوئی۔ کراچی سے پاکستان میل کی روانگی کے بعد قریباً ہر سٹیشن پر رات کو اور دن کو لوگ ریڈیو پر خبر سن کر گاڑی پر آتے رہے اور بہت سے احمدی اور غیر احمدی احباب اسی گاڑی پر سوار ہوتے گئے۔ اگلے دن شام کو گاڑی لاہور پہنچی جہاں سٹیشن پر احمدی و غیر احمدی لوگوں کے ایک ہجوم نے بچشم پُرنم جنازہ اتارا۔ اور اسے پہلے کچھ دیر کے لئے آپ کی کوٹھی واقع مسلم ٹاؤن میں لے جایا گیا۔ اس کے بعد احمدیہ بلڈنگس میں۔ اور مسجد احمدیہ بلڈنگس میں عین اُسی جگہ پر جہاں آپ نے سینتیس سال تک کھڑے ہو کر اپنے روحانیت سے بھرے ہوئے۔ اور اشاعت قرآن کے لئے درد اور تڑپ سے پُر خطبات جماعت کو سُنائے تھے۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا عزیز بخش صاحب نے پڑھائی۔ چونکہ آپ کی وفات کی خبر کو نشر ہوئے چوبیس گھنٹے گذر چکے تھے اس لئے لاہور کے علاوہ باہر کے شہروں کے کثیر احباب کو لاہور پہنچ کر نماز جنازہ میں شرکت کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد رات کے ۹½ بجے کے قریب میانی صاحب میں انجمن کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ اپنی قبر کے متعلق آپ نے تحریری وصیت فرمائی تھی کہ "میری مدت سے یہ خواہش رہی ہے کہ میری قبر ایسی جگہ ہو جہاں میں ان ساتھیوں کے جو مجھ سے پہلے اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں قدموں کی طرف لیٹا رہوں . . . " چنانچہ اسی کے مطابق آپ کی تدفین ہوئی۔

جماعت کے لئے وصیت

جب مولانا محمدؐ علی صاحب پر پہلی دفعہ دل کے درد کا شدید حملہ ہوا۔ تو آپ نے میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کو اپنے جنازہ کے متعلق کچھ وصیت فرمائی۔ اس کے بعد ۲۹ ستمبر کو جب آپ کی حالت بہت بگڑ چکی تھی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب اپنے مولیٰ سے ملنے والے ہیں تو فاروقی صاحب کو قریب بلا کر نہایت نحیف آواز سے آپ نے کچھ فرمایا۔ جس کو وہ پہلی دفعہ سُن نہ سکے اور ان کے پوچھنے پر اور اپنا کان آپ کے منہ کے قریب لے جانے پر حضرت کو یہ فرماتے سُنا:۔

"ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام کرے گا۔"

اس کے بعد آپ کی حالت بہتر ہو گئی۔ اور آپ لاہور تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے جو خطبات آپ نے جماعت سے کئے ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ یہ الفاظ بہرحال بطور آپ کی آخری وصیت کے ہیں کہ انہیں میں اس جماعت کی کامیابی کا راز ہے۔

مولانا محمدؐ علی صاحب کی وفات پر اخبارات کے تبصرے اور لوگوں کی آراء

مولوی محمدؐ علی صاحب کی وفات کا صدمہ محسوس کرنے والے ان کے خاندان اور جماعت کے لوگ ہی نہ تھے بلکہ دنیا کے کثیر ممالک میں اور ایسے

ایسے کونوں میں جہاں کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا - ان کے لئے آنسو بہانے والے لوگ تھے۔ اس کا کچھ اندازہ ان بے شمار خطوط سے ہو سکتا ہے جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے اعزاء و اقرباء اور جماعت کے بزرگان کے نام دنیا کے چاروں اطراف سے آئے۔ اور ان میں سے کئی ایک خطوط اخبار پیغام صلح کی اشاعتوں میں اکتوبر ۱۹۵۱ء سے لے کر جنوری ۱۹۵۲ء تک شائع ہوتے رہے۔ ان تمام خطوط کی اشاعت بجائے خود ایک علیحدہ کتاب کو چاہتی ہے۔ صرف مثال کے طور پر بعض اخبارات کے ریویو اور بعض غیر احمدی اکابر کے خطوط درج ذیل ہیں:-

روزنامہ ڈان کراچی :-

"مولانا محمد علی صاحب جن کا انتقال کراچی میں ہوا ہے — اُنہوں نے اس نصف صدی میں اسلامی افکار پر اتنا کام کیا ہے کہ شاید ہی کسی اور فرد نے کیا ہو۔ وہ علمی مسائل میں گھرے ہوئے محققانہ ذہن کے مالک مگر صرف کتابیاتی ہی نہ تھے۔ بلکہ ایک ایسے مبلغ تھے جنہوں نے اس ماحول میں دعوت بلند کی جب کہ ہندو پاکستان میں اسلام مغربی مشنریوں اور ہندوؤں کی احیائی تحریکات کے بے پناہ حملوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اُن جیسا علمی امتیازات کا مالک ہی یقیناً سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے مضبوط جذبہ کو فتح کر سکتا تھا جو اُن دنوں تعلیم کا مطمع نظر سمجھی جاتی تھی۔ اور اُنہوں نے تبلیغی زندگی اختیار کی۔ جس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کی وہ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ تھا۔ اپنے اس ترجمہ اور تفسیر کے پہلے ایڈیشن ۱۹۱۷ء کے بعد انہوں نے ایک لمبی عمر پائی۔ جس میں انہوں نے متعدد دیگر تصانیف کیں۔ جن میں محمد دی پرافٹ اور ریلیجن آف اسلام بہت اعلیٰ خیال کی جاتی ہیں..... مؤخر الذکر اسلامی معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ بہ حیثیت ایک مبلغ کے مولانا محمد علی صاحب نے یورپی طریق اشاعت کی تکنیک کا نہایت سود مندانہ مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اور ان کی بلند پایہ تصانیف میں اس بات کی جھلک صاف نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مخصوص قارئین کے ہر طبقہ سے الگ الگ کس طرح خطاب کریں۔ ان کے اندر ایک بے پناہ قوت کارتھی جس کو انہوں نے اپنے کام پر پورے طور سے لگایا۔ جوں جوں سال گذرنے لگے وہ اپنی جسمانی کمزوری کو اپنی قوت ارادی سے پورا کرتے رہے اور کام کرتے کرتے ہی فوت ہوئے۔ ان کی خاموشی اور تنہائی پسندی کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے۔ اور ان کی کتابیں اس بات کی ترجمان ہیں، کہ ان کی تحریرات ان کی اپنی ذات سے بہت زیادہ مشہور تھیں۔ یہ وفات یقیناً ایک بڑا نقصان ہے اور اس کا ماتم ان کے وسیع حلقۂ رفقاء اور مداحوں کو سہنا پڑے گا۔" (۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

صدق لکھنؤ :-

"مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعے جو خدمات اسلام کی انجام دیں۔ وہ اپنی جگہ پر بے مثل و بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اردو خوانوں کے بھی حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے۔ اور یورپ وامریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھا دی۔۔۔ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمت دین ہی کی نذر رکھا تھا۔۔۔۔" (۲۶ / اکتوبر ۱۹۵۱ء)

سٹار (انگریزی) لاہور :-

"موت نے انہیں ہمارے درمیان سے اُٹھا کر ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے۔ جس کا احساس ان تمام لوگوں کو مدتوں رہیگا جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔"

مسٹر عبداللہ بیٹرسن بی (ایک انگریز نومسلم)

"مولانا محمد علی صاحب کے دل میں وہ ابدی نور تھا اور اسلام کے لئے وہ درد اور تڑپ تھی جس نے ان کو وہ قوت عطا کی جو جسمانی کمزوریوں اور بڑھاپے کی عمر پر بھی غالب آچکی تھی۔۔۔۔۔۔ میری جب ان سے پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی تو میں اس انسان کی سادگی کو دیکھ کر حیران رہ گیا جس نے اسلام کے لئے اتنی عظیم الشان خدمت کی۔۔۔۔۔ اسلام کے لئے مغرب میں جو نئی زندگی کے آثار نظر آرہے ہیں وہ تمام تر اس عالم انسان کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ۔۔۔۔ اس عظیم الشان مقصد سے، جسے انہوں نے اپنے سامنے رکھا تھا، ان کو کوئی چیز ہلا نہ سکتی تھی۔ اور اسی کے لئے انہوں نے تمام عمر ایک یقین محکم کے ساتھ کام کیا حتیٰ کہ خدا نے اُنہیں اپنے پاس بلا لیا۔"

مولانا عبدالمجید صاحب سالک :-

"وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے مغرب کو بھی اسلام کا پیغام دیتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے اس پیغام کے پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ وہ صرف عالم دین نہ تھے بلکہ ایک عالی پایہ مفسر و مجتہد بھی تھے۔ اعلیٰ درجہ کے انگریزی دان تھے۔ اور مغربیوں کے ذہن کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسلام کو مغربی تعلیم یافتہ طبقوں اور خود مغربیوں تک ایسے رنگ میں پہنچایا کہ وہ بے اختیار اس مذہب کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ممالک مغرب کے صدہا طالبانِ حق مولانا محمد علی کے مقالات اور کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ اور یہ مولانا محمد علی کی ہی مساعی کی برکت ہے کہ آج ممالک مغرب میں اسلام کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ اسلام

کی بے لوث خدمت اور اس میں مدت العمر انہماک یقیناً مولانا محمد علی کی مغفرت کا باعث ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے مخلص خادموں کی سعی اور جدوجہد کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔"

(پیغام صلح ۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء)

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی:-

"مجھے تبلیغی تعلقات کے سبب اپنی عمر کی ابتداء سے آج تک مرحوم سے ملنا جلنا رہا۔ اور میں اُن کو اسلام کا بہت بڑا اور بہت کامیاب خدمت گذار مانتا ہوں۔"

(منادی۔ بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۱ء)

ملک عبدالقیوم صاحب۔ پرنسپل لاء کالج:-

"موت العالِم موت العالَم۔ ایک عالم متبحر کی موت گویا ایک دنیا کی موت ہے۔ اس کا صحیح اطلاق اگر کہیں ہوتا ہے تو وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کی وفات پر ہوتا ہے مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کی مسلسل کوششوں اور قربانیوں کی مثال پاکستان تو خیر زمانۂ حال میں براعظم ایشیا میں بھی مشکل سے مل سکے گی۔۔۔۔۔ ان کی ستر سالہ شبانہ روز سعی آج نہ صرف عنداللہ ماجور ہو چکی ہے بلکہ جو مقام آپ کو اسلامی تبلیغ کے میدان میں حاصل ہو چکا ہے وہ بجائے خود ایک فقید المثال کارنامہ ہے۔۔۔ مولانا مرحوم کا شمار تاریخ اسلام کے ان اکابر میں ہوتا ہے جو بلا مبالغہ ایک نئے عہد کے بانی قرار دیئے جا سکتے ہیں۔۔۔۔ آپ کا اخلاص، آپ کا اخلاق اور آپ کی دیانت، آپ کے پاکیزہ کردار پر بمنزلہ کندن تھا۔ آپ کا شمار ان مشاہیر اسلام میں سے ہے جو خدمتِ اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اسی جوئے میں جاں بحق ہوئے۔ آپ ہی ایسے بزرگ ہیں جن کے لئے قرآنی ارشاد ہوتا ہے۔ اولئک المقربون فی جنات النعیم۔

مسٹر اے۔ جے خلیل۔ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ میسور:-

"آپ اسلام کے حقیقی مجاہد تھے۔ جس نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھا دیا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔۔۔۔۔ دنیا نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ آپ اس صدی کے حقیقی مجاہدِ اعظم تھے۔۔۔۔۔ اس قسم کے انسان قیامت کے دن تک شاذ و نادر ہی پیدا ہونگے۔ اور مسلمان قوم اس جگہ کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی جو اس خادمِ اسلام نے خالی کی ہے۔"

بیگم صاحبہ میاں بشیر احمد صاحب۔ سفیر پاکستان متعینہ ترکی:-

"وحدت اور صداقت کے اس پیغام کو جسے تیرہ سو سال گذرے پیغمبرِ اسلام نے بنی نوع انسان کو سنایا تھا اُسے بیسویں صدی عیسوی میں مولانا محمد علی نے دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مذہب اسلام کا صحیح اور سچا نقطۂ نگاہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ ان کی شب و روز کی محنت اور جانفشانی سے قرآن کریم کا ایسا شاندار اعلیٰ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی سب ممالک میں بے حد قدر کی جا رہی ہے۔ مذہب اسلام پر آپ کی کتابیں کئی ممالک میں خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ترکی کے دو سال کے قیام میں یہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے کہ مولانا کی اسلامی خدمات کو ترک قوم دلی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ مولانا کے اسم گرامی سے ترکی قوم کا مذہبی طبقہ خوب واقف ہے۔ ریلجن آف اسلام کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔" (اقتباس از مکتوب)

مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی:-

"مرحوم کی خدمات اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے آج سے ۴۲ سال قبل جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد میں غرق تھا مرحوم کے انگریزی ترجمہ قرآن نے ہی دستگیری کی۔ ورنہ خدا معلوم کتنی اور مدت میں بھٹکتا رہتا۔ اور میری طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمعِ ہدایت ثابت ہوا ہوگا۔ پھر اردو تفسیر القرآن، فضل الباری، خلافتِ راشدہ، سیرتِ خیر البشر، اسلام دی ریلجن آف ہیومینٹی، مینوئل آف حدیث، ان کی تصانیف ایک سے بڑھ کر ایک مفید اور معرکتہ الآرا موجود ہیں۔۔۔۔۔" (اقتباس از مکتوب)

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتا۔ کراچی:-

"اسلام کے لئے آپ کی مساعی کے مسلم اور غیر مسلم دونوں معترف ہیں۔ اور یہ چیز ان کے علم و فضل کی ابدی یادگار رہیگی۔ ہم نے ان کی وفات سے ایک ایسا انسان کھو دیا جس کی نظیر پاکستان کے نام نہاد علماء میں کہیں نہیں ملتی۔" (اقتباس از مکتوب)

فیروز خان نون صاحب، گورنر مشرقی بنگال:-

"یہ ایک ایسا نقصان ہے، جس میں نہ صرف میں بلکہ تمام دنیائے اسلام آپ سے پوری شرکت کرے گی۔ حضرت مولانا کی تصانیف ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اور میں نہیں جانتا کہ اور کون ہے جس نے حضرت ممدوح کی طرح اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہو۔ گذشتہ پانچ سو سال میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی۔" (اقتباس از مکتوب)

"مذہب اسلام دنیا کے عربی نہ بولنے والے مسلمانوں کی موجودہ نسل کے لئے ایک سر بمہر کتاب کا حکم رکھتا تھا۔ مولانا مرحوم نے اپنے فاضلانہ ترجمہ قرآن کے ذریعے سے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے لئے بالخصوص اس مخفی خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس ترجمہ اور مولانا کی دوسری تصنیفات نے مسلمانوں کے مذہبی، تمدنی اور سیاسی احیاء میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا ہے اور اس کام کی وجہ سے آئندہ نسلیں ہمیشہ آپ کی احسانمند رہیں گی۔"

(پیغام برائے خاص نمبر پیغام صلح دسمبر ۱۹۵۱ء)

خانگی حالات ۔ سیرت ۔ اخلاق و عادات۔

خانگی حالات یہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا محمد علی صاحب کی پہلی شادی حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۹۰۱ء میں خود کروائی۔ اور نومبر ۱۹۰۸ء میں آپ کی اہلیہ وفات پاگئیں۔ ان کی وفات پر مولانا نے اپنی سات سالہ متاہل زندگی کے حالات جو اپنی قلم سے تحریر فرمائے، پہلے دیئے جا چکے ہیں اور آپ کی اہلیہ نے جس طریق پر آپ کی دین کی خاطر ہجرت میں آپ کا ساتھ دیا اس کا بھی ذکر آچکا ہے۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں حضرت مولانا نورالدینؓ کے ایماء سے آپ کی دوسری شادی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ۲۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو مولانا اپنے دو دوستوں کی مختصر بارات کے ساتھ بھیرہ گئے اور رخصتانہ کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس قادیان تشریف لے آئے۔ اس موقع پر آپ نے ایک خوبصورت ہفت رنگ قرآن مجید یعنی اپنی سب سے محبوب چیز اپنی اہلیہ کو تحفہ میں دی۔ اور یکم مئی ۱۹۴۶ء کو اس پر یہ عبارت اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائی:۔

"تحفۂ محبت، جو اپریل ۱۹۱۰ء کے آخری ایام میں شادی کے موقعہ پر میں نے زوجہ ام ہر النساء بیگم کو دیا۔ آج اس تعلق محبت کی چھتیسویں سالگرہ پر اس پر یہ یادداشت ثبت کی گئی۔ یہی عرصہ میری زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اپنے کلام پاک کی خدمت کا بہترین کام لیا اور زوجہ ام ہر النساء کی بے نفسی اور محبت کو اس کام کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خاکسار محمد علی۔ یکم مئی ۱۹۴۶ء۔"

پہلی شادی سے ایک لڑکی اور دوسری شادی سے چھ لڑکیاں اور دو لڑکے خدا تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے۔ دوسری اہلیہ سے آپ کی سب سے بڑی بچی عطیہ بیگم دس سال کی عمر میں جنوری ۱۹۲۲ء میں ایک لمبی بیماری کے بعد وفات پاگئی۔

حضرت مولانا کی زندگی میں ہی آپ کی سب لڑکیوں اور بڑے لڑکے کی شادیاں ہوگئیں۔ چھوٹے لڑکے حامد فاروق کو آپ نے ۱۹۴۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ولائیت بھیجا اور وہ وہیں پر تھے جبکہ آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے والد حافظ فتح الدین صاحب کا انتقال ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ آپ گاؤں تشریف لے گئے تو آپ کے بھائیوں نے کہا کہ آپ ہماری سرپرستی فرمائیں تو آپ نے قبول فرمایا۔ آپ نے خاندانی یکجہتی قائم رکھنے کی ایک مثال قائم کی یہاں تک کہ پندرہ سال تک تمام بھائیوں اور بہن کی زمینوں کا انتظام مشترک رہا۔ اور

آپ خود باوجود زمین کے ہوتے ہوئے بھی اس کی پیداوار میں شریک نہ بنے۔ بلکہ اپنے بھتیجوں کو پہلے قادیان میں اور پھر لاہور اپنے پاس رکھ کر تعلیم دلواتے رہے۔ اپنی ہمشیرہ کو زرعی جائداد میں شرعی حصّہ دلوایا۔ اس زمانے میں لڑکیوں کو جائداد میں حصّہ نہ دیا جاتا تھا۔ اپنے بڑے بھائی میاں امیرالدّین کی حافظ صاحب کی وفات کے بعد والد کی طرح عزت کرتے تھے۔ بعد میں اپنی مرآر کی زمینوں کا انتظام کلّی طور پر اپنے چھوٹے بھائی میاں احمد علی کے سپرد کر دیا اور کبھی ان سے حساب طلب نہ کیا۔ دو موقعوں پر جب کہ ڈلہوزی اور لاہور میں کوٹھیاں بنوائیں تو اپنی اراضی کا بہت سا حصّہ انہی کی معرفت فروخت کر دیا۔ (لاہور کی کوٹھی بنواتے وقت قادیان کی زمین بھی جو آپ نے اپنے لئے خریدی تھی، فروخت کر دی) ۱۹۴۵ء میں جب ایک قرضہ کی ادائیگی کی ضرورت پڑی تو مزید اراضی کی فروخت اُنہی کی معرفت کی اور بھی جب روپے کی ضرورت پڑتی تھی تو اس زمین کو بیچ بیچ کر پورا کرتے رہے۔ اور اسی کی آمد سے آپ نے لاہور کے مضافات میں کچھ قطعات اراضی لئے۔ جس کو بعد میں بیچ کر اپنی بہت سی ضروریات پوری کیں۔ بنیادی طور پر آپ ایک زمیندار خاندان کے فرد تھے اور زمینوں کے کام سے شوق اور دلچسپی رکھتے تھے۔ اور گو قادیان کے قیام میں آپ ایک نہایت قلیل تنخواہ انجمن سے لیتے تھے اور لاہور آنے کے بعد پہلے پانچ سال تک آپ کی آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی اور بعد میں حق تصنیف کی آمد بھی اتنی زیادہ نہ تھی کہ آپ کی تمام ضروریات پوری ہوتیں۔ مگر خدا تعالےٰ نے اسی میں وہ برکت عطا کی کہ آپ نے ایک نہایت باعزت طریق پر اپنی زندگی بسر کی اور دو کوٹھیاں بھی بنوائیں۔ اگرچہ بعض تنگدل لوگوں نے اس کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا۔ مالی معاملات میں آپ ہمیشہ بہت محتاط رہتے تھے اور ہمیشہ سادگی اور کفایت سے گذارا کیا۔ اپنے ذاتی اخراجات کا سب حساب کتاب لکھ کر رکھا کرتے تھے۔ اسی طرح انجمن کے مالی معالات کی بھی بڑی احتیاط سے نگرانی کرتے تھے۔ اور سب اخراجات اُن کی نظر میں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ حساب کتاب کے معاملے میں بعض وقت دفتر کی طرف سے کوئی غلطی ہو جاتی تھی۔ مگر آپ کی محتاط اور باریک بین نظر اس کو فوراً بھانپ لیتی تھی۔

گھریلو زندگی آپ ایک نہایت محبّت کرنے والے شوہر اور شفیق باپ تھے۔ ابتدا ہی سے گھریلو کاموں میں اور بچّوں کی پرورش میں اپنی اہلیہ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس ابتدائی زمانے میں بھی جب کہ آپ انگریزی ترجمہ قرآن کے لئے ایک معرکتہ الآراء ریسرچ کر رہے تھے اور عربی اور انگریزی کی متعدّد دقیق اور ضخیم تفاسیر۔ لغات اور دیگر کتب زیرِ مطالعہ تھیں۔ سلسلے کے کام جدا تھے تو اکثر راتوں کو بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے، مگر باوجود اس قدر مصروفیت اور انہماک کے گھریلو کاموں میں اپنی اہلیہ کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ پچھلی رات کو نماز تہجّد میں مصروف ہیں کہ کسی بچّے کے رونے کی آواز سنی تو سلام پھیر کر

آ گئے اور بچے کے لئے دودھ گرم کر دیا ـــــ یا کوئی اور کام کر دیا اور پھر جا کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنی بیوی نے لئے گھریلو محبت اور آسائش مہیا کر دینے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف کما حقہٗ توجہ دی۔ وہ کم سنی میں آپ کے گھر آئیں اور والدین کے ہاں تعلیم مکمل کرنے کا موقع نہ ملا۔ آپ نے ان کو قرآن کریم کا ترجمہ اور احادیث نبوی پڑھانی شروع کر دی۔ اور اس کی پابندی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ کے دل میں عورت اور بالخصوص بیوی کی کس قدر عزت تھی۔ اس کا اندازہ آپ کے ہر فعل سے ہوتا تھا۔ آپ کی زوجہ بچوں کی مصروفیت کی وجہ سے اپنی پڑھائی کی طرف پوری توجہ نہ دے سکتیں تو کسی قدر زِچ ہو جاتے مگر زیادہ سے زیادہ اتنا فرماتے۔ "بھئی اپنی بیوی کو سبق پڑھانا بہت مشکل ہے۔ سبق یاد نہ کریں تو مار بھی نہیں سکتے" آپ اپنی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی سب سے اعلیٰ حسن سلوک کی وجہ سے "خیرکم خیرکم لاھلہٖ" کے کامل مظہر تھے۔

اپنے کام ہمیشہ اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند کرتے تھے۔ بلکہ دوسروں کے کام بھی کر دیتے تھے۔ خانہ داری کے انتظام میں حد درجہ کے معاون تھے اور معمولی سے معمولی کام بھی اپنے ہاتھ سے کرنا معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ کبھی سفر در پیش ہوتا تو گھر بھر کے لئے سامان کا بند کرنا اور کھولنا آپ خود کرتے۔ کوئی کام کرنے والا موجود بھی ہو۔ تب بھی آپ اپنی محنتی اور سلجھی ہوئی طبیعت سے مجبور تھے کہ کام کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ مقدور بھر نوکر کو بھی تکلیف نہ دیتے۔

کھانا جو کچھ پکا ہوا ملے کھا لیتے تھے۔ ایک وقت میں ایک قسم کا سالن یا دال نوش فرماتے۔ پُر تکلف و مرغن کھانے قطعاً پسند نہ تھے۔ اور مقدار میں بھی کم کھاتے تھے۔ کچھ پھل کھانا ضروری سمجھتے تھے اور پھلدار درخت اور سبزیاں لگانے کا ہمیشہ شوق رہا۔ جہاں کہیں آپ نے اپنی رہائش کے لئے جگہ بنوائی وہاں باغ ضرور لگوایا۔ اور یہی آپ کا ایک تفریحی مشغلہ تھا کہ اپنی گوناگوں مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر باغ کی دیکھ بھال پر بھی صرف کرتے۔ پہلے ڈلہوزی میں کوٹھی بنوائی تو سیب اور دوسرے پھلوں کے پودے باہر سے خاص طور پر منگوا کر لگوائے اور یہ کوٹھی اپنے پھلوں کے باغ کی وجہ سے ڈلہوزی بھر میں مشہور تھی۔ اسی طرح لاہور میں بھی مختصر پیمانہ پر باغ لگوایا۔

لباس میں نہایت سادگی مگر صفائی کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔ سفید رنگ پسند تھا اور ہمیشہ سفید لباس پہننا۔ عموماً معمولی سفید کپڑے کا کرتہ اور کھڑا پاجامہ پہنے رہتے تھے اور موسم کے مطابق کوٹ یا اچکن۔ سر پر رومی ٹوپی یا پگڑی ہوتی تھی۔ اور اسی سادہ لباس میں آپ کی شخصیت کا وہ اثر ہوتا جو کسی کو کم نصیب ہوتا ہے پاکیزگی کا یہ اہتمام تھا کہ تراجم قرآن کے زمانے میں تمام دن باوضو رہتے تھے۔

بیمار کی تیمارداری میں خدا نے آپ کو خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ اور کوئی چھوٹا بڑا حتیٰ کہ نوکر بھی بیمار ہو تو اس پر خاص توجہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ بیمار تھیں۔ رات کو کھانسی بہت ہوتی تھی اس لئے ایک علیحدہ کوٹھڑی میں پلنگ بچھا کر سو رہے کہ آپ کی نیند خراب نہ ہو کیونکہ آپ پچھلے پہر تہجد کے لئے اٹھتے تھے اور کم وقت آرام کے لئے ملتا تھا۔ رات کو ان کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ کوٹھڑی میں جو تھوڑی سی جگہ تھی وہاں فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کے جاگتے ہی خود بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے کیسی طبیعت ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں سوئے تو فرمایا کہ اس لئے کہ رات کو آپ کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو تکلیف نہ ہو۔

آپ کی بچی عطیہ ایک لمبی بیماری کے بعد دس سال کی عمر میں وفات پا گئی۔ آپ نے نہایت جانفشانی سے اس کی تیمارداری کی۔ دفتر سے اٹھ اٹھ کر آتے اور دوا پلاتے۔ غذا دیتے اور ٹمپریچر لیتے اور پھر پاس بیٹھتے اور خاطر اور دلجوئی کرتے۔ بیماری کے آخری ایام میں تو یہ حالت تھی کہ دن کو بدستور کام کرتے اور رات قریباً جاگتے جاگتے گذرتی۔ بیمار بچی کا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے اور رات کو اہلیہ کو جاگنے نہ دیتے کہ وہ دوسرے بچوں کے پاس رہیں۔ پھر بھی کسی نے آپ کو بے صبر ہوتے یا جھنجھلاتے نہ دیکھا۔ وہی مسکرانا۔ بچوں اور گھر والوں سے ہنس کر بات کرنا۔ اور خوش مزاجی سے کام کرنا۔

آخر عمر میں جب کثرت کار کی وجہ سے آپ کی مضبوط صحت بھی اثر پذیر ہونے سے نہ بچ سکی اور عموماً سال میں ایک دو بار کچھ تکلیف ہو جاتی تھی تو اپنے ایام علالت میں بھی دوسروں کی تکلیف کا ہر وقت خیال رہتا اور منع کرتے کرتے بھی اپنے کام اکثر خود اٹھ کر کر لیتے تھے۔ وفات سے ایک سال پہلے جب دل کی تکلیف کی وجہ سے لمبا عرصہ صاحب فراش تھے اور ہلنے جلنے کی ممانعت تھی تو اپنی اہلیہ کو کہا کرتے کہ آپ کو میری وجہ سے بہت تکلیف ہے۔ ایک دفعہ جب ۶ر اپریل ۱۹۵۱ء کو لاہور میں اسی بیماری کا حملہ شام کو ہوا تو ڈاکٹر نے کہا کہ اس وقت ان کو ہسپتال لے جانے کے لئے ہلانا مناسب نہیں۔ لیکن فوراً آکسیجن دینی ضروری ہے۔ چنانچہ اسی وقت آکسیجن کا سلنڈر مہیا کیا گیا۔ لیکن صحیح انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ایک آدمی کو ہر وقت آکسیجن کی نلکی آپ کے چہرے کے پاس رکھ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ رات کے وقت فرمانے لگے کہ اس کو بند کر دو۔ رات کو آپ لوگوں کو جاگنا پڑیگا۔ اور بڑی مشکل سے اس بات پر راضی ہوئے کہ باری باری سے ایک آدمی دو گھنٹے کے لئے بیٹھے۔ حالاں کہ گھر کا ہر فرد بشر آپ کا والہ و شیدا تھا۔ اور آپ کی خدمت کرنا عین راحت سمجھتا تھا۔ لیکن آپ کو دوسروں کی تکلیف کا ہر وقت خیال رہا۔

اخلاق و عادات آپ کو خدا تعالیٰ نے نہ صرف ظاہری حسن و جمال عطا فرمایا تھا بلکہ اس سے بہت بڑھ

چڑھ کر باطنی حسن و جمال سے مزین اور آراستہ کیا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ جن کی ظاہری آنکھ کے بارے میں بھی وعدۂ الٰہی تھا کہ کبھی کمزور نہ ہوگی اور جن کی باطنی آنکھ کی قوت کا اندازہ ہم لوگ کیا لگا سکتے ہیں۔ وہ بھی یہ لکھ کر چھوڑ گئے کہ انہوں نے ظاہری اور باطنی دونوں آنکھوں سے اپنے اس روحانی فرزند و شاگرد رشید کو دیکھا اور اس میں ہر لحاظ سے خوبیاں پائیں۔ بلکہ بعض باتوں میں قابل رشک پایا۔ اور پیشگوئی کی کہ آپ خدا کی راہ میں بہت ترقی کریں گے اور اس کا ضامن اپنی مومنانہ فراست کو ٹھہرایا۔ آپ کے قریبی، عزیز و رشتہ دار، اور وہ لوگ جن کو آپ سے قریب سے واسطہ پڑا ہے اس بات کے گواہ ہیں۔ (اور ان میں سے کئی ایک بڑی آزادی رائے اور تنقید سے آپ کو دیکھنے والے تھے) ان سب کے دل پر آپ کی نیکی، اعلیٰ اخلاق اور خوبیوں کا ایک گہرا اثر تھا اور آپ کی انتہائی عزت و قدر دلوں میں تھی اور سب آپ کے شیدائی تھے۔

آپ کی طبیعت ایسی تھی کہ ہر کام میں اعتدال کو مدنظر رکھتے تھے۔ افراط اور تفریط سے نفرت تھی۔ اور اسی طرح نمود اور نمائش سے سخت نفرت تھی۔ مزاج میں انتہا درجہ کی سادگی تھی اور غرور اور تکبر تو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اونچے طرہ کی پگڑی باندھنا یا مجلس میں کسی خاص مقام پر بیٹھنا بھی پسند نہ تھا۔ لباس انتہائی سادہ ہوتا تھا۔ تیز چلنے کی عادت تھی مگر کبھی اکڑ کر نہ چلے۔ حلیمی اور بردباری آپ کی طبیعت میں رچی ہوئی تھی۔ کبھی کسی پر رعب نہ جتایا۔ ان کے حسن سلوک کی وجہ سے سب ان کی خوشنودی اور آرام کے خواہاں رہتے تھے۔ گھر میں نوکروں اور بچوں تک سب کے لئے ان کا وجود نہایت مقدس اور محبوب تھا۔ اور ہر ایک ان کی شفقت اور محبت پر اعتماد رکھتا تھا۔

چونکہ آپ کی زندگی ہر قسم کے تصنع اور تملق سے پاک تھی اس لئے بعض سطحی خیال رکھنے والوں کو اور خصوصاً ایسے لوگوں کو جو تکلف پسند کرتے ہوں اور تملق کی باتوں سے خوش ہونے کے عادی ہوں آپ کی طبیعت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کا امکان ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ کی طبیعت میں جو سادگی اور استغناء تھا وہ عموماً دیکھنے والوں کو پہلی نظر میں متاثر کر لیا کرتا تھا۔ باہر سے بڑے بڑے لوگ آتے تو اسی سیدھے سادے لباس میں ان سے ملاقات کرتے۔ کوئی صاحب درخواست کرتے کہ میں آپ کی تصویر اتارنا چاہتا ہوں تو اسی طرح بیٹھے بیٹھے کہتے کہ لیجئے اتار لیجئے۔ یہ فکر نہ ہوتی کہ کوٹ پہن لوں یا سر پر پگڑی رکھ لوں یا کوئی خاص پوز بنا کر تصویر اترواؤں۔ ان سب امور سے بے نیاز تھے۔

تصنیف و تالیف میں انہماک کے باوجود ملاقاتیوں کی بے وقت آمد پر ناک بھوں نہیں چڑھاتے تھے۔ ہمارے ہاں وقت مقرر کر کے ملنے یا قبل از وقت اطلاع دے کر آنے کا رواج کم ہے۔ جب چاہا ملنے والے

گھر جا پہنچے۔ اور جو شخص تصنیف میں منہمک ہو اس کے اوقات میں ذرا سا خلل بھی سلسلۂ مضامین کو توڑ دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ لیکن آپ کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور آپ سب کو اسی خندہ پیشانی اور اخلاق سے ملتے اور ان کی باتیں سنتے اور ان کے کام کرتے۔

آپ ایک زاہد خشک نہ تھے۔ دن رات کی عبادت، ریاضت اور دماغی محنت اور طبیعت پر بڑے بڑے بوجھوں اور تکالیف کے باوجود بھی آپ طبیعت کے بہت شگفتہ اور خوش مزاج تھے۔ شروع میں تو بہت ہی پر مذاق تھے۔ مہذب لطیفے کہنے اور پاکیزہ مذاق کرنے کی عادت تھی۔ بعد میں آ کر یہ رنگ کچھ کم ہو گیا مگر خوش مذاقی اور بشاشت آخر دم تک رہی۔ آپ کی طبیعت کی شگفتگی اور سنجیدہ اور پر لطف مذاق کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا۔ جب آپ دوستوں کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے۔ عموماً نماز باجماعت سے پہلے اور بعد حاضرین سے بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ بعض احباب کے ساتھ تو خاص طور پر دلچسپ گفتگو فرماتے۔ خصوصاً اپنے دوستوں کی اولاد کے ساتھ نہایت شفقت اور خوش دلی سے مخاطب ہوتے۔ ان کی آپس میں گفتگو سن کر اپنے احباب کی اولاد کے ساتھ آپ کی محبت کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہوتا تھا۔

طبیعت کا یہ رنگ اس قدر غالب تھا کہ لمبی بیماریوں میں بھی آپ کے تیماردار گواہ ہیں کہ طبیعت میں چڑچڑا پن کبھی نہ آیا۔ بلکہ اپنے ملنے والوں سے اکثر پر لطف اور برجستہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور میں اپریل ۱۹۵۱ء میں جبکہ بیماری کے حملے کے بعد حالت کافی کمزور تھی تو کرنل ڈاکٹر بشیر حسین صاحب (خلف ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم) تشریف لائے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ اب تو نبض بہت اچھی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا۔ "نبض تو تمہیں ملی ہی نہیں۔ ایسے ہی کہہ دیا۔" کرنل صاحب (جو ڈاکٹر ہیں) اپنی ڈاکٹری پر اس برجستہ چوٹ سے اس قدر محظوظ ہوئے کہ بے اختیار ہو کر ہنستے ہوئے آپ کے ہاتھ چوم لئے۔

مہمان نوازی کا اللہ تعالےٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مہمان کی تواضع میں ہمیشہ بذات خود حصہ لیتے اور ان کے آرام کا خیال رکھتے۔ اہلیہ اگر مصروف ہوتیں تو خود مہمانوں کے لئے بستر وغیرہ بچھواتے اور ان کے کھانے پینے کا پوچھتے۔ اور باوجود اپنی اور مصروفیات کے مہمان کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورتوں کا بھی خیال آپ کو رہتا اور یہ سلوک ہر ایک سے خواہ وہ امیر ہو یا غریب یکساں تھا۔ نوکر کی عدم موجودگی میں مہمان کے لئے خود ہی کھانا اٹھا کر باہر لے جاتے اور پانی وغیرہ دیتے۔ آپ کی زوجہ محترمہ فرمایا کرتی ہیں کہ کئی بار ایسا ہوا کہ کھانا کم ہے اور عین وقت پر مہمان آ گئے تو آپ نے سب کھانا باہر بھجوا دیا اور خود اندر بیٹھ کر چٹنی سے روٹی کھا لی۔

آپ کو پیدل چلنے کی بہت عادت تھی۔ اور لمبی سیر کرنے کی عادت تھی۔ اور لمبی سیر کرنے کی عادت زندگی کے آخر سالوں تک قائم رہی صبح کی سیر اور پہاڑ پر شام کے وقت بھی اڑھائی تین میل کی سیر کرنا آپ

کی زندگی کا ایک جزو تھا اور آپ کی جسمانی صحت کا راز سیر میں اتنے تیز چلتے تھے کہ اکثر جوان آدمی کو ان کے ساتھ قدم بقدم چلنا دشوار ہو جاتا۔ بعد میں اگرچہ جب بیماریوں سے قویٰ زیادہ کمزور ہو گئے تو چلنے کی رفتار آہستہ کر دی تھی۔ اوائل زندگی میں ضرورت پڑنے پر پچیس پچیس تیس تیس میل تک پیدل چلے جاتے تھے۔ بٹالہ سے قادیان جاتے ہوئے کبھی رات کو یکہ نہ ملتا تو دس بارہ میل اسی وقت پیدل چل لینا آپ کے لئے معمولی بات تھی۔

حیثیت باپ آپ کو بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور تربیت کا ازحد خیال تھا۔ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ مگر ان کی دینی تعلیم اور تربیت میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ساتھ خود بھی باقاعدہ حصّہ لیتے تھے۔ اپنے بچوں کو اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی لڑکیوں کو جو کم عمر تھیں خود عربی پڑھاتے تھے۔ اور قرآن کریم کا درس دیتے تھے۔ بہت چھوٹے بچوں کو کہانیوں کی صورت میں نبیوں کے حالات اور آنحضرت صلعم کی زندگی کے واقعات کھانے کے وقت سناتے تھے۔ بچوں کو سات سال کی عمر کے بعد ہمیشہ نماز کی عادت ڈالنے کی تلقین کرتے۔ پہاڑ پر گھر میں ہی نماز باجماعت ہوا کرتی تھی۔ جس میں بچوں کو شامل کرتے اور لاہور میں مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے بچوں کو تلقین کرتے۔

آپ چھوٹے بچوں کے ساتھ بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی حرکتوں پر خوش ہوتے اور ان سے پر مذاق باتیں کیا کرتے تھے۔ احمدیہ بلڈنگس میں جب رہائش رکھتے تھے تو آپ کے بچے چھوٹی عمر کے تھے۔ خاندان کے گھریلو افراد اکثر ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے اور ان کے ہمراہ بچے بھی ہوتے۔ یہ سب بچے کھیلتے کھیلتے بلاتکلف آپ کے دفتر میں چلے جاتے۔ آپ اپنے لکھنے کی میز پر جھکے ہوئے ہوتے۔ آہٹ سن کر سر اٹھا کر عینک کے شیشوں کے اوپر سے بچوں کو دیکھتے اور مسکرا کر ان سے باتیں کرتے۔ اور پوچھتے کہ کیا چاہیئے۔ بچے کبھی کوئی سادہ کاغذ یا سیاہی مانگتے یا ردّی کی ٹوکری میں سے لفافوں پر سے ٹکٹ اتارنا چاہتے۔ تو آپ خود اٹھ کر مطلوبہ چیزیں ان کو دیتے۔ کبھی ان کو نہ جھڑکتے کہ اس طرح میرے کام میں مخل نہ ہوا کرو۔ نہ کبھی کسی نوکر یا بچوں کی ماؤں کو کہا کہ بچوں کو نہ آنے دیا کرو۔

غرضیکہ آپ کے بچوں میں سے کبھی کسی نے یہ محسوس نہ کیا کہ ان کے اباجی اپنی معرکۃ الآراء تصانیف اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے کوئی غیر معمولی ہستی ہیں۔ ہر تکلیف اور خوشی میں ان کو ہمدرد اور شریک پایا۔ کھیل کود اور تعلیم و تربیّت میں اس طرح دلچسپی لیتے کہ حیرانی ہوتی ہے کہ کیا ہی وہ ہستی تھی جس کے دماغ اور قلم سے علوم اسلامی کا ایک بیش بہا دریا بہہ رہا تھا۔

پہاڑ پر آپ کے قیام کے دوران کبھی اہل بیت سیر کے لئے دور چلے جاتے۔ اور شام کا اندھیر

ہونے لگتا تو آپ کا بھیجا ہُوا آدمی روشنی لئے آملتا۔ کبھی بارش آجاتی تو کوئی نہ کوئی آدمی چھتریاں لے کر آرہا ہوتا۔ کہ بادل گھرتے دیکھ کر ہی آپ نے خود روانہ کر دیا تھا۔ پہاڑ پر خاندان کے بچّوں کے اصرار پر دن بھر کے لئے پک نک کرنے باہر تشریف لے جاتے اور شوق سے اس میں شامل ہوتے۔ لمبا سفر ہو تو گھوڑے اور سواری کا انتظام خود کرواتے۔ مگر اپنا کچھ نہ کچھ کام ساتھ لے جاتے۔ کچھ دیر سب کے ساتھ ہنسی اور بات چیت میں صرف کرتے۔ پھر اپنا کام لے کر علیحدہ بیٹھ جاتے۔ نماز کا وقت آتا تو کسی نوجوان یا بچے سے اذان دلواتے اور چھوٹے بڑے سب آپ کی امامت میں نماز ادا کرتے۔

بحیثیت بزرگ خاندان آپ ایک بڑے وسیع خاندان کے ایک فرد تھے۔ آپ کے اور آپ کی اہلیہ کے بہن بھائی اور دیگر عزیز و اقارب قریباً سب احمدی ہیں۔ آپ کا سب سے ایسا سلوک تھا کہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ مجھ سے محبّت ہے۔ امیر و غریب سب سے یکساں تعلق تھا۔ اور خاندان کے تمام افراد آپ پر فدا تھے۔ دور و نزدیک سب رشتہ داروں کو آپ سے محبّت تھی اور سب آپ کی نیکی اور حسنِ اخلاق کے قائل تھے۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ آپ کو ناراض ہو کر بے صبر ہوتے یا چیختے چلاتے یا کوئی بے جا بات کہتے سُنا گیا ہو۔ غرضکہ ایک نہایت سادہ لباس اور سادہ طبیعت، پاکیزہ اطوار انکساری و خاکساری سے معمور مسکراتی ہوئی شفیق ہستی تھی جس کا سایہ تمام خاندان پر تھا۔ اور ایک ایسے نگہبان کی نگہداشت میں یہ لوگ رہتے تھے کہ سب کی فکریں اُس کے کندھوں پر تھیں جس کو ذرا تکلیف ہوتی اور دکھ پہنچتا وہ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں پہنچتا۔ اور آپ ہمیشہ ہنس کر دوسروں کے فکر اٹھاتے۔ کبھی یہ نہ کہا کہ میں تو خدا کے دین کے غم میں دن رات ڈوبا ہُوا ہُوں۔ تم لوگ اس دنیا کے بوجھ اور اپنے ذاتی فکر تو مجھ سے دُور رکھا کرو۔ سب آپ کی استجابت دعا کے قائل تھے۔ اور ہمیشہ پریشانیوں میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ دعا بھی کرتے اور حتی الوسع مدد بھی۔ لیکن آپ کی ہستی ہی ایسی تھی کہ آپ کی شفقت اور توجّہ سے غموں کے بوجھ ہلکے ہو جاتے تھے۔ اپنے غموں کو تو نہ معلوم دل کی کن گہرائیوں میں چھپا رکھتے تھے کہ کبھی ان کو جتا کر دوسروں کو تکلیف نہ دی۔

صلہ رحمی اپنی پہلی بیوی کی ایک دُور کی رشتہ دار مستحق خاتون کو تا عمر ماہوار امداد دیتے رہے۔ اسی طرح دوسری زوجہ کے خاندان سے بھی کمال محبّت اور یگانگت کے تعلّقات تھے۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سے آپ کی گہری شیفتگی محتاجِ بیان نہیں جسمانی رشتے کے ساتھ دینی ہمخیالی نے یہ تعلق اور بھی عزیز تر کر دیا تھا۔ اپنے برادرِ نسبتی میاں نصیر احمد فاروقی سے بوجہ ان کی نیکی اور اشاعتِ اسلام کے لئے تڑپ کے بے حد انس رکھتے تھے اور اپنے بچّوں کی طرح چاہتے تھے۔

بحیثیت بزرگ جماعت آپ کی شفقت اور محبت اپنے رشتہ داروں پر ہی ختم نہ تھی۔ بلکہ افرادِ جماعت کو بھی آپ اپنے بھائیوں اور بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ ان کی خوشی سے خوش اور تکلیف سے مغموم ہوتے تھے۔ امیر و غریب ہر ایک کی اُن کے دل میں عزت اور قدر تھی۔ مگر اس شخص کے لئے سب سے بڑھ کر قدر تھی جو آپ کی طرح اشاعتِ اسلام کا درد رکھتا ہو اور اس کے لئے قربانیاں کرتا ہو۔ سامانہ (ریاست پٹیالہ) کے ایک احمدی چوہدری رحیم بخش ہیں۔ بہت نیک مگر بہت غریب، محنت مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ مگر قربانی کا یہ عالم کہ آمدنی کا ایک چوتھائی ماہوار چندے میں دیتے اور ہر تحریک میں استطاعت کے مطابق بڑھ کر حصہ لیتے۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر آپ نے کوئی اپیل کی تو اُنہوں نے حسبِ معمول اپنی تمام غریبانہ جمع پونجی حاضر کر دی۔ ان کا نام لیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "میں جب بھی اس شخص سے ملتا ہوں تو زور سے بھینچ کر گلے لگاتا ہوں کہ شاید اس کی رُوحانیت کا کچھ اثر مجھ میں بھی آ جائے۔"

اسی طرح اپنے خطبات اور تحریرات میں اکثر ان لوگوں کا ذکر کرتے جو خاموشی اور منکسر المزاجی سے صرف خدا کے لئے اس کے دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اور جن کو کسی عہدہ یا بڑائی کی تلاش نہ تھی۔ اس جماعت کے اکثر احباب گواہ ہیں کہ ان کی تھوڑی تھوڑی کوششوں پر کتنی قدر اور ہمت افزائی کرتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کی اپنی طبیعت سیدھی، پُرخلوص اور منکسر المزاج تھی۔ اس لئے بڑائی چاہنے والوں یا اپنی بڑائی کی خاطر کام کرنے والوں کو آپ سے شکایت کے مواقع میسر آ جاتے تھے۔

غرضکہ نیکی اور قربانی کے دلدادہ تھے۔ اور جو اس راہ میں ترقی کرتا اس کی بڑی قدر کرتے۔ چونکہ ظاہرداری یا نمود کی عادت نہ تھی اس لئے بچوں یا نوجوانوں کو بھینچ بھینچ کر گلے لگانا یا دیگر ایسی حرکات کے عادی نہ تھے۔ ان کی طبیعت کی طرح ان کی محبت بھی متین تھی۔ اور اس کے اظہار میں چھچھورپن نہ تھا۔ البتہ دعائے نیم شبی میں سب کو یاد رکھتے تھے۔ اور ایک دوسرا پہلو آپ کی جماعت سے محبت کا یہ بھی تھا کہ حاجتمندوں اور غریبوں کی مدد اور جائز سفارش کرنے میں ذرہ بھر بھی کمی نہ کرتے۔ ان کی شخصیت کے اثر کے علاوہ ان کے سفارشی خطوط میں اس قدر سچی ہمدردی اور گہری دلچسپی کا رنگ ہوتا کہ صاحبِ غرض کا کام اکثر بن جاتا۔

غرضکہ آپ جماعت کے لئے بیک وقت ایک روحانی پیشوا اور دنیاوی امور میں ایک ہمدرد لیڈر تھے اور یہی وجہ تھی کہ جماعت کے افراد (الا ماشاء اللہ) آپ پر فدا تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی کمی کو ہمیشہ محسوس کرتے ہیں۔

ایک سب سے بڑی خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ آپ کی زبان سے کبھی کسی کی برائی یا غیبت نہیں سُنی گئی۔ بعض ایسے افراد تھے جن سے مدتوں آپ کو سخت تکلیف اور ایذاء پہنچی۔ لیکن آپ کے قریبی بزرگان اور احباب نے یہ بار بار گواہی دی ہے کہ انہوں نے کبھی ایسے لوگوں کی برائی یا غیبت آپ سے نہیں سنی۔ بلکہ اس قسم کا ذکر بھی کبھی نہ کرتے تھے۔ اور اگر دوسرا کوئی ذکر کرے کہ فلاں صاحب نے اچھا نہیں کیا تو ہنس کر ٹال دیتے تھے۔ کبھی کسی سے بہت تکلیف پہنچی تو صرف اتنا فرمایا کہ "خدا جانے میری شامتِ اعمال کب ختم ہوگی۔" یا ایک صاحب کی طرف سے مسلسل اس قسم کی باتیں ہوئیں تو اتنا کہا کہ "ان صاحب نے بھی عجیب طبیعت پائی ہے۔" ایک بزرگ سے آپ کو بہت حسنِ ظن تھا۔ جب بار بار انہوں نے ایسے خطوط لکھے جن سے خدا جانے آپ کے دل کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی تو اتنا فرمایا کہ "خدا جانے یہ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔"

اسی طرح انجمن کے ممبروں کی میٹنگ ہوتی تھی۔ وہاں مکمل آزادیٔ رائے تھی اور بعض احباب جوش میں نامناسب باتیں بھی کہہ جاتے تھے۔ اور چند ایک افراد آپ کے اوپر بے حقیقت اعتراضات بھی کرتے تھے مگر آپ کا یہ کمال تھا کہ علیحدہ خواہ کچھ کرتے آئے ہوں۔ تکلیف دہ سے تکلیف دہ بات سُن کر یا پڑھ کر آئے ہوں مگر دوسروں کے سامنے نہ صرف اس کا ذکر نہ کرتے تھے بلکہ اس طرح ہو جاتے تھے گویا کوئی تکلیف یا دکھ انہیں پہنچا ہی نہیں۔ گھر میں آتے تو وہی ہنسنا بولنا۔ مستورات اور بچوں کی باتوں میں دلچسپی لینی گویا اس سے بڑھ کر عمدہ بات کوئی نہیں۔ یہ وہ اعلیٰ اخلاق ہیں جن پر ساری عمر قائم رہنا اہل اللہ کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

وقت کی پابندی

اکثر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات اور تصنیف کے کاموں میں انہماک کے ساتھ ساتھ تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو بطریقِ احسن ادا کرنے کے لئے کس طرح وقت نکال لیتے تھے۔ اور دفتری اور انتظامی ذمہ داریوں اور الجھنوں کے باوجود آپ نے تصانیف کا اس قدر گرانقدر ذخیرہ کیسے چھوڑا۔ اس کا راز آپ کی وقت کی پابندی اور بے پناہ قوتِ کار میں تھا۔ پابندیٔ اوقات کا یہ عالم تھا کہ دن رات کا ایک منٹ بھی کبھی فضول ضائع نہ کیا۔ ان کے سب کام اپنے وقت پر ہوتے تھے، بہت کم سونے کی عادت تھی۔ تہجد کے لئے دو اڑھائی بجے رات کو اُٹھ بیٹھتے۔ عموماً روزانہ غسل فرماتے — علی الصبح نمازِ فجر کے بعد لمبی سیر کرتے۔ واپس آکر ناشتہ کرتے اور تھوڑا عرصہ اخبار دیکھنے کے بعد جو دفتر میں کام پر بیٹھتے تو ظہر کی اذان تک اس میں مصروف رہتے۔ آخر عمر میں صبح سیر کے بعد اور ناشتہ کر کے پندرہ بیس منٹ کے لئے استراحت فرمایا کرتے تھے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر نماز کے لئے مسجد چلے

جاتے اور اس کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام فرماتے۔ عموماً ساڑھے تین بجے تک اُٹھ کر پھر دفتر چلے جاتے اور نمازِ عصر کے ساتھ چاء کی ایک پیالی پی لیتے۔ ڈلہوزی میں دو اڑھائی میل کی سیر شام کو بھی کرتے۔ لاہور میں صرف صبح تشریف لے جایا کرتے تھے۔ عموماً ملاقاتی احباب شام کو آجاتے تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد اندر بچوں میں بیٹھتے اور رات کا کھانا جلد کھا لیتے۔ نمازِ عشاء کے بعد جلد سو جانے کی عادت تھی لیکن جب کوئی اہم تصنیف یا ضروری کام درپیش ہوتا تو راتوں کو بھی کام کیا کرتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کے وقت میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ تمام کام بطریق احسن ادا ہو جاتا تھا۔

لاہور میں جب ۱۹۳۰ئہ تک درس قرآن دیا کرتے تھے تو نمازِ عصر اور نمازِ مغرب کے بعد اس میں مصروف رہتے۔ ڈلہوزی میں تیسرے پہر بچوں کو عربی اور قرآن کریم پڑھانے پر کچھ وقت روزانہ صرف کیا کرتے تھے۔

قوتِ کار پابندیٔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی دوسری خصوصیت ایک زبردست قوتِ کار تھی۔ آپ کے ساتھ جن لوگوں نے کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ میں کام کرنے کی قوت کس قدر تھی۔ نوجوان تھک جاتے تھے مگر آپ تھکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ جس کی بڑی وجہ تو یہ تھی کہ آپ کو اپنے کام سے عشق تھا۔ اور اس کو پوری محویت اور استغراق سے کرنے میں آپ کو لذت محسوس ہوتی تھی۔ عموماً اوقات کی پابندی کے ساتھ کام کرتے تھے۔ مگر جب کوئی اہم تصنیف درپیش ہوتی تو بعض اوقات اس شدت اور استغراق سے کام کرتے کہ صحت کی بھی پرواہ نہ رہتی۔ ایک موقع پر جب انگریزی ترجمہ قرآن پہلے تیار فرما رہے تھے تو ایبٹ آباد میں نمازِ فجر کے بعد جو میز پر بیٹھتے تو ظہر ہو جاتی۔ ایک دفعہ ظہر کے وقت جو اُٹھے تو دروازہ میں غش کھا کر گر پڑے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ سب نے آپ سے کہا کہ اس قدر کام آپ نہ کریں کہ زندگی ہی خطرے میں پڑ جائے۔ مگر آپ نے ایسے مشوروں پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور اپنی مصروفیتوں میں کبھی کمی نہ فرمائی۔

یہ کام کرنے کی عادت آپ کو نوجوانی کی عمر سے لے کر بڑھاپے کے آخری وقت تک رہی۔ اور سوائے شدید بیماری کے معمولی بیماری کی بھی پرواہ نہ کی۔ سخت بیماری میں جب حالت ذرا سی بھی بہتر ہو جاتی تو بستر پہ لیٹے لیٹے ہی کام شروع کر دیتے۔ اپنے کام کرنے کے متعلق ایک دفعہ آپ نے حضرت صاحب کی اس تحریر کا ذکر کیا جس میں انہوں نے فرمایا ہے: ''میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں کام میں لگا رہوں۔ بلکہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کے کلام کا جلال ظاہر کروں۔ مجھے کسی تکفیر کی پرواہ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک دستِ غیبی مجھے مدد دے

رہا ہے۔ اگرچہ میں تمام انسانوں کی طرح خاکی اور ناتواں انسان ہوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ غیب سے مجھے قوت ملتی ہے۔" پھر حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ "میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔" اس تحریر کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں:۔

"یہ ۱۸۹۱ء کی تحریریں ہیں۔ یہ اس مردِ خدا کے اُس وقت کے ارادے ہیں جب چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر خدا پر ایمان کے اس مضبوط قلعے کو دیکھئے کہ ایک آگ کے اندر گھرا ہوا کہتا ہے کہ خدا میرے تمام ارادے اور امیدیں پوری کر دیگا۔ ۱۹۰۸ء میں آپ نے وفات پائی اور گو یورپ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد آپ کی زندگی میں ہی رسالہ ریویو آف ریلجنز کی صورت میں رکھ دی گئی۔ مگر آپ کا یہ ارادہ جو خدا کی طرف سے آپ کے دل میں ڈالا گیا تھا یعنی قرآن کریم کو انگریزی میں پہنچانے کا ارادہ ابھی معرض ظہور میں نہ آیا تھا۔ آپ کی وفات کے معاً بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ ڈالا کہ قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ ہونا چاہیئے۔ اور انہوں نے اور حضرت مسیح موعودؑ کی جانشین انجمن نے اس کام کو میرے جیسے ناتواں انسان کے ذمے ڈالا۔ اور وہی دستِ غیب جسے آپ اپنی زندگی میں مدد کرتے دیکھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد اس عظیم الشان کام میں میرا مددگار ہوگیا۔ میں اُس وقت نوجوان تھا۔ کم علم بھی تھا۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ "مجھے دستِ غیب سے قوت ملتی ہے۔" درحقیقت وہ قوت میرے لئے نہ تھی۔ وہ اس برگزیدہ انسان کے لئے تھی جس کے دل میں یہ تڑپ پہلے اٹھی۔ مگر چونکہ اس تڑپ کے پورا ہونے کا میں آلۂ کار بن گیا اس لئے وہ دستِ غیب میری طرف بھی منتقل ہوگیا۔ اور اس وقت سے آج تک میں دیکھتا ہوں کہ اس نوجوانی کی حالت سے ستّر سال کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود اور طرح طرح کی بیماریوں کا شکار اور ضعیف ہونے کے باوجود جب بھی میں نے خدمتِ دین کے کسی کام پر ہاتھ ڈالا ہے تو میرے اندر ایک نئی قوت پیدا ہوگئی ہے۔ میں بہت ورزش کرنے والا۔ بہت چلنے والا۔ اور بہت تیز چلنے والا تھا۔ پچیس پچیس تیس تیس میل بھی ایک دن میں چل لیتا تھا اور تھکتا نہ تھا۔ مگر اب دو اڑھائی میل چل کر بھی تھک جاتا ہوں۔ جسم ناتواں ہوگیا ہے۔ لیکن قرآن کی خدمت کے کسی کام کو جب ہاتھ ڈالتا ہوں تو میں تھکتا نہیں بلکہ جسم میں ایک نئی قوت آجاتی ہے۔ فی الحقیقت اس وقت بھی وہ میری قوت نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دستِ غیب کی تائید تھی اور آج بھی دستِ غیب کی تائید ہے جس سے یہ کام کر رہا

ہُوں ۔"

یہی اپنے کام سے عشق اور اسی غیبی قوت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے بڑھاپے میں اور کمزوری میں اور بڑی بڑی بیماری کے حملوں کے باوجود اسی طریقہ پہ کام کیا جس طرح جوانی میں کرتے تھے۔ ۷۰ سال کی عمر میں آپ نے انگریزی ترجمہ قرآن کی نظرثانی کے عظیم الشان کام کو ہاتھ میں لیا۔ اسی اثناء میں کوئٹے میں شدید بیمار ہوئے۔ مگر حالت سنبھلتے ہی بدستور کام میں مصروف ہو گئے۔ آرام کے لئے کہا جاتا تو فرماتے یہ کام ہی میری روح کی غذا ہے۔ کبھی فرماتے کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ۔ ۴۹ئمیں کراچی میں دل کی بیماری کا خطرناک حملہ ہوا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ لیٹنا پڑا ـــــــ مگر عبادت اور کام کو نہ چھوڑا۔ دسمبر میں صحت بہتر ہوئی اور لاہور آ گئے تو باقاعدہ دفتر میں بیٹھ کر کام شروع کر دیا۔ پھر دو حملے بیماری کے ہوئے تو بستر پہ لیٹے لیٹے ہی قرآن کریم کے پروف دیکھتے رہے اور احباب جماعت کے نام خطوط لکھواتے رہے۔ حتیٰ کہ اس کام کو تکمیل تک پہنچا دیا۔

انتظامی قابلیت اگر ایک طرف آپ علم و ہنر کے پتلے اور روحانی علوم و فیوض کے سرچشمہ تھے تو دوسری طرف انتظامی امور میں بھی آپ کو کمال کی دسترس حاصل تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علماء و فضلاء کا قلم بہت چلتا ہے۔ لیکن انتظامی امور میں ان کو کوئی خاص ملکہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی رغبت ہوتی ہے۔ لیکن آپ نہ صرف امیر جماعت تھے بلکہ جماعت کے صدر ہونے کی حیثیت سے انتظامی امور اور دفتری کاروبار اور تنظیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ ایک تو آپ جس طرح خود سولہ آنے کام کرنے کے عادی تھے اسی طرح اپنے ماتحتوں سے کام لینے کے متمنی تھے۔ اور آپ کو خالی باتوں اور سطحی چیزوں سے خوش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے انجمن اور دفتر کے ہر کام کی معمولی سے معمولی تفصیلات پر بھی آپ کی نظر ہوتی تھی۔ اور ہر امر کی جزئیات اور تفصیلات سے آپ کو واقفیت ہوتی تھی۔ انگریزی کا لفظ thoroughgoing آپ کے اس وصف کا ادنیٰ سا اظہار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کے انتظامی دماغ کے ساتھ معاملہ کی تہہ کو پہنچ جانے کی قوت بھی عطا فرمائی تھی۔

طرز تقریر و تحریر شاید کسی کا یہ خیال ہو کہ جماعت احمدیہ کا یہ لیڈر پلیٹ فارم پر ہیجان برپا کر دینے والا مقرر ہو گا۔ لیکن آپ کی ذات ہیجان اور اوصاف سے مبرا تھی۔ نہ تو آپ کو الفاظ کے خوشنما جال بچھانے آتے تھے اور نہ تقریر کرتے وقت ڈرامائی حرکات کرنے کے عادی تھے۔ جب خطبہ یا تقریر شروع کرتے تو عموماً ہاتھ پیچھے باندھ لیتے تھے۔

ابتداء میں آواز مدہم ہوتی تھی اور آہستہ آہستہ زور پکڑتی جاتی تھی آپ کے سادہ لیکن مؤثر الفاظ اور ٹھوس دلائل توجہ کو جذب کر لیتے اور دلوں میں اتر جاتے تھے۔ اور خدا تعالےٰ نے آپ کی ان سادگی آمیز تقاریر میں ایک ایسا خاص اثر عطا فرمایا۔ جو بڑے بڑے لفاظ اور ڈرامائی مقررین کو حاصل نہ تھا۔

تقریر کی طرح آپ کی تحریر میں بھی انتہائی سادگی تھی۔ انگریزی ہو یا اردو، مبالغہ اور لفاظی سے پاک۔ بااثر۔ اور بامعنی طرزِ تحریر تھا۔ جو خاص طور پر اہلِ مغرب کو بھی اپیل کرتا ہے اور آپ کی طرزِ تحریر کے اس پہلو کی کئی ایک غیر جانبدار پڑھنے والوں نے تعریف کی ہے۔ جو ذخیرہ تصنیفات کا آپ نے چھوڑا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ایک دنیا نے محسوس کیا۔ اور اکنافِ عالم میں اس کی جو مقبولیت ہوئی وہ اب ایک تاریخی حقیقت ہے۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے ایک بہت بلند پایہ اور قابل مبلغ ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب، جنہوں نے قریباً پچیس سال انگلستان اور جرمنی میں نہایت کامیابی کے ساتھ تبلیغِ اسلام کی اور ووکنگ میں ہی فوت ہوئے، وہ آپکی تصانیف کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا نے جو علم کلام اپنے پیچھے چھوڑا ہے اس کی قدر و قیمت اب ہمیں معلوم ہو رہی ہے۔ بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مصنفین کی کتابیں مرور زمانہ سے پھیکی ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت مولانا نے جو علم الکلام پیدا کیا وہ ایسا بے نظیر اور عظیم الشان ہے کہ اس کی قدر و قیمت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کیوں نہ ہو۔ آخر سلطان القلم نے اپنا قلم عطا فرمایا تھا۔ مجھے یہاں یورپ میں تبلیغِ اسلام کا کام کرتے ہوئے بیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ بسا اوقات حضرتِ مرحوم کی تصانیف کو پڑھ کر حیران ہوتا ہوں کہ اس انسان نے، جس نے یورپ یعنی عیسائیت کا مرکز دیکھا تک نہیں، کس طرح ہماری تبلیغ کے لئے اس قدر مواد بہم پہنچایا ہے۔ کوئی مضمون نہیں جس پر انہوں نے اپنا قلم نہ اٹھایا ہو کوئی مسئلہ نہیں جس پر روشنی نہ ڈالی ہو۔ اور اس کا حل قرآن و حدیث سے پیش نہ کیا ہو۔

آپ کی کتابوں کے اندر نہ صرف علم کا بے بہا خزانہ ہی محفوظ ہے اور علمی لحاظ سے اس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ بلکہ اس کے مطالعہ سے ایک روحانی تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ممدوح ایک معمولی عالم نہ تھے بلکہ روحانی معالج کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف نے نہ صرف غیر مسلموں کو راہِ ہدایت دکھلائی۔ بلکہ خود مسلمان کفر و الحاد سے بچ کر مبلغِ اسلام بن گئے۔"

عبادت عبادتِ الٰہی میں آپ کا انہماک خد درجہ کا تھا۔ نماز تو باجماعت ادا کرنے پر زور دیا

ہی کرتے تھے۔ مگر تہجد کی عادت جو آپ کو عین نوجوانی کی عمر سے پڑی وہ ایسی تھی کہ آخر عمر تک کبھی اس میں ناغہ نہ ہوا۔ سفر ہو یا بیماری۔ نماز تہجد کے ہمیشہ پابند رہے۔ اور ہمیشہ اس کی تلقین بڑے پُرزور اور پُر درد الفاظ میں جماعت کو کرتے رہے۔ بیماری میں بھی تہجد کے وقت آنکھ کھل جاتی تھی۔ اور اگر اُٹھ نہ سکیں تو بستر پر ہی بیٹھ کر یا لیٹ کر عبادت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۵ء میں جب دل کی بیماری کے سخت حملے ہوئے اور ڈاکٹروں نے زیادہ سے زیادہ سونے کو اشد ضروری قرار دیا تو بھی نماز تہجد کے وقت اُٹھ بیٹھتے تھے۔ انتہائی تکلیف میں ڈاکٹر خواب آور ٹیکے لگاتے تھے۔ مگر اُس وقت اس ٹیکہ کے باوجود آپ کی آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔ جو عیسائی نرس ان دنوں آپ کے لئے رکھی گئی تھی اُس کا قول ہے کہ یہ کوئی saint (ولی) ہے جو پلنگ پر بھی اتنی عبادت کرتا ہے۔

آپ کے بچے، گھر میں ٹھہرنے والے قریبی عزیز، اور سفروں کے ساتھی سب اس بات کے گواہ ہیں کہ پچھلی رات کو آپ علیحدگی میں خدا تعالیٰ کے آگے گرے ہوئے ہوتے تھے۔ اور جب کبھی کسی کی آنکھ کھلتی تو ایک پُرترنم اور پُرسوز آواز عجیب گریہ وزاری کی سنائی دیتی جس میں تسبیح، تحمید اور تقدیس شامل ہوتی۔ اور خدا جانے وہ اس وقت اسی عالم میں ہوتے تھے یا کسی اور میں مگر آواز ایسے انسان کی ہوتی تھی۔ جو دنیا و مافیہا سے منقطع ہو کر کسی اور عالم میں ہو۔ اور خدا کی ہستی میں کھو کر اُس کے آگے اپنے درد و تڑپ کا ماجرا بیان کر رہا ہو۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر کی تفسیر تھی:-

اندریں وقتِ مصیبت چارہ ہائے بے کساں

جز دعائے ما مداد و گریۂ اسحار نیست

الہامات آپ صاحبِ کشف و الہام تھے۔ مگر کبھی ان کی اشاعت نہ کی۔ خاندان میں بھی ذکر نہ کرتے تھے کہ مجھے الہام ہوتا ہے یا رؤیا یا کشوف ہوتے ہیں۔ یہ کسرِ نفسی کی انتہا تھی۔ میاں نصیر احمد صاحب فاروقی بیان کرتے ہیں کہ میں سالہا سال حضور کے قدموں میں رہا ہوں اور آپ کے اولیاء اللہ ہونے کا دل سے معترف تھا۔ مگر کبھی یہ نہ پتہ چلا کہ الہام یا کشف حضور کو ہوتا ہے یا نہیں۔ آخر ۱۹۴۳ء میں بمبئی میں ایک دفعہ جرأت کر کے پوچھا تو آپ مسکرائے اور صرف سر ہلا کر اقرار کیا۔ میں نے پوچھا کہ اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے۔ تو فرمانے لگے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ بڑی طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا ہے اور بے اختیار میری زبان پر کلمات جاری ہو جاتے ہیں۔ آپ کے بعض الہامات اور کشوف کا ذکر اس کتاب میں آچکا ہے اور بعض کا ذکر میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے مضمون میں اس کتاب کے آخر پر ہے۔ کچھ الہامات اور رؤیا آپ نے ایک کاپی میں تحریر بھی فرمائے ہوئے تھے جو آپ کی وفات کے بعد ملی۔ اور اس میں سے

چند اقتباسات اس کتاب کے آخر پر دیئے گئے ہیں۔

عشقِ قرآن آپ کی تمام زندگی میں جو چیز سب سے نمایاں اور تابناک تھی وہ آپ کا عشق قرآن تھا۔ جو آپ نے حضرت مسیح موعودؑ اور مولانا نورالدین صاحب سے ورثہ میں لیا اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کی ایک ایسی تڑپ تھی جو ہر وقت آپ کو بے چین رکھتی تھی۔ کوئی خطبہ ہو تو خدمتِ قرآن پر زور ہوتا تھا۔ کوئی تحریک سامنے ہو تو اصل مقصود اشاعتِ قرآن ہوتا تھا۔ سفر، حضر، صحت، بیماری، ہر حالت میں خدمتِ قرآن کے کام سامنے رہتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کے تراجم و تفاسیر قرآن اور دیگر کتب کو عالمگیر مقبولیت بخش کر یہ دکھا دیا کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی قدردانی فرماتا ہے، اطراف واکناف عالم سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے خط آتے تھے کہ آپ کے ترجمہ قرآن یا دیگر لٹریچر سے ہمیں ہدایت ملی۔ غیر ممالک سے درخواستیں آتی تھیں کہ آپ اپنی کتب کے تراجم کی اجازت دیجئے، جو آپ بخوشی دیتے تھے۔ غیر ممالک کے سفراء اور دیگر لوگ ملنے آتے تھے۔ اور بعض فرطِ عقیدت سے آپ کے ہاتھ چومتے تھے۔ ہندوستان اور پاکستان میں باوجود بظاہر مخالفت کے بڑے بڑے پائے کے لوگ آپ کے مداح اور قدردان تھے اور ان میں حکومت کے وزراء اور سربراہ۔ مقتدر افسر تجار۔ سیاستدان اور علماء بھی تھے۔ غرضیکہ آپ کی زندگی میں ہی آپ کا نام ایک عالمگیر شہرت پا چکا تھا اور آپ کی بے نظیر اسلامی خدمات کا دشمنوں کو بھی اعتراف تھا۔ مگر آپکی عاجزی و انکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ کا سر غرور سے اونچا نہ ہوا۔ کبھی اپنی بڑائی نہ جتائی کہ بڑے بڑے گورنر اور وزراء اور افسر ہم سے ملنے آتے ہیں۔ یا ہماری خدمات کے معترف ہیں۔ ہاں۔ تحدیث بالنعمت کے طور پر جب کبھی کچھ ذکر کیا تو ہمیشہ اس کام اور اس کامیابی کو حضرت مسیح موعودؑ اور اپنی جماعت سے منسوب کیا۔ اس برگزیدہ انسان نے کامیابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مگر ہمیشہ عاجزی سے خدا کے حضور میں سر جھکا لیا۔ اس کو سوتے جاگتے صحت و بیماری میں ایک ہی دُھن تھی کہ کسی طرح قرآن اور اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے۔ اور آج دوست دشمن سبھی کو اعتراف ہے کہ اُس کی زندگی اسلام کے لئے وقف رہی اور وہ ایک کامیاب انسان کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوا۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ اَللّٰھُمَّ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ (اے خدا تُو اُس کی مدد کر جو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتا ہے۔ اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنا۔ اے خدا تُو اُس کو چھوڑ دے جو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے اور ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنائیو) [1]

---

[1] یہ آپ کی محبوب دعاؤں میں سے تھی اور ہر درود شریف کے بعد اسے ضرور پڑھتے تھے۔

روایات

(۱) مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی فرماتے ہیں :-

"میں نے حضرت مولانا مرحوم سے تبلیغ اور قرآن مجید کا سبق لیا۔ گو ان سے پڑھنے کا موقع بہت ہی کم ملا۔ مگر استاد کی شاباش ہی عمر بھر کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اور استاد بھی کیسا جس نے انکسار، دوستوں کی عزت، قدر افزائی کے ساتھ ساتھ خدمتِ اسلام کا پورا پورا ورثہ حضرت مسیح موعودؑ سے پایا تھا۔ دو مرتبہ مجھے پہاڑ پر ان کے ساتھ موسم گرما گذارنے کا موقع ملا۔ ایک مرتبہ شملہ میں اور دوسری مرتبہ ڈلہوزی میں۔ لوگ پہاڑ پر زندگی کا لطف اٹھانے جاتے ہیں۔ لیکن جس چیز نے میرے اوپر اثر ڈالا وہ ان کی خدمتِ اسلام کی تڑپ اور گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ جریرِ قلم کی آواز تھی وقت کی پابندی کے ساتھ کام پر بیٹھنا اور لکھتے چلے جانا۔ ان دنوں شملہ میں آپ نے سیرت خیر البشر لکھی اور کاتب سے لکھوائی۔ میرے ذمے دوسرے کاموں کے علاوہ مولانا کے ساتھ کتابت کی صحت کروانا بھی تھا۔ ایک عجیب بات بالعموم یہ ہوتی کہ جب دن بھر کام کرتے کرتے تھک جاتے اور جی چاہتا کہ اب پہاڑ کی سیر کریں تو اس وقت آواز آتی کہ آؤ کاپیاں پڑھ لیں۔ کس قدر ان تھک انسان وہ تھا۔ ہم نوجوان ہمت ہار دیتے۔ مگر وہ کام سے تھکنے کا نام نہ جانتا تھا۔ دوسری بات جس نے مجھ پر اثر ڈالا وہ یہ تھی کہ میں ان دنوں خود طالب علم تھا۔ مگر ایک نوجوان کو قرآن پڑھاتا تھا۔ دوسرے کمرے میں جہاں حضرت امیر کام کرتے تھے آواز پہنچتی ہوگی۔ ایک روز فرمانے لگے تم بہت ہی اچھی اور معقول تفسیر کرتے ہو۔ ان کا یہ تبصرہ میں سمجھتا ہوں میری ہمت بڑھانے کے لئے تھا۔ جو شخص کسی آرٹ میں خود ماہر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے اندر آرٹ کی تخلیق کرتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بعد میں بھی مسلم ٹاؤن میں مجھے بڑی تاکید سے فرمایا کہ قرآن مجید کے جو معارف تم بیان کرتے ہو انہیں لکھ ڈالو۔ یہ تمہاری کتاب "میثاق النبیین" سے زیادہ مقبول ہوں گے اور میں انہیں شائع کرنے کا انتظام کرونگا۔

دوسری مرتبہ میری صحت خراب تھی۔ ڈلہوزی مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں میری خوراک کے لئے خاص ہدایات دیتے۔ کئی چیزیں خود میرے کمرے میں لاکر دیتے اور تاکید کرتے کہ یہ ضرور کھاؤ۔ یہ صحت کے لئے مفید ہے۔ میری ڈاک ان کی معرفت آتی۔ کبھی مجھے آواز دے کر یہ نہ کہا کہ اپنی ڈاک لے جاؤ۔ خود اوپر سے اتر کر میرے کمرے میں آتے اور فرماتے کہ تمہارا یہ خط آیا ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ان کا یہ سلوک تھا۔ جب یاد آتا ہے تو ان دنوں کی یاد میں اب بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

ایک اور بات بھی ذکر کر دوں۔ انجمن کے ممبروں کی میٹنگ ہوتی۔ میں بھی ممبر تھا۔ میٹنگ میں ہر ممبر کو آزادی تھی۔ وہ خلیفۂ قادیان کی طرح کا دربار نہ ہوتا تھا۔ اعتراض ہوتے اور حضرت امیر سے بعض ممبر اُلجھ جاتے۔ اور بعض اوقات وہ کچھ کہہ ڈالتے جو نہ کہنا چاہیئے تھا۔ میٹنگ کے بعد حضرت مسلم ٹاؤن تشریف لے آتے تو مجھے اور بعض دوستوں کو ہر نماز کے بعد ملنے کا موقع ملتا۔ مگر میٹنگ میں جو کچھ ہُوا ہوا اس کا ذکر کبھی باہر نہ کرتے۔ حالانکہ جس کے دل کو رنج پہنچا ہو۔ وہ دوسروں سے اس کا ذکر ضرور کرتا ہے کبھی ہم نے ذکر چھیڑا بھی کہ فلاں صاحب نے اچھا نہیں کیا تو ہنس کر ٹال دیتے۔ اور بات ختم ہو جاتی۔"

(۲) مولانا مرتضیٰ خان حسن مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں فرمایا:۔

"آپ مریضوں کی عیادت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کافی دیر مریض کے پاس بیٹھتے۔ حالات دریافت کرتے اور علاج معالجہ کے متعلق مشورہ دیتے۔ میری اور میرے بچوں کی علالت میں آپ متعدد بار میرے گھر تشریف لائے۔ اس میں کسی تکلف کو کام میں نہ لاتے۔ اپنی کوٹھی سے نکل کر محض قمیص یا جامہ زیب تن کئے ہوئے تشریف لے آتے دروازے پر دستک دیتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر آپ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ آپ نے بلا تکلف جواب دیا۔ "میں ہوں محمد علی" اس واقعہ پر مجھے حضرت مسیح موعودؑ کا واقعہ یاد آ گیا۔ کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضور مولانا محمد احسن صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور دروازہ پر دستک دی۔ مولانا نے پوچھا کون ہے۔ حضور نے فرمایا۔ "میں ہوں غلام احمد" ؎

تابع و متبوع بیک رنگ شُد

ایک مرتبہ میرے گھر چوری ہو گئی۔ آپ کو کسی نے اطلاع دی۔ آپ نے فوراً ہمدردی کا خط لکھا میں آپ کے خط کا جواب جلدی نہ دے سکا۔ دوبارہ خط لکھا اور پوچھا کہ مفصل تحریر کریں کہ کس قدر نقصان ہُوا ہے۔ اور اس قدر ہمدردی مجھ سے کی گویا آپ کا اپنا نقصان ہُوا ہے۔ پھر یہ ہمدردی محض لفظوں تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے عملی طور پر ہمدردی کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بڑے آدمیوں کی مخالفت بھی بہت ہوتی ہے۔ مختلف موقعوں پر بعض لوگ آپ کی مخالفت کرتے تھے۔ مگر یہ آپ کی خوبی تھی کہ کبھی کسی مخالف کی آپ نے پس پشت برائی نہ کی۔ میں نے کئی سال آپ کے ساتھ کام کیا۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ کبھی کسی شخص کے متعلق کرید نہیں کی۔

آپ میری تھوڑی تھوڑی بات کی قدر فرماتے۔ کبھی نصیحت فرماتے تو اس کا رنگ عجیب محبت آمیز ہوتا۔ ایک دفعہ دفتر سے مجھے آپ کی کسی کتاب کے پروف ملے کہ میں جب مسلم ٹاؤن گھر جاؤں تو آپ کو پہنچا دوں۔ وہ پروف میں جیب میں رکھ کر بھول گیا۔ تین دن اسی طرح گذر گئے۔ آپ نے جب دفتر سے پوچھا کہ

پروف کیوں نہیں آئے۔ دفتر والوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو دو تین دن ہوئے پروف مرتضیٰ خان کو دیئے تھے۔ کہ آپ کو پہنچا دیں۔ جب میں آپ سے ملا تو مسکراتے ہوئے فرمایا۔ خان صاحب! ایک روایت پہنچی ہے کہ پروف آپ کے پاس ہیں۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ میں بہت نادم ہوا اور عرض کی کہ روایت بالکل صحیح ہے۔ پروف میری جیب میں ہی تھے۔ میں نے فوراً پیش کر دیئے۔ فرمایا۔ اس قدر جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہہ کر آپ خوب ہنسے۔

آپ تھوڑی تھوڑی بات کی بہت قدر بھی کرتے تھے۔ ایک دفعہ میری نظم پر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور کہا کہ آپ مضمون نگار بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں اور نظم بھی خوب کہتے ہیں۔ میں اخبار میں بچوں کے لئے مضمون دیا کرتا ہوں۔ اس کی بے حد تعریف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جماعت میں تحریک کرنی چاہئے کہ بچے یہ مضمون پڑھیں۔"

(۴۳) ملک فضل الٰہی صاحب۔ مہتمم مہمان خانہ۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور۔ بیان کرتے ہیں:۔

"جلسہ سالانہ ۱۹۴۳ء میں جب ہم لوگ لاہور آئے تو جماعت جہلم ملاقات کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مولانا صاحب کافی بیمار رہ چکے تھے۔ علاوہ جماعتی گفتگو کے میں نے عرض کیا۔ کہ شکر الحمدللہ آپ کو صحت ہوا۔ بڑا فکر تھا۔ جواباً فرمایا کہ آپ لوگ اپنے ایمانوں کی فکر کریں۔ محمد علی کا کیا ہے۔ آج نہیں تو کل چلا جائیگا۔ محمد علی سینکڑوں آئے اور سینکڑوں گئے۔ ہم سب احتراماً خاموش رہے مگر دل پر ان کی بات کا بڑا اثر ہوا۔

پھر ایک دفعہ ڈلہوزی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک صاحب نے حضرت مولانا کے ذریعے سفارشی خط لینا تھا۔ میرے ساتھ ایک اور شخص محمد اسمٰعیل تھا جو قادیان سے بائیکاٹ شدہ تھا۔ ڈلہوزی پہنچے۔ تو وہاں بارش ہو رہی تھی۔ اور کافی سردی تھی۔ ہم لوگ ٹھنڈے کپڑوں میں تھے۔ راستہ پوچھتے پوچھتے حضرت مولانا کے بنگلے پر پہنچے۔ اور باورچی خانہ کا رُخ کیا کہ آگ تو سینک لیں۔ مولانا صاحب کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بلوایا اور تعجب کا اظہار کیا کہ اتنی ٹھنڈ میں سوتی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ پھر ہمیں ایک کمرے میں ٹھہرایا پانچ منٹ میں خود چائے کی ٹرے ہاتھ میں لئے ہوئے آ گئے کہ ابھی چاء پی کر گرم ہو جائیں۔ کھانا بعد میں کھائینگے ہم دونوں چاء پیتے رہے کہ مولانا صاحب پھر دوبارہ تشریف لائے۔ دو کمبل اور خشک کپڑے اٹھائے ہوئے تھے۔ اور نوکر ایک سلگتی انگیٹھی لئے آ رہا تھا۔ بعد میں سب نے اکٹھے کھانا کھایا۔ وہ قادیانی صاحب بڑے حیران تھے اور بعد میں کہتے تھے کہ اللہ اللہ۔ یہ امیر قوم ہیں۔ ایک معمولی آدمی کی آؤ بھگت ایسے ہو رہی ہے جیسے کوئی بڑا آدمی آ گیا۔ اگر میاں محمود احمد صاحب ان کی جگہ ہوتے تو ملاقات کا شرف بھی مشکل سے ملتا۔ چہ جائیکہ وہ

چائے یا کھانا خود کھلواتے۔ بعد میں گفتگو میں محمد اسمٰعیل نے میاں محمود احمد صاحب سے ذاتی رنجش کا اظہار کیا اور ان کے کیرکٹر پر نکتہ چینی کرنی چاہی تو مولانا صاحب نے اس کو منع کر دیا۔ کہ ہمارا ان کا اصولی اختلاف ہے۔ ہمیں ذاتیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اگلے دن آپ نے ہمارا کام بھی کر دیا۔

ایک اور جلسۂ سالانہ کا ذکر ہے کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی طرف سے ایک اشتہار جو مولانا محمد علی صاحب کو مخاطب کر کے لکھا ہوا تھا۔ جلسہ گاہ میں تقسیم کیا گیا۔ لکھا کہ "چونکہ آپ کی امت مرزائیہ آجکل پوری کی پوری حاضر ہے اس لئے کیوں نہ میرے اور آپ کے درمیان ایک فیصلہ کن مناظرہ ہو جائے۔ اسی لاہور میں کسی جگہ کو مقرر کر لیں۔ میں آپ کی مسجد میں بھی آنے کو تیار ہوں۔" نیچے ثناء اللہ امرتسری۔ شیر پنجاب، فاتح قادیان وغیرہ وغیرہ لکھا ہوا تھا۔ جب جلسہ میں حضرت مولانا کی تقریر "توحید باری تعالیٰ" پر شروع ہوئی تو لوگوں کو آپ کا جواب سننے کی بے صبری تھی۔ باہر سے غیر از جماعت بھی بہت سے لوگ اسی لئے آئے تھے۔ اور سب منتظر تھے کہ مولانا اس چیلنج کا کیا جواب دیتے ہیں۔ مولانا اپنی تقریر کر رہے تھے کہ ایک رقعہ پہنچا جو انہوں نے میز پر رکھ دیا اور تقریر اپنے موضوع پر جاری رکھی۔ دس منٹ بعد دوسرا رقعہ پہنچا۔ وہ بھی آپ نے میز پر رکھ دیا۔ چند منٹوں بعد ایک تیسرا رقعہ پہنچا۔ اس پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں نے جواب تو اپنی تقریر کے بعد دینا تھا مگر لوگ بے تاب ہو رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ میں جواب پہلے دوں۔ سو سنو بھائیو۔ میری طرف سے جواب لکھ لو اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی خدمت میں پہنچا دو۔ پہلی بات قابل غور ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی امت مرزائیہ ساری کی ساری حاضر ہے۔ جواباً میں اتنے بڑے عالم کی شان میں کچھ نہیں کہتا۔ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ پھر یہ جو مناظرہ کا فرمایا ہے تو جواب میں عرض ہے کہ مولوی صاحب کو ہی میں ثالث مقرر کرتا ہوں کہ جونسا چاہیں کفر گڑھ کا علاقہ اپنے لئے منتخب کر لیں اور جو چاہیں ہمارے سپرد کر دیں۔ اس میں ہم دونوں خود کام کریں یا مبلغ بھیجیں۔ پھر ٹھیک ایک سال کے بعد اسی جگہ اپنی اپنی کارگذاری پبلک کے سامنے پیش کر دیں۔ اس میں دونوں کا بھلا ہو گا۔ خواہ ایک ہی آدمی آپ کے ذریعے اسلام لائے۔ فائدہ یہ ہو گا کہ جو ہارا وہ بھی نقصان میں نہیں اور جو جیتا وہ تو جیتا ہی ہو گا۔ تو تو۔ مَیں مَیں کی بحث کا نتیجہ خاک بھی نہ ہو گا۔ دونوں طرف کے لوگ یہی کہیں گے کہ ہمارا مولوی بڑھ گیا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب آئیں اور ثالث بن کر خود فیصلہ فرمائیں۔ مولوی صاحب کو چاہیئے کہ آخر کوئی اصول وضع فرمائیں۔ یا تو کافر بنانے کا کام کریں یا لوگوں کو مسلمان بنانے کا۔ بغیر کسی اصول کے کامیابی مشکل ہے۔ یہ جواب سن کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی پارٹی کے لوگ رہ گئے دہ گئے۔ مگر دیگر لوگ بہت اچھا اثر لے کر گئے۔

(۴) مولانا عصمت اللہ مرحوم نے بیان کیا کہ ایک دفعہ وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ ریل گاڑی

میں یو۔پی کی طرف سفر کر رہے تھے۔ سیکنڈ کلاس میں بھیڑ زیادہ تھی۔ پچھلی رات گاڑی ایک بڑے سٹیشن پر زیادہ دیر کے لئے رکی تو مولانا نے نیچے اتر کر پلیٹ فارم کے پانی کے نلکے پر وضو کیا اور ایک طرف جائے نماز بچھا کر نماز تہجد میں مشغول ہو گئے۔ اور کچھ ایسے محو ہوئے کہ گاڑی روانہ ہونے کا وقت ہو گیا اور آپ سجدے میں پڑے تھے۔ اتنے میں گاڑی نے سیٹی دے کر رینگنا شروع کر دیا۔ مولوی عصمت اللہ اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ خطرے کی زنجیر کھینچوں یا کہ نہ کہ گاڑی کچھ ہی آگے جا کر ایکدم کھڑی ہو گئی اور انجن کی طرف سے زور زور سے سٹیم کے نکلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جو کہ بعد میں معلوم ہوا کہ انجن کے منقباس الماء کے پھٹ جانے کی وجہ سے تھا۔ اس کے لئے گاڑی کو کافی دیر اور رکنا پڑا۔ اتنے میں حضرت مولانا نماز ختم کر کے اپنے ڈبے میں آداخل ہوئے۔ مولوی عصمت اللہ صاحب فرماتے تھے کہ کوئی اس کو خوبئ قسمت کہے کہ عین وقت پر یہ اتفاقی حادثہ پیش آگیا ہے۔ مگر میں تو یہی کہونگا کہ خدا تعالےٰ نہیں چاہتا کہ اس کا محبوب بندہ جو اس کے دربار میں حاضری دے رہا ہے وہ گاڑی سے رہ جائے اور تکالیف اُٹھائے۔ یہ ذوقی بات ہے۔

(۵) ڈاکٹر سعید احمد صاحب ڈاڈھر۔

جو حضرت مولانا کی وفات کے وقت سٹاک ہالم (سویڈن) میں تھے، اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:-

"ایسے انسان زمانوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد ان کی جگہ خالی کی خالی رہ جاتی ہے۔ اور ان کی موت کا صدمہ دور دور تک محسوس کیا جاتا ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعے سے ہوا۔ سٹاک ہالم میں ایک نہایت عالم سویڈ کرنل ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت امیر کی کتب پڑھی تھیں۔ ان سے جب میں نے آپ کی وفات کا ذکر کیا تو اس وقت ان کے ہاتھ میں کھانے کی کچھ چیز تھی۔ ایسا نظر آیا کہ گویا وہ ان کے ہاتھ سے گر پڑی ہے۔ اور ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا اور ان کے چہرے سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پھر وہ شخص اٹھا اور جلدی سے اسلامک ریویو کا پرچہ لے آیا جس میں ان کی تصویر تھی اور بڑی دیر تک ان کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ ایسے ہزاروں لوگ اور بھی دنیا میں موجود ہیں جو اس صدمہ میں ہمارے ساتھ شریک ہیں......

......میں قادیان سکول میں پڑھتا تھا۔ میری عمر ۱۳، ۱۴ سال کی تھی۔ مجھے اس قدر یاد ہے کہ ایک شخص مجسمۂ انکسار خاموشی سے اوقاتِ نماز میں مسجد نور میں آتا اور نہایت توجہ اور خشوع سے نماز ادا کرتا اور چپ چاپ واپس چلا جاتا۔ جلسۂ سالانہ آیا تو اس خاموش شخص کو میں نے تقریر کرتے اور قوم سے چندہ کی اپیل کرتے سُنا۔ کس قدر قوت اور شوکت اس کے الفاظ میں تھی اور اس مجمع نے کس محبت اور جانثاری سے اس کی آواز کو سُنا اور اس پر لبیک کہا۔ ایسے نظارے بعد میں کئی بار دیکھنے نصیب ہوئے

مگر اس پہلے واقعہ کا ایک خاص اثر دل پر رہ گیا ہے ......

.... میں زمانہ طالب علمی میں بیمار ہونے کی وجہ سے لمبی رخصت پر اور اپنے وطن میں ایک پہاڑ پر رہتا تھا۔ مجھے حضرت امیر باقاعدہ خط لکھتے اور ان کے خطوط اور دعاؤں سے مجھے بہت تسلی ملتی۔ ایک مرتبہ مجھے لکھا کہ فلاں قسم کے ٹیکوں سے جو ڈلہوزی کے سول سرجن نے ایک اور عزیز کو لگائے انہیں بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ تم بھی ضرور وہ ٹیکے لگواؤ۔ ابھی چند روز ہی گذرے تھے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ان ٹیکوں کا بکس مجھے لاہور سے بذریعہ ڈاک بھیج دیا۔ میں نے ان کو شکریہ کا خط لکھا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت امیر کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے ٹیکے بھیجنے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی ہے .....

.... ایک مرتبہ مسلم ٹاؤن کی مسجد میں نماز فجر میں مجھے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر آگے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا[لے]۔ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا لیکن آپ کے حکم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ نماز کے بعد مکان کو آتے ہوئے کچھ اور دوست بھی ساتھ تھے۔ قرآن خوانی کے متعلق بات چل پڑی تو فرمانے لگے حضرت مولانا عبدالکریم مرحوم بہت اچھا قرآن پڑھتے تھے۔ قادیان میں جب صبح کی نماز پڑھاتے تو ایک بوڑھی عورت جس کا گھر مسجد کے قریب تھا اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر ان کا قرآن سنا کرتی تھی۔ جب وہ فوت ہو گئے تو حضرت مولانا نورالدین صاحب علیہ الرحمۃ نماز پڑھانے لگے تو اس عورت نے شکایت کی کہ یہ کون اب نماز پڑھاتا ہے۔ " ایہہ تاں غلطاں ماردا اے۔" یہ واقعہ سنا کر خوب ہنسے اور خود اپنے متعلق فرمانے لگے کہ "ہم بھی تو غلطاں مارتے ہیں۔" دوستوں سے جب بھی ظرافت کی بات سنتے تو کھل کھلا کر ہنستے تھے۔ لیکن میں نے آپ کے منہ سے کسی کی بدگوئی۔ غیبت۔ عیب جوئی اور بناوٹ یا سازباز کی کوئی بات کبھی نہیں سنی۔

ایک مرتبہ اپنی ایک بیماری میں آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے مجھے لکھا کہ تمہاری صحت کے لئے دعا کرنا تو اب میرے لئے ایک ورد ہو گیا ہے۔ پھر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا تو بے ساختہ میرے منہ سے الفاظ یوں نکل گئے۔ "یا اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش۔" میں نے عرض کیا کہ میں تو اپنے آپ کو ہمیشہ آپ کا بچہ ہی سمجھا کرتا تھا۔ اچھا ہوا اللہ میاں نے اپنے الہام سے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ میں اسے اپنی زندگی کی ایک بڑی قیمتی دولت سمجھتا ہوں کہ آپ کو میرے ساتھ اس قدر محبت تھی۔"

(۶) شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی اپنے ایک مضمون میں جس میں حضرت مولانا محمد علی کے ساتھ سفر

لے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہیں۔

مانگروؔل کے حالات درج ہیں، لکھتے ہیں:-

مانگروؔل پہنچنے کے بعد رات کو ہم اپنے اپنے کمروں میں سو گئے۔ چونکہ دوسرے دن ہم سب نے روزہ رکھنا تھا۔ اس لئے آدھی رات سے ہی ملازمین کا شور سنائی دیا جو سحری کا انتظام کر رہے تھے۔ میری آنکھ کھُلی تو حضرت امیر کو اپنے پلنگ پر نہ دیکھا۔ کافی دیر جب آپ نہ آئے تو تشویش سی ہوئی اور ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ ہال کمرہ کے کونے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں کچھ روشنی باہر نکلتی دکھائی دی۔ دروازے سے اندر جھانکا تو دیکھا کہ حضرت نماز کی نیت باندھے کھڑے ہیں۔ سامنے ایک اُونچی میز پر قرآن مجید کھلا ہے۔ حضرت کی پیٹھ میری طرف تھی اور آپ نماز کی نیت باندھے کھڑے قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر آپ نے قرآن مجید کا ورق اُٹھایا اور پڑھتے رہے۔ کافی دیر کے بعد آپ نے ذرا پیچھے ہٹ کر رکوع و سجود کیا اور سجدے میں بہت دیر لگائی۔ پھر کھڑے ہو کر میز کے قریب ہو گئے اور قرآن مجید پڑھنے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ چلو ایک مسئلہ تو حل ہُوا ......

...... رخصت ہوتے وقت نواب صاحب نے انجمن کے لئے چندہ حضرت مولانا کو دیا اور اس کے علاوہ ایک ہزار روپیہ کی نذر خاص آپ کے لئے پیش کی۔ میں اور مولانا عصمت اللہ صاحب ایک دوسرے راستے سے واپس ہُوئے اور آپ کو سانبھر میں ملنے کا پروگرام طے ہُوا۔ جب ہم اجمیر اترنے لگے۔ تو میں نے دس روپے حضرت مولانا سے قرضہ لئے۔ لاہور واپس آکر حضرت مولانا نے وہ نذر خاص بھی خزانۂ انجمن میں داخل کر دی بلکہ دفتر نے مجھ سے وہ دس روپیہ بھی وصول کر کے داخل خزانہ کئے اور تمام رقم کی رسید نواب صاحب کو بھجوا دی۔

جب دوسری مرتبہ حضرت امیر مانگروؔل تشریف لے گئے تو صرف میں آپ کے ہمراہ تھا۔ اس مرتبہ مجھے نواب صاحب سے الگ نذرانہ ملا جو میں نے حضرت کا گذشتہ نمونہ مدنظر رکھتے ہُوئے لاہور آکر انجمن میں جمع کروا دیا۔ حضرت کو جب پتہ لگا تو انجمن سے وہ رقم مجھے واپس دلوا دی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ انجمن کے خیر خواہ ہونے کے ساتھ ساتھ کارکنان کے بھی پورے ہمدرد تھے۔

(۷) شیخ محمد انعام الحق صاحب، حضرت مولانا محمد علی صاحب کے سفر حیدر آباد دکن کے متعلق چند مشاہدات کا بیان کرتے ہیں:-

"سفر بھی انسان کے اخلاق کی پرکھ کا ایک ذریعہ ہے۔ مجھے حضرت مرحوم کی خدمت میں زندگی کا کافی حصّہ بسر کرنیکا موقع حاصل ہُوا۔ حضرت کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ ان سفروں کے دوران میں بھی بہت سے مشاہدات ہوئے۔ حضرت کے اخلاق اور تبحر علمی۔ سادگی۔ حسن اخلاق۔ معاملہ فہمی۔

اسلام اور قرآن کے عشق اور تقویٰ نے اہل حیدر آباد کے دل تو موہ ہی لئے تھے لیکن مجھ جیسے خادم کو بھی حضرت مرحوم کی بلند پایہ شخصیت کے متعلق بعض نئے تجربات ہوئے۔ مجھے ہندوستان کے متعدد بڑے آدمیوں کا قریب سے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ جب اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو اس سے مختلف ہوتے ہیں جبکہ وہ چھوٹے یا متوسط طبقے کے لوگوں سے ملتے یا مخاطب ہوتے ہیں۔ میں نے حضرت امیرؒ میں یہ تبدیلی نہیں پائی۔ معمولی سے معمولی آدمیوں سے مخاطب ہوتے وقت بھی ان کی طبیعت کا وہی انداز ہوتا تھا جو خراج عقیدت وتحسین پیش کرنے والے بلند طبقے کے لوگوں سے ملنے جلنے میں ہوتا تھا ان سفروں میں آپ کی فراستِ ایمانی کے متعدد مشاہدے ہوئے۔ اپنے علم وفضل۔ ذہانت اور مردم شناسی کے علاوہ اپنی فراست کے ذریعہ بھی مخالفین کے منصوبوں کا نہایت صحت کے ساتھ اندازہ فرمایا کرتے تھے۔

اپنے خدام اور کارکنوں کی حیثیت بڑھانے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے اور انہیں عوام وخواص سے متعارف اور روشناس کروانے کا آپ کو ہر وقت خیال رہتا تھا۔ معزز اور بلند پایہ شخصیتوں سے بھی ان کا تعریفی الفاظ میں تعارف کرواتے۔ ان کی خدمات دینیہ کو بیان فرماتے اور دوسروں کے سامنے بھی اپنے خدام اور کارکنوں پر کامل اعتماد کا اظہار فرماتے۔

ان سفروں میں مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ مقامی کارکنوں کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے اور انہیں اپنی صوابدید کے مطابق کام اور انتظامات کرنے کی کافی آزادی دیتے تھے۔ دکن کے قیام کے دوران میں انہوں نے ہمیشہ میری رائے کو اہمیت دی۔ بلکہ معمولی معمولی امور میں بھی میری ناچیز گذارشات کا اپنے تئیں پابند بنا لیا..... سفر میں نظم وضبط اوقات کافی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن حضرت مرحوم معمولی سے معمولی وقت کو بھی ضائع نہ فرماتے تھے۔ سفر دوئم میں کسی کتاب کا مسوّدہ ساتھ تھا۔ چند منٹ بھی فرصت ملتی تو اس کی تصحیح ونظر ثانی فرماتے۔"

(۸) حاجی اللہ رکھا مومن۔ مقیم احمدیہ بلڈنگس لاہور بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے قادیان میں صوفی عبدالرحمٰن سے سُنا کہ ۱۹۰۱ء میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دن ان کو فرمایا کہ مسجد مبارک کے ساتھ نچلے حصے میں جہاں پانی کے مٹکے ہیں اور وضو کرنے کی جگہ ہے وہاں سے مٹکے اُٹھا کر جگہ صاف کر دیں اور ایک دری یا چٹائی وہاں بچھا دیں اور ایک کرسی اور چھوٹا سا میز وہاں رکھ دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اگلے دن انہوں نے دیکھا کہ مولانا محمد علی صاحب اس کمرے میں موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہ ایم۔ اے انگریزی دان نوجوان کتنی سادہ طبیعت کے ہیں اور حضرت اقدس کے وفادار ہیں (نوٹ:۔ یہی کوٹھڑی مولانا محمد علی صاحب کا دفتر تھی جہاں سے ریویو آف ریلیجنز کے لئے وہ معرکتہ الآرا مضامین نکلتے تھے۔

ہو کے متعلق شبہ کیا جاتا تھا کہ حضرت صاحب نے کوئی انگریز ملازم رکھا ہوا ہے)

(۹) خاکسار مؤلف (ممتاز احمد فاروقی) بیان کرتا ہے:-

جب حضرت امیر کوئٹہ میں بیمار ہوئے تو بہت تکلیف تھی۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش لاہور سے علاج کے لئے گئے۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح معائنہ اور تشخیص کرنے کے بعد آپ کو تسلی دی کہ مرض ایسا خطرناک نہیں آپ انشاء اللہ عنقریب اس قابل ہو جائیں گے کہ واپس لاہور جا سکیں۔ تو جیسے ہی ڈاکٹر باہر گیا میں نے حضرت مولانا کو یہ آیت قرآن پڑھتے سنا۔ الحمد للّٰہ الّذی اذھب عنّا الحزن ۵ انّ ربّنا لغفور شکور ۵ الّذی احلّنا دار المقامۃ من فضلہٖ لا یمسّنا فیھا نصبٌ ولا یمسّنا فیھا لغوب۔

(۱۰) شیخ غلام قادر صاحب، احمدیہ بلڈنگس، لاہور فرماتے ہیں:-

" حضرت مولانا محمد علی صاحب نے پچاس سال تک خدمتِ اسلام میں اپنی قلم سے علم و حکمت کے دریا بہائے۔ مگر آپ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ دوسروں کی ناچیز خدمت کی از حد قدر کرتے تھے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ میں نے پیغام صلح میں ایک لمبا سلسلۂ مضامین صحابہؓ کرام اور تابعینؒ کے حالات کا چھپوایا۔ حضرت اس کی بہت تعریف کرتے تھے اور ایک دفعہ مجھے کہنے لگے کہ جب میرے پاس اخبار آتا ہے تو میں سب سے پہلے آپ کا مضمون دیکھتا ہوں۔ پھر کوئی اور۔ یہ سب آپ کی ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی تھی ورنہ ؎ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک "

حضرت مولانا محمد علیؒ کی ایک ڈائری سے بعض اقتباسات

مورخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۴۶ء۔

" آٹھ دس روز پیشتر لاہور میں تہجد کے وقت کے قریب دیکھا جیسے میں کسی سفر پر جا رہا ہوں ایک ساتھی میرے ساتھ ہے۔ پہاڑی سفر ہے۔ ہم دونوں پیدل جا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چار پانچ میل ہم نے جانا ہے۔ مگر جب پہلے ٹیلے کے سر پر پہنچے تو آگے دُور تک ایک پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آیا۔ جن میں سے آخری تک ہم نے پہنچنا ہے۔ اس وقت میں خیال کرتا ہوں کہ یہ تو ابھی پندرہ سولہ میل کا سفر ہے۔ اس موقع پر میرا ساتھی ایک رستہ پر چلتا رہا اور میں نے دوسری طرف سے اُترنے کی کوشش کی۔ مگر چند قدم ہی چل کر معلوم ہُوا کہ یہ راستہ ناقابلِ گذر ہے۔ وہاں سے واپس لوٹنا بھی مشکل معلوم ہوتا تھا۔ جب تک کوئی ہاتھ پکڑ کر اوپر نہ کھینچے۔ مگر میرے ساتھ کوئی آدمی ایسا نہیں۔ ایسی حالت میں میں نے ایک سہارا لے کر اپنے آپ کو اوپر کر لیا۔ اور پھر تھوڑا سا آگے مڑ کر آگے ایک نہایت صاف راستہ نظر آیا جس پر میں نے چلنا شروع کر دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اب سفر کتنا سہل ہے۔ تھوڑی دیر چل کر ایسا معلوم ہُوا کہ ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں کچھ آبادی سی ہے۔ گویا وہ اس رستے کی ایک منزل ہے۔ میں کہتا ہوں ہم تو مراد پور پہنچ گئے۔ گویا وہ ایک معروف مقام ہے۔"

"۱۹۴۴ء مئی کا مہینہ تھا۔ اور میں ان ایام میں بیمار تھا۔ ہلکا بخار رہتا تھا۔ نماز ظہر کے بعد سو رہا تھا کہ ایک کاغذ میرے سامنے لایا گیا۔ جس پر لکھا ہُوا تھا ۲۸،۲۵ یا ۲۹،۲۵۔ جاگتے وقت یہ امر مشتبہ ہو گیا کہ ان میں سے کون سا عدد تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ احساس میرے قلب پر تھا کہ یہ میری زندگی کے ایام ہیں۔"

"۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء یا اس سے ایک دو دن پیشتر رؤیا میں دیکھا کہ ایک بڑا زبردست دریا ہے۔ جس کے اندر میں اتر رہا ہوں اور اس تلاش میں ہوں کہ کوئی چٹان مل جائے جس پر میں ٹک جاؤں۔ اس کے ساتھ ہی یہ معلوم ہُوا کہ مَیں گویا قرآن شریف کی بعض آیات کا ترجمہ کر رہا ہوں اور ایک آیت کا ترجمہ میں نے یوں لکھا ہے۔

"The river is so deep that no gorge can fill it."

ذہن فوراً اس طرف منتقل ہُوا کہ اس میں اشارہ ہے بعض جھگڑوں کی طرف جو بدقسمتی سے پیدا ہو گئے ہیں۔

● ڈلہوزی میں ان ایّام میں جب بعض ناخوشگوار امور کی وجہ سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ انجمن سے قرضہ نہ لونگا۔ اور سابقہ قرضہ بھی واپس ادا کر دونگا تو دس بجے رات سے لے کر دو بجے تک جیب میں اُٹھا یہی لفظ میری زبان پر مسلسل جاری تھے۔ یعنی جب کروٹ لیتا یا جاگ کھلتی تو یہ لفظ دہرایا چلا جاتا۔ اپنے اختیار سے نہیں بلکہ جیسے میری زبان پر تصرّف سے یہ ہو رہا ہے۔" و اغننی بفضلک عمن سواک"

● "۹ اور ۱۰ ار فروری ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات بعض ناخوشگوار واقعات کی وجہ سے میری طبیعت پر بے حد صدمہ تھا۔ ایسی حالت میں خیال گذرا کہ ایک صدمہ بھی انسان کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔ سوا تین بجے کے قریب میں دیکھتا ہوں کہ ایک چھپی ہوئی کتاب جو میری تصنیف ہے میرے سامنے لائی گئی۔ اس کا نام تھا۔

"Life Assurance"

● "۱۸ ر مارچ ۴۷ء ۔ سکندر آباد میں بابو خان صاحب کے مکان پر نماز فجر پڑھ کر لیٹ گیا تو دیکھا کہ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم جیسے کسی گاڑی میں سوار ہیں۔ چہرہ بالکل تر و تازہ جیسے جوانی کے ایام میں تھا۔ لباس نہایت اعلیٰ درجہ کا پہنا ہوا خوش و خرم ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ڈاکٹر صاحب زندہ ہو کر پھر آ گئے ہیں اور اب گویا ہمیشہ پاس رہیں گے۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ کئی دفعہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ سے یہ کہوں کہ ایسی موت پر افسوس کیوں کیا جائے کہ کچھ مدت کے بعد انسان زندہ ہو جائے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب مسکرائے (خیال اس طرف گیا کہ اس میں کوئی بشارت ہے۔ یعنی تعبیر نام پر ہے)

● "۴ ر اپریل کو میں ڈلہوزی گیا ۔ ۴ ر سے ۱۶ ر تک وہاں ٹھہرا ۸ ر اپریل دوشنبہ کا دن تھا (۱۹۴۶ء)۔ نماز فجر کے بعد لیٹ گیا۔ ابھی پوری طرح غنودگی نہ ہوئی تھی کہ دیکھتا ہوں کہ میری بیوی ہیں اور میاں ممتاز کا لڑکا ظفر بھی وہاں ہے۔ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر میری بیوی زور سے کہتی ہیں " پاکستان زندہ باد"

● " اپریل ۴۷ء کے پہلے ہفتہ میں ۔

دیکھا کہ حضرت مسیح موعود نے ایک بڑا اہم مضمون لکھا ہے۔ جس میں قرآن کی آیات بھی بہت کثرت سے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جہاں اس مضمون میں قرآن شریف کی آیت آئے وہ میں (محمد علی) پڑھوں گا۔"

● ۴ ر مارچ ۱۹۵۱ء

" کچھ رویا جو میں نے کراچی میں ۱۸ ر ستمبر کے بعد سخت بیماری کی حالت میں دیکھے اُن میں سے بعض وقتاً فوقتاً اخبار میں آ گئے ہیں۔ لیکن بعض نہیں آئے اُن کو ابھی یہاں لکھتا ہوں۔ ۱۸ ستمبر یا ۱۹ ستمبر کے بعد کی رات

تھی اور میری حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ میاں نصیر احمد میرے پاس بیٹھے ہوئے (کچھ اور عزیز بھی موجود تھے) سورۃ یٰسین مجھے سُنا رہے تھے۔ چونکہ وہ ٹارچ کی روشنی سے پڑھتے تھے۔ بعض وقت غلطی بھی کر جاتے تو اصلاح کر دیتا۔ ایک آنی نظارہ اس حالت میں یہ دیکھا کہ میں ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر اکیلا کھڑا ہوں اور نہیں جانتا کہ اب کس طرح یہاں سے کسی امن کے مقام پر پہنچوں گا کہ کسی غیبی طاقت نے مجھے اُٹھایا اور مجھے لا کر ایسی جگہ رکھ دیا جہاں میرے اردگرد قرآن کریم کے پڑھنے کی آوازیں آ رہی ہیں اور سارے کا سارا مجمع جس میں مجھے رکھا گیا۔ قرآن کریم پڑھ رہا ہے۔ یہ حالت جاتی رہی تو میاں نصیر احمد ابھی سورۃ یٰسین پڑھ رہے تھے۔"

"ایک دن درد کی وجہ سے سخت کرب کی حالت میں تھا کہ ایک غنودگی کی حالت طاری ہو گئی اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ مَیں گویا مکّہ معظّمہ میں ہُوں۔ اور دو مقامات پر بہت ہی بلندی پر کئی کئی جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ اور میں اُن کے بیچ دوڑ رہا ہُوں۔ کبھی ایک طرف کے جھنڈوں کی طرف جاتا ہوں، کبھی دوسری طرف کے جھنڈوں کی طرف۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک مقام پر جو جھنڈے ہیں وہ ارکان حج کے مختلف جھنڈے ہیں اور دوسرے مقام پر جو جھنڈے ہیں وہ یورپ اور امریکہ کے بعض ممالک کے جھنڈے ہیں۔ گویا یہ جھنڈے یہاں خانہ کعبہ کو سلامی دینے کے لئے لائے گئے ہیں۔"

مولانا محمد علیؒ کے متعلق چند تأثرات

(از قلم مولانا محمد یعقوب خان صاحب)

نبی کریم صلعم نے اپنے صحابہؓ کو آسمان کے چمکتے ہوئے تاروں سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا:۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی جس ایک تارے سے بھی چاہو اکتسابِ نور حاصل کر سکتے ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ اس زمانے میں فنا فی الرّسولؐ کے مقام پر تھے اور اس لحاظ سے انتشارِ روحانیت کے مرکز تھے۔ جو لوگ بھی آپ کے گرد جمع ہوئے انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق آپ سے اکتسابِ نور کیا۔ مولانا محمد علی انہی سابقون الاوّلون میں سے افقِ اسلام پر ایک بہت بڑا تارا بن کر چمکے اور ایسا چمکے کہ مشرق و مغرب کو نورِ اسلام کی شعاعوں سے روشن کیا۔ آپ کے حالاتِ زندگی کو محفوظ کر کے مؤلفان نے ایک بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ کاش کوئی دوست اُس روحانی محفل اور اس گروہِ سابقون الاوّلون کی ایک مجموعی سوانح حیات مرتب کرے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک چمکتا ہوا تارا تھا اور اسلام کی صداقت اور عشقِ قرآن و رسولؐ کا چلتا پھرتا مجسمہ تھا۔ جس سے آنے والی نسلوں کو پتہ چل سکے گا کہ وہ کون لوگ تھے جو مامور زمانہ کے گرد جمع ہو کر اسلام کی اس نشاۃِ ثانیہ کے علمبردار بنے جس کے ساتھ دنیا کا مستقبل وابستہ ہے اور جس کی ابتداء ہو چکی ہے تاکہ ان کے نمونے سے وہ اپنے اندر بھی حرارتِ حیات پیدا کریں۔

تاریخ اسلام میں شرفِ اوّلیت

مولانا محمد علی کی خدماتِ اسلامی کا پورا احساس انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو مغربی ممالک میں آ کر ایک طرف مسیحیّت کے غلبہ و اقتدار کو بچشم خود دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اسلام اور نبی کریمؐ کے متعلق ان لوگوں کی بے علمی اور بدگمانی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمۃ القرآن تاریخ اسلام میں سب سے پہلا کارنامہ تھا جس کی بدولت افقِ مغرب پر ظلمت کی گھٹائیں چھٹنے لگیں اور اسلام کی شعاعیں جگہ جگہ پھیلنے لگیں۔

مولانا محمد علیؒ کا سب سے بڑا امتیاز جو انہی کے لئے مقدر تھا اور انہی کے حصے میں آیا آپ کا یہی کارنامہ ہے کہ تاریخ اسلام میں آپ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے اسلام کا پیغام ممالکِ مغرب کو ایک مغربی زبان میں پہنچایا۔ تاریخ اسلام نے بڑے بڑے فاتح پیدا کئے جنہوں نے اسلام کا جھنڈا سرزمین یورپ کے ایک بہت بڑے حصے پر نصب کیا اور یورپ کا بہت بڑا حصہ صدیوں مسلمان حکمرانوں کے زیرِ نگین رہا۔ مگر تعجب ہے کہ کم و بیش ایک ہزار سال کے اس دور میں، جو مغرب پر

اسلام کی حکمرانی کا دور تھا، کسی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ کم از کم کسی ایک مغربی زبان میں تو اس کتاب پاک کا جو اسلام کے پیغام کا سرچشمہ ہے، ترجمہ کرکے اس مسیحی آبادی کے ہاتھوں تک پہنچائیں نتیجہ یہ ہُوا کہ اسلام کی تلوار نے مسیحی حکومتوں اور مسیحی طاقت کا تو سر کچل کر رکھ دیا۔ مگر ان کے قلوب کو ہم فتح نہ کر سکے، جو اسلام کا صحیح مشن تھا۔ اسلام اور مسیحیت کا اس نئے دور میں پھر آمنا سامنا ہے۔ ایک نئی "صلیبی جنگ" (Crusade) ہے جو دونوں مذاہب کے درمیان جاری ہے۔ مگر یہ جنگ زمین کے ٹکڑوں یا تاج و تخت کے لئے نہیں ہے۔ یہ جنگ عوام کے قلوب کو فتح کرنے کی جنگ ہے۔ اور اس میں جو تلوار دشمن کی صف کو پامال کر سکتی ہے وہ قرآن کی تلوار ہے۔ یہ سعادت مولانا محمد علی کے حصے میں آئی کہ آپ اسلام کے اس نئے دور میں روحانی فتوحات کے لئے ترجمۃ القرآن کی تلوار تیار کریں۔ اور ہم جو اس میدان میں کام کرنے والے ہیں جانتے ہیں کہ تسخیر قلوب فرنگ میں مولانا کے اس ایک قلمی شاہکار نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ جہاں کہیں بھی اس کا ایک نسخہ پہنچتا ہے گویا اسلام کا ایک مشنری پہنچ جاتا ہے۔ لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور ان کے قلوب محسوس کرتے ہیں کہ درحقیقت اسلام ہی الیسا مذہب ہے جو انسانی فطرت کی آواز ہے۔

مغرب میں جب طلوعِ اسلام کی پیشگوئی پوری ہوگی اور لوگ جوق در جوق شامل اسلام ہونگے اور آنے والا مورخ اس روحانی انقلاب کے محرّکات کی کھوج لگانے بیٹھے گا تو یقیناً مولانا محمد علی کے ترجمۃ القرآن کو ان محرکات میں سرِ فہرست جگہ دیگا۔

صاحب قلم مولانا محمد علی کی شخصیّت کا جو خاکہ ذہن کے سامنے آتا ہے اس میں آپ کا دوسرا امتیازی نشان آپ کا صاحبِ قلم ہونا ہے۔ آپ نے خدمتِ اسلام کے میدان میں جس کثرت سے، جس تن دہی سے، جس انہماک سے اور جس قدر لمبے عرصے کے لئے قلم چلائی ہے آپ کے ہمعصروں میں اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ شہر کارڈف سے ایک دوست ہمارے ہاں (ووکنگ) آئے۔ یہ مشرقی پاکستان کے رہنے والے ہیں اور کوئی پڑھے لکھے بھی نہیں۔ انہوں نے خواب دیکھی کہ میدان عرفات میں بیٹھے ہیں۔ نبی کریمؐ بھی ہیں۔ مولانا محمد علی بھی ہیں اور خواجہ کمال الدین بھی ہیں۔ مولانا نے انہیں دیکھ کر کہا کہ یاجوج ماجوج اور دجّال پر ایک کتاب لکھ کر شائع کرو۔ انہوں نے کہا میں تو کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔ مولانا کہنے لگے کوئی بات نہیں، تم لکھنے لگ جاؤ۔ ساتھ ہی اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا دکھایا جو چمک رہا تھا اور جس سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اور کہا، دیکھو میں تو ساری عمر لکھتا ہی رہا ہوں۔ یہ درحقیقت مولانا کی زندگی کا نچوڑ تھا جو اس شخص کو خواب میں دکھلایا گیا یعنی اسلام کے لئے قلم چلانا۔ انگوٹھے

سے جو شعاعیں نکلتی اُس دوست نے دیکھیں وہ وہی نورِ اسلام کی شعاعیں تھیں جو آپ کی تصانیف سے نکل کر دنیا کو منور کر رہی ہیں۔ (اس دوست نے ایک اچھی خاصی کتاب اپنی انگریز بیوی کی مدد سے لکھی، ہمارے پاس چھپوانے کے لئے لائے اور اپنی جیب سے دو سو پونڈ چھپوانے کا خرچ دے گئے)

نصف صدی کوئی معمولی زمانہ نہیں ہے جو مولانا نے خدمتِ اسلام میں تلوار چلاتے چلاتے صرف کیا۔ جنوری ۱۹۰۲ء میں ریویو آف ریلجنز کی ادارت سنبھالی۔ اُس وقت سے لے کر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک جب تک فرشتۂ موت نے آکر ان کے ہاتھ سے وہ قلم نہ لے لی، آپ نے خود اسے اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ متواتر پچاس سال تک تصنیف پر تصنیف اسلام کے حقائق و معارف پر شائع کرتے رہے۔ موجودہ زمانے میں ایسی معرکتہ الآراء تصانیف کے لئے عموماً بورڈ مقرر کئے جاتے ہیں۔ ایک پورا عملہ ہوتا ہے سٹینوگرافر ہوتے ہیں ــــ مولانا نے ان تمام سازوسامان سے بے نیاز ہو کر تن تنہا ریسرچ کا اس قدر انبار لگا دیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ نہ سٹینو ہے، نہ کوئی مددگار۔ خود ہی قلم ہاتھ میں لئے میز پر بیٹھے ہیں۔ لغات، تفاسیر، احادیث اور تاریخ کی کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ خود ہی ہر ایک حوالہ تلاش کرتے ہیں، خود ہی لغت دیکھتے ہیں، خود ہی مسودہ لکھتے ہیں، خود ہی اس کی تصحیح در تصحیح کرتے ہیں ــــ اور جب پریس سے ہو کر آتا ہے تو خود ہی پروف بینی کرتے ہیں۔ یہ مولانا کی زندگی کا عام روٹین تھا۔ اس میں ملاقاتی بھی آتے تھے، انجمن کے معاملات بھی پیش ہوتے تھے ــــ تھوڑی دیر کے لئے قلم رکھ کر اس طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اور جونہی فارغ ہوتے تو پھر وہی آپ ہیں اور وہی قلم ہے، وہی "مسودہ" سازی ہے اور وہی پروف بینی۔

حضرت مسیح موعود نے جو اپنے ایک کشف میں مولانا محمد علی کو قلم عطا فرمائی وہ درحقیقت مولانا کے قلمی جہاد کا ایک منظر تھا۔ جو حضرت صاحب کو دکھایا گیا۔ گویا حضرت صاحب کو مولانا کی ساری آنے والی زندگی کا نقشہ دکھایا گیا کہ وہ خدمت اسلام کے لئے قلم چلاتے گذرے گی۔

ایک مصروف زندگی مجھے کم و بیش تیس سال کے عرصہ تک مولانا کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ دفتر میں کام کرتے ہوئے، ملاقاتیوں سے گفتگو کرتے ہوئے، نمازوں کے مقررہ اوقات پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نماز باجماعت کے لئے مسجد جاتے، جمعہ کے روز خطبہ دیتے، انجمن کے جلسوں میں صدارت کے فرائض انجام دیتے، انجمن کے مفاد کے متعلق تحریکات اور جدوجہد کرتے، انجمن کے دفاتر اور اداروں اور جائداد و اموال کی نگرانی کرتے ہوئے، سالانہ جلسہ پر تقریریں اور چندے کی تحریکات کرتے، یہ سب کچھ ایک طویل فلم کی طرح سے میری آنکھوں کے سامنے سے گذرتا رہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جس چیز کو بھی مولانا نے ہاتھ ڈالا اُس کو چار چاند لگا دیئے، اس میں جان ڈال دی، اسے کامیابی کی منزل تک پہنچا کر چھوڑا۔

احساسِ فرائض مسلم ہائی سکول ابتداء میں کرایہ کے مکانوں میں چل رہا تھا۔ آپ نے تہیہ کیا کہ احمدیہ بلڈنگس کے اندر اپنے ماحول میں اپنی عمارت ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے خود زمین حاصل کی، خود روپیہ کا انتظام کیا، خود نقشہ تیار کروایا۔ جب نقشہ محکمۂ تعلیم کے پاس گیا تو وہ کہنے لگے اب تو تعلیمی سال میں صرف چار پانچ ماہ رہ گئے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اس قدر قلیل عرصہ میں یہ لوگ سکول کی عمارت کھڑی کر سکیں ایک مسلمان انسپکٹر تھے جو مولانا کے واقف اور مداح تھے۔ انہوں نے ڈائرکٹر کو کہا جو کہ ایک انگریز تھا کہ تم ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ یہ لوگ جب کوئی کام کرنے پر اتر آتے ہیں تو کوئی مشکلات ان کے راستے میں مزاحم نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ نقشہ منظور ہوا اور ایک معقول رقم بطور گرانٹ منظور ہوئی اور ڈائرکٹر بھی حیرت زدہ ہوئے۔ جب تعلیمی سال کے اختتام سے پہلے رپورٹ پہنچی کہ عمارت کھڑی ہو گئی ہے۔ اس تعمیر کے دوران میں جو بات قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ مولانا خود ہی دن میں ایک دو مرتبہ چکّہ لگا کر نگرانی کرتے تھے۔ ایک دن جو آپ آئے تو ایک دیوار جو معمار بنا چکے تھے درمیاں میں ذراسی اُبھری ہوئی دیکھی۔ آپ نے سختی سے باز پرس کی اور سب دیوار گروا کر نئی بنوائی۔ یہ بظاہر ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ لیکن مولانا کی ساری زندگی کے شعار کی آئینہ داری کرتا ہے۔ آپ بحیثیت امیر اپنے آپ کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے۔ کہ قوم کا ہر ایک کام نہایت دیانتداری اور خوش اسلوبی سے ہو۔ اور اس میں کسی قسم کے نقص یا سہل انگاری کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ قرآن کے اس ارشاد کا کہ ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا۔ کی آپ نے زندگی بھر عملی تفسیر کر کے دکھائی۔

فطرتی تعمیر پسندی جہاں مولانا کے امتیازات میں قلم کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، وہاں میں سمجھتا ہوں ایک اور بھی صفت مولانا کی ایسی تھی جس کی نظیر تلاش کرنا مشکل ہوگا۔ وہ آپ کی تعمیر پسند افتاد فطرت تھی۔ آپ جہاں گئے وہاں ہی کچھ نہ کچھ بنتا گیا۔ ہر طرف قومی تعمیر کی منصوبہ بندی ہونے لگی اور منصوبہ بندی کاغذ تک محدود نہ رہی بلکہ بروئے کار آئی۔ قادیان میں جس قدر تعمیری کام ہوا اس کے بحیثیت سیکرٹری مولانا ہی روحِ رواں تھے۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عالی شان عمارت اور اس کے ساتھ ہوسٹل کی شاندار عمارت لاہور کے کالجوں کی عمارات کو بھی مات کرتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک وسیع مسجد تعمیر کی گئی۔ جس کا نام مسجد نور تھا۔ یہ تمام کام مولانا کی براہِ راست نگرانی میں سرانجام پایا۔ قادیان سے لاہور ہجرت کر کے آئے تو از سرِ نو اس طرح مصروفِ عمل رہنے لگے جیسے شہد کی مکھیاں ایک چھتے سے اُٹھ کر منتشر ہو کر ایک اور جگہ چھتہ بنانے لگتی ہیں۔ یہاں بھی کیفیت یہ تھی کہ اس نئی قوم سازی کی روحِ رواں مولانا ہی کی ذات تھی۔ اور آپ ہی کے گرد بانی کے احباب جو ایک مٹھی بھر تھے جمع ہوئے۔ بیٹھنے کو میز

کرسی تک نہ تھی۔ نہ ہی کوئی سرمایہ تھا۔ یہ ایک اور اعجاز نما کرشمہ تھا کہ اس بے سروسامانی کے ساتھ جس نئی قومی تعمیر کی بنیاد ڈالی گئی وہ اس قدر جلد جلد بڑھتی گئی اور خدمتِ اسلام کا اس قدر ٹھوس کام ہونے لگا کہ بلا مبالغہ احمدیہ بلڈنگس اسلامی ہندوستان کے لئے حیات ملی کا ایک زندہ مرکز بن گیا۔ ہر ایک اسلامی معاملہ میں اگر صحیح قیادت کے لئے سمجھدار مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھتی تھیں تو احمدیہ بلڈنگس کی طرف اُٹھتی تھیں۔

احمدیہ بلڈنگس کو مرجع فکرِ اسلامی بنایا

مسلمانوں کا کوئی جلیل القدر لیڈر ایسا نہ تھا جو احمدیہ بلڈنگس چل کر مولانا سے ملنے نہ جاتا۔ علامہ اقبال۔ سر فضل حسین، چوہدری سر شہاب الدین، سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، اُس زمانے کے سربرآوردہ رہنما سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو مولانا سے گہری عقیدت تھی۔ اور ہر ایک قومی معاملہ میں آپ سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ مشہور تحریک خلافت کے لیڈر مولانا محمد علی جوہر ایک دفعہ احمدیہ بلڈنگس مولانا کو ملنے آئے۔ مولانا نچلی منزل میں اپنے دفتر میں تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی مولانا جوہر نے انہیں بغلگیر کرکے کہا کہ مولانا آپ کے نام سے بڑا فائدہ اٹھاتا ہوں۔ جہاں کہیں اندرونِ ہند و بیرونِ ہند جاتا ہوں لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ہی وہ محمد علی ہوں جس نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ جو علمی دنیا میں بین الاقوامی شہرت کا شاہکار بن گیا ہے۔ مولانا جوہر بڑے صاف گو آدمی تھے۔ محض مولانا سے گہری عقیدت کا جذبہ ہی انہیں احمدیہ بلڈنگس کھینچ لایا تھا۔ اس عقیدت کی شہادت مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی مولانا کے انگریزی ترجمہ قرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے دی ہے

قائدِ اعظم سے دیرینہ تعلقات

قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی اس وقت سے مولانا کے ملنے والوں میں سے تھے۔ جبکہ وہ محض مسٹر جناح تھے اور کانگرس کے چوٹی کے لیڈروں میں سے تھے۔ مگر ان ایام میں بھی اسلامی ہندوستان کے بھی ایک جلیل القدر لیڈر سمجھے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ لاہور آئے تو مولانا نے ان کے احترام میں چاء پارٹی کا انتظام کیا۔ جس میں لاہور کے سربرآوردہ مسلمان مدعو تھے۔ پارٹی اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک شامیانے کے نیچے ہوئی۔ مولانا نے ایک مختصر سی تقریر میں اپنی انجمن کی اسلامی خدمات کی طرف توجہ دلائی۔ اُن دنوں شدھی کی تحریک زور پر تھی اور انجمن نے اس کے خلاف بھی بڑا کام کیا تھا۔ مولانا نے اپنے عقائد بھی بیان کئے اور بتایا کہ فرقہ بندی سے بالاتر ہوکر اشاعتِ اسلام میں لگ جانا ہی دراصل سلسلہ احمدیہ کی اصلیت ہے۔ اس تقریر کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ بعد میں مہمان آپس میں باتیں کر رہے تھے تو جناح صاحب مولانا کو ایک طرف کرکے ان سے اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں بھی ساتھ کھڑا سن رہا تھا۔ جناح صاحب نے انجمن کے کاموں کی تعریف کی اور متعصب مسلمانوں کی طرف

سے مخالفت کا افسوس کرتے رہے۔ گفتگو انگریزی میں تھی۔ ایک فقرہ جس سے مولانا کی بے تکلفی ٹپکتی تھی اب تک میرے کانوں میں گونجتا ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ جماعتِ احمدیہ کے تعلقات کے سلسلے میں کہنے لگے:- "Look here Muhammad Ali! You should also be tactful. Don't be aggressive in your preachings.

قائدِ اعظم مولانا کے مکان پر

بہت مدّت بعد جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ ہند کے مطالبۂ پاکستان کی قیادت ہاتھ میں لی تو وہ مولانا کی دعوت پر ان کی کوٹھی واقع مسلم ٹاؤن میں ایک چائے پارٹی پر تشریف لائے۔ انجمن کے ممبروں کو بھی مولانا نے مدعو کیا تھا۔ قائدِ اعظم نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں آپ نے انجمن کی خدمات کو سراہتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا جو انجمن کے اخبار لائٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ نے بتایا کہ ایک گفتگو کے دوران میں وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے مجھ سے کہا کہ تمہارے اس تازہ بیان نے کہ ڈیموکریسی ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے، ملک میں ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ آپ کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ کس طرح ایسے اچھے نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے بیان کیا کہ میں نے وائسرائے کو کہا کہ میں آپ کو ایک اخبار بھیجوں گا۔ پہلے وہ آپ پڑھ لیں چنانچہ میں نے لائٹ کا وہ پرچہ جس میں اس موضوع پر مضمون تھا کہ پارلیمانی جمہوریت ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے، وائسرائے کو بھیج دیا۔ انہوں نے اگلے ہی دن مجھے وہ اپنے نوٹ کے ساتھ واپس بھیجا۔ اور لکھا کہ اب آپ کی پوزیشن مجھے سمجھ آگئی ہے جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق بجانب ہے۔ یہ واقعہ بیان کر کے قائدِ اعظم نے کہا کہ آپ کی انجمن بہت اعلیٰ کام کر رہی ہے۔ آپ کا "لائٹ" میرے پاس آتا ہے۔ میں ایک سیاسی آدمی ہوں اور سیاسی مضامین کے لئے یہ اخبار پڑھتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی مذہبی مضامین بھی پڑھتا ہوں۔ اور اس کی باقاعدہ فائل رکھتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میرے پاس بیرونی ممالک سے بھی اسلام کے متعلق خطوط آتے ہیں۔ باہر کے لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں اس لئے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے لکھتے ہیں۔ میں ایسے خطوط مناسب جواب کے لئے آپ کی انجمن کے پاس بھیج دیتا ہوں۔

زائرین کی آمد

بیرونی ممالک سے جب کوئی سیّاح لاہور آتے تھے تو لازمًا مولانا سے ملنے کے لئے آتے تھے۔ ایک دفعہ مصر کے جامع ازہر کے تین بڑے علماء کا ایک وفد ہندوستان کے دورے پر آیا اور قیام لاہور کے درمیان میں مولانا سے بھی ملنے آئے اور بڑی دیر تک احمدیت کے متعلق گفتگو عربی میں ہوتی

رہی ہیں اور مولانا احمد صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ ان علماء کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے دل میں مولانا کی تصانیف اور خاص طور پر انگریزی ترجمہ قرآن کا بڑا احترام تھا۔

مسیحی دنیا میں مولانا کا احترام

غیر مسلم مشاہیر بھی جو لاہور آتے تھے تو مولانا سے ملنے آتے تھے۔ ایک دفعہ ہالینڈ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر کریمر اسلامی ممالک کا دورہ کرتے ہوئے محض مولانا کو ملنے لاہور آئے۔ اور احمدیہ بلڈنگس والے مکان میں کئی گھنٹے مولانا سے گفتگو کرتے رہے اور تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے۔ میں اس گفتگو میں موجود تھا۔ بعد میں اپنے دورے کا حال مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" میں لکھتے ہوئے انہوں نے مولانا سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ اور لکھا کہ جماعت احمدیہ لاہور کا اندازہ اس کی تعداد سے نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے کام اور اثر و رسوخ سے کرنا چاہیئے۔ اور یہ اسی جماعت کے پیدا کردہ لٹریچر کی برکت ہے کہ مسلمانوں کا نو تعلیمیافتہ طبقہ ابھی تک اسلام کے ساتھ وفاداری پر قائم ہے۔

پادریوں میں سے ریورنڈ ہیون جونز جو لاہور کے مسیحی ادارہ ہنری مارٹن سکول آف اسلامکس کے پرنسپل تھے اکثر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اپنی تصنیف People of the Mosque میں انہوں نے اکثر جگہ مولانا کا ذکر کیا ہے اور ان کی تصانیف سے حوالے نقل کئے ہیں۔

ڈاکٹر آف ڈیوینیٹی کے لئے روما میں مولانا پر ریسرچ

مسیحی مشنری حلقوں میں مولانا کی شخصیت کی عظمت کا جو احساس ہے اس کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ پچھلے سال ووکنگ میں ہمارے پاس ایک پاکستانی نوجوان آیا جو عیسائی ہو چکا تھا اور مشنری کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکا تھا۔ اس کو روما کے مشہور مشنری ٹریننگ کالج میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجا گیا تھا اور کالج والوں نے اسے ڈاکٹر آف ڈیوینیٹی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے جو مضمون Thesis لکھنے کو دیا تھا وہ مولانا محمد علی پر ریسرچ کرنا تھا۔ اس لئے یہ نوجوان روما سے ووکنگ آیا تھا کہ مولانا کی زندگی اور شخصیت اور تصانیف کے متعلق معلومات حاصل کرے۔

الغرض مولانا کی زندگی کیا تھی۔ مذہبی دنیا میں ایک زندہ اور فعال مرکز کی طرح تھی۔ جس نے مسلم اور غیر مسلم ہر دو حلقوں کو متاثر کیا تھا۔ آپ کے بلند خیالات اور دیانتدارانہ طرز تحریر نے ہر حلقہ میں خراج احترام حاصل کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ آپ اسلام کی اس تصویر کے علمبردار تھے جو احمدیت نے پیش کی ہے اور اس میں بعض باتیں عوام کے معتقدات کے خلاف تھیں، اور اسی طرح مسیحیت اور دیگر مذاہب پر آپ نے جو کچھ لکھا وہ اُن کے خود ساختہ قلعوں کو مسمار کرنے والا تھا۔ مگر اندازِ تحریر اس قدر غیر متعصبانہ اور

انصاف پسندانہ اور معقول اور مدلّل ہوتا تھا کہ کسی کے دل کو اس سے ٹھیس نہیں لگتی تھی۔ اور باوجود اختلاف خیالات کے مخالفین کے دلوں میں بھی مولانا کی علمیّت اور ذہنی دیانت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔

انجمن کا مالی استحکام

مولانا کی ایک صفت کو میں نے آپ کی تعمیری صلاحیّت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ صلاحیت مذہبی اور علمی حلقے تک محدود نہ تھی۔ بلکہ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھی۔ انجمن کے مالی استحکام پر آپ نے اسی قدر زور دیا جس قدر علمی سرگرمیوں پر۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی تحریک قوم کے سامنے رکھتے تھے جس سے قوم میں مالی جہاد کی سپرٹ زندہ رہتی تھی۔ اور خدا نے ان کی آواز میں خاص تاثیر رکھی تھی۔ آپ کے انداز تقریر میں وہ چیز قطعاً مفقود تھی جسے سٹیج ایکٹنگ کہتے ہیں بلکہ وہی سادگی تھی جو آپ کی تحریر میں تھی۔ اور یہی وہ بڑا فرق ہے جو ایک جذباتی مقرر اور ایک سنجیدہ مقرر کی تقریروں میں ہوتا ہے۔ ایک کے سامنے زیادہ تر سامعین کی واہ۔ واہ ہوتی ہے۔ ان کے جذبات سے کھیلنا ہوتا ہے۔ دوسرا قوم کو ایک ٹھوس تعمیری کام کے لئے تیار کرنا چاہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کا اثر وقتی ہوتا ہے اور دوسرے کا پائدار ہوتا ہے۔ اور یہی پائداری کی کیفیت مولانا کی تقریروں میں تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ سالانہ جلسہ پر آپ چندہ کی اپیلوں کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے حاضرین کے قلوب میں تحریک کر رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا قلب ہو گا جو متأثر نہ ہوتا ہو گا۔ لوگ دل کھول کر چندہ دیتے تھے۔ خدا کی طرف سے ان کی آواز میں برکت بھر دی جاتی تھی۔ جو دلوں کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک غیر از جماعت دوست جو پشاور کے ایک مشہور ڈاکٹر تھے ایک ایسی ہی اپیل پر اس قدر متأثر ہوئے کہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر کئی ہزار کی رقم پیش کی۔

میں تذکرہ مولانا کی صلاحیتوں کا کر رہا تھا کہ وہ فطرتاً تعمیری تھیں۔ تخریب مولانا کی افتاد طبیعت کے ہی خلاف تھی۔ آپ کی ساری جدوجہد قوم کی شیرازہ بندی اور استحکام کے کاموں کے لئے وقف تھی۔ یہ مولانا کی ہی تعمیری صلاحیّت کی بدولت تھا کہ اوکاڑہ میں ایک بڑی جاگیر حکومت کی طرف سے انجمن کو ملی۔ جس سے اس تحریک کی مالی بنیادیں خوب مضبوط ہوئیں۔ مسلم ٹاؤن کے باہر ایک بڑا رقبہ انجمن کے لئے نہایت سستی قیمت پر حاصل کیا۔ تاکہ وہاں کھلی فضا میں ایک ایسا مرکز تعمیر کیا جائے جو اس تحریک کی بین الاقوامی حیثیت کے شایانِ شان ہو۔ کراچی کے قریب مالیر میں کوڑیوں کے دام انجمن کے لئے ایک وسیع رقبہ حاصل کیا۔ جسے اب انجمن نے کئی لاکھ میں فروخت کیا۔ سندھ میں سینکڑوں ایکڑ زمین انجمن کے لئے سستے داموں حاصل کی۔ الغرض مولانا نے مالی لحاظ سے بھی تعمیر قومی کا وہ حق ادا کیا جو اپنی نظیر آپ ہے۔

خطباتِ جمعہ

مولانا کے خطباتِ جمعہ کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ قوم کی تربیت

اور تنظیم میں ان خطبات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ مولانا کے خطبات کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ کبھی باسی (stale) نہیں ہونے پاتے تھے۔ ہر ایک خطبہ روحانی غذا کی ایک نئی ڈش سامعین کے سامنے رکھتا تھا۔ ایک سورۂ فاتحہ پر (مجھے یاد ہے) مولانا نے متواتر جمعے بہت سے خطبے دیئے۔ مگر ہم حیران ہوتے تھے۔ اعادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس قدر لمبے عرصہ آپ نے خطبے دیئے اور سامعین کا شوق کبھی کم نہ ہونے پایا۔ یہ آسان کام نہیں ہے۔ عموماً خطیب صاحبان کا سرمایۂ علمی چند خطبات تک محدود ہوتا ہے۔ جب کوئی نئی بات نہیں ملتی تو وہی باتیں دہرانے لگتے ہیں اور ان میں غذائیت نہیں رہتی۔ اور قوم کی ذہنی اور روحانی نشو و نما بند ہو جاتی ہے۔ مولانا کے خطبات کا معیار کبھی گرنے نہ پایا، بلکہ ہر جمعہ کو لوگ منتظر رہتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے کہ مولانا کی زبان سے آج کون سے نئے معارف نکلتے ہیں۔ آپ کے خطبات پُر مغز ہوتے تھے۔ ایک خطیب وہ ہوتا ہے جسے مجبوراً کچھ کہنا ہی ہوتا ہے ایک ایسا ہوتا ہے جس کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات ہوتی ہے۔ مولانا کے خطبات مؤخر الذکر نوعیت کے تھے اور نئے معارف ہوتے تھے۔ اس طرح وہ ہر ہفتہ قوم کی تربیت کے لئے ایک نئی ٹانک تیار کر کے لاتے تھے۔ مولانا کے خطبات کی یہ خصوصیت آپ کا ایک اور بے نظیر امتیاز تھا۔ ہر خطبہ کیا خطبہ کا ہر فقرہ ایک نئی چیز سامنے لاتا تھا۔ جس طرح آپ کی تحریر ٹھوس اور جامع تھی اور کوئی فقرہ فالتو نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح آپ کی تقریر بھی ٹھوس حقائق و معارف پر مشتمل ہوتی تھی۔ میں نے اس بسط کے ساتھ اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ ہر ہفتہ ایک نئی روحانی غذا اور نہایت لذیذ غذا قوم کے لئے تیار کر کے لانا یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں بھی منفرد کیا تھا۔ بے شک ہمارے اندر بہت بڑھ کر لسان اور فصیح و بلیغ مقرر بھی کثرت سے تھے۔ مگر مولانا کی سادگیٔ الفاظ اور سادگیٔ اندازِ بیان میں جو تاثیر تھی وہ کچھ چیز ہی اور تھی۔ اس کی تشریح اس سے بہتر نہیں ہو سکتی جو ایک دفعہ خواجہ کمال الدین مرحوم کی زبانی میں نے سُنی۔ فرمانے لگے۔ ”عام طور پر جب ایک خطیب یا مقرر ایک دو فقرے زبان سے نکالتا ہے تو میں اسی وقت سمجھ جاتا ہوں کہ اب آگے اس نے کیا کہنا ہے اور اس کی ساری تقریر کا خاکہ اسی وقت میرے ذہن میں آ جاتا ہے اور اسی لئے میری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر مولوی (یہ خواجہ صاحب کا محبت آمیز اندازِ خطاب مولانا کے متعلق ہوتا تھا) مولوی جب ایک فقرہ کہتا ہے تو مجھے قطعاً پتہ نہیں لگتا کہ یہ آگے کیا کہے گا۔ اور ہر نیا فقرہ نئی بات لے کر آتا ہے۔ اور اس لئے میں شروع سے آخر تک ہمہ تن گوش بن کر سنتا رہتا ہوں۔“ یہ کسی خوش اعتقاد مرید کی بات نہیں ہے بلکہ ایک صاحبِ فن کا خراجِ عقیدت ہے۔ خواجہ صاحب خود ایک مانے ہوئے ماہرِ فن مقرر

تھے۔ اور جانتے تھے کہ قلوب کو گرفت میں لے آنے والی تقریر کیسی ہونی چاہیئے۔ انہوں نے جس خوبصورتی سے مولانا کی تقاریر اور خطبوں کے پُر مغز اور پُر معارف ہونے پر تبصرہ کیا وہ خواجہ صاحب کا ہی حصّہ تھا۔ اور اس سے بہتر مولانا کے خطبات کی افادیت کا کوئی نقشہ نہیں کھینچا جا سکتا۔ اس سے خواجہ صاحب کی وسعتِ ظرفی کا بھی اندازہ کرنا چاہیئے۔ کہ کس فراخ دلی سے اپنے ایک رفیق کار کے تبحر علمی کا اعتراف کیا۔

متوازن دل و دماغ

مولانا کو یقیناً مشیئت ایزدی نے اس خاص مشن کے لئے پیدا کیا تھا کہ اس علمی زمانے میں آپ قلم کے ذریعے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کریں۔ اور اس کے لئے آپ کو افتادِ فطرت بھی ایسی دی تھی جو اس مقصد کے لئے موزوں ہو سکتی تھی۔ دل و دماغ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے تھے وہ اس قدر متوازن تھے کہ انہیں توازن مجسم کہا جا سکتا تھا۔ خیالات ہوں، جن کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے یا جذبات ہوں، جن کا سرچشمہ قلب ہوتا ہے۔ دونوں میں ہر قسم کے افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قائم کیا تھا۔ بود و باش میں، لباس میں، خورد و نوش میں، لوگوں سے تعلقات میں، ہر معاملہ میں آپ کا طریق میانہ روی کا تھا۔ قرآن کریم میں جہاں عباد الرحمٰن کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب زمین پر چلتے ہوں تو انکساری سے چلتے ہیں، جب کوئی لغویات دیکھتے ہیں تو وقار کے ساتھ نظر انداز کر کے گذر جاتے ہیں۔ جب کوئی بدتمیزی سے بات کرے تو سلامت روی سے اس سے اعراض کرتے ہیں، مولانا اسی قسم کی زندگی کی ایک چلتی پھرتی تصویر تھے۔ کبھی کسی سے بدکلامی تو کیا، تلخ کلامی بھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اور ہر حالت میں مجسّم وقار کا نمونہ پیش کیا۔

بحیثیت صدر انجمن

انجمن کے صدر کی حیثیت سے مولانا کو دو خصوصیتیں ایسی حاصل تھیں جو اپنی جگہ مثالی تھیں۔ انجمن ایک جمہوری ادارہ ہے۔ اس کے انتخابات ہر تیسرے سال کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ اور فیصلے بھی کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔ مگر ۱۹۱۴ء سے جب سے انجمن کی بنیاد پڑی ۱۹۵۱ء تک جب تک آپ زندہ رہے امارت اور صدارت دونوں عہدے قوم کی طرف سے بالاتفاق اُن کی خدمت میں پیش ہوتے رہے۔ مولانا انجمن کے اجلاسوں کی محض صدارت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام معاملات میں انجمن کی رہنمائی کرتے تھے اور اس پر اپنا پورا زور لگاتے تھے۔ کبھی کبھی دوست اس بات پر تل جاتے تھے کہ ہم نے ضرور اپنی بات منوانی ہے۔ اور کثرت رائے کا فیصلہ مولانا کی رائے کے خلاف ہو جاتا تھا۔ مگر یہاں مولانا کی اصول پسندی کا بہترین مظاہرہ سامنے آ جاتا تھا۔ آپ بلا چون و چرا یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ فیصلہ انجمن کے مفاد کے خلاف ہے اس فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ گویا مولانا کی لیڈرشپ اور رہنمائی ان دونوں نظریوں کی ایک معتدل آمیزش تھی۔ جو اس وقت دنیا بھر میں ملکی سیاست میں مسئلہ بحث بنے ہوئے

ہیں۔ آپ کی صدارت ایک پارلیمانی قسم کے ادارے کی صدارت تھی۔ مگر جمہوریت کے انتشار انگیز رجحانات اس میں اُبھرنے نہ پائے اور اس طرح آمرانہ قسم کے اداروں میں جو یکجہتی اور تیز رفتاری کے فوائد ہوتے ہیں وہ بھی حاصل ہوتے رہے، بغیر اس کے کہ آمریت کی قباحتیں پیدا ہوں۔ یہ خوشگوار امتزاج جو بظاہر اجتماعِ ضدین تھا، محض اس لئے ممکن ہو سکا کہ اس کے تحت آپ کی بے نفسی اور للہیت تھی۔ کسی کام میں ذاتی غرض یا اقتدار مدنظر نہیں ہوتا تھا۔

شفقتِ پدری مولانا کی خانگی زندگی کی ایک جھلک میرے مشاہدہ میں ان ایام میں آئی جب آپ کی بڑی صاحبزادی عطیہ بیگم ٹی۔ بی کے موذی مرض کے آخری مراحل تک پہنچ گئی تھیں۔ میری رہائش احمدیہ بلڈنگس میں آپ کے مکان کے قریب ہی تھی۔ مجھے کئی دفعہ ایسا اتفاق ہُوا کہ میرے گھر میں رات کو اچانک بیماری کا حملہ ہُوا۔ تو میں گھبراہٹ میں مولانا کے ہاں پہنچ جاتا تھا۔ سردیوں کی لمبی راتیں تھیں۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ مگر جب بھی ان دنوں میں ایسی اچانک ضرورت پر مولانا کے مکان کی بالائی منزل میں پہنچتا تھا تو کیا دیکھتا تھا کہ بچی کی چارپائی کے پاس فرش پر بیٹھے مولانا جاگ رہے ہیں اور اس کی تیمارداری کر رہے ہیں۔ دن بھر دماغ سوزی کا کام اور رات کو یہ مجاہدہ۔ مجھے دیکھ کر اپنی گھبراہٹ پر ندامت ہوتی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی کہ بچی بسترِ مرگ پر پڑی تھی اور میں اپنی ایک معمولی تکلیف لے کر ان کے پاس جاتا تھا۔ مولانا نہایت اطمینان اور غور سے میری بات سُن کر مناسب مشورہ یا امداد دیتے تھے۔ کچھ مدت بعد جب بچی بالآخر جانبر نہ ہو سکی تو اس حالت میں بھی مولانا کا صبر و سکون دیکھنے والا تھا۔ ایک طرف بچی سے اس قدر محبت اور اس قدر شفقتِ پدری کہ خود راتوں کو اس کی تیمارداری کرتے تھے، مگر جب قضائے الٰہی کو یہی منظور ہُوا کہ اُسے اپنے پاس بلالے تو بھی مولانا کے ماتھے پر شکن نہیں آیا اور چہرہ ایسا پُرطمانیت تھا گویا کچھ ہُوا نہیں۔

عام انسانوں کی سطح پر جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے بھی مولانا پوری احتیاط اور باقاعدگی سے ایک مقررہ روٹین پر چلتے تھے۔ علی الصبح نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے بہت قبل سیر کو نکل جایا کرتے تھے اور کئی میل کا چکر لگا کر آتے تھے۔ ہفتہ میں ایک بار آؤٹنگ (outing) پر بھی جاتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، جنہیں مولانا سے بے حد محبت تھی، ہر بدھ کے روز نمازِ ظہر کے بعد اپنی کار پر مولانا کو لاہور سے بیس تیس میل باہر لے جاتے تھے۔ مجھے بھی ساتھ لے لیتے تھے۔ پھل کا ایک ٹوکرا اپنی طرف سے رکھ لیتے تھے، بندوقیں بھی ساتھ لیتے تھے اور مولانا بھی اپنی بندوق ساتھ رکھ لیتے تھے۔ مگر شکار کا تو نام ہوتا تھا۔ اصل مقصد تو یہ ہوتا تھا کہ باہر کھلی ہوا میں چل پھر کر

تفریح ہو جائے۔ اور اپنے دماغی مشاغل کے لئے مولانا تازہ دم ہو جایا کریں۔ ان مواقع پر نہایت لطیف ہنسی مذاق بھی ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں بڑی محنت سے شکار کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن جب فائر کیا تو نشانہ خطا گیا اور پرندہ اُڑ گیا۔ مرزا صاحب اور مولانا دونوں دیکھ رہے تھے اور خوب ہنسے۔ میں نے کہا اچھا ہوا بیچارے پرندے کی جان بچ گئی۔ مولانا بعد میں اسے بطور ایک لطیفہ کے سناتے تھے کہ خانصاحب کا شکار سب سے اچھا ہے۔ مل جائے تو بھی خوش کہ شکار ہاتھ آ گیا اور نہ ملے تو بھی خوش کہ جانور کی جان بچ گئی۔ شکار میں لمبا فاصلہ پیدل بھی چل لیا کرتے تھے اور گو میری عمر جوانی کی تھی مجھ سے چلنے میں ان کا دم زیادہ لمبا تھا۔ بعض اوقات میں رہ جاتا تھا مگر مولانا برابر چلتے جاتے تھے۔

بایں علم و فضل مولانا میں علماء جیسی نہ طبیعت میں خشکی تھی نہ کاہل الوجودی اور آرام طلبی جسے human touch کہتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو عام انسانوں میں سے سمجھنا اور اسی طرح رہنا سہنا، اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیا۔ لطیف ظرافت سے بھی لطف اندوز ہوتے جو سچی بڑائی کی ایک علامت ہے۔

حضرت مولانا کا مقام

مولانا بلاشبہ ایک عظیم الشّان شخصیّت کے مالک تھے۔ خدمت اسلامی کا جو کام آپ نے سرانجام دیا وہ بھی عظیم الشان تھا۔ احمدیہ تحریک لاہور کے تو گویا وہ بانی اور رُوحِ رواں تھے اور اس حد تک انہوں نے اپنے آپ کو تحریک میں مدغم کیا تھا کہ یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ مولانا کی ذات ہی لاہوری احمدیہ تحریک تھی۔ اور لاہوری احمدیہ تحریک مولانا کی ذات تھی۔ آپ کے کارناموں کے لحاظ سے تاریخ اسلامی میں آپ کا صحیح مقام قائم کرنا تو آنے والے تاریخ نویس کا کام ہوگا۔ سردست ہم، جو ابھی ابھی آپ کی قیادت سے محروم ہوئے ہیں، اپنے احساسات کی ترجمانی شاعر کے اس مصرع سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتے کہ ؏

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

یادِ محبوب

(از قلم نصیر احمد صاحب فاروقی)

ہاں دکھا دے اَے تصوّر پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اَے گردشِ ایّام تو

مولانا محمد علی مرحوم میرے بہنوئی تھے۔ اس رشتہ کی وجہ سے مجھے ان سے ملنے اور ان کے ساتھ رہنے کے موقعے حسبِ معمول بھی ملے اور معمول سے زیادہ یوں ملے کہ ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۲۹ء تک میں لاہور میں کالج میں تعلیم پاتا رہا اور چونکہ میرا قیام احمدیہ بلڈنگس کے بالکل ساتھ تھا اس لئے حضرت مولانا مرحوم سے ملتے جلتے کے دن رات مواقع میسر آتے رہے۔ اور موسم گرما میں خوش قسمتی سے کالج کی لمبی تعطیلات میں مجھے ان کے ساتھ ڈلہوزی میں رہنے سہنے کے مواقع ملتے رہے۔ چونکہ میں ان کے گھر میں ہی قیام رکھتا تھا۔ اس لئے دن رات کا ساتھ رہتا تھا۔ بعد میں جب میں صوبہ بمبئی میں ملازم تھا۔ تو حضرت مرحوم وہاں دو دفعہ تشریف لائے اور میرے غریب خانہ پر رہے۔ بالآخر خوش قسمتی سے اُنہوں نے زندگی کے آخری تین موسم گرما میرے ہاں کراچی گذارے۔

مولانا محمد علی کی ذات وصفات اور ان کی تحریری وتقریری خدمات ایسی ممتاز ہیں کہ تاریخ اسلام میں ان کی شخصیت مشاہیر میں سے رہے گی۔ ان کی خدمات اور کارناموں کی تفصیل دوسری جگہ آپ کو ملے گی۔ میں اس مضمون میں صرف ان کی ذات وصفات کا کچھ ذکر کرونگا۔ ان کی تحریریں وتصانیف صفحۂ قرطاس پر ہیں اور دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ ان کی تقریریں بھی قلم بند ہو چکی ہیں۔ کاش ان کی ذات وصفات کا کوئی ویسا ہی مفصل ریکارڈ ہو سکتا۔

حضرت مرحوم سے جو غیر لوگ ملتے تھے وہ ان کے گرویدہ تھے۔ لاکھوں انسانوں کا حضرت کے حسنِ اخلاق، علم وفضل اور روحانی کمالات کا معترف ہونا چھوٹی سی بات نہیں۔ مگر باہر تو اور لوگ بھی کم وبیش اپنا عمدہ نمونہ دکھا لیتے ہیں۔ گھر میں دن رات کی معیت میں وہ نمونہ دکھانا کہ دیکھنے والا دل وجان سے شیدا ہو جائے یہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے۔ حدیث شریف کے اس پُرحکمت معیار پر کہ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ حضرت مرحوم ایسے پورے اُترے کہ ان کے عزیز رشتہ دار نہ صرف سب سے بڑھ کر ان کی عزّت کرتے تھے، ان کے حسنِ اخلاق کے گرویدہ تھے، ان کو ایک عظیم الشان روحانی ہستی سمجھتے تھے بلکہ ان پر دل وجان سے فدا تھے۔ حالانکہ رشتہ داروں میں اکثر شکر رنجیاں پیدا ہونے کے موقع آجاتے

ہیں اور رشتہ دار سب سے بڑھ کر نکتہ چین ہوتے ہیں۔

میرے والد مرحوم (ڈاکٹر بشارت احمد صاحب) خود ایک بہت عظیم الشان رُوحانی بزرگ تھے اور زبردست علم قرآن رکھتے تھے۔ بحیثیت خُسر ہونے کے وہ مولانا محمد علی کے بزرگ تھے مگر میرے والد حضرت مولانا (یعنی اپنے داماد) کی اس طرح عزت کرتے تھے جس طرح ایک بیٹا اپنے ایسے باپ کی کرتا ہے جو سرتاپا خوبیوں کا مرقع ہو۔ یہی حال میری والدہ کا تھا جو حضرت مولانا کا ایسا ادب اور عزت کرتی تھیں۔ جس طرح کہ ایک مرید اپنے باکمال پیر کی کرتا ہے۔ اور یہی حال باقی عزیزوں اور رشتہ داروں کا تھا۔

روحانی علم وفضل اور خوبیوں کے علاوہ حضرت مولانا میں ایک عجیب خوبی تھی۔ وہ دنیا سے بھی باخبر تھے۔ ریاضی کے ماہر اور انگریزی کے ایم۔اے تھے۔ قانونی امتحان میں تمام صوبہ میں امتیاز سے پاس ہوئے تھے۔ مگر یہ تو جوانی کی بات تھی۔ جب دنیا پر لات مار کر دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کی تو صبح سے شام تک خدمتِ دین میں لگے رہتے تھے۔ مگر ان مصروفیات میں سے وقت نکال کر وہ اخبارات اور کتابوں کے مطالعہ سے دنیا کے حالات و معاملات سے ایسے باخبر تھے کہ جب دنیاوی معاملات پر رائے زنی کرتے تو وہ نہایت باخبر اور صحیح ہوتی۔ اس وجہ سے لوگ نہ صرف ان سے دینی اور روحانی سوال کرتے بلکہ دنیا کے معاملہ میں بھی مشورہ لیتے اور وہ اکثر صائب ہوتا۔ غرضکہ دین اور دنیا کی خوبیاں دونوں خداوند کریم نے عطا فرمائی تھیں۔ اگرچہ دنیا میں ملوث بالکل نہ تھے مگر ایک باخبر مشاہدہ کرنے والے کی طرح رہتے تھے ——— ایک اور غیر معمولی خوبی حضرت مرحوم میں تھی۔ وہ یہ کہ ان کے اوقات اور عادات میں ایسا ضبط تھا اور باقاعدگی تھی کہ انسان ان کے مطابق اپنی گھڑی ٹھیک کر سکتا تھا۔ دن رات کے اوقات ایسے منضبط اور باقاعدہ تھے کہ دین اور دنیا کے تمام فرائض ادا کرتے رہے اور ساتھ ہی زیادہ سے زیادہ کام کر گئے۔ آپ نے جو خدمتِ اسلام تصانیف اور تقاریر کے رنگ میں کی ہے وہ اس قدر زبردست ہے کہ اگر وہ ایک معمولی انسان کے فرائض نہ بھی ادا کرتے تو معذور سمجھے جا سکتے تھے۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ اپنے عزیزوں۔ دوستوں بلکہ غیروں تک کی خدمت اور نگہداشت کے لئے حضرت مولانا کے پاس جتنا ضروری ہو اتنا وقت بھی نکل آتا تھا اور ساتھ ہی اس مصروفیت اور انہماک سے تحریری کام میں لگ جاتے تھے کہ گویا دنیا کے اور کسی کام کا ہوش نہیں۔

ایک اور خصوصیت مولانا میں قابلِ رشک تھی۔ وہ یہ تھی کہ باوجود عبادت و ریاضت و محنت اور باوجود زہد و تقویٰ کے مولانا خشک طبع نہ تھے بلکہ ہر وقت ہنستا اور مسکراتا چہرہ ہوتا تھا۔ عزیز رشتہ داروں یا دوست احباب میں بے تکلفی سے بیٹھتے اور پاکیزہ مذاق و لطیفہ گوئی فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ میری ہمشیرہ بیٹھی اپنے لئے پان لگا رہی تھیں کہ حضرت مولانا وہاں سے گذرے تو فرمانے لگے کس کے لئے پان لگا رہی ہو؟ انہوں نے اس خیال سے کہ مولانا جو کبھی کبھی دیدیں تو پان کھا لیتے ہیں اب بھی شاید پان کھانا پسند کریں گے۔ کہا۔ "آپ کے لئے۔" تو فوراً فرمانے لگے لفظ "اپنے" دل میں تو نہیں کہہ گئیں (قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ اب فقرہ یوں بنا کہ "اپنے آپ کے لئے" جو کہ امر واقع تھا)۔

مولانا مرحوم کا اپنے پرسنل اسسٹنٹ مولوی عبدالوہاب صاحب سے بہت مذاق رہتا تھا۔ مولوی عبدالوہاب سیدھے اور سادہ لوح انسان تھے۔ اپنی سادگی کی وجہ سے اکثر ایسی باتیں کہہ جاتے تھے کہ مولانا مرحوم اس پر مہذب لیکن نہایت پر لطف مذاق کرتے تھے۔ ڈلہوزی میں مولوی عبدالوہاب کی منجملہ اور ڈیوٹیوں کے یہ ڈیوٹی ہوتی تھی کہ پانچ وقت اذان دیں۔ اس پر میرے والد مرحوم ایک دفعہ فرمانے لگے کہ حضرت بلالؓ کی طرح مولوی عبدالوہاب کی چاپ جنت میں مولانا محمد علی صاحب کے آگے آگے ہوگی۔ حضرت مولانا محمد علی نے بے ساختہ فرمایا۔ "ان کے پاؤں کی چاپ کے پیچھے چلا تو خدا جانے میں کہاں سے کہاں پہنچ جاؤنگا۔"

ایک دفعہ اذان کے بعد ہم حضرت مولانا کے منتظر تھے کہ تشریف لائیں تو جماعت ہو۔ میں نے مولوی عبدالوہاب سے کہا۔ "مولوی صاحب آپ حضرت مولانا کی خدمت ذرا زیادہ توجہ اور دل لگا کر کیا کریں۔ ان کی شفاعت بروز محشر آپ کے کام آئے گی۔" تو مولوی عبدالوہاب کہنے لگے۔ "شفاعت تو گنہگاروں کے لئے ہوتی ہے۔" میں اس پر بے اختیار قہقہہ لگا کہ ہنسنے لگا کہ مولانا تشریف لے آئے۔ میں نے انہیں بھی یہ لطیفہ سُنایا تو وہ بھی ہنسنے لگے اور کہنے لگے۔ "مولوی عبدالوہاب کو شفاعت کی کیا ضرورت۔ انہوں نے اَوروں کی کرنی ہے۔"

ایک موقع پر میرے والد خان پور سے تبدیل ہو کر کرنال جا رہے تھے۔ لاہور ٹھہر کر جانا تھا۔ ماشاءاللہ اپنے خاندان کے علاوہ بیوائیں یتیم ملا کر کوئی بارہ پندرہ آدمی تھے۔ جگہ کی قلت کے باعث حضرت مولانا نے ہم میں سے اکثر کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ باقیوں کو چوہدری ظہور احمد صاحب کے ہاں جو میرے دوسرے بہنوئی ہیں۔ لیکن اس فیصلہ کی اطلاع حسب عادت پاکیزہ مزاح کے رنگ میں دی۔ کہ "بوڑھے۔ بچے اور بیمار" میرے (مولانا کے) ہاں اور "تندرست و توانا" چودھری صاحب کے ہاں۔ ایک دفعہ میرے والد نے واقعہ سُنایا کہ وہ کسی جگہ سخت گرمی کی دوپہر میں خطبۂ جمعہ دے رہے تھے۔ سامعین مسجد کے اندر کی تاریکی اور خنکی کی وجہ سے اور خطبہ کی مسلسل آواز کی لوری پا کر ایک ایک کر کے سب سو گئے۔ میرے والد حیران کھڑے تھے کہ اب کیا کروں۔ یہاں تک سُنایا تھا کہ حضرت مولانا نے فرمایا۔ "آپ بھی بیٹھ کر

سو جاتے۔"

میرے والد مرحوم کو مجھ سے بہت محبت تھی اور باپ بیٹے کی اس محبت کا اثر سارے خاندان میں ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم نہایت عمدگی سے عیسائیت کے "باپ" "بیٹے" اور لفظ "محبت" (جس پر عیسائی بہت زور دیتے ہیں) کو مختلف رنگوں میں ہم باپ۔ بیٹے کی محبت پر لگا کر خود بھی ہنستے اور ہم سب کو بھی ہنساتے۔

ایک خوبی مولانا کی طبیعت میں نرمی اور ملائمت کی تھی۔ قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کے متعلق آیا ہے۔ فبما رحمۃٍ من اللہ لنت لھم۔ ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضو من حولك۔ یعنی اللہ کی رحمت کے باعث تو مسلمانوں کے لئے نرم دل واقع ہوا ہے۔ اگر تو سخت کلام اور سخت دل ہوتا تو تیرے اردگرد سے بکھر جاتے۔ یہی حال حضرت مولانا کا تھا۔ باب میں، سلوک میں، بدلے میں، نرمی اور رحم اس قدر تھا کہ انسان حیران ہو جاتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس مولانا میں از حد بہادری اور جرأت بھی تھی۔ ڈلہوزی میں مولانا کی کوٹھی دارالسلام اور میرے والد کی کوٹھی پروین پاس پاس تھیں۔ ان دونوں کوٹھیوں کے درمیان اور پروین کے ساتھ ایک پہاڑی نالہ تھا۔ اوپر کچھ ہندوؤں کی زمینیں اور کوٹھیاں تھیں۔ جنہیں اصل راستہ تو دوسری طرف سے تھا مگر وہ لوگ سڑک سے نزدیک ہونے کے لئے اس نالہ میں سے راستہ اوپر چڑھانا چاہتے تھے۔ اس پر آنے جانے ہندو لالے پروین کے صحن اور برآمدہ میں جھانکتے تھے۔ جس سے ہماری لڑکیوں کی بے پردگی ہوتی تھی۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر کینیڈی نامی آئی۔ سی۔ ایس کے پاس پیش ہوا۔ اس کا ہیڈ کلرک ہندو تھا اور اس نے اپنے ہندو بھائیوں کی طرف داری میں نوٹ لکھے تو مسٹر کینیڈی دوسری پارٹی کے طرفدار ہو گئے۔ بہت مشکل سے انہیں اس بات پر راضی کیا گیا کہ وہ آکر خود موقع کا معائنہ کریں وہ آئے سہی مگر برائے نام۔ یعنی موقع تک آکر بغیر اچھی طرح دیکھے یا سُنے واپس جانے لگے۔ میرے والد کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ حضرت مولانا وہاں کھڑے تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب واپس جانے لگے تو حضرت مولانا نے آگے بڑھ کر اُس کے کوٹ کے کالر کو پکڑ لیا۔ اور کہا۔ "کہاں جاتے ہو۔ کیا تمہارا یہ فرض نہیں کہ اس شخص (یعنی میرے والد) کی بات کو اچھی طرح سُنو اور موقع کو اچھی طرح دیکھو۔"

اس نظارہ کو دیکھ کر میرے والد اور سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ ڈپٹی کمشنر بہادر اور پھر انگریز! اور وہ بھی حضرت مولانا کے بڑھاپے کے مقابلے میں تنومند نوجوان۔ بہرحال سرکاری افسر پر اس طرح ہاتھ دھرنا بذات خود جرم قرار دیا جا سکتا تھا۔ سب حیران تھے کہ اب کیا ہو گا۔ مگر خدا نے اس کے

دل پر ایسا رعب ڈالا کہ وہ آگے سے نرم پڑ گیا اور پھر اُس نے بات بھی سُنی اور موقع بھی پھر کر دیکھا۔ مگر دفتر جا کر پھر ہندو کلرک کے اکسانے سے فیصلہ خلاف دے دیا۔ وہ تو خدا نے مدد کی برسات شروع ہو گئی۔ اور وہ راستہ جو ہندوؤں نے نالہ میں بنایا تھا پانی نے بہا دیا۔ ادھر ہندو بناتے اُدھر بارش آکر توڑ دیتی۔ یہاں تک کہ ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور پھر انہوں نے دور کے راستے کو ہی اختیار کر لیا۔

میں ایک دو نہیں کئی واقعات کو اور ایسے حضرات کو جانتا ہوں جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے دل کو اس قسم کے صدمات اور رنج پہنچائے کہ کوئی اور انسان معاف نہ کرتا۔ مگر حضرت نے ان سب کو معاف کیا اور ان سے حسن سلوک بوجہ کمال کرتے چلے گئے۔ بدی کے بدلے میں نیکی کا یہ مظاہرہ میں نے کسی اور کو اس حد تک کرتے نہیں دیکھا۔ ایک صاحب تھے۔ ان پر حضرت مولانا کے احسانات بچپن سے تھے۔ ان سے ایک فاش غلطی ہو گئی۔ اس کو وہ مذہب کی آڑ میں چھپانا چاہتے تھے۔ اور مولانا سے انہوں نے اصرار کیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مذہب کے مطابق ہے۔ مولانا اگرچہ نرم خو اور نرم گفتار تھے مگر حق و باطل کو گڈ مڈ نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ نرمی سے ان صاحب کو سمجھاتے رہے۔ کہ مذہب ان کی تائید نہیں کرتا۔ اس پر بگڑ کر انہوں نے لوگوں میں کہنا شروع کر دیا بلکہ تحریر میں بھی لکھ دیا کہ مولانا "عالم بے عمل" ہیں یعنی عالم تو ہیں۔ مگر جب صحیح عمل پر مذہب اسلام کو چسپاں کرنے کا وقت آیا تو مولانا نے مذہب اور اپنے علم پر عمل نہ کیا۔ حضرت مولانا کو ان باتوں سے قدرتی رنج ہوا ہو گا۔ مگر مجھے صرف اتنا لکھا۔ "یہ ان صاحب کی مہربانی ہے کہ مجھے کم از کم عالم تو سمجھتے ہیں۔ وگرنہ من آنم کہ من دانم"۔ میں حیران رہ گیا۔ اسی طرح حضرت مولانا کے ایک دوست تھے جن سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے اور وہ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ کسی وجہ سے (جس کا مولانا کے حسن اخلاق یا اعلیٰ کردار سے کوئی تعلق نہ تھا) وہ صاحب حضرت مولانا سے ناراض ہو گئے۔ اُن صاحب کے لڑکے کی شادی ہوئی تو اور سب دوستوں کو مدعو کیا مگر مولانا کو نمایاں طور پر نہ بلایا۔ حالانکہ ان کے لڑکوں نے بہت زور دیا کہ مولانا کو بلایا جائے۔ شادی ختم ہوتے ہی مولانا ایک دن اُن صاحب کے مکان پر گئے اور مبارکباد دی۔ اُن صاحب نے بجائے اس کے کہ شرمندہ ہوں اُلٹا دیدہ دلیری سے کہا۔ "مولانا۔ میرے لڑکوں نے تو بہت کہا کہ آپ کو شادی میں مدعو کیا جائے مگر میں نے نہ کیا"۔ اس پر مولانا نے ہنس کر کہا۔ "آپ نے جو مناسب سمجھا وہ کیا اور میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا"۔ یہی وہ اخلاق ہیں جو تخلقوا باخلاق اللہ کی ذیل میں آتے ہیں۔

ڈلہوزی میں جس حصۂ مکان میں میں نچلی منزل میں سوتا تھا۔ اس کے اوپر وہ جگہ تھی جہاں حضرت مولانا پچھلی رات تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ میں نوجوانی کی گہری نیند میں بے ہوش سوتا تھا۔ مگر پھر بھی جب کبھی پچھلی

رات آنکھ کھلتی تو پہاڑ کی رات کی خاموشی اور اس جنگل میں جہاں یہ کوٹھی تھی بالکل سناٹا ہوتا تھا اور حضرت کی گریہ وزاری کی آواز لکڑی کی چھت سے گذر کر میرے کانوں تک پہنچتی تھی۔ اور میں حیران ہوتا تھا کہ یہ شخص جو دن کو اس اطمینان کا مالک ہے اور ہر وقت ہنستا مسکراتا رہتا ہے اس کے دل میں اشاعتِ اسلام اور اس کی مشکلات کے احساس نے کیا آگ لگا رکھی ہے کہ راتوں کی نیند اس پر حرام ہے اور وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتا ہے۔ اور مصیبت زدہ کی طرح گریہ وزاری کرتا ہے۔ بعد میں جب کوئی بیس سال اور گذر گئے اور حضرت کی روحانیت ترقی کرتی کرتی نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تو وفات سے ایک دو سال پہلے حضرت مولانا کے موسم گرما کے قیام میرے مکان واقع کراچی میں ہوئے۔ گرمیوں کی راتوں میں اندر حبس ہوتا تھا اس لئے پچھلی رات کی خاموشی میں حضرت باہر چبوترے پر نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ اوپر کی منزل میں میں سوتا تھا۔ پچھلی رات کبھی آنکھ کھلتی تو حضرت کے تہجد پڑھنے کی آواز کان میں آتی۔ اب رنگ کچھ اور ہو چکا تھا۔ گریہ وزاری بجائے عام طرز کے اب ایک عجیب طرز اختیار کر چکی تھی۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کسی اور عالم اور کسی اور دنیا میں ہے اور جنت کے پرندے کی طرح الاپ رہا ہے۔ کیا الفاظ تھے یا کیا دعائیں تھیں۔ یہ میری سمجھ میں نہ آئیں۔ مگر جس طرح باغ میں ایک پرند سریلی آواز میں الاپ رہا ہوتا ہے۔ اس طرح دنیا و مافیہا سے غافل یہ انسان ایک اور عالم کی جنت میں ایک خوبصورت پرند کی طرح خدا کی حمد و تسبیح میں لگا ہوتا تھا۔

حضرت مولانا کی نماز ایسی خوبصورت ہوتی تھی یعنی ہاتھ باندھنا۔ سر جھکانا اور رکوع و سجود کو ادا کرنا ایسا خوبصورت، پُرادب اور پُر اثر ہوتا تھا کہ انسان کا دل چاہتا تھا کہ دیکھتا چلا جائے۔ آخری دو سالوں میں حضرت مولانا میرے ہاں رہے تو سجدے سے جب سر اٹھاتے تو چہرہ پر ایک روشنی اور نور جھلک رہا ہوتا تھا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہے سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ (ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہیں)

عشق قرآن بوجہ کمال تھا۔ ساری عمر قرآن کی خدمت میں گذاری۔ انگریزی ترجمہ و تفسیر سات سال کی محنتِ شاقہ سے کیا۔ میں ان دنوں میں چھوٹا تھا۔ میرے ماموں شیخ رضی الدین حسن (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) نے مجھے سنایا کہ قادیان میں وہ دیکھا کرتے تھے کہ مولانا کے دفتر میں چاروں طرف میزوں پر موٹی موٹی عربی۔ انگریزی و فارسی کی کتابیں، لغات اور تفاسیر رکھی ہوتی تھیں۔ لکھتے لکھتے کبھی اس میز پر جھکے ان کتابوں کو دیکھتے تھے کبھی اُس میز پر۔ شیخ صاحب کہنے لگے کہ میں سارا کمرہ ضخیم کتب سے بھرا ہوا دیکھ کر اور حضرت کا ان کتابوں کے درمیان چکر لگاتے رہنا دیکھ کر حیران ہوا کرتا تھا کہ کیا محنت و مشقت کر رہے ہیں۔ انگریزی ترجمہ ختم ہوا تو

بیان القرآن جیسی قیمتی اور ضخیم اردو کی تفسیر تین جلدوں میں لکھ ڈالی۔ اس تفسیر میں حضرت نے ہر لفظ کے جو بھی مختلف معانی ہو سکتے ہیں اور ہر آیت کی جو تفاسیر کی گئی ہیں یا ہو سکتی ہیں وہ سب لکھ ڈالی ہیں اور خود جس کو پسند کیا ہے اس کے دلائل دیئے ہیں۔ فائدہ یہ ہوا ہے کہ دوسرے درس دینے والے یا تفسیر کرنے والے ان تمام خزانوں کو ایک جگہ جمع پا کر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اگر حضرت مولانا سے اختلاف بھی کرتے ہیں تو ان کے مرہونِ منّت ہیں کہ ان کی محنت کی وجہ سے سب معانی اور تفاسیر ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ ان میں سے جسے پسند کرتے ہیں اختیار کرتے ہیں۔

ان تفاسیر کے علاوہ مختصر تفاسیر و تراجم انگریزی و اردو بھی ہیں۔ پھر اور کتابیں تصنیف فرمائیں تو ان میں بھی قرآن سے استدلال کیا ہے۔ مضامین لکھے ہیں تو قرآن سے آیات لے کر علم کے دریا بہا دیئے ہیں۔ خطبات جمعہ اور جلسۂ سالانہ کی اور دوسری تقاریر تمام قرآن پر مبنی ہوتی تھیں۔ تہجّد اور صبح کی نماز میں لمبی قرأت رہتی تھی۔ ایک عرصہ لاہور میں اور پہاڑوں پر خود درس قرآن کئی کئی رنگ میں دیتے تھے۔ گھر میں بچوں اور مستورات کو قرآن کی تعلیم اور درس دیتے تھے۔ انگریزی و اردو تراجم اور تفاسیر کے پروف تک خود پڑھتے تھے اور تصحیح کرتے تھے۔ سفر کو جاتے ہوئے تو میں نے خود دیکھا کہ اور لوگ جہاں دوسری کتابیں ساتھ رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا کے اٹیچی کیس میں قرآن کریم ہوتا تھا جسے ریل میں فراغت کا وقت پا کر پڑھتے رہتے تھے۔ غرضکہ قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے سے تھکتے نہ تھے۔ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو دل کے درد کی وجہ سے ڈاکٹر نے مارفیا کا ٹیکہ لگا دیا تھا۔ مگر مارفیا کی بے ہوشی بھی اس تہجد گذار و شب بیدار انسان کو سُلا نہ سکی۔ پچھلی رات مجھے طلب فرمایا اور کہا مجھے قرآن سناؤ۔ بجلی کی بتّی ہم نے اس لئے نہ جلائی کہ شاید سو جائیں۔ اس لئے ٹارچ کی روشنی میں میں قرآن پڑھتا رہا۔ پڑھنے میں کبھی غلطی ہو جائے تو اس بیہوشی کی حالت میں بھی میری اصلاح فرما دیتے تھے۔ تیسرے پہر کو مجھے دفتر کے کام کاج سے فراغت ہوتی اور میں آپ کے پاس جاتا تو فرماتے کہ کچھ قرآن سُنا دو۔ غرض اس شخص کو قرآن سے عشق تھا۔ ۲۹ ستمبر ۵۱ء کو حالت بہت خراب ہو گئی۔ نبض قبل ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے مجھے کہا کہ آج آپ دفتر مت جائیں کیونکہ معلوم نہیں کب حرکت قلب بند ہو جائے۔ حضرت ایک بیہوشی کی حالت میں تھے۔ اس میں ہی ذرا ہوش آیا تو مجھے طلب کیا اور کچھ کہا۔ مگر آواز اس قدر کمزور تھی کہ مجھے سنائی نہ دیا۔ تو میں نے بالآخر اپنا کان حضرت کے مُنہ سے لگا دیا۔ تو نحیف و کمزور آواز کان میں پڑی۔ اور وہ کیا تھی۔ انہیں علم تھا کہ ان کی حالت خطرناک ہے۔ مگر کیا اپنے بیوی بچوں کی فکر تھی؟ کسی جائداد یا روپے کا ذکر کیا؟ یا کسی اور دنیا کے فکر کا اظہار کیا؟ نہیں۔ کہا تو یہ کہا کہ "ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے۔ آگے قرآن اپنا کام خود کریگا۔" یہ حضرت کی آخری

وصیت ہے جو ان کی جماعت تک میں نے ان کی وفات کے بعد جلسۂ سالانہ پر پہنچا دی۔ اور اب قلم بند کئے دیتا ہوں۔ خداوند کریم نے ہماری عرض کو سُنا اور حضرت کی طبیعت معجزانہ رنگ میں بہتر ہونی شروع ہوگئی۔ ہم سمجھے کہ ہماری دعاؤں کو خدا نے سُنا۔ وہ بھی ہُوا ہو گا۔ مگر اس سے بڑھ کر خدا نے چاہا کہ قرآن کریم انگریزی کا نیا ایڈیشن مولانا کے ہاتھوں سے ہی پورا ہو۔ چنانچہ اس نازک حالت کے بعد سال بھر تک نئے ایڈیشن کے پروف انگلستان سے آتے رہے اور مولانا بستر مرگ پر لیٹے (پلنگ ایسا تھا کہ سرہانہ اٹھایا جا سکتا تھا) اپنے کانپتے ہاتھوں سے تمام پروف خود پڑھتے اور ان پر اصلاحیں کرتے رہے۔ اور آخری پروف انہوں نے اپنی وفات سے چند روز قبل ختم کیا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی کہ ؎

اے بے خبر بہ خدمت قرآں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

حضرت مولانا نے اس پر ایسا عمل کر کے دکھایا کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

عشق رسولؐ کی یہ حالت تھی کہ انگریزی و اردو میں آنحضرت صلعم کی سوانح اور آپ کی تعلیمات پر کتابیں لکھیں۔ جن میں حضورؐ کے کیرکٹر، شخصیت اور عظیم الشان کام کو بہترین رنگ میں پیش کیا۔ اگر کہیں آنحضرت صلعم یا آپ کے اہل بیت یا صحابہ کرام پر کوئی اعتراض نظر پڑتا تو بے چین ہو جاتے۔ اور جب تک اس کا جواب نہ لکھ لیتے آرام سے نہ بیٹھتے۔ آخری ایام میں آپ کی نظر حضرت عائشہ رضؓ کی ذات مبارک پر ایک امریکن مصنّف کی ایک مکروہ کتاب پر پڑی۔ اس میں قابلِ اعتراض حصّوں پر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آپ نے نشانات لگائے اور جواب میں ایک مختصر کتاب لکھنی شروع کر دی تھی مگر عمر نے وفا نہ کی۔

حضرت مولانا نے جو علوم اور حکمتوں کے دریا بہائے ہیں ان کے ذکر میں مجھے یاد آیا کہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء تک میرے والد کیمبل پور میں سول ہسپتال میں متعیّن تھے۔ اس ابتدائی زمانے میں انہوں نے ایک خواب دیکھا جو مجھے انہی دنوں میں سُنایا تھا۔ وہ یہ تھا کہ وہ اور میں ایک ٹانگے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ سامنے دُور ایک شخص کھڑا ہے جو اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس کے پاؤں تو زمین پر ہیں مگر سر آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ اور میرے والد کو بتایا جاتا ہے (یا انہیں خیال ہوتا ہے) کہ یہ حضرت داتا گنج بخش ہیں۔ وہ شخص ہماری طرف آ رہا ہے اور جوں جوں نزدیک ہوتا جاتا ہے وہ انسانی قد اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے قریب آ جاتا ہے تو ہم پہچانتے ہیں کہ وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب ہیں۔ ان کو دیکھ کر میں (راقم) کہتا ہوں۔ "آپ میرے لئے دعا کریں۔" اس پر حضرت مولانا فرماتے ہیں۔ "میں تو کروں گا

مگر آپ بھی اپنے لئے دعا کیا کریں۔" اس رؤیا میں جہاں تک حضرت مولانا کا تعلق ہے۔ تعبیر یوں ہے کہ مولانا کی عظمت و شان خدا کی نظر میں ایسی ہے کہ پاؤں تو زمین پر ہیں مگر سر آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔ دنیا پر انہوں نے لات ماری تھی۔ اور اپنا شاندار دنیاوی مستقبل چھوڑ کر حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں فقیری اختیار کر لی تھی۔ اور ساری عمر دنیا کو انہوں نے حقیر جانا اور اپنے پاؤں تلے روندا۔ اور ان کا سر آسمان پر ہونے میں اشارہ ہے کہ ان کے خیالات آسمانی اور خدا تعالیٰ ان کے دماغ میں علوم عطا فرما رہا تھا۔ نام داتا گنج بخش میں بھی عجیب اشارات ہیں۔ جس طرح حضرت داتا صاحب لاہور آ کر رہے اور یہیں مدفون ہوئے۔ اسی طرح حضرت مولانا کی قسمت میں بھی لاہور آ کر رہنا اور اپنا بہترین کام یہاں کرنا اور یہیں مدفون ہونا مقدّر تھا۔ اس کے علاوہ داتا گنج بخش کے الفاظ میں یہ صاف اشارہ ہے کہ حضرت مولانا ایسے داتا ہیں کہ وہ دنیا کو خزانے بخشیں گے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سلسلۂ تصنیفات اس خواب دیکھنے کے تھوڑے عرصے بعد ۱۹۱۷ء میں قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر سے شروع ہوا اور آخر دم تک رہا۔ ان کے بوئے ہوئے بیج خدا نے کہاں کہاں پھیلائے اس کا اندازہ صرف چند چھوٹی چھوٹی مثالوں سے بتانا چاہتا ہوں۔

(۱) کراچی میں مسٹر یوسف ہارون نے، جو سندھ کے وزیر اعلیٰ رہنے کے بعد آسٹریلیا میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے، مجھے سنایا کہ آسٹریلیا میں ایک معمولی قصبہ میں میں دورے پر گیا تو ایک آسٹریلین مجھے ملنے آیا اور سلسلۂ کلام یوں شروع کیا کہ آپ پاکستان کے ہائی کمشنر ہیں۔ میں نے آپ کے آنے کا سنا تو کچھ باتیں پوچھنے آیا ہوں۔ آپ کے ہاں ایک شہر لاہور ہے اس میں کوئی مصنّف محمد علی ہے جس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر کی ہے۔ اسے پڑھ کر میں اور میرا خاندان سب مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب میں نے سنا کہ آپ آئے ہیں تو میں چند اسلامی مسائل آپ سے پوچھنے آیا ہوں"۔ مسٹر یوسف ہارون نے کہا کہ میں پریشان ہوا کہ اس شخص کا خیال ہے کہ پاکستان کا ہر شخص اسلام کا عالم ہے۔ کسی حکمت عملی سے اس شخص کو ٹالا۔

(۲) اسی طرح ترکی کے مشہور اخبار "الوس" کے لندن آفس کی چیف رپورٹر مس کترمان کے لاہور آنے اور حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر آ چکا ہے۔ میں بھی اُس مجلس میں موجود تھا۔ جب وہ حضرت مولانا کے گھر تشریف لائیں، اور ان کو بتایا کہ کس طرح آپ کے ترجمہ قرآن سے اس کو ہدایت ملی اور فرطِ عقیدت سے اُس نے حضرت مولانا کے ہاتھ چومے۔

(۳) حضرت مولانا بمبئی میں میرے پاس تشریف لائے۔ سیر و سیاحت کے لئے نہیں، ملنے ملانے کے لئے نہیں۔ صرف اسی دُھن میں کہ اسلام پر جو عظیم الشان لٹریچر اُنہوں نے پیدا کیا تھا اُسے دُنیا میں بھجوانے کا بندوبست

ہو۔ اسی سلسلہ میں اسلام کلب چوپاٹی میں سر نور محمد کے زیرِ صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں بمبئی کے چوٹی کے مسلمان موجود تھے۔ وہاں مولانا کی تقریر کے بعد ایک صاحب سر کریم بھائی بیرونٹ اُٹھے۔ کہنے لگے کہ جنگِ عظیم کے دوران میں میں لندن میں مقیم تھا۔ دن رات بمباری ہوتی تھی۔ سخت پریشانی اور تفکرات کے دن تھے۔ لندن کے کسی کلب میں ایک معزز انگریز نے اُن سے کہا کہ ایسے حالات میں آپ متفکر اور پریشان نظر نہیں آتے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ سر کریم بھائی نے کہا کہ میرے پاس ایک کتاب ہے وہ میں روز صبح پڑھ لیتا ہوں۔ اس سے میرے دل کو چین آجاتا ہے۔ وہ انگریز کہنے لگا مجھے بھی وہ کتاب دکھاؤ۔ وہ کتاب حضرت مولانا کا انگریزی ترجمہ تھا۔ چنانچہ سر کریم بھائی نے وہ ترجمہ اس انگریز کو پڑھنے کو دیا۔ پندرہ روز کے بعد وہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ "میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، اس کے لئے کیا کچھ کرنا ضروری ہو گا؟" انہوں نے اسے کلمہ پڑھوایا اور مسلمان کیا۔

(۴) کراچی میں سید میراں محمد شاہ تھے جو کہ سالہا سال سندھ اسمبلی کے سپیکر رہے اور اس وقت سندھ کے وزیر تھے۔ انہوں نے مجھے ایک چاء کی دعوت پر بلایا جبکہ میرے ہاں حضرت مولانا تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے بہنوئی بھی میرے مہمان ہیں۔ آپ اجازت دیں تو ان کو ساتھ لے آؤں۔ کہنے لگے بے شک۔ وہاں پارٹی میں میں نے ان کا تعارف اتنا کہہ کر کروایا کہ یہ میرے بہنوئی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میراں محمد شاہ صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ "بھائی تم نے مولانا صاحب کا تعارف ٹھیک طرح کیوں نہ کروایا۔ اپنا بہنوئی بتاتے رہے۔ یہ نہ بتایا کہ یہ وہ مشہور مصنف اور مترجم ہیں۔ اے بھائی ان کا انگریزی ترجمہ قرآن اگر میرے ہاتھ میں کالج کے ایام میں اتفاقیہ نہ پہنچ جاتا تو میں یا تو دہریہ ہو جاتا یا عیسائی۔" اسی پارٹی میں جنوبی ہند کے ایک مسلمان صاحب نے، جو وہاں کسی یونیورسٹی کے چانسلر رہ چکے تھے، اسی قسم کے الفاظ میں مولانا کا ذکر کیا۔

(۵) نئی دہلی میں جماعت احمدیہ لاہور کی نماز گاہ بادشاہی مسجد کے سامنے تھی۔ شام کو وہاں درسِ قرآن ہوا کرتا تھا۔ ایک روز ایک اجنبی بھی سیڑھی چڑھ آیا۔ درس کے بعد کہنے لگا کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ یو۔پی میں سب رجسٹرار ہے۔ علی گڑھ میں تعلیم پا رہا تھا کہ ایک عیسائی پادری کے پنجے میں پھنس گیا۔ یہاں تک کہ عیسائی ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ ہوسٹل میں ایک ساتھی نے یہ دیکھ کر اسے کتاب "محمد اینڈ کرائسٹ" دی (جو کہ حضرت مولانا کی اوائل کتابوں میں سے تھی)، وہ کتاب پڑھ کر اس کے خیالات میں ایک زبردست تبدیلی آگئی اور اگلی ملاقات میں جو اس نے پادری صاحب سے چبھتے ہوئے سوال کرنے شروع کئے تو پادری صاحب نے سلسلہ ملاقات ختم کر دیا۔ اس شخص نے اپنی تقریر کو یوں ختم کیا کہ اس کے

بعد میں نے آپ لوگوں کا اور لٹریچر بھی پڑھا اور آج اِدھر سے گذرتے ہوئے سائن بورڈ دیکھ کر اُوپر آگیا تاکہ آپ سے ملاقات ہو سکے۔

غرضکہ یہ تو محض نمونے کے چند واقعات ہیں۔ ایسے سینکڑوں واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ ابھی خدا جانے اللہ تعالیٰ اس بیج بونے والے کے نیک ارادوں کی حمایت اور نصرت کس قدر اور کریگا۔ اس مجاہد نے ایک کسان کی طرح نہ سردی دیکھی نہ گرمی۔ نہ اپنی صحت یا اپنی بیماری۔ بلکہ دن رات اسی تگ ودو میں لگا رہا کہ اسلام کا بیج زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر لگایا جائے۔ خود بھی اپنے مقدور سے زیادہ مالی قربانی کرتے تھے اور کوئی اپیل کرنے سے پہلے خود چندہ دیتے تھے۔ اپنی جماعت سے اپیلیں کرتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے تنگدل لوگ ان کی تقریریں سُننے سے گھبراتے تھے اور دوسرے واعظین کی تقاریر پسند کرتے تھے جو وعظ تو نہایت اعلیٰ کرتے تھے مگر چندہ کی اپیل اس لئے نہ کرتے تھے کہ لوگوں میں مقبولیت ضائع نہ ہو جائے۔ پھر جماعت سے باہر بھی حضرت مولانا اپنے دوستوں اور ہمدردوں سے اپیلیں کرتے رہتے تھے، حالاں کہ جانتے تھے کہ چندہ مانگنا اپنی مقبولیّت کو کھونا ہے۔ امراء سے ویسے حضرت مولانا کو کوئی رغبت نہ تھی۔ مگر اشاعتِ اسلام کے لئے چندہ مانگنا ہو تو ان کے در پر بھی جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ ۱۹۴۲ء میں جونا گڑھ کی ریاست کے دورے پر بھی گئے۔ وہاں نواب صاحب نے آؤ بھگت اور عزّت تو بہت کی مگر چندہ کچھ نہ دیا۔ میں ان دنوں بمبئی کے قریب تھانہ ضلع میں متعیّن تھا۔ میں نے حضرت مولانا کو لکھا کہ آپ اتنے قریب آئے ہیں تو غریب خانہ کو رونق بخشے بغیر واپس نہ جائیں۔ آپ نے خوشی سے قبول فرمایا۔ جب آپ تشریف لائے تو چند معززین کی محفل میں آپ کا لکچر اسلام کے مستقبل پر ہُوا۔ وہ لوگ حیران رہ گئے کہ کتنا مفید کام ہو رہا ہے۔ اور آپ کی تقریر کا اتنا اچھا اثر ہُوا کہ بیس پچیس ہزار چندہ ہونا آسان تھا۔ مگر ایک وکیل صاحب جو طبیعت کے جوشیلے تھے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ "ہم سب کو احمدی ہو جانا چاہیئے۔" اس پر کچھ حاضرین میں شور اُٹھا اور مخالفت کا ایک رنگ پیدا ہو گیا اور صرف دس گیارہ ہزار چندہ ہُوا۔ حضرت مولانا نے اس پر بھی سجدۂ شکر ادا کیا۔

اگلے سال حضرت مولانا بمبئی شہر میں تشریف لائے اور اشاعتِ اسلام کی ضرورت اور اس کے لئے مالی قربانی پر لکچر دیئے۔ جس کا بہت اچھا اثر ہُوا۔ مگر علمائے کرام کے کان میں اس کامیابی کی بھنک پڑ چکی تھی۔ انہوں نے اخباروں اور تقریروں کے ذریعہ مخالفت کا ایک غل مچا دیا اور لوگ بددل ہو گئے۔ اور ایک عظیم الشان بنیاد جو اشاعتِ قرآن کی پڑ سکتی تھی ملیا میٹ ہو گئی۔ کوئی اور انسان ہوتا تو

اس کامیابی کے بعد مایوسی سے دل شکستہ ہو کر اور مخالفت اور تکفیر سے گھبرا کر واپس لاہور چلا جاتا لیکن حضرت مولانا ایسے موقعوں پر شیر کی طرح بہادری دکھاتے تھے۔ آپ نے اپنے قیام کو غیر معین عرصہ کے لئے بڑھا دیا۔ تمام اخبارات روز منگواتے انہیں خود پڑھتے اور پھر فوراً ان کے جوابات لکھتے جمعیتہ العلماء بمبئی کے صدر نے مولانا کو خط لکھا جس میں السلام علیکم تک نہ تھی (کیونکہ مولانا کو وہ کافر سمجھتے تھے) تمام خط تکلیف دہ باتوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس میں دھمکیاں بھی تھیں اور بمبئی سے چلا جانے کا بھی حکم تھا۔ اس خط کو پڑھ کر میرے جیسا انسان ہوتا تو یا تو ناراضگی کی وجہ سے جواب نہ دیتا یا سخت قسم کا جواب لکھتا۔ مگر حضرت مولانا نے جواب میں ان سے نہایت عزت سے خطاب کیا۔ ساتھ ہی پورا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" لکھ کر جمعیتہ العلماء کے صدر سے پوچھا کہ اب حکم قرآنی وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ مت کہہ کہ تو مومن نہیں) کے ماتحت آپ کیا فتوے دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے عقائد کھول کر بیان کر دیئے اور حضرت صاحب کی اور جماعتِ لاہور کی خدمات کا ذکر کیا اور ان سے اپیل کی۔ جواباً اُن کو پھر خطاب کرنے کی جرأت نہ ہوئی مگر اخبارات اور تقاریر میں مخالفت کرتے رہے۔ بہرحال باوجود مخالفت کے سمجھدار مسلمانوں سے کافی چندہ وصول ہوا۔ اگرچہ جیسا ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہوا۔

اپنے قیام کراچی میں حضرت مولانا نے اس تجویز کو پسند کیا اور اپنایا کہ انگریزی ترجمہ قرآن، محمّد دی پرافٹ، ریلیجن آف اسلام وغیرہ کتب کا ایک ایک سیٹ بنا کر دنیا کی تمام لائبریریوں میں رکھا جائے۔ اس سال جماعت کے جلسۂ سالانہ پر بھی حضرت نے اس کے لئے اپیل کی اور پھر کراچی تشریف لائے تو اسی جدوجہد کو جاری رکھا اور خدا تعالےٰ نے بہت حد تک کامیابی بخشی اور یہ اسلام کی مکمل تعلیم کا بیج دنیا کے کونے کونے میں اور علم کے اکثر مخازن (لائبریریوں) میں پہنچ گیا ہے۔ اس کو پھولنے پھلانے والا اللہ تبارک و تعالیٰ خود ہوگا۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

ایک مجاہدہ کے ایّام میں حضرت سیّد اسد اللہ شاہ ملہم کو ایک الہام ہوا۔ جس کا ذکر انہوں نے میرے نام ایک خط میں یوں کیا کہ مجھ پر کوئی الہام اس قدر سخت نہ ہوا تھا۔ حالت خواب میں یہ الہام اس قدر زور سے ہوا کہ شاہ صاحب کی آنکھ کھل گئی اور وہ الہام کی شدّت کی وجہ سے ہائے ہائے کر رہے تھے اور باوجود سخت سردی کی رات کے ٹھنڈا پانی مانگ رہے تھے۔ الہام یہ تھا۔ کان خلیفتنا فی الارض یقال لہٗ محمّد علی ھو لیلۃ القدر و الیہ مرجعکم۔ ترجمہ:۔ زمین میں ہمارا خلیفہ ہے جس کا نام محمّد علی ہے۔ وہ لیلۃ القدر ہے (یعنی جس طرح لیلۃ القدر میں آسمانی برکات و انوار اترتے ہیں۔ اسی طرح

اس انسان میں خدا کے انوار و برکات اترتے ہیں) اور اسی کی طرف تم کو ٹوٹ کر جانا ہے۔ اس الہام کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کو کچھ اور بھی الہام ہوئے جن میں الفاظ "چار لاکھ" بھی تھے۔ میں نے حضرت مولانا کو یہ الہامات لکھے تو ساتھ ہی لکھا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کی دنیا میں تمام لائبریریوں میں لٹریچر پہنچانے کی سکیم کے لئے چار لاکھ روپے چندہ اللہ کرے تو ہو جائے۔ حضرت مولانا نے لکھا کہ میں تو دعا میں ہوں کہ یہ چار لاکھ کے الفاظ ان آدمیوں کی تعداد ہو جو جماعت احمدیہ میں شامل ہو کر خدمت اسلام میں مستقل طور پر لگ جائیں۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ "پیسہ تو مل جاتا ہے۔ مجھے فکر ہے تو کام کرنے والے آدمیوں کی وہ نہیں ملتے۔"

۱۹۵۰ء کے قیام کراچی کے دوران میں دردِ دل کا سخت حملہ ہوا۔ کمزوری و نقاہت بہت تھی۔ مگر حضرت مولانا اسی طرح خدمت اسلام و خدمت قرآن میں لگے رہے جس طرح ساری عمر لگے رہے تھے۔ اگلے سال کراچی تشریف لائے تو صحت کمزور تھی۔ اس حالت میں بھی زیادہ تر بستر پر لیٹے لیٹے قرآن کریم کے پروف پڑھتے تھے۔ انہی دنوں جماعت کے کچھ لوگوں کے ہاتھوں حضرت مولانا کو سخت صدمہ پہنچا۔ سال ڈیڑھ سال کی دل کی تکلیف کی وجہ سے ان کی طبیعت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ فرماتے تھے۔ "اس بیماری نے تو نہیں مگر ان لوگوں نے میرا دل توڑ دیا ہے۔" اس حالت میں بھی اس فتنہ کے مقابلے میں لگ گئے۔ اگرچہ ہم زبردستی روکتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ حضرت اس قسم کی تکلیف دہ باتوں اور محنت سے گریز کریں۔ بالآخر حضرت کی طاقت اور قوت مدافعت نے بالکل جواب دے دیا۔ حالت دن بدن گرتی گئی۔ آخری دو تین دن میں مجھے ایک دفعہ بلا کر کہا۔ "آپ جماعت کو میری حالت سے مطلع کر دیں۔ اور میرے لئے دعا کے لئے ان سے اپیل کریں۔ اگر میری زندگی باقی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اس دکھ سے نجات دے اور اگر نہیں تو ہمیشہ کی آرام کی نیند سو جاؤں۔ چنانچہ میں نے لاہور تار دیا۔ اس کے تیسرے روز ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء ۱۰ محرم الحرام کا دن تھا۔ اور عاشورہ کی چھٹی کی وجہ سے میں گھر پہ تھا۔ اتنے میں میری بیوی نے مجھے آکر کہا کہ حضرت مولانا کی طبیعت سخت خراب ہے۔ میں گیا تو آخری ہچکی آ کر وہ مقدس انسان ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا۔ وفات قریباً ۱۱ بجکر ۳ منٹ پر ہوئی۔ عزیز رشتہ دار جن کو اطلاع ہو سکی جمع ہونے شروع ہو گئے۔ فیصلہ ہوا کہ شام کو ۶½ بجے خیبر میل سے نعش کو لاہور لے جائیں۔ دن کا ایک بج چکا تھا۔ عاشورہ کی وجہ سے تمام دفاتر اور دکانیں بند تھیں۔ سب سے پہلے تو جنازہ کو خیبر میل سے اور وہ بھی ڈبہ میں اپنے ساتھ رکھ کر لے جانے کا انتظام کرنا تھا۔ میں اور حضرت مرحوم کے بڑے صاحبزادے محمد احمد (جو ریلوے میں ہیں) ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ریلوے کے ہاں گئے۔

اور گوگاڑی میں آخری وقت تمام سیٹیں بک ہوتی ہیں مگر خدا کے فضل سے ہمیں ایک چھ برتھ کا سیکنڈ کلاس کا ڈبہ پورا مل گیا۔ اس کے بعد دو بجے کے قریب میں شہر کو روانہ ہوا کہ تجہیز و تکفین اور تابوت کا بندوبست کروں۔ مجھے بیڈن روڈ پر سے گذر کر چودھری امجد خان کے مکان پر جانا تھا کہ وہ شہر کے پرانے رہنے والے اور منتظم آدمی تھے اور ان کی مدد سے تابوت وغیرہ بنوانے کا انتظام کرنا تھا۔ مگر عاشورہ کی وجہ سے اس سڑک پر اس قدر اژدھام تھا کہ ٹریفک بند تھا اور جب میں نے چاہا کہ صرف گذر کر پار جاؤں تو نہ صرف پولیس نے بلکہ لوگوں نے مزاحمت کی۔ سڑک پر بے شمار ہجوم تھا اور تعزیئے گذر رہے تھے۔ بہت مشکل سے گلیوں سے ہوتا ہوا اس اژدھام کو گذر کر چودھری امجد خان کی تیسری چوتھی منزل کے فلیٹ پر پہنچا کا پہنچنا پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ بے حد مایوسی ہوئی اور شام تک جانا مشکل نظر آنے لگا۔ یاس والم کی تصویر بنا ہوا واپس آرہا تھا کہ بیڈن روڈ کے عین وسط میں ایک پولیس کا افسر فرشتۂ غیب بن کر میری مدد کو آیا۔ اس نے پہچان کر سلام کیا اور پوچھا کہ آپ یہاں کہاں۔ میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ میں نے اُسے اپنی ضرورت بتائی تو اس نے فوراً ایک کانسٹیبل میرے ہمراہ کیا۔ اور جگہ بتلائی کہ وہاں جاؤ۔ شاید کوئی بنا بنایا تابُوت مل جائے۔ حسن اتفاق سے تابُوت والا مل گیا اور ریلوے کے قاعدوں کے مطابق ایسے تابوت کا انتظام ہوگیا جس میں ہوا کا دخل نہ ہو سکے۔ تب میں گھر لوٹا اور آ کر اطلاع دی کہ سب انتظام ہوگیا ہے اور ہم شام کو جا سکیں گے۔ پانچ بجے کے قریب غسلِ میّت مولانا عبدالوہاب صاحب نے دیا جو حضرت مولانا مرحوم کے سالہا سال پرسنل اسسٹنٹ رہے تھے۔ اور ہم نے اپنے مکان کے لان پر نماز جنازہ پڑھی اور خیبر میل سے بفضلہ روانہ ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے امداد نہ کرتا تو عاشورہ کی چھٹی اور تعزیوں کی وجہ سے کسی آدمی کے گھر پر ملنے کی اُمید نہ تھی۔ اور نہ اتنی جلدی کوئی سامان ہو سکتا تھا۔

حضرت مولانا کی نعش نہایت عزت کے ساتھ سیکنڈ کلاس کے ڈبّے میں ان کے اعزا و اقارب کے ساتھ لاہور لائی گئی۔ آگے احباب کا ایک جم غفیر موجود تھا جس نے تابوت کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں جہاں حضرت مرحوم نے قریباً ۴۰ سال کھڑے ہو کر خطبات جمعہ دیئے تھے اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھی تھیں۔ ان کے برادر عزیز جناب مولانا عزیز بخش صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پھر احباب کندھوں پر جنازہ کو میانی صاحب کے قبرستان میں لے گئے۔ جہاں حضرت مولانا نے اپنی زندگی میں ہی جگہ تجویز کر رکھی تھی اور رات کے دس بجے کے قریب انہیں ہمیشہ کے لئے سُپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت مولانا کی عادت نہ تھی کہ اپنی روحانیت کا ذکر کریں اور اسی منکسر المزاجی کی وجہ سے عموماً اپنے الہامات یا کشوف یا رویائے صادقہ کا ذکر نہ کیا کرتے تھے۔ ماموریں کا معاملہ اور ہوتا ہے۔ وہ خدا کے حکم

سے ان تجربات و مبشرات کو مشتہر کرتے ہیں۔ حضرت مولانا چونکہ مامور نہ تھے اس لئے کسرِ نفسی کرتے ہوئے اپنے روحانی کمالات کا خود ذکر نہ کرتے تھے۔ مگر پوچھو تو کچھ نہ کچھ بتلا دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ جناب نے کبھی لیلۃ القدر کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ تو فرمایا۔ "ہاں۔ ایک دفعہ ڈلہوزی میں رمضان کے آخری عشرہ میں تہجد پڑھ رہا تھا۔ التحیات پڑھتے ہوئے ایک دم کھڑکی میں تیز روشنی ہوئی۔ مجھے پہلے خیال ہوا کہ نیچے سڑک پر کوئی لوگ گیس کے ہنڈے لئے گذر رہے ہیں۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس جنگل میں تین بجے رات کو کون ہوگا۔ تو میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا کہ روشنی کیسی ہے تو دیکھا کہ اس نور سے دُور پہاڑ کے درخت تک نظر آرہے ہیں۔ میرے دیکھتے دیکھتے یہ نظارہ ہٹ گیا۔ تب مجھے خیال ہوا کہ یہ لیلۃ القدر کے انوار کی روشنی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھائی۔"

ایک دفعہ کراچی میں ۱۹۵۰ء میں رمضان کا آخری عشرہ تھا اور انتیسویں[۲۹] کی رات تھی۔ تہجد کے وقت میرا دل بہت لگا اور میری رُوح پگھل کر آستانہ الٰہی پر گرتی تھی۔ اور یہ حالت تھی کہ سجدے سے سر اُٹھانے کو دل نہ چاہتا تھا۔ سحری پر حضرت مولانا بھی تشریف فرما تھے۔ اُن سے میں نے ذکر کیا کہ میرے خیال میں لیلۃ القدر اس رات تھی۔ فرمانے لگے۔ "میرا بھی یہی خیال ہے رات جب میں عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا تو سورۃ فاتحہ کے بعد قرأت کے لئے بار بار میری زبان پر انا انزلناہ فی لیلۃ القدر آتا تھا۔ مگر میں نے کوئی اور آیات پڑھیں۔ ابھی تہجد میں التحیات میں درود شریف پڑھ رہا تھا تو اچانک میری آنکھوں کے سامنے روشنی پھیل گئی اور میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سامنے آسمان اور اُس پر بادل اس نور سے منوّر تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نظارہ جاتا رہا۔"

۱۹۴۶ء میں برطانوی کابینہ مشن ہندوستان کو خودمختاری دینے کے سوال پر غور کرنے کے لئے آیا۔ میں کراچی میں تھا وہاں وزیرِ ہند اور دوسرے برطانوی وزراء نے کراچی کے گورنر سے بات چیت میں صاف ظاہر کر دیا۔ کہ پاکستان کا مطالبہ کبھی نہ مانا جائیگا۔ یہ بات مجھ تک پہنچی تو میں نے حضرت مولانا کو ڈلہوزی خط لکھا کہ ہندو اور انگریز دونوں پاکستان کے مخالف ہیں۔ اور سوائے خدا کی درگاہ کے اور کہیں سے اُمید نہیں۔ آپ نے مجھے جواب لکھا کہ مجھے بشارت ملی ہے کہ "پاکستان زندہ باد"، اس لئے اگرچہ بظاہر ہر طرف مایوسی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر فیصلہ ہو چکا ہے کہ پاکستان انشاء اللہ بنے گا۔ میں اِس امر کے لئے جنابِ الٰہی میں دعا کرتا رہونگا" سو اس کیبنٹ مشن نے ایک قسم کا متحد ہندوستان ہی رکھا اور مسلم لیگ اُسے مان کر مرکزی حکومت اور مرکزی اسمبلی میں شامل بھی ہوگئی تھی۔ مگر کانگرس اور ہندوؤں کے روڑا اٹکانے کی وجہ سے وہ سکیم نہ چلی اور بالآخر اگلے سال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان بن گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

۱۹۵۰ء کے دسمبر میں میں لاہور گیا تو حضرت مولانا اپنے آخری مرض کی وجہ سے نہایت کمزور تھے۔ ایک دن تیسرے پہر کو ملنے کے لئے حاضر ہُوا تو اسی وقت آرام کر کے اُٹھے تھے۔ اس وقت میں اکیلا وہاں تھا۔ خلافِ عادت حضرت خود ہی فرمانے لگے کہ "اس وقت ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک چھوٹے بچے کی شکل میں ایک خوبصورت اور وجیہہ انسان کی گود میں ہُوں اور مجھے تفہیم ہوتی ہے کہ وہ شخص خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس شخص نے مجھے اپنے سینے سے اس طرح چمٹا لیا جس طرح ماں وفورِ محبت سے بچے کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے تو مجھے بھی محبت نے اس قدر بے قرار کیا کہ میں نے اس شخص کی قمیص کے بٹن کھول کر (گویا درمیان میں قمیص بھی حائل نہ رہی) دونوں باہیں ڈال کر اپنے آپ کو اس شخص سے چمٹا لیا اور میرے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ مُحِبِّیْ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ اَحِبَّائِكَ۔ اے اللہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پس تو مجھے اپنے سے محبت کرنے والوں سے بنا۔

سو خدا کا یہ محب اس کی گود میں اس کی محبت سے مستفیض ہونے چلا گیا۔ اَے خدا تو اُس صالح اور نیک ارادہ رکھنے والے انسان کی رُوح پر بیش از بیش رحمتیں نازل فرما۔ جس طرح اس نے ہم سے بلکہ سب نسلِ انسانی سے نیک سلوک کیا تو بھی اُس سے بہتر سے بہتر سلوک فرما۔ مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کی جو آگ اُس کے سینہ میں تھی اُس کی ایک چنگاری ہی ہمیں عطا فرما اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ محمد علی نے جس جماعت کی بنیاد ڈالی اور جسے وہ اس خوش اسلوبی اور کامیابی سے قریبًا چالیس سال خدمتِ اسلام اور قرآن میں لگاتار ہا تو اس جماعت کا خود حافظ و ناصر ہو۔ اور اشاعتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کے کام کو جسے تیرے اس خلیفہ نے اس محنت اور جانفشانی سے کیا، پروان چڑھا۔ تاکہ دنیا میں اسلام پھیلے اور دنیا محمد رسول اللہ صلعم کے دامن میں آکر پناہ لے۔ اے اللہ۔ یہ دنیا تیرے اسلام اور تیرے قرآن کے بغیر فنا ہو جائیگی۔ تو اسے بچا۔ آمین۔ یا ارحم الراحمین۔

شرائط بیعت

(یہ بیعت حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدّد صدی چہاردہم۔ اپنے مریدوں سے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوتے وقت لیا کرتے تھے۔ اور اسی پر آپ کے بعد بھی عمل ہوتا رہا ہے)

۱۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

۲۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت اُن کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

۳۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول صلعم کے ادا کرتا رہے گا اور نماز تہجّد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کریگا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

۴۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے۔ نہ کسی اور طرح سے۔

۵۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کریگا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا۔ اور ہر ایک ذلّت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اُس سے مُنہ نہیں پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائیگا۔

۶۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے اوپر قبول کرلے گا۔ اور قال اللہ اور قال الرّسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

۷۔ یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کریگا۔

۸۔ یہ کہ دین اور دین کی عزّت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزّت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ عزیز تر سمجھے گا۔ (دوسرے لفظوں میں دین کو دنیا پر مقدّم کرے گا)

۹۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للّٰہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

۱۰۔ اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب ناقل) سے عقد اخوّت محض للّٰہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقد اخوّت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

فہرست تصانیف حضرت مولانا محمدؐ علی رحمۃ اللہ علیہ

ذیل میں ان کتابوں، ٹریکٹوں اور رسالجات کی فہرست دی جاتی ہے جو مولانا محمدؐ علی صاحب نے ۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک کے پچاس سالوں میں تصنیف فرمائیں۔ جن تصانیف کے نام کے ساتھ نشان ٭ دیا گیا ہے ان کے تراجم متعدد غیر ملکی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تراجم اتنی کثرت سے اور اتنے زیادہ ممالک میں ہوئے ہیں کہ ان کا مکمل ریکارڈ مہیا نہیں کیا جاسکتا۔

(ا) کتب

	سال اشاعت		نام	
۱۔	۱۹۰۹ء	٭	ٹیچنگز آف اسلام	Teachings of Islam
۲۔	۱۹۱۲ء	٭	اسلام	Islam, the Natural Religion of Man.
۳۔	۱۹۱۴ء		المصلح الموعود	
۴۔	۱۹۱۵ء		حدوثِ مادہ	
۵۔	۱۹۱۵ء		آیت اللہ	
۶۔	۱۹۱۵ء		عصمتِ انبیاء	
۷۔	۱۹۱۵ء		غلامی	
۸۔	۱۹۱۵ء		نکات القرآن حصہ اوّل	
۹۔	۱۹۱۵ء		نکات القرآن حصہ دوم	
۱۰۔	۱۹۱۵ء		النبوّت فی الاسلام	
۱۱۔	۱۹۱۶ء		نکات القرآن حصہ سوم	
۱۲۔	۱۹۱۶ء		نکات القرآن حصہ چہارم	
۱۳۔	۱۹۱۷ء		جمع قرآن	
۱۴۔	۱۹۱۷ء		احمدؐ مجتبےٰ	
۱۵۔	۱۹۱۷ء	٭	انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن	English Translation of the Holy Quran with Text & commentry.

۱۶	سنہ ۱۹۱۸ء		مسیح موعود	
۱۷	سنہ ۱۹۱۹ء		مرآۃ الحقیقت	
۱۸	سنہ ۱۹۱۹ء	※	سیرۃ خیر البشرؐ	
۱۹	سنہ ۱۹۲۰ء	※	جمع حدیث	
۲۰	سنہ ۱۹۲۰ء		عیسویت کا آخری سہارا	
۲۱	سنہ ۱۹۲۱ء	※	محمد اینڈ کرائسٹ	Muhammad & Christ
۲۲	سنہ ۱۹۲۲ء		حقیقتِ اختلاف	
۲۳	سنہ ۱۹۲۲ء تا سنہ ۱۹۲۴ء		بیان القرآن۔ سہ جلد	
۲۴	سنہ ۱۹۲۳ء	※	محمد دی پرافٹ	Muhammad the Prophet
۲۵	سنہ ۱۹۲۴ء		تاریخ خلافتِ راشدہ	
۲۶	سنہ ۱۹۲۶ء تا سنہ ۱۹۳۶ء		فضل الباری، جلد اوّل و دوم	
۲۷	سنہ ۱۹۲۸ء		انگریزی ترجمہ قرآن (بلا متن)	English Translation of the Holy Quran, without Text
۲۸	سنہ ۱۹۲۹ء	※	دی اسلامک انسٹی ٹیوشن آف پریئر	The Islamic Institution of Prayer
۲۹	سنہ ۱۹۲۹ء	※	محمد مصطفےٰ	
۳۰	سنہ ۱۹۲۹ء	※	مقام حدیث	
۳۱	سنہ ۱۹۳۰ء		شمائل شریف اردو	
۳۲	سنہ ۱۹۳۰ء		مقدمۃ القرآن (ہستی باری تعالیٰ)	
۳۳	سنہ ۱۹۳۰ء		تحریک احمدیت	
۳۴	سنہ ۱۹۳۱ء	※	ارلی کیلیفیٹ	Early Caliphate..
۳۵	سنہ ۱۹۳۱ء		بابی مذہب	History & Doctrine of the Babi Religion
۳۶	سنہ ۱۹۳۱ء		المسیح الدجال و یاجوج و ماجوج	
۳۷	سنہ ۱۹۳۲ء	※	محمد دی پرافٹ (نظرثانی)	Mohammad the Prophet (Revised)
۳۸	سنہ ۱۹۳۲ء	※	مقام حدیث (نظرثانی)	

Introduction to Hadith	انٹروڈکشن ٹو حدیث	*	سنہ ۱۹۳۲ء	۳۹
Selections from the Holy Quran.	سیلکشن فرام دی ہولی قرآن		سنہ ۱۹۳۳ء	۴۰
Collection & Arrangement of the Holy Quran.	کولیکشن اینڈ اریجمنٹ آف دی ہولی قرآن	*	سنہ ۱۹۳۴ء	۴۱
The Religion of Islam	دی ریلیجن آف اسلام	*	سنہ ۱۹۳۵ء	۴۲
Introduction to the Study of the Holy Quran.	انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف ہولی قرآن	*	سنہ ۱۹۳۶ء	۴۳
Founder of the Ahmadiyya Movement	فاؤنڈر آف دی احمدیہ مومنٹ	*	سنہ ۱۹۳۷ء	۴۴
The Muslim Prayer Book.	دی مسلم پریئر بک	*	سنہ ۱۹۳۹ء	۴۵
A Manual of Hadith.	مینوئل آف حدیث	*	سنہ ۱۹۴۱ء	۴۶
	نیا نظام عالم	*	سنہ ۱۹۴۳ء	۴۷
The New World Order.	دی نیو ورلڈ آرڈر	*	سنہ ۱۹۴۴ء	۴۸
	المصلح الموعود (نظر ثانی)		سنہ ۱۹۴۴ء	۴۹
History of the Prophets	ہسٹری آف دی پرافٹس		سنہ ۱۹۴۶ء	۵۰
Living Thoughts of the Prophet Muhammad	لونگ تھاٹس آف پرافٹ محمد	*	سنہ ۱۹۴۷ء	۵۱
Prayers of the Holy Quran.	پریئرز آف دی ہولی قرآن		سنہ ۱۹۴۸ء	۵۲
	زندہ نبی کی زندہ تعلیم	*	سنہ ۱۹۴۸ء	۵۳
	احادیث العمل	*	سنہ ۱۹۴۸ء	۵۴
Panjsura	پنجسورہ شریف (عربی متن۔ رومن۔ انگریزی ترجمہ)		سنہ ۱۹۴۸ء	۵۵
Gog, Megog & the Anti-Christ.	انگریزی ترجمہ المسیح الدجال و یاجوج ماجوج۔		سنہ ۱۹۴۹ء	۵۶
English Translation of the Holy Quran. Revised 4th Edition	انگریزی ترجمہ قرآن چوتھی ایڈیشن (نظر ثانی کے بعد)		سنہ ۱۹۵۱ء	۵۷

(ب) ٹریکٹ، رسالجات وغیرہ

۱	۱۹۰۲ء تا ۱۹۱۳ء	ریویو آف ریلجنز اردو و انگریزی۔	Review of Religions.
۲	۱۹۱۴ء	ایک نہایت ضروری اعلان۔	
۳	۱۹۱۴ء	مسئلہ کفر و اسلام، مطابق ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح۔	
۴	۱۹۱۵ء	نبوت اور کفر پہ ایک ایک بات۔	
۵	۱۹۱۶ء	جہاد کبیر۔	
۶	۱۹۱۸ء	۱۔ بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کے حالات۔	(انگریزی)
۷	۱۹۱۸ء	۲۔ بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی پیشینگوئیاں	(انگریزی)
۸	۱۹۱۸ء	۳۔ اندرونی اختلافات۔	(انگریزی)
۹	۱۹۱۸ء	۴۔ سلسلۂ احمدیہ کے مسائل خصوصی	(انگریزی)
۱۰	۱۹۱۸ء	جلسۂ سالانہ پر تبادلۂ خیالات کے لئے میاں صاحب کو دعوت۔	
۱۱	۱۹۱۹ء	نبی یا محدث،	
۱۲	۱۹۱۹ء	شناخت ماموریں۔	
۱۳	۱۹۲۰ء	خلافت اسلامیہ بروئے قرآن و حدیث۔	
۱۴	۱۹۲۰ء	ضرورت مجدد۔	
۱۵	۱۹۲۱ء	ادعائے نبوت۔	
۱۶	۱۹۲۲ء	انکار نبوت اور ۱۹۰۱ء۔	
۱۷	۱۹۲۲ء	رد تکفیر اہل قبلہ۔	
۱۸	۱۹۲۲ء	آخری نبی۔	
۱۹	۱۹۲۳ء	حضرت مسیح موعود کا حلفی بیان۔	
۲۰	۱۹۲۳ء	خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں و حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔	
۲۱	۱۹۲۳ء	مذہب کی غرض۔	
۲۲	۱۹۲۳ء	* بیک ٹو قرآن	Back to Quran
۲۳	۱۹۲۳ء	* بیک ٹو اسلام	Back to Islam.

۲۴	سنہ ۱۹۲۴ء	*	اسلام کی آواز (انگریزی)	Call of Islam.
۲۵	سنہ ۱۹۲۴ء	*	دعوت عمل۔	
۲۶	سنہ ۱۹۲۴ء		مرتد کی سزا بروئے شریعت اسلامی۔	
۲۷	سنہ ۱۹۲۴ء		کیا اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرنے پر کوئی سزا ہے۔	
۲۸	سنہ ۱۹۲۵ء		جہاد سلطنت افغانستان اور احمدی مسلمان۔	
۲۹	سنہ ۱۹۲۶ء		مسیح موعود اور ختم نبوت۔	
۳۰	سنہ ۱۹۲۸ء	*	اسلام، عالمگیر مذہب (انگریزی)	Islam, the Religion of Humanity.
۳۱	سنہ ۱۹۲۸ء	*	اسلام کا نبیؐ (انگریزی)	The Prophet of Islam
۳۲	سنہ ۱۹۳۰ء	*	حضرت نبی کریمؐ کا پیغام (انگریزی)	The Prophet's Message
۳۳	سنہ ۱۹۳۰ء	*	ختم نبوت (انگریزی)	The Finality of Prophethood.
۳۴	سنہ ۱۹۳۰ء		حضرت نبیؐ کریم پر مظالم کے الزامات (انگریزی)	The Alleged Atrocities of the Prophet
۳۵	سنہ ۱۹۳۰ء	*	رسالجات ۱۔ ابوبکرؓ	
۳۶			۲۔ عمرؓ	
۳۷			۳۔ عثمانؓ	
۳۸			۴۔ علیؓ	
۳۹	سنہ ۱۹۳۲ء		اچھوتوں کی مشکلات کا حل صرف اسلام میں ہے	
۴۰	سنہ ۱۹۳۲ء		عالمگیر مذہبی انقلاب۔	
۴۱	سنہ ۱۹۳۲ء		جواب مودّت نامہ۔	
۴۲	سنہ ۱۹۳۲ء		تقدیر (انگریزی)	Taqdir & Pre-destination.
۴۳	سنہ ۱۹۳۳ء		جماعت قادیان کی تبدیلی عقیدہ	
۴۴	سنہ ۱۹۳۳ء		کیا حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔	
۴۵	سنہ ۱۹۳۳ء	*	احمدیہ جماعت لاہور کے عقائد۔	
۴۶	سنہ ۱۹۳۴ء	*	مغرب میں تبلیغ اسلام یا اسلام کا دور جدید	

نمبر	سنہ	عنوان	English
۴۷	۱۹۳۵ء	تصویر کا دوسرا رخ۔	
۴۸	۱۹۳۵ء	ایک دردمندانہ گذارش۔	
۴۹	۱۹۳۵ء	ہمارے عقائد اور ہمارا کام۔	
۵۰	۱۹۳۵ء	ڈاکٹر اقبال اور قادیانیت (انگریزی)	[Sir Mohammad Iqbal's Statement re: the Qadianis]
۵۱	۱۹۳۵ء	مسٹر پکھتال اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر۔	Mr. Pickthal on the Revival of Islam.
۵۲	۱۹۳۵ء	اسلام کے لئے بہترین موقع (انگریزی)	Islam's Great Oppurtunity
۵۳	۱۹۳۵ء	جماعت کو مجاہدہ کی دعوت۔	
۵۴	۱۹۳۶ء	اسلامی برادری اور ہریجن (انگریزی)	Islamic Brotherhood & the Oppurtunities it offers to Harijans
۵۵	۱۹۳۶ء	اچھوت اقوام اور پونا مشن (انگریزی)	Depressed Classes & the Poona Mission
۵۶	۱۹۳۶ء	اچھوت اقوام اور پونا مشن۔	
۵۷	۱۹۳۶ء	قادیانی جماعت اور کلمہ گوؤں کی تکفیر۔	
۵۸	۱۹۳۶ء	مولانا ابوالکلام آزاد اور احمدیت (انگریزی)	Manlana Abul Kalam Azad & the Ahmadiyya Movement
۵۹	۱۹۳۶ء	مسلمانوں کی تکفیر کا نتیجہ۔	
۶۰	۱۹۳۶ء	انجمن حمایتِ اسلام کا اعلان۔	
۶۱	۱۹۳۷ء	جماعت احمدیہ لاہور اور جماعتِ قادیان پر ایک نظر۔	
۶۲	۱۹۳۷ء *	احمدیت مغرب کی نظر میں (انگریزی)	The Ahmadiyya Movement as the West Sees It
۶۳			
۶۴	۱۹۳۷ء	میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدین کے الزامات اور بریت کا نرالا طریق۔	
۶۵	۱۹۳۹ء	احبابِ قادیان سے ایک اپیل۔	
۶۶	۱۹۴۰ء	مولوی غلام حسن خاں صاحب سے ایک مخلصانہ گذارش۔	
۶۷	۱۹۴۰ء	موجودہ وقت میں ہمارا فرض۔	
۶۸	۱۹۴۰ء	قادیانی یوم تبلیغ۔	

۶۹ سنہ ۱۹۴۰ء قادیانی احباب کے لئے ایک قابلِ غور موازنہ۔
۷۰ سنہ ۱۹۴۱ء خلیفۂ قادیان کا ۱۹۱۴ء سے پہلے کا مذہب۔
۷۱ سنہ ۱۹۴۱ء قادیان اور لاہور کے جلسوں میں دونوں فریقوں کے رہنماؤں کی تقریروں کی ضرورت۔
۷۲ سنہ ۱۹۴۲ء احمدیہ جماعت لاہور اور قادیانی جماعت کا اختلاف۔
۷۳ سنہ ۱۹۴۳ء اسلام اور موجودہ جنگ
۷۴ سنہ ۱۹۴۳ء اسلام اور موجودہ جنگ (انگریزی) Islam & the Present War.
۷۵ سنہ ۱۹۴۴ء مسلمانوں کی تکفیر (انگریزی) Takfir of fellow Muslims
۷۶ سنہ ۱۹۴۴ء میاں محمود احمد صاحب کو حلف اُٹھانے کے لئے مقابلے کی دعوت۔
۷۷ سنہ ۱۹۴۴ء میاں محمود احمد صاحب کی دعوت مباہلہ۔
۷۸ سنہ ۱۹۴۴ء میاں محمود احمد صاحب کے نام کھلی چٹھی۔
۷۹ سنہ ۱۹۴۴ء حضرت نبی کریم کا مقام۔
۸۰ سنہ ۱۹۴۴ء فیصلہ کا صحیح طریق۔
۸۱ سنہ ۱۹۴۶ء سلسلۂ احمدیہ کے دو فریق۔
۸۲ سنہ ۱۹۴۷ء وفاتِ مسیح، نزولِ مسیح۔
۸۳ سنہ ۱۹۴۷ء اسلام کی مصیبتِ عظمیٰ، اس کے وجوہ اور اس کا علاج۔
۸۴ سنہ ۱۹۴۸ء * نماز اور ترقی کی تین راہیں۔
۸۵ سنہ ۱۹۴۹ء * اسلامی قوانین شادی و طلاق (انگریزی)۔ Islamic Laws of Marriage & Divorce.
۸۶ سنہ ۱۹۴۹ء جماعتِ قادیان اور ہر مسلمان کے لئے لمحۂ فکریہ۔
۸۷ سنہ ۱۹۵۰ء اس زمانے کا اور ہر زمانے کا سب سے بڑا اسلامی جہاد۔

ان تصانیف میں سے بیشتر کے متعدد ایڈیشن ہزارہا کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور کثرت سے ممالکِ غیر میں مفت تقسیم بھی کئے جا چکے ہیں۔ مثلاً انگریزی ترجمہ قرآن کے مختلف ایڈیشن ۲۴ ہزار کی تعداد میں پہلے شائع ہوئے۔ اور نظرثانی کے بعد چوتھی ایڈیشن ۲۰ ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر قریب الاختتام ہے پانچویں ایڈیشن ۱۰ ہزار طبع کروائی جا رہی ہے۔ اسی ترجمہ سے ڈچ اور جاوی تراجم کئے گئے اور کئی ایک تراجم میں اس سے مدد

لی گئی ہے۔ ریلجن آف اسلام کے دو ایڈیشن ۸ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اس کے ڈچ، ترکی، عربی اور چینی تراجم ہو چکے ہیں۔ اور تھائی اور ملائی تراجم کی بھی خبر ہے۔ محمد دی پرافٹ کے تین ہزار ایڈیشن ۱۵ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور قریباً بیس غیر ممالک میں اس کے تراجم کے کئی اور ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح مینول آف حدیث لونگ تھاٹس اور نیو ورلڈ آرڈر وغیرہ کے کئی ایڈیشن اردو۔ انگریزی اور غیر زبانوں میں نکل چکے ہیں اور یہی حال دوسری اہم تصانیف کا ہے۔

ٹریکٹوں میں سب سے زیادہ مقبول عام "کال آف اسلام"، "اسلام دی ریلجن آف ہیومینیٹی" اور "دی پرافٹ آف اسلام" ہیں جن کے دس دس ایڈیشن انگریزی میں پچیس پچیس، تیس تیس ہزار کی تعداد میں لاہور سے شائع ہو چکے ہیں اور پچیس تیس غیر زبانوں میں تراجم ہو کر مزید کئی ایڈیشن ہزارہا کی تعداد میں غیر ممالک میں چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں سے خاص خاص حصوں کے تراجم بھی غیر ممالک میں بطور پمفلٹوں اور ٹریکٹوں اور چھوٹی چھوٹی کتب کے چھپ چکے ہیں۔

بیعت کی ضرورت

حضرت اقدس مرزا صاحب نے یہ جماعت ولتکن منکم اُمّۃٌ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون (آل عمران) (مسلمانو۔ چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت موجود رہے جو خیر یعنی اسلام کی طرف لوگوں کو بلائے اور نیک کام کرنے کا حکم کرے اور بُری باتوں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔) کے حکم کے ماتحت دعوت و تبلیغ اسلام اور دشمنانِ دین سے اس کی حفاظت کے لئے بنائی تھی۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی فوج کسی مقصد کے لئے بنائی جائے گی۔ خواہ حفاظت ظاہری مقصودِ خاطر ہو یا حفاظتِ باطنی تو اس کے لئے ہر ایک فرد سے ایک باقاعدہ معاہدہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی کو اصطلاح اسلام میں بیعت کہتے ہیں۔ ہر ایک سپاہی اپنے افسر فوج یا امامِ وقت کے ہاتھ پر معاہدہ یا بیعت کر کے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں جس کے لئے وہ فوج کھڑی ہوئی ہے اپنی جان تک لڑا دے گا اور مال اور جان کو قربان کر دینے سے قطعًا دریغ نہ کرے گا۔ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور کا صحابہ کرام سے بیعت لینا ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ سورۃ الفتح میں اس کا ذکر ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی شرائط بیعت کو کون درد دل رکھنے والا صحیح معنوں میں مسلمان ہوگا جو تسلیم نہ کرے گا۔ اور اُن پر عامل ہو کر دین کو دنیا پر مقدم نہ کرے گا۔ اور خدمتِ دین کے بجا لانے میں حصّہ نہ لے گا؟

حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب کا مذہب اُن کے اپنے اشعار میں

(از - کتاب سراج منیر ضمیمہ صفحہ ن)

ما مُسلمانیم از فضلِ خُدا مصطفےٰؐ مارا امام و مقتدا

اندریں دیں آمدہ از مادریم ہم بریں از دارِ دُنیا بگذریم

آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست

یک قدم دُوری ازاں روشن کتاب نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

آں رسُولے کش محمدؐ ہست نام دامنِ پاکش بدستِ ما مدام

مہرِ او باشیر شد اندر بدن جاں شد و باجاں بدر خواہد شُدن

ہست او خیر الرّسل خیر الانام

ہر نبوّت را بروشد اختتام

ہمارے یعنی جماعت احمدیہ فریق لاہور کے عقائد

(۱) ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۲) ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔"

"جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہوگئی۔"

"ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

(۳)۔ ہم قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں۔ جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

(۴)۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجددین کا آنا مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس امت کے اولیاء سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔ اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کریگا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔

(۵)۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں، خواہ وہ اہل سنت کے مسلّمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے۔ اور کسی صحابی یا امام یا محدّث یا مجدد یا ولی کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(۶)۔ ہم ہر اُس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے مسلمان کہتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

(۷)۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔ نبی ہرگز نہیں مانتے۔ اُن کے اپنے الفاظ ہیں۔ "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔" "میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور اُن لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد المصطفیٰ خاتم النبیین۔

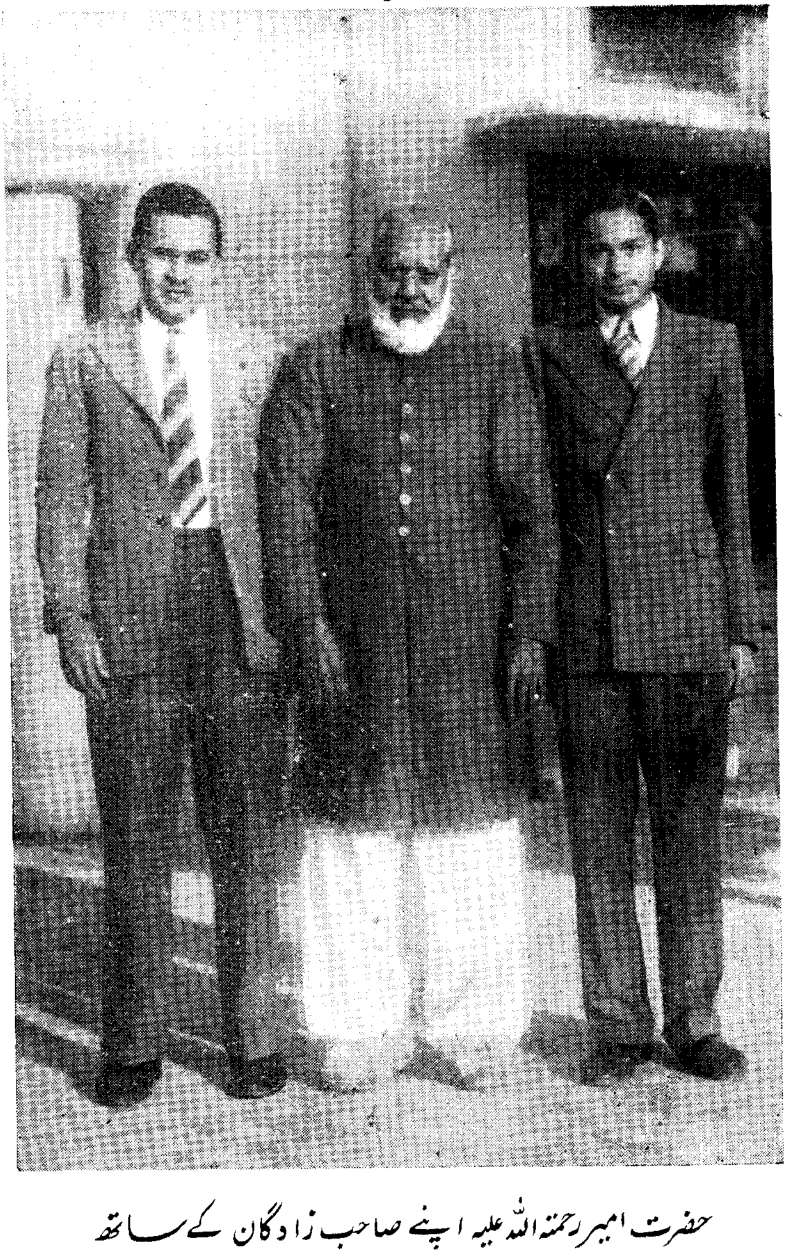

حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحب زادگان کے ساتھ

میاں حامد فاروق صاحب ——— میاں محمد احمد صاحب

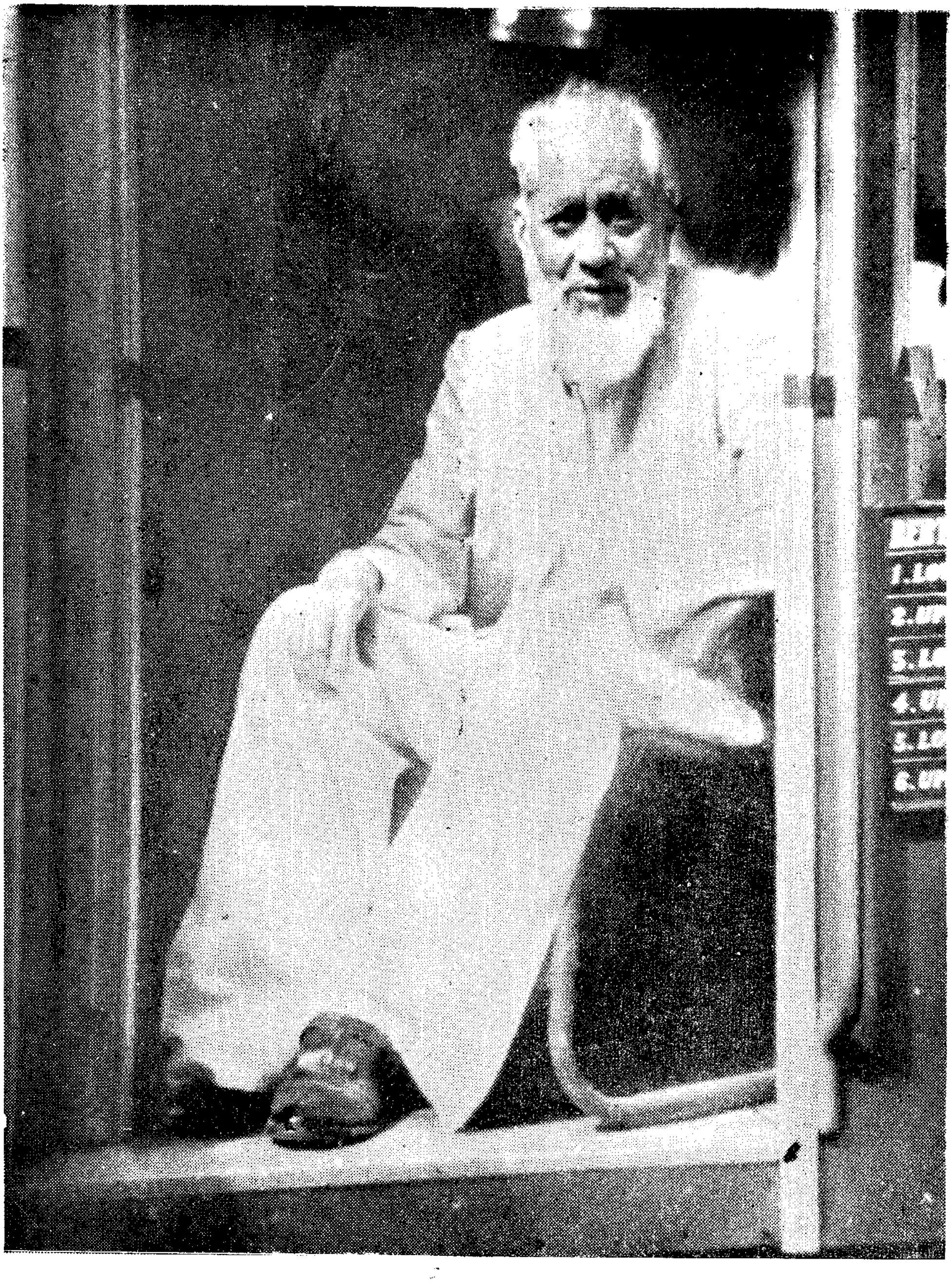

حضرت مولانا محمدؐ علی ۔ ۳۰ رمئی ۵۱؁ء کو آخری بار کراچی تشریف لے جاتے
ہوئے ریل کے ڈبہ میں۔

حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ

سنہ ۱۹۱۱ء میں

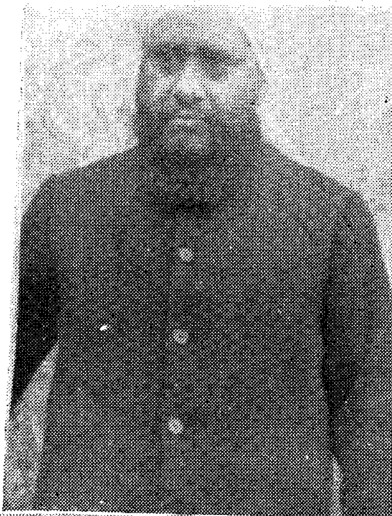

ت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ

سنہ ۱۹۱۷ء میں

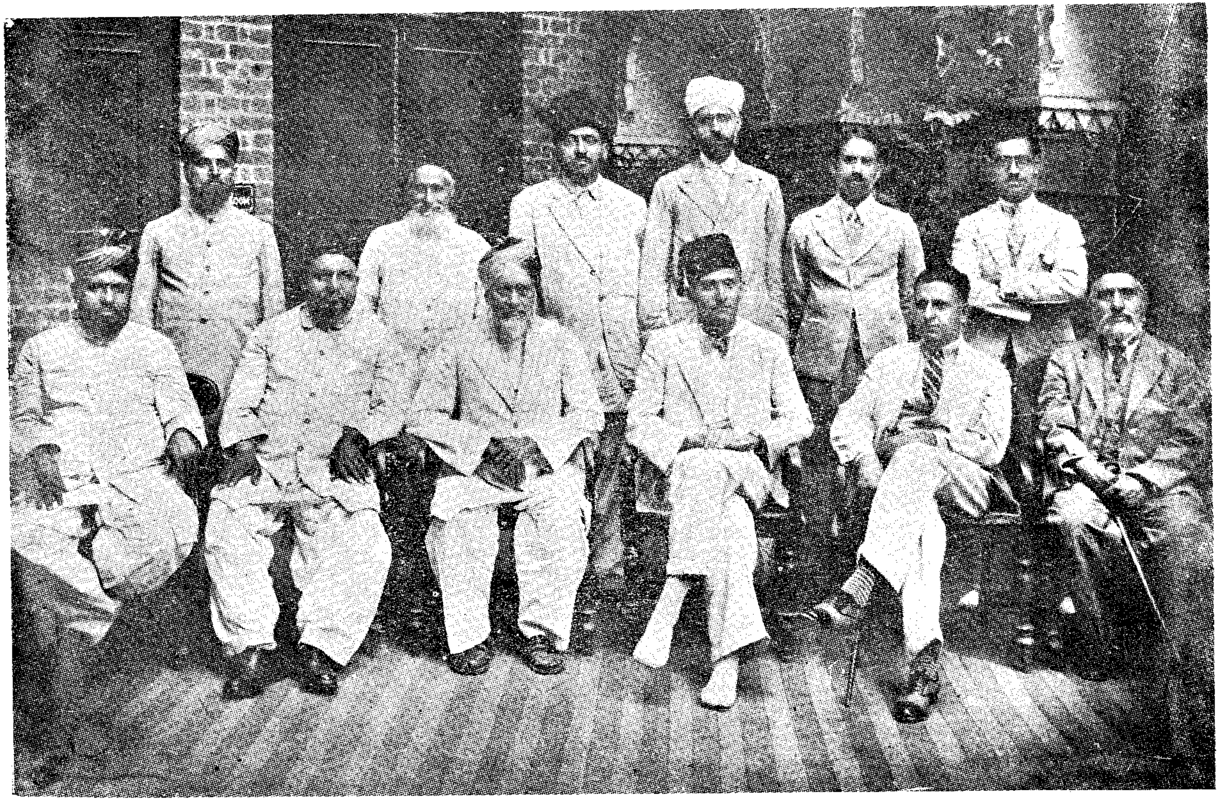

دائیں سے بائیں :۔ (ایستادہ) شیخ ایزد بخش صاحب - ڈاکٹر غلام محمدؐ صاحب - سیّد امجد علی شاہ صاحب -
سید غلام مصطفٰے شاہ صاحب - مولانا عزیز بخش صاحب (برادر کلاں حضرت مولانا محمدؐ علی) ، چودھری محمدؐ منظور الٰہی صاحب ،
دائیں سے بائیں :۔ (کرسیوں پر) ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب - مسٹر خالد لطیف گابا - بیرن عمر الف ایرنفلز -
مولانا محمدؐ علی صاحب [illegible]

حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمہ (بعمر ۲۵ سال)

— "ڈلہوزی میں شام کی سیر" —

ڈاکٹر بشارت احمدؐ صاحب — مولانا محمدؐ علی صاحب، ۱۹۳۵ء میں

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السّلام
مسیح موعود، مہدیٔ موعود ، مجدّد صدی چہاردہم

حضرت مولانا نور الدین علیہ الرحمتہ

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں" ——— الہام حضرت مسیح موعودؑ

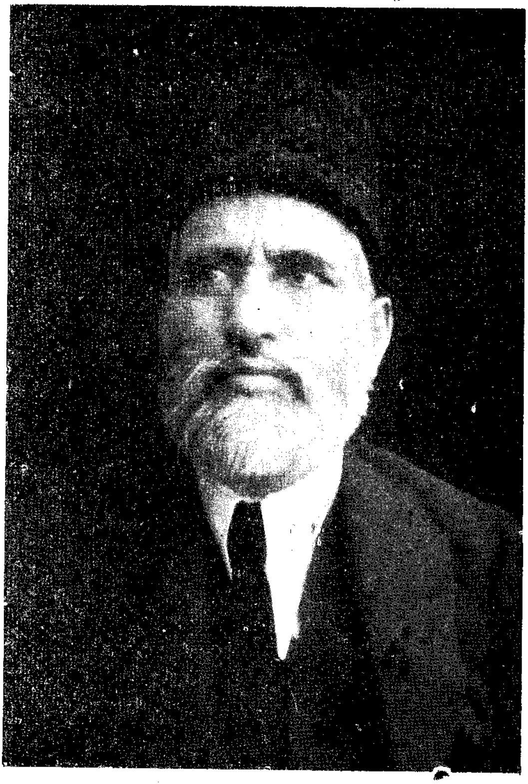

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ

خواجہ کمال الدینؒ

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہؒ

شیخ رحمت اللہؒ